جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا

سیاستِ معاویہ و یزید

حصہ دوم

بجواب

خلافتِ معاویہ و یزید (محمود احمد عباسی)

جس میں محمود احمد عباسی کے خارجیانہ اندازِ فکر کا مکمل و مدلل جواب قرآن و احادیث اور مسلماتِ تاریخ کی روشنی میں پیش کیا گیا ہے

عمدۃ المحققین سید منظور حسین بخاری اجنالہ ضلع سرگودھا

مؤلف:- توثیقِ فدک ــــ تاریخ اسلام کا تاریک دور ــــ عبداللہ بن سبا

ناشر

مکتبۃ الناصرین بازار دوست پورہ لاہور

اشاعت ——— اوّل

تعداد ——— ایک ہزار

طباعت ——— تعلیمی پریس لاہور

ضخامت ——— ۸۰۰ صفحات

کتابت ——— سید وزیر حسین شیرازی سرگودھا

قیمت ——— قسم اوّل، مجلّد چھ روپے غیر مجلّد پانچ روپے

〃 ——— قسم دوم، مجلّد پانچ روپے غیر مجلّد چار روپے

ناشر ——— مکتبۃ الناصرین بازار وسن پورہ لاہور

تقریظ

حجۃ الاسلام حضرت مولانا مفتی جعفر حسین صاحب قبلہ مدظلہ العالی مجتہد العصر گوجرانوالہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد لاھلہ والصلوٰۃ علی اھلہا۔

آج سے چند سال قبل خلافت معاویہ ویزید نامی ایک کتاب شائع ہوئی تھی جس میں صرف معاویہ و یزید کی خلافت کے حق بجانب ہونے ہی پر زور صرف نہیں کیا گیا بلکہ آل رسولؐ کی واضح الفاظ میں تنقیص و مذمت کی گئی تھی اس لئے شیعہ سنی دونوں کی طرف سے اس کے خلاف آواز بلند ہوئی۔ اور دونوں فرقوں کے اہل قلم نے اس کے جوابات تحریر کئے جو ہند و پاکستان میں طبع ہو چکے ہیں۔

اس سلسلہ میں جناب مولانا سید منظور حسین صاحب بخاری دام عزہٗ نے بھی توجہ فرمائی اور اس کا ایک جامع و مسکت جواب "سیاست معاویہ و یزید" کے نام سے تحریر فرمایا جس میں مصنف "خلافت معاویہ و یزید" کی دسیسہ کاریوں اور تضاد بیانیوں کا پردہ جس حسن و خوبی سے چاک کیا ہے وہ قابل تحسین ہے۔ انداز تحریر شگفتہ، طرز بیان سادہ، زبان عام فہم اور طریق استدلال دلکش ہے مناظرانہ الجھاؤ سے بچ کر صحیح تاریخ اسلام کی روشنی میں معاویہ و یزید کے کردار پر روشنی ڈالی ہے۔

کتاب کی ترتیب و تالیف مؤلف کی محنت و عرق ریزی اور حسن ذوق کی آئینہ دار ہے خداوند عالم موصوف کے توفیقات میں ازدیاد فرمائے اور انہیں حق کی تائید و حمایت کے لئے سرگرم عمل رکھے۔

احقر
جعفر حسین
گوجرانوالہ

حاصلِ عمر نثارِ رہِ یارے کردم
شادم از زندگیٔ خویش کہ کارے کردم

میں اپنی یہ حقیر

پیشکش

اس بارگاہِ سرکارِ شہادت میں پیش کرتا ہوں

- جس نے اپنی تمام قربانیاں راہِ حق میں محض اس لیے پیش کیں کہ دینِ اسلام تا قیامت درخشندہ ہے
- جس نے صحیح خلافتِ اسلامیہ کی نمائندگی کر کے قصرِ ملوکیت کو پیوستِ خاک کر دیا
- جس نے سب کچھ راہِ حق میں دے کر مسلمانوں کو یہ سبق دیا کہ سچا مسلمان طاغوتی قوتوں کے سامنے کبھی سر نہیں جھکا سکتا۔

منظور بخاری

معراجِ شہادت

ذیل کا گرانقدر علمی اور استدلالی مقالہ جناب خان بہادر سید خیرات احمد صاحب وکیل کے ذہن عالی کی کاوش کا نتیجہ ہے۔ چونکہ اس فاضلانہ مضمون میں عباسی ایسے تمام معترضین کے خرافات کا شافی و کافی جواب موجود ہے۔ اس لئے ہم بطور دیباچہ کتاب بعینہ اس مضمون کو پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہے ہیں۔ (مؤلف)

اعتراض۔ بعض لوگ جناب امام حسین علیہ السلام پر یہ اعتراض کرتے ہیں کہ حضرت نے دیدہ و دانستہ اپنے کو ہلاکت میں ڈالا اور اس لئے نعوذ باللہ حکم خدا لاتلقوا بایدیکم الی التہلکۃ کی نافرمانی کی۔ اور بعض کہتے ہیں۔ کہ آپ بطمع خلافت کوفہ گئے اور وہاں فوج مخالفین میں گھر گئے۔ اور نعوذ باللہ اپنی سزائے اعمال کو پہنچے۔

جواب۔ سبحان اللہ! جناب امام حسین علیہ السلام کی شان پاک ہے کہ دشمنان کتنا ہی خاک اُن کے نور پاک پر ڈالیں۔ حضرت کا نور چمکتا ہی جائے گا۔ آپ انہیں اعتراضات کے جواب سنئے کہ حضرت نے ازابتدا تاانتہا حکم حاکم حقیقی اور رضائے پروردگار عالم کا اس قدر خیال فرمایا ہے۔ کہ طاقت بشری سے باہر ہے۔ اور اس میں قیل وقال کی کہیں جگہ باقی نہیں ہے۔ پہلے اعتراض کی نسبت ذرا واقعات پر غور کیجئے بکمال اختصار عرض کرتا ہوں۔

یعنی جب یزید بماہ رجب ۶۰ھ شام میں تخت پر بیٹھا تو اُس نے حاکم مدینہ کو لکھا کہ حسینؑ بن علیؑ سے میری بیعت لو اور اگر وہ بیعت نہ کریں تو اُن کا سر کاٹ کر بھجدو۔ تواریخ سے ثابت ہے جس سے کوئی انکار نہیں کر سکتا۔ بعد شہادت حضرت علی و حضرت امام حسن علیہما السلام کے امیر معاویہ تمام ملک شام و حجاز، و کوفہ و عراق، موصل کے بادشاہ ہو گئے تھے۔ تمام اُن کا عمل بیٹھ گیا تھا۔ اور ہر جگہ اُن کا سکہ و خطبہ جاری تھا۔ اور بعد انتقال حضرت امام حسن علیہ السلام کے

دس برس میں سلطنت ان کی کمال مستحکم ہو گئی تھی۔اس لئے جب یزید تخت پر بیٹھا تو ساری سلطنت اس کے ہاتھ آئی۔سب ملک اُس کا، لشکر اُس کا خزانہ اُس کا ہو گیا۔ اور ہر صوبہ کے گورنر اُس کے ماتحت ہو گئے۔ایسی حالت میں کوئی شک نہیں کہ بیعت سے انکار کرنے کی حالت میں حضرت امام حسینؓ کی جان بلکہ سارے کنبہ کی جان معرض ہلاکت میں پڑ جاتی۔اس لئے ظاہر ہے کہ اس وقت مدینہ حضرتؑ کے لئے محل خوف ہو گیا تھا۔

لیکن مکہ معظمہ وہ جگہ ہے جہاں بحکم شریعت پشہ کو ستانے کا حکم نہیں ہے۔اس خیال سے حضرت نے پناہ حاصل کرنے کے لئے اپنے اعتقاد کے موافق مدینہ سے مکہ کی طرف ہجرت فرمائی۔حضرت نے مدینہ سے مع فرزندان و عزیزان و اہل بیت طاہرین علیہم السلام کے جو مکہ کی طرف ہجرت فرمائی تو کوئی شک نہیں کہ آپ محل ہلاکت سے محل امن کی طرف گئے۔اس لئے یہ الزام کہ حضرت نے اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالا بشرع بسم اللہ ہی غلط بلکہ قضیہ برعکس ہو جاتا ہے۔

پھر خیال کیجئے کہ جب مکہ میں آپ پہنچے۔تو حج کا زمانہ آگیا۔آپکو خبر ملی کہ فوج یزید شام سے حاجیوں کے بھیس میں آئی ہے۔اور ان کا ارادہ ہے کہ حضرتؑ کو عین حرم پاک میں گرفتار کرے۔یا قتل کرے۔یزید کو جس قدر پاس شریعت تھا۔ظاہر ہے۔اس لئے اس خبر کو باور نہ کرنے کی حضرت کو کوئی وجہ نہ تھی۔آپ نے خیال فرمایا کہ اگر حرم اقدس میں میری ایسی بے حرمتی یا خونریزی ہو گی۔تو حرم اقدس کا بڑا استخفاف ہوگا اور بڑی توہین ہو گی۔بہتر ہے کہ کوفہ چلوں جہاں کے لوگ میرے لئے تمنائیں کر رہے ہیں۔یہاں بھی اندک غور سے واضح ہو گا۔کہ اب اس وقت مکہ معظمہ حضرت امام حسین علیہ السلام کے لئے محل خوف ہو گیا تھا۔اور کوفہ محل امن سمجھا گیا تھا۔مگر چونکہ کوفیوں پر آپ کو بھروسا نہ تھا۔اس لئے آپ نے پہلے اپنے چچا زاد بھائی مسلم علیہ السلام کو اس طرف بھیجا۔اور پھر خود روانہ ہوئے۔اس وقت بھی کوئی شخص یہ نہیں کہہ سکتا کہ حضرت نے اپنے کو ہلاکت میں ڈالا۔بلکہ ہر منصف مزاج یہ کہے گا کہ اس وقت بھی آپ محل ہلاکت سے محل امن کی طرف گئے۔بعد اس کے رفتہ رفتہ آپ نواح عراق میں پہنچ گئے۔اور حضرت حر علیہ السلام اور اُن کے لشکر سے جن کو ابن زیاد گورنر کوفہ نے حضرت کی راہ روکنے کے لئے

بھیجا تھا ملاقات ہوئی۔

حضرت حرؓ نے کہا کہ سارا کوفہ آپ کے خلاف ہو گیا۔ اب کوئی آپ کا معین و مددگار نہیں ہے۔ آپ کے بھائی مسلم علیہ السلام عالم غربت میں شہید ہوئے۔ اُن کے دو معصوم بچے نہایت بے رحمی سے قتل کئے گئے۔ شام سے فوج پر فوج آ رہی ہے۔ اور ابن زیاد کا حکم ہے کہ حسینؑ ابن علیؑ جہاں ملیں۔ اُن کو گرفتار کرو۔ یا قتل کرو۔ حضرت حرؓ کا قلب پاک نور ایمان سے بھرا ہوا تھا۔ اس وقت فوج مخالف میں تھے۔ مگر تولائے اہل بیت دل میں چٹکیاں لے رہی تھی۔ اس لئے رائے دی کہ اب حضور کا کوفہ جانا مصلحت نہیں ہے۔ اور مدینہ واپس جانے کا حکم نہیں ہے۔ اس لئے بہتر ہے کہ حضور کسی دوسری طرف تشریف لیجائیں۔ حضرت نے اس رائے کو پسند کیا۔ اور کوفہ سے عنان عزیمت موڑی۔ اور شب کے وقت کوچ کیا۔ کہ جدھر اللہ لے چلے اُدھر متوکل بخدا چلے چلو۔

یہاں بھی غور کیجئے کہ حضرت نے حفاظت جان کی بڑی کوشش کی اور محل خوف یعنی کوفہ کی طرف رخ نہ کیا اور نئی راہ اختیار کی۔ آخری تیسری محرم کو زمین کربلا پر پہنچ گئے۔ لیکن ہزار افسوس کہ یہاں تعاقب میں ابن زیاد کی فوج پہنچ گئی۔ اور آخر افواج کوفہ و شام کی اس قدر کثرت ہوئی کہ حضرت بالکل محاصرہ میں آ گئے۔ اور اب آپ کو کسی طرف جانے کی اجازت یا مہلت نہ ملی۔

اب غور کیجئے کہ از ابتدا تا انتہا جناب امام حسین علیہ السلام نے جان بچانے کی انتہائی کوشش کی یا نہیں، اور جہاں ذرا بھی خوف ہلاکت یا خونریزی پایا گیا۔ وہاں سے کوچ کر کے محل امن کی طرف روانہ ہوئے یا نہیں؛ پس باوجود ایسی کوشش بلیغ حفاظت جان کے آپ پر یہ الزام دینا کہ آپ نے اپنے کو ہلاکت میں ڈالا کس قدر لغو اور بے بنیاد ہے۔ حق یہ ہے کہ جناب امام حسین علیہ السلام کی شان عالی انتہائے قیاس سے اعلیٰ ہے یعنی حضرت نے جو کام کیا ہے اُس کو انتہا کر کے دکھلایا ہے۔ جہاں حفاظت جان کی کوشش کی شرعاً ضرورت تھی وہاں ایسی کوشش فرمائی۔ کہ جس سے بڑھ کر کوشش ممکن نہیں اور جہاں پروردگار عالم سے راضی برضا رہنے کا وقت آیا وہاں ایسے صبر و استقلال سے کام روائی کی کہ دنیا کی تواریخ میں اس کا جواب نہیں میں دعوے سے کہتا ہوں جس صبر و استقلال سے حضرت سید الشہدا علیہ السلام

نے عالم غربت میں اپنے بیٹے، بھائی بھتیجے، بھانجے کی شہادت گوارا فرما کر خود شربت شہادت نوش فرمایا ہے۔ اُس کے مقابل میں کوئی واقعہ کسی مذہب و ملت کا پیش نہیں کیا جا سکتا۔ اس لئے اب میں اعتراض کا جواب شروع کرتا ہوں۔

وہ کون سی بات تھی جس نے حضرت سید الشہدا علیہ السلام کو مصائب میں اس قدر اس قدر مستقل رکھا۔ اور وہ کون سی شے عزیز تر آپ کے سامنے جلوۂ ظہور دکھاتی تھی جس کے مقابلہ میں آپ اپنے عزیزوں اور نور دیدگان کے تلف ہونے کو دھیان میں نہ لائے؟

المختصر یہ تو آپ سن چکے کہ جب یزید تخت پر بیٹھا تو اُس نے امام حسین علیہ السلام سے بجبر بیعت لینے کا حکم صادر کیا جن الفاظ میں اس کی بیعت لی جاتی تھی۔ اُن کو شاہ عبد الحق صاحب محدث دہلوی رسالۂ تکمیل الایمان میں یوں لکھتے ہیں۔ کہ بیعت کرنے والوں سے اقرار لیا جاتا تھا" یزید چاہے ہم کو مثل غلاموں کے سر بازار فروخت کرے۔ یا آزاد رکھے، خدا کی عبادت کا حکم دے، یا اس سے روک دے۔ دیکھو فلسفۂ شہادت ص۹ اعمال و افعال اس کے ایسے قبیح تھے۔ کہ جس کی تصریح میں طبیعت کو نفرت اور کراہت ہوتی ہے مختصر یہ کہ شریعت میں جتنے امور حرام ہیں۔ وہ اُس کے حکم سے حلال ہو گئے اور کل احکام خدا اور رسولؐ طاقِ نسیان پر رکھ دیئے گئے۔ زنا محصنہ، لواطہ، شراب خوری، قمار بازی، وغیرہ گناہان کبیرہ اس کی شریعت سے شیب ندار دین میں داخل ہو گئے۔

ایسا فاسق فاجر شخص، امام زمان، فرزند رسولؐ، سید شباب اہل الجنۃ سے بیعت کا خواستگار ہے۔ حضرت نے خیال فرمایا کہ ایسے مرتد کی بیعت منہیات کی رغبت دلانا بلکہ اُس کی حمایت کرنا ہے اس میں اسلام کا خونِ ناحق ہے یعنی جس اسلام کو آپ کے جد بزرگوار نے سخت مصائب اور کڑیاں جھیل کر قائم کیا تھا۔ اس کو بیخ و بُن سے اکھاڑ پھینکنا اور قوم کو ایام جاہلیت سے بھی زیادہ جاہل، شقی، مرتد، بیدین بنانا ہے۔ اس لئے آپ نے بیعت سے صاف انکار کیا لیکن چونکہ انکار میں خوف جان و عزت و آبرو سب کچھ تھا اس لئے حتی الامکان اپنی جان اور اپنے عزیزوں کو اعدائے دین کے شر سے بچاتے رہے۔ اور ایک شہر سے دوسرے شہر لئے پھرے۔ جیسا میں ابھی کہہ چکا ہوں لیکن جب اتفاقات زمانہ سے اعدائے دین کے بالکل محاصرہ

میں آ گئے اور کوئی راہ امان کی نہ ملی۔ تب ہر طرح کی صعوبت اور شدت اور تکلیف اور ایذا گوارا کی۔ لیکن بیعت یزید سے ہمیشہ کارہ اور متنفر رہے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا۔ کہ سب عزیز و اقارب کٹ گئے بیٹے، بھائی بھتیجے، بھانجے فدیۂ راہ خدا ہوئے۔ حضرت علی اکبر کو برچھی لگی۔ حضرت عباسؑ کے شانے قلم ہوئے۔ حضرت علی اصغر کے گلوئے نازنین پر تیر ستم لگا۔ آپ خود نہایت بیکسی سے شہید ہوئے۔ خیمہ مبارک لوٹا گیا۔ اس میں آگ لگائی گئی۔ حضرت سید الساجدین قید ہوئے۔ اہلبیتؑ دیار بدیار پھرائے گئے۔ دربار وں میں ان کا جائزہ لیا گیا۔ یہاں تک کہ خاندان بنی ہاشم ایسا اجڑا کہ پھر نہ آباد ہوا۔ مگر بیعت یزید نہ کی۔

کیا امام حسین علیہ السلام نے کربلا کی کارروائی بطمع خلافت کی تھی؟

اب میں جملہ مذاہب شیعہ و سنی، ہندو، نصاری، یہودی، بدھ، برہمو۔ وغیرہ کے عقلاء اور اہل الرائے سے مشورہ طلب ہوں۔ سب غور فرمائیں کہ وہ کونسی شئے عزیز تھی، کہ جس کے مقابلہ میں حضرت سید الشہداؑ نے ایسے داغ اپنے عزیزوں کے گوارا کئے۔ اور وہ کونسی بات تھی جس کے مقابلہ حضرت اپنے خاندان کے تباہ و برباد ہونے کو مطلق دھیان میں نہ لائے۔ یاد رکھنا چاہئے کہ ان کل مصائب کا ٹال دینا حضرت کے اختیار میں تھا یعنی اگر آپ یزید کی بیعت کر لیتے تو کچھ نہ ہوتا۔

اس کے جواب میں معاندین تو بے شک یہی بول اٹھیں گے کہ حضرت نے بطمع خلافت یہ کارروائی کی۔ لیکن میں کہتا ہوں کہ اگر آپ کو طمع خلافت ہوتی۔ تو مدینہ سے سیدھے کوفہ چلے جانے کی کوئی ضرورت نہ تھی۔ کیونکہ نقشہ عرب دیکھنے سے معلوم ہوگا کہ مدینہ سے مکہ چوبیس دن کی راہ پر بجانب جنوب واقع ہے۔ اور کوفہ مدینہ سے بھی بجانب شمال ہے۔ اس لئے مکہ سے جانب شمال مائل بشرق ڈیڑھ مہینہ کی راہ پر واقع ہے۔ اس لئے بحالت طمع خلافت ان کا چوبیس دن تک بجانب جنوب تشریف لے جانا بعدہ جنوب سے شمال کی جانب پھر لوٹنا اور ایک مہینے کے قریب دھاوے کا سفر کرنا بالکل بیکار معلوم ہوتا ہے۔

غور کیجئے کہ اگر لکھنؤ کے کسی شخص کو دارجلنگ میں کوئی اہم کام پیش ہو تو وہ سیدھا لکھنؤ سے دارجلنگ

چلا جائے گا۔ لکھنؤ سے حیدر آباد اور پھر حیدر آباد سے دارجلنگ کیوں جانے لگا۔

اس سے صاف ظاہر ہے کہ حضرت ایک شہر سے دوسرے شہر صرف بنظرِ حفاظت جان دخوف بیعت یزید کے جاتے تھے۔ سوائے اس کے اور کوئی دوسرا مقصد نہ تھا۔ اگر بطمع خلافت جاتے تو سیدھے مدینہ سے کوفہ تشریف لے جاتے۔ مدینہ سے مکہ اور مکے سے کوفہ پھیر کھا کر جانے کی کوئی ضرورت نہ تھی۔

علاوہ اس کے اس خیال فاسد کا (یعنی حضرت کو طمع خلافت ہونے کا) وہیں پر خاتمہ ہو جاتا ہے۔ جب حضرت حر علیہ السلام سے آپکو ملاقات ہوئی۔ اور معلوم ہوا کہ سارا کوفہ مخالفت پر کمر باندھے ہوئے ہے۔ حضرت مسلمؑ شہید ہو گئے۔ ان کے دو معصوم بچے بیرحمی سے قتل کئے گئے۔ اب اس کے بعد آپ کس بھروسے پر خلافت کی طمع کرتے یا کوفہ کی طرف جاتے۔ چنانچہ کوفہ نہ گئے۔ بلکہ متوکل بخدا جہاں خدا لے جائے۔ اُدھر چلے۔ اور آخر جاتے جاتے میدان کربلا میں پہنچ گئے۔ اور فوج کثیر کے محاصرے میں آ گئے۔ اس کے بعد تو جتنی کارروائیاں حضور نے نہایت صبر و استقلال سے کیں اور سخت ترین مصائب برداشت کئے۔ ان کو تو کوئی عاقل بطمع خلافت کرنے کا گمان تک نہیں کر سکتا بلکہ اگر آپ کو طمع خلافت ہوتی۔ تو آپ فوراً یزید کی بیعت کر لیتے۔ کیونکہ اس حالت میں یقین کے ساتھ امید کی جا سکتی تھی۔ کہ یزید آپ کو کوفہ یا مدینہ کا حاکم مقرر دیتا۔ اس لئے اب اس بات میں کوئی شک نہیں رہتا کہ حضرت امام حسینؑ نے کربلا کی کارروائی ہرگز ہرگز بطمع خلافت نہیں کی تھی۔

کیا امام حسین علیہ السلام ایک ضدی شخص تھے۔ کہ اپنی ضد میں آپ نے اپنا اور دوسروں کا ضرر کیا؟

لیکن اگر کوئی مخالف یہ کہے کہ نعوذ باللہ امام حسین علیہ السلام ایک ضدی شخص تھے۔ کہ اپنی ہٹ دھرمی سے خود ہی تباہ ہوئے اور دوسروں کو بھی تباہ کیا۔ تو اندک غور سے یہ اعتراض بھی محض غلط اور تمامتر باطل ٹھہرتا ہے۔ کیونکہ ضدی، سڑی، سودائی اس بیوقوف شخص کو کہتے ہیں۔ جو کسی کی بات نہ سنے اور نہ کسی کا کہنا مانے اور نہ اپنی کہے اور نہ اپنے دعوے کی دلیل پیش کرے۔ بلکہ محض اپنی ضد میں اپنا ضرر کرے اور دوسروں کو ضرر پہنچادے۔ امام حسین علیہ السلام ایسے ہرگز نہ تھے۔ آپ ہر شخص کی باتوں کو

بغور سنتے تھے۔ اور ہر نیک و بد کو میزان میں تولتے تھے۔ اور جو صلاح نیک ملتی تھی۔ اس کو اختیار کرتے تھے۔ اور جس بات کا خود دعوے کرتے تھے۔ اس کی برابر معقول دلیل دے کر سب کو قائل کرتے تھے۔

اس کو خوب یاد رکھنا چاہیئے کہ فرزندان اور عزیزان اہل بیت آپ کے آپ کو نہایت ہی عزیز تھے۔ ہر شخص آپ کی آنکھوں کا تارا اور جگر کا ٹکڑا تھا۔ آپ نے اپنے بچوں کی حفاظت میں کوئی دقیقہ کوشش کا اٹھا نہیں رکھا اور جہاں ذرا خوفِ جان یا فساد کا احتمال ہوا۔ وہاں سے فوراً عزیزوں کو ساتھ لے کر نکل گئے۔

مدینہ سے نکل جانا آپ کا کسی کے خلاف نہ تھا۔ بلکہ ہر شخص حضرت کے اعزہ و اقارب کی جان کی حفاظت اسی میں سمجھتا تھا۔ لیکن جب آپ نے مکہ سے کوفہ کا قصد کیا تو اکثر لوگ مزاحم ہوئے حضرت عبداللہ بن عمر یعنی حضرت خلیفہ ثانی کے بیٹے نے کہا۔ کہ مصلحت یہ ہے کہ آپ یزید کی بیعت کر لیجئے۔ اور پھر چین سے مدینے میں قیام کیجئے۔ دیکھو تاریخ اعثم کوفی چھاپہ دلی مطبع یوسفی صفحہ ۳۵۲۔ جناب امام حسین علیہ السلام نے فرمایا بھائی یہ کیا کہتے ہو۔ میں ہرگز یزید کی بیعت نہ کروں گا۔ میں اپنے نانا رسول خدا کی سنت اور اپنے باپ حضرت علی مرتضیٰ کی خصلت پر رہوں گا۔ اس فرمانے سے مقصد آپ کا یہ تھا۔ کہ اگر میں یزید کی بیعت کر لوں۔ تو پھر اسلام کا کہاں ٹھکانا رہے گا۔ تو کیا آپ چاہتے ہیں۔ کہ جس اسلام کو میرے جد بزرگوار نے پیٹ پر پتھر باندھ کر پالا پرورش کیا ہے۔ اس کو میں اپنے ہاتھوں سے کھو دوں۔ جس اسلام کو میرے پدر عالی مقدار نے اپنا سر ہتھیلی پر رکھ کر پھیلایا ہے اس کو میں خود اپنی کارروائی سے ڈبو دوں؟

حضرت عبداللہ ابن عمر مرد معقول تھے۔ مان گئے اور قائل ہو گئے۔

اس کے بعد حضرت محمد حنفیہ نے جو آپ کے سوتیلے بھائی تھے منع کیا۔ اور کہا کہ کوفی بے اعتبار ہوتے ہیں۔ ان کے قول و فعل کا کچھ ٹھکانا نہیں۔ اُدھر آپ تشریف نہ لے جائیے اس طرح

جانے میں احتمال ضرر ہے۔ آپ نے فرمایا کہ اگر کوفہ جانے میں احتمال ضرر ہے۔ تو یہاں میں کس امن کی جگہ میں ہوں۔ کوفہ کی تو ابھی تک کوئی بات خلاف معلوم نہیں ہوئی ہے۔ لیکن یہاں تو لوگ حاجیوں کے بھیس میں میرے قتل کے لئے جمع ہوئے ہیں۔ تو کیا تم چاہتے ہو۔ کہ مکہ معظمہ میدان جنگ اور خانہ کعبہ مقتل سادات بنی فاطمہ بن جائے۔ اس سے تو ہزار درجہ بہتر یہی ہے کہ میں متوکل بخدا کوفہ کی طرف جاؤں۔ اور وہاں جو مشیت پروردگار عالم ہو۔ اس پر راضی برضا ہوں۔ اس سے اتنا تو ہوگا۔ کہ حرمت حرم محترم خانہ کعبہ کی برباد نہ ہوگی۔ محمد حنفیہ اس کو مان کر کہنے لگے۔ کہ اچھا آپ خود تشریف لے جائیے۔ لیکن حرم محترم کو ساتھ نہ لے جائیے۔ چونکہ حضرت محمد حنفیہ کے بھائی تھے۔ اس لئے آپ کو مجبوری ہوئی۔ کہ اپنے دردمند بھائی کو ایک سرخفی سے بھی آگاہ کردیں۔ اس لئے حضرت نے فرمایا۔ کہ بھائی اس میں میں مجبور ہوں۔ نانا صلعم کا بھی حکم ہے۔

یہ تو سرخفی تھا۔ لیکن میں کہتا ہوں۔ کہ باسباب ظاہر بھی غالباً کوئی عاقل اس سے اختلاف نہ کرے گا۔ جیسا مدینہ اور مکہ دونوں آپ کے لئے محل خوف ہو گیا۔ تو حضرت کا مع اہل بیت طاہرین کے کوفہ کی طرف تشریف لے جانا خلاف مصلحت نہ تھا۔ اگر تنہا جاتے تو عیال و اطفال کو کس پر اور کس امید پر چھوڑ جاتے۔ جتنے فرزندان اور عزیزان حضور کے تھے۔ سب آپ کو بہت پیارے تھے۔ ان کو آپ اس محل خوف میں چھوڑ نہیں سکتے تھے۔ اور وہ لوگ حضور کو تنہا کہیں جانے دیتے۔ چنانچہ سب کے سب ساتھ ہوئے۔ صرف حضرت عبد اللہ شوہر حضرت زینب علیہا السلام اور حضرت محمد حنفیہ بوجہ علالت کے ساتھ نہ ہوئے۔ اس کے سوا تو سارا کنبہ آپ کے ساتھ تھا۔ اور آئندہ جو کچھ ہوا۔ اس وقت تو آپ کے ساتھ ایک بہادر فوج بھی ہمراہ تھی۔ تب ایسے قافلے کو چھوڑ کر اہل و عیال کو دو علیل بھائی کی حفاظت میں چھوڑنا اور خود مدینے سے ہجرت فرمانا ہرگز مصلحت وقت کے موافق نہ تھا۔ اس لئے محمد حنفیہ بھی راضی ہو گئے۔

پھر دیکھئے کہ جب حضرت حر علیہ السلام نے بعد ردو بدل کے شب کے وقت تخلیہ کی ملاقات کی تو حضرت امام علیہ السلام سے کہا۔ کہ یا حضرت میرا سارا لشکر سوتا ہے۔ آپ اسی وقت کوچ

کر جائیے۔ کہ جس میں اعدا کے شر سے نجات ملے۔ آپ نے فوراً اس رائے کو قبول کر لیا۔ اور اسی وقت حضرت عباس کو کوچ کا حکم دیا۔ اور خیمہ اکھڑ گیا۔

آخر آخری وقت تک معرکۂ کربلا میں آپ نے عمر بن سعد کو بار بار کہا اور متواتر خطاب ارشاد فرماتے۔

کہ اگر تم لوگ ہماری جان اور ہمارے عزیزوں کی جان کی امان دو۔ تو ہم تمہارا ملک چھوڑنے کے لئے تیار ہیں۔ ہم وعدہ کرتے ہیں کہ ہم نہ مکہ جائیں گے۔ نہ مدینہ جائیں گے نہ کوفہ جائیں گے۔ ہم یمن یا دیار ہند کی طرف چلے جائیں۔ جس میں تم کو میری طرف سے کسی قسم کے ضرر کا گمان نہ ہو۔

اب آپ فرمائیے کہ اس سے زیادہ جناب امام حسین علیہ السلام اور کیا کہتے یا کیا کرتے۔ یا کوئی دوسرا عاقل اور فرزانہ شخص کیا کرتا۔

پس ایسے شخص صلح جو، مصلحت بین، صلح جو، امان طلب کو ضدی، ہٹ دھرم وہی کہے گا۔ جو خود سڑی سودائی ہوگا۔

کیا امام حسین علیہ السلام نے کربلا کا معرکۂ عظیمہ صرف فیملی آنر یا بقاء اسلام کے خیال سے اختیار فرمایا تھا

العرض یہ اتہام بھی غلط ثابت ہوتا ہے۔ تب پھر یہ سوال ہوتا ہے۔ کہ اگر حضرت کو طمع خلافت نہ تھی۔ یا ضدی شخص نہ تھے۔ تو کون سی بات آپ کے دل میں ایسی تحریک کرتی تھی۔ جس کے مقابلہ میں آپ نے بیعت یزید کا ننگ گوارا نہ کیا۔

اس جواب میں بعض اہل الرائے کہہ سکتے ہیں کہ حضرت نے فیملی آنر یعنی عزت خاندانی سے ایسا نہ کیا۔ لیکن جہاں تک میں دیکھتا ہوں۔ ساتویں محرم کو یہ بات بھی ختم ہو جاتی ہے۔ ساتویں محرم وہ تاریخ ہے۔ کہ تیس ہزار سے زیادہ لشکر جرار آپ کے مقابلہ کو پہنچ گیا۔ آپ چاروں طرف سے گھرے ہوئے ہیں۔ گھاٹ رک گئے۔ پانی خیمہ میں آنا بند ہو گیا۔

العطش العطش کی ہر طرف پکار ہونے لگی۔ چاروں طرف نیزوں کے بھالے چمک رہے ہیں۔ تابش آفتاب سے خیمہ مبارک دہک رہا ہے۔ ایسی حالت میں اگر آپ صلح کر لیتے۔ تو سابق کی فیملی نظروں کے خلاف نہ ہوتا۔ کیونکہ اس سے بہت کم حالت تھی۔ جب خود حضرت سرور کائنات صلعم نے بمقام حدیبیہ کفار قریش سے صلح فرمائی تھی۔ اس سے کم حالت تھی۔ جب آپ کے والد بزرگوار حضرت علی ابن ابی طالب علیہ السلام نے جنگ صفین میں امیر معاویہ سے صلح کی تھی۔ اس سے بہت کم حالت تھی۔ جب آپ کے برادر عالی مقدار حضرت امام حسن علیہ السلام نے امیر معاویہ سے صلح کی تھی۔ اس لئے اگر آپ صلح کر لیتے تو فیملی آرز کے خلاف نہ ہوتا۔ اس لئے یہ بات حضرت نے مجرد فیملی آرز کے خیال سے اتنا بڑا معرکہ عظیمہ گوارا فرمایا۔ اور اس صبر و استقلال سے اپنا گھر لٹا دیا۔ دلنشین نہیں ہوتی۔ تب دل کو تشویش ہوتی ہے۔ کہ واقعی کیا بات حضرت امام حسین علیہ السلام کے خاطر مبارک میں تحریک کرتی تھی۔ کہ آپ نے سب صعوبتیں گوارا کیں۔ لیکن یزید کی بیعت نہ کی۔

اس کے جواب میں اہل الرائے کہہ سکتے ہیں۔ کہ قیام و استحکام اسلام کے لئے حضرت نے یہ سب صعوبتیں گوارا فرمائیں۔

مجھے اس رائے کے صائب ہونے میں مطلق کلام نہیں۔ لیکن میں جہاں تک خیال کرتا ہوں۔ نویں محرم کی شام سے جو کارروائی حضرت امام حسین علیہ السلام نے فرمائی۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے۔ کہ بقائے اسلام کے علاوہ حضرت نے اپنی ذاتی ترقی اور اعلیٰ ترین مدارج پر فائز ہونے کا اہتمام آغاز فرمایا تھا۔ وہ اس طرح پر کہ حق تعالےٰ نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا ہے:۔

وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْأَمْوَالِ وَالْأَنفُسِ وَالثَّمَرَاتِ وَبَشِّرِ الصَّابِرِينَ الَّذِينَ إِذَا أَصَابَتْهُم

مُصِیْبَۃٌ قَالُوْا اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ اُولٰٓئِکَ عَلَیْہِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّہِمْ وَرَحْمَۃٌ وَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُھْتَدُوْنَ۔

یعنی ہم تمہارا ان پانچ چیزوں میں سے کسی ایک چیز یعنی۔ خوف، بھوک۔ نقصان مال۔ نقصان جان، نقصات ثمرات یعنی اولاد میں امتحان لیں گے۔

قربان ہمت فرزند رسول صلعم کہ آپ نے فرمایا۔ خدایا لبیک۔ یہ تیرا بندہ احقر پانچوں امور میں بیک وقت امتحان دینے کو حاضر ہے۔ حکم آیا بسم اللہ میدان میں آئیے۔ ہمارے فرشتے آپ کے صبر و استقلال کا موازنہ کریں گے

حق تعالے نے اسی آیہ کریمہ میں فرمایا ہے۔ کہ جو میرے خاص بندے صابر ہیں۔ وہ مصیبت پڑنے کے وقت انا اللہ وانا الیہ راجعون کہتے ہیں۔ یعنی خدایا ہم تیرے لئے ہیں۔ اور تیری طرف بازگشت کرنے والے ہیں۔

اس امام جلیل خلاصہ خاندان ابراہیم و اسماعیل نے دل میں خیال کیا کہ فقط زبانی انا للہ وانا الیہ راجعون کہا تو کیا اگر اپنے افعال سے دکھلادوں کہ واقعی ہم لوگ تیرے لئے اے خدا کے لئے ہیں اور تیری طرف واقعی بازگشت کرنے والے ہیں۔ تو البتہ سند ہے

اس اہتمام کے لئے حضرت نے نویں محرم جب ابن سعد نے لڑائی چاہی۔ تو آپ نے ایک شب کی مہلت لی۔ اور جب یہ مہلت منظور ہوئی۔ تو شام کے وقت آپ نے اپنے سب انصار کو ایک جگہ جمع کیا۔ اور فرمایا کہ یہ افواج کوفہ و شام ہمارے سر کے طلب گار ہیں۔ تم سے ان کو کوئی مخاصمہ نہیں۔ اور جس حالت میں میں پہنچ گیا ہوں۔ اب اس سے میری جانبری محال ہے۔ پس تم کیوں میرے لئے اپنی جانیں تلف کرو۔ میں تم کو بخوشی اجازت دیتا ہوں۔ کہ تمہارا جدھر جی چاہے چلے جاؤ۔ بلکہ میں اپنی بیعت تم سے اٹھا لیتا ہوں۔

یہاں پر غور طلب یہ امر ہے۔ کہ اگر مقصد اقصیٰ آپ کا صرف بقاء اسلام ہوتا تو اپنی جماعت کو کم نہ کرتے۔ کیونکہ جس قدر فوج آپ کی زیادہ ہوتی۔ اسی قدر قوت ظاہری آپ کی

زیادہ ہوتی۔ چنانچہ یہ قاعدہ عام اب تک چلا آتا ہے۔ کہ حالت خوف میں سردار لشکر جہاں تک ممکن ہوتا ہے۔ اپنی جماعت کو سمیٹے رہتا ہے۔ بلکہ بھاگنے والوں کو گولی مارنے کا حکم دیتا ہے۔

اس لئے کوئی شک نہیں کہ اس کارروائی سے مقصود افضل حضرت امام حسین علیہ السلام کا یہ تھا۔ کہ اے حسینؑ امتحان تو شروع ہوگیا۔ خوف چھا گیا۔ بھوک پیاس کی شدت شروع ہوگئی۔ اب اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن کی عملی تیاری کرو۔ اس لئے پہلے آپ نے انتخاب ان لوگوں کو کیا جو زمرۂ انا للہ میں داخل ہونے کا شرف پانے والے تھے۔ چنانچہ بہتر بزرگوار ایسے نکلے جنہوں نے بخشوع وخضوع اس مقدس فہرست میں اپنے نام نامی لکھوائے۔ لیکن جن کی قسمت میں یہ شرف نہ تھا۔ وہ لوگ شب عاشورہ ادھر اُدھر چل نکلے۔

الغرض اس طرح پر حضورؑ نے انا للہ والوں کی فہرست تیار کی۔ اور بعدہ انا الیہ راجعون کی تیاری شروع کردی۔ شب بھر حضور اقدس نے عبادتِ خدا میں بسر کی۔ غازیانِ باصفا رضا پروردگار عالم کے حصول کے لئے ایسے بے چین رہے۔ جیسے اطفال خورد سالی بہ شب عید منتظر سحر رہتے ہیں۔ اہلبیت طاہرین علیہم السلام نے اپنے اپنے خیموں میں اپنے اپنے فرزندوں کو سنوارا اور تلقین کی۔ کہ دیکھو کل تمہارے آقا پر حملہ ہوگا۔ ایسا نہ ہو کہ پسپا ہو جاؤ۔ تا شمشیر مخالفین سے ڈر جاؤ۔ یا بھوک پیاس کی شدت سے تڑپنے لگو۔ ان معصوموں نے یقین دلایا۔ کہ اگر ہم اپنے آقا پر جانیں فدا نہ کریں۔ تو آپ دودھ نہ بخشیں۔

الغرض اس تیاری میں شب عاشور کٹ گئی۔ اور صبح شہادت آئی۔ یکے بعد دیگرے غازیان دین سفر آخرت کی راجعا الی اللہ تیاری کرنے لگے۔ ادھر آقا سے رخصت ملی۔ فوراً گھوڑے اٹھا کر شاداں وفرحاں میدان جنگ میں گئے۔ اور کمال بہادری اور جاں بازی دکھا کر رحمت خدا سے جا ملے۔ آخر نوبت عزیزوں کی پہنچی۔ اور وہ بھی رنے لگے گودی میں جنہیں

پالا تھا۔

دو بقیہ پسران حضرت مسلم علیہ السلام شہید ہوئے۔ حضرت امام حسین علیہ السلام راضی رضا رہے۔ پیاری بہن زینبؑ اپنے بیٹوں کو رخصت دلوانے کے لیے حاضر لائیں۔ قلب پر سخت چوٹ پڑتی ہے۔ بہن کی کمائی ہاتھ سے کھوئی نہیں جاتی۔ مگر نہایت صبر و استقلال سے پیارے بھانجے میدان میں بھیج دیئے جاتے ہیں۔ اور جب اُن کی لاشیں آتی ہیں۔ تو صدمہ تو انتہا کا ہوتا ہے۔ مگر جادۂ صبر استقلال سے قدم نہیں ہٹتا۔

اب اس مصیبت کا سامنا ہے۔ کہ تازہ داماد رخصت پر مصر ہے۔ برادر مرحوم کی نشانی ہاتھوں سے جا رہی ہے۔ بیٹی کے رنڈسالہ کا سامان ہو رہا ہے۔ مگر پھر رخصت سے انکار نہیں کیا جاتا۔ خود اپنے تازہ ناشاد نامراد داماد کو گھوڑے پر چڑھاتے ہیں۔ اور جب اُس کی لاش آتی ہے۔ تو خیمۂ مبارک میں کہرام پڑ جاتا ہے۔ مگر حضرت کا استقلال نہیں جاتا۔ اور بالکل راضی برضا ہیں۔

اب یہ وقت آیا کہ برابر کا بھائی جو اشجع الناس تھا۔ اور جس سے ہر شخص کو بڑی تقویت تھی۔ رخصت طلب ہے۔ آپ کی آنکھوں میں دنیا سیاہ معلوم ہوتی ہے۔ مایوسی چاروں طرف سے گھیر لیتی ہے۔ لیکن اپنے قوتِ بازو کو اجازت جنگ دیتے ہیں۔ اور جب وہ جاں نثار بھائی آواز دیتا ہے۔ یا اخی یا مولائی ادرکنی تو آپ کو صدمہ تو ایسا ہوتا ہے کہ کمر خم ہو جاتی ہے۔ طاقتِ رفتار جاتی رہتی ہے۔ اور عالم یاس میں بے چین ہو کر فرماتے ہیں الان ان کسرت ظھری و قلت حیلتی یعنی اب میری کمر شکستہ ہو گئی۔ اور ساری آس ٹوٹ گئی۔

لیکن اس پر بھی جب اُس قوتِ بازو بہادر بھائی کی لاش مبارک پر پہنچتے ہیں۔ تو کمال صبر و استقلال کے ساتھ خالی مشک و علم کو لے کر خیمہ مبارک میں واپس آتے ہیں۔ اور ارادے میں ویسے ہی مستقل رہتے ہیں۔

اس کے بعد اس فخرِ خاندانِ خلیل و اسمٰعیل کے سامنے یہ مرحلہ پیش آیا۔ کہ اٹھارہ برس کا نوجوان بیٹا ہم شکلِ رسولؐ جس کی زیارت سے آنکھیں ٹھنڈی ہوتی تھیں۔ اور رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم یاد آتے تھے۔ رخصت طلب ہے۔ اور اسی میدان میں جانا چاہتا ہے۔ جہاں ابھی تک لاش حضرت عباسؑ غازی علمبردار علیہ السلام سے اشجع الناس کی پڑی ہوئی ہے۔ اس وقت حضرت امام حسین علیہ السلام کے دل پر چوٹ تو ایسی پڑتی ہے۔ کہ تلملا کر گر پڑتے ہیں۔ لیکن ایک ایسی چیز (لقائے رحمتِ پروردگارِ عالم) اپنا جلوۂ ظہور دکھا رہی ہے کہ اس کے پرتو سے آپ حضرت علی اکبر علیہ السلام کے مرگِ شباب کو دھیان میں نہیں لاتے۔ حالانکہ صدمۂ قلبی آپ کو وہ ایسا ہی ہو رہا ہے جیسا کہ ہر بشر کو ہوتا ہے۔ بلکہ اس سے بھی زیادہ۔ چنانچہ منقول ہے کہ قبل شہادت حضرت علی اکبر علیہ السلام آپ کے ریشِ مبارک کے کل بال سیاہ تھے۔ مگر بعد شہادت اس نوجوان فرزند کے زیادہ تر بال سفید ہو گئے لیکن اس پر بھی آپ کے صبر و استقلال میں ذرا فرق نہ آیا۔ اور اپنے لختِ جگر کے سینۂ مبارک سے خود برچھی کا پھل نکالا۔ اور راضی برضا رہے۔ امتحان دینا اس کو کہتے ہیں!!!

/۵۳۶۱

اتنے میں فضہؑ نے آواز دی۔ کہ یا حضرت معصوم علی اصغر پیاس کے مارے دم توڑ رہا ہے۔ خبر لیجئے۔ آپ اس بچے کو ہاتھوں پر میدان میں لائے اور فرمایا۔ کہ میرا بچہ ناقۂ صالحؑ سے کم نہیں ہے۔ ہے کوئی ایسا جو اس معصوم بچے کے حلق خشکیدہ تک تھوڑا پانی پہنچا دے۔ اس کے جواب میں بے رحم حرملہ نے اس بچہ کو آبِ تیر سے سیراب کیا۔ اور وہ بچہ تڑپ کر آپ کی گود میں شہید ہوا۔

اب حضرت یکہ و تنہا رہ گئے۔ اور خود لقائے پروردگارِ عالم اور جوارِ رحمت میں ملنے کے لئے تیار ہوئے۔ عصر کا وقت آ گیا۔ زخموں سے چور چور ہو کر گھوڑے پر ڈگمگاتے ہیں۔ جسم مبارک پر انیس سو (۱۹۰۰) زخم پڑ چکے ہیں۔ تیر بدن میں پیوست ہیں۔ لیکن استقلال وہی ہے۔ بلکہ

غالباً اس خیال سے کہ اے حسینؑ جب اپنے حبیب کے پاس جاتے ہو تو سب امتحان پورا کر لو۔ ذرا چلتے چلتے اپنی پیاری بہنیں اور بیٹیوں کو تو دیکھ لو۔ ایسا نہ ہو کہ کہا جائے کہ اگر اُن کی ایسی صورتیں تمہارے سامنے ہوتیں۔ تو تمہارے دل پر ایسا اثر پڑتا۔ کہ تمہارے استقلال میں فرق آتا"

آپ فوراً درخیمہ پر تشریف لائے۔ اس وقت حضورؑ کے جسم مبارک میں اس قدر تیر پیوست تھے۔ کہ اہل بیت علیہم السلام کو تامل ہوا۔ جب سبھوں نے پہچانا۔ تو سب بیبیاں آکر قدم پاک سے لپٹ گئیں۔ اور آپ کی دختر چار سالہ حضرت سکینہ سینہ سے چمٹ گئی۔ حضرت نے اپنے فرزند علیل کو جگایا۔ اور بعد ودیعت اسرار امامت و احکام شریعت رخصت طلب ہوئے۔ خیمۂ مبارک میں کہرام پڑ گیا۔ اس وقت کا سین بیان سے زیادہ قابلِ خیال ہے آپ نے پہلے حضرت سکینہؑ کو گودی سے اُتار کر حضرت زینب کے حوالہ کیا۔ اور کہا بہن یہ میری بیٹی نازپروردہ ہے۔ اس کی برابر خبر لیتی رہنا۔ بعدہٗ بہت منت کر کے سب بیبیوں سے رخصت ہوئے۔ اور خیمہ سے باہر آکر زبانِ حال یہ فرمایا ؎

یارب یہ ہے سادات کا گھر تیرے حوالے ۔۔۔ رانڈیں ہیں کئی خستہ جگر تیرے حوالے
بیکس کا ہے بیمار پسر تیرے حوالے ۔۔۔ سب ہیں ترے دریا کے گہر تیرے حوالے

عالم ہے کہ غربت میں گرفتار بلا ہوں
میں تیری حمایت میں انہیں چھوڑ چلا ہوں

اب میں ہفت اقلیم کے اہل الرائے سے سوال کرتا ہوں کہ خوب غور کر کے فرمائیں۔ اس وقت امام حسین علیہ السلام کے دل میں کون سی بات تحریک کرتی تھیں۔ کہ اپنے ناموس کو لوگوں کے سہارے چھوڑ کر میدان کی طرف جاتے ہیں۔ اور جس وقت حضور اقدسؑ نے حضرت سکینہؑ کو اپنی آغوشِ مبارک سے اُتارا۔ اس وقت کونسی عزیز ترشے ان کی آنکھوں کے سامنے تھی۔ جس نے حضرت سکینہؑ کی صورت پر پردہ ڈال دیا؟

فقیر کے نزدیک سوائے اس کے اور کوئی بات معلوم نہیں ہوتی۔ کہ اب حضور کو درجۂ وصال ملنے والا ہے۔ اور لقاء رحمت اپنا جلوۂ ظہور دکھارہی ہے۔ اسی وجہ سے اہلِ حرم کی بیکسی اور بے چارگی رجوع قلب میں فرق آنے نہیں دیتی۔

اس درجہ وصال پر فائز ہونے کے لئے زینہ بڑا دشوار گذار تھا۔ لیکن قربان ہمت فرزند رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کہ آپ اس زینے سے بھی باسانی بڑھ گئے۔ اور اہل بیت طاہرین علیہم السلام کو خدا کو سونپ کر میدان میں تشریف لائے۔ اب تو صرف ایک آخر کا زینہ باقی ہے۔ یعنی حضرت گھوڑے سے گرے۔ شمر خنجر بکف آیا سینہ مبارک پر سوار ہوا۔ اس وقت امتِ عاصی کے حق میں دعا کرتے ہوئے حضرت عرشِ اعظم پر پہنچ گئے۔ اور درجۂ وصال سے مشرف ہوکر رحمتِ ایزدی سے مل گئے۔ اور اپنے بے بہا صبر و استقلال سے انا للہ و انا الیہ راجعون کے لغوی معنی پر فائز ہوکر زندۂ جاوید ہوگئے۔ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّاٰلِ مُحَمَّدٍ!

ایسے ہی بزرگواروں کی شان پاک میں حق تعالےٰ نے فرمایا ہے۔ ولا تقولوا لمن یقتل فی سبیل اللہ امواتا بل احیاء ولکن لا تشعرون۔

یعنی جو لوگ راہ خدا میں قتل ہوئے ہیں اُن کو مردہ مت کہو۔ بلکہ وہ زندہ ہیں لیکن تم کو اُن کے دیکھنے کا شعور نہیں۔ اگر اس آیہ کریمہ کے مدارج کے قابل نعوذ باللہ حضرات شہدائے کربلا، نہ سمجھے جائیں۔ تو دنیا کی تواریخ اٹھا کر دیکھ لیجئے۔ کوئی دوسرا شخص اس کا مستحق نہ ملے گا۔

الغرض اس میں کوئی شک نہیں کہ جناب حضرت سید الشہداء علیہ السلام کی ذات بابرکات ایسی ہے کہ قطع نظر اس کے کہ آپ نواسہ رسول برحق کے ہیں۔ اور قطع نظر اس کے کہ آپ امام ابن امام ہیں۔ خود آپ کی سیرت اور آپ کے اعمال ایسے ہیں کہ ہر شخص آپ کو اعلیٰ درجہ کا بشر (Great man) سمجھے گا۔ کیونکہ جو شخص واقعات کربلا کو بنظر غور و

تعمق دیکھے گا۔ وہ عالم اس سے کہ اس کا اپنا مذہب جو کچھ ہو بلا ریب و شک کہے گا۔ حسین بن علی علیہ السلام نے ایسے ایسے مصائب سخت اور جانگزا صرف اس وجہ سے اختیار کئے تھے کہ ان کو اس کا کشف یعنی یقین کامل ہو گیا تھا۔ کہ جو بات میں نے دل میں ٹھان لی ہے۔ اس میں پروردگار عالم کی خوشی ہے۔ یعنی اگر میں یزید کی بیعت کروں۔ تو اسلام بالکل تباہ و برباد ہو جائے گا۔ اور اثر وحدت کا سارا ریاض مٹی میں مل جائے گا۔ لیکن اگر میں یزید کی بیعت نہ کروں تو اسلام قائم رہ جائے گا۔ اور خداوند عالم مجھ سے راضی اور خوشنود ہوگا۔ اور واسطے خوشنودی اور رضائے پروردگار عالم کے سب مصیبتوں اور آفتوں کو صبر و رضا کے ساتھ برداشت کرنا کمال عبودیت ہے۔ اس لئے اس مہم فی سبیل اللہ میں کسی چیز کو حتیٰ کہ اپنے فرزندان اور جگر گوشگان کو بھی جو میرے سرمایہ زندگی ہیں۔ عزیز کرنا نہ چاہیے۔ اس لئے کوئی شک نہیں کہ حضرتؑ نے سب مصائب اور تباہی اور خانہ بربادی صرف واسطے رضا و خوشنودیٔ خلاقِ عالم کے گوارا فرمائے۔ پس جو شخص مجرد حق تعالے جل شانہ کی رضا اور خوشی کے لئے اپنے بھتیجے، بھانجے بھائی کی شہادت گوارا فرما کر خود بعالم غربت بھوکا پیاسا شہید ہو۔ اُس کے مقبول بارگاہ احدیت ہونے میں کس کو کلام ہو سکتا ہے۔

ہاں اگر کوئی مخالف کہہ سکتا ہے۔ تو یہ کہہ سکتا ہے کہ حضرت اپنے خیال ہی میں غلطی پر تھے۔ لیکن اس کی نسبت بھی غالباً کوئی شخص انکار نہ کرے گا۔ کہ یزید کے اعمال و افعال بالکل اسلام بلکہ تہذیب و اخلاق کے ڈبونے والے تھے۔ اس لئے اس کی بیعت کرنے سے اسلام خاک میں مل جاتا اور انسان بہائم ہو جاتے۔ تب یہ خیال ہرگز غلط ہو نہیں سکتا۔ کہ حق تعالے مخرب دینِ اسلام اور مخرب تہذیب و اخلاق کی حمایت کو ہرگز پسند نہیں کرتا۔ اس لئے حضرت سید الشہداء کا یہ کشف (علم و یقین کہ خداوند عالم کی خوشی اسی میں ہے۔ کہ میں یزید کی بیعت نہ کروں۔ اور اسلام کو بے داغ اور بے عیب رکھوں) غلط نہ تھا۔ تب کوئی شک نہیں کہ حضرت امام حسین علیہ السلام نے رضائے

پروردگار عالم کے لئے وہ کام کیا۔ جو آج تک کسی بشر نے نہیں کیا۔ اس لئے آپ بلا
ریب بے شک دنیا کے ایک بڑے شخص
یعنی سید الشہدا ہیں۔ اور ہر قوم اور ملت میں قابل تعظیم ہیں۔
اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّاٰلِ مُحَمَّدٍ

حضرت علیؑ، حضرت امام حسنؑ اور حضرت امام حسینؑ
کے
طرز عمل پر تبصرہ

جو لوگ کہ ان حضرات کے طرز عمل کو سمجھنے کی کوشش نہیں کرتے یا عمداً سمجھنا نہیں چاہتے۔ وہ اکثر یہ اعتراض کرتے ہیں۔ کہ ان تینوں بزرگواروں کے طرز عمل آپس میں متضاد تھے۔ اور ایک اصول پر مبنی نہ تھے۔ حضرت علی نے بیعت نہ کی۔ اور پھر بیعت کر لی۔ حضرت امام حسنؑ نے بیعت نہ کی۔ اور پھر بیعت کر لی۔ حضرت امام حسین علیہ السلام نے بیعت نہ کی۔ یہاں تک کہ جان دے دی۔ وہ اس سے یہ بھی نتیجہ نکالتے ہیں۔ کہ حضرت علیؑ اور امام حسنؑ اپنے اپنے مخالفین یا رقیبوں کو بیعت کے قابل اور حق بجانب سمجھتے تھے۔ تب ہی تو بیعت کر لی۔ یزید واقعی فاسق و فاجر تھا۔ لہٰذا امام حسین علیہ السلام نے بیعت نہ کی۔ اس کے ساتھ ہی وہ یہ بھی کہتے ہیں۔ کہ اگر تقیہ جائز ہوتا۔ تو امام حسینؑ ضرور تقیہ کے طور پر بیعت کر لیتے۔ کیسی کم فہمی کی بحث ہے۔ اگر ذرا بھی غور کرتے تو اس طرح نہ کہتے۔

ان تینوں حضرات کے طرزِ عمل پر غور کرنے میں ایک اصُول کو ہمیشہ مدِ نظر رکھنا چاہیئے۔ وہ یہ کہ ان سب کا مقصدِ حیات اسلام کو فائدہ پہنچانا اور اس کو ضرر سے بچانا تھا۔ یہ ان کو پرواہ نہ تھی۔ کہ ہم تلوار اٹھائیں۔ تاکہ لوگ ہم کو شجاع سمجھیں۔ یا ہم تلوار نہ اٹھائیں۔ تاکہ ہماری جان بچ جائے۔ جب تلوار اٹھانا اسلام کے لئے مفید ہوگا۔ تو تلوار اٹھائیں گے۔ جب خاموش رہنا اسلام کے لئے مفید ہوگا۔ تو خاموش رہیں گے۔ چونکہ اسلام کا مفاد ان تینوں بزرگوں کے زمانہ میں مختلف صورت حالات کا مقتضی تھا۔ لہٰذا آپ ان کے طرزِ عمل میں بہ ظاہر اختلاف پاتے ہیں۔ دراصل یہ بھی اختلاف نہیں ہے۔

سب سے پہلے دیکھنے کی بات تو یہ ہے کہ حضرت علیؑ و امام حسنؑ نے بھی شروع شروع میں تو بیعت نہ کی۔ ہم تو یہ کہتے ہیں کہ انہوں نے کبھی بیعت کی ہی نہیں۔ وکلائے اہلِ حکومت یعنی مورخین اہلِ سنّت و جماعت کہتے ہیں۔ کہ چھ مہینہ کے بعد جب جناب فاطمہؑ کا انتقال ہوگیا۔ تو حضرت علیؑ نے یہ دیکھ کر لوگوں کا رُخ ان کی طرف سے پھر گیا ہے۔ حضرت ابوبکر کی بیعت کر لی۔ گویا یہ اُن کے کہنے سے ثابت ہوگیا۔ کہ حضرات شیخین کو حقدار بیعت سمجھ کر بیعت نہیں کی۔ لوگوں کے رُخ اپنی طرف سے پھرتے ہوئے دیکھ کر بیعت کی۔ ہم کہتے ہیں۔ کہ یہ جو سبب بیعت بنایا ہے۔ یہ ہی غلط ہے۔ لوگوں کے چہرے آپ کی طرف سے پہلے ہی کون سے خوشنما تھے۔ جو اب جناب فاطمہؑ کی وفات کے بعد وہ بدنما ہوگئے۔ جناب فاطمہؑ کے دورانِ حیات ہی میں ان کی کون سی عزت کی گئی تھی۔ گھر کو ان کے جلانے کی دھمکی دی۔ دربارِ خلافت میں جاکر فدک مانگنے پر ان کو مجبور کیا۔ اور آخر کار جھوٹا ٹھہرا کر نامراد واپس کر دیا۔ اب کس حسن سلوک کی ان سے امید ہوسکتی تھی۔ کہ اس کے لئے بیعت کر لیتے۔ حالاتِ سقیفہ کے تحت میں ہم نے ثابت کیا ہے۔ کہ حضرت علیؑ نے خدا کی قسم کھا کر کہا تھا۔ کہ میں تم سے بیعت نہ کروں گا۔ حضرت عمر کے فقہ میں تو عقل کو بڑا دخل ہے۔ کیا آپ کی عقل مانتی ہے۔ کہ حضرت امیر المومنینؑ اپنی قسم کو جھوٹا کر دیں گے۔ صرف اس لئے کہ لوگ آپ سے

بے رخی کرنے لگے ہیں۔ ظاہر ہے کہ جب چھ مہینہ تک بیعت نہ کرنے والے حالات چلے آئے
اور اب کوئی نئی بات جانبین کے حقوق میں واقع نہیں ہوئی۔ جو بیعت کی مقتضی ہوتی
تو وہی بیعت نہ کرنے والی حالت قائم رہی۔ جب علت ہی نہیں تو معلول کیونکر پیدا
ہوگا۔ یہ تو حضرت ابوبکر کے زمانہ کا ذکر ہے۔ جناب عمر کے حالات میں کہیں نہیں پایا
جاتا۔ کہ حضرت علیؑ سے بیعت طلب کی۔ اور انہوں نے بیعت کرلی۔ حضرت عثمان سے
تو بیعت کا نہ ہونا ظاہر ہے۔ جب حضرت عثمان سے بیعت ہونے لگی۔ تو بغیر بیعت
کئے ہوئے آپ یہ کہتے ہوئے باہر چلے آئے۔ کہ یہ پہلا ہی دن نہیں ہے۔ کہ تم نے
ہمارے اُوپر ناجائز غلبہ کرلیا۔ خدا ہی اس کا فیصلہ کرے گا۔ غرضیکہ حضرت علیؑ کا بیعت
کرنا ثابت نہیں۔ اسی طرح امام حسنؑ نے بذریعہ خط و کتابت معاویہ کو حکومت سپرد کردی
اس وقت وہ دونوں ایک جگہ تھے ہی نہیں۔ جو بیعت کا سوال اُٹھتا۔ جب معاویہ کوفہ
میں آیا۔ اور عمرو بن العاص کی انگیخت سے امام حسنؑ کو خطبہ کے لئے کہا۔ تو اس خطبہ میں
آپ نے اپنا حق ظاہر کیا۔ کہ معاویہ ڈر گیا۔ اور ان کو منبر سے اُتار لیا۔ بیعت کا ذکر اس
وقت آیا ہی نہیں۔

بہرصورت یہ تو جماعت اہلِ حکومت کے علما و مورخین بھی مانتے ہیں۔ کہ شروع
میں حضرت علیؑ و امام حسنؑ نے بیعت نہیں کی۔ بعد میں حالات سے مجبور ہو کر نہ کہ ان لوگوں
کو حقدار بیعت سمجھ کر بیعت کرلی۔ جب بیعت میں جبر و اکراہ کا شائبہ آگیا۔ تو بیعت
ناجائز ہوگئی۔ ایسی بیعت کس کام کی۔ نہ بیعت کرنے کے برابر ہے۔ گویا بیعت نہ کرنا تینوں
حضرات کے حالات میں جزو مشترک ہے۔

اگر ہم بغرضِ بحث اس مجبوری کی بیعت کو مان بھی لیں۔ تو کچھ فائدہ نہیں۔ اگر
حضرت علیؑ و امام حسنؑ آخر تک لڑتے رہتے تو اُس کا نتیجہ تو وہی ہوتا۔ جو کربلا میں ہوا۔
بلکہ اس سے بھی بدتر۔ اس وقت امام زین العابدینؑ تو بچ رہے۔ اب تو ایک بھی نہ بچتا۔

اور ان دونوں بزرگواروں کی بہادری چتوڑ کے ان راجپوتوں سے زیادہ نہ سمجھی جاتی۔ جنہوں نے جب لڑائی کا رُخ بدلتے ہوئے دیکھا۔ تو عورتوں اور بچوں کو چتا پر جلا کر خود تلوار لے کر اکبر کے لشکر پر ٹوٹ پڑے۔ بہتیروں کو مار کر مر گئے۔ یہ سمجھا جاتا کہ حکومت کی خاطر جان دے دی۔ اسلام کے لئے جو فائدہ امام حسین علیہ السلام کی شہادت سے ہوا۔ وہ نہ ہوتا۔ امام حسین علیہ السلام کے حالات کا فرق یہ ہے۔ کہ نہ ان کے پاس حکومت تھی۔ نہ وہ طالب حکومت تھے۔ محض حاکم وقت کو بیعت کا اصرار تھا۔ امام حسین علیہ السلام کی شہادت کا مابہ الامتیاز یہی یہ ہے کہ انہوں نے محض حق کے لئے، یزید کو فاسق و فاجر ظاہر کرنے کے لئے، یزید کے طور و طریق کو خلافِ اسلام ظاہر کرنے کے لئے جان دی۔ حضرت علی و امام حسن علیہم السلام کی شہادت میں کسی کا خیال اس طرف نہ جاتا۔ بلکہ یہی کہا جاتا کہ حکومت کی خاطر لڑتے لڑتے مر گئے۔ اتنی بڑی قربانی فقط اس بات کے لئے کرنی جس سے اسلام کو کچھ فائدہ نہ ہوتا۔ صریحاً مضر تھی۔ لہٰذا نہ کی گئی۔ حضرت علیؑ اگر تلوار اٹھاتے۔ تو بہت ہی شدید خطرہ تھا۔ قلتِ انصار تو ظاہر ہی ہے۔ فتح بھی ناممکن تھی۔ علانیہ عداوت کا نتیجہ یہ ہوتا۔ کہ فریقِ مخالف حضرت علیؑ کے حق سے قطعاً انکاری ہو جاتا۔ اور مشرکین سے مل کر صاف صاف کہنے لگتے۔ کہ جناب رسالتمآب نے تو حکومت حاصل کرنے کے لئے یہ کھیل کھیلا تھا۔ دیکھو بنو ہاشم نے جو اپنے یہاں سے اس چیز کو نکلتے ہوئے دیکھا جو اُن کے محمدؐ کا مقصدِ حیات تھا۔ تو نہ رہا گیا۔ اور اس کے لئے اپنی جان تک دے دی۔ اگر واقعی اسلام کی تبلیغ کے لئے محمدؐ اور علیؑ کفار سے لڑے تھے۔ تو اسلام تو موجود ہے۔ کیوں حکومت کے لئے خود بھی جان دی۔ اور بچوں کو بھی قتل کروایا۔ اب جو تم ان لوگوں کی کتابوں میں فضائل علی و آلِ علیؑ پاتے ہو۔ وہ نہ ملتے۔ اور امّت اُن کو بھول گئی ہوتی۔ جو اقوال و پند و نصائح حضرت علیؑ کے ہیں وہ بھی نہ شائع نہ ہوتے۔ غرضیکہ جس طرح اہلِ شام نے امام حسینؑ کو باوجود اُن کی اس حالت

کے معاذ اللہ باغی وخلیفۂ رسولؐ کا دشمن گردن زدنی سمجھا۔ تمام حکومت سقیفہ اور ان کے عالی موالی سب حضرت علیؑ کو ایسا ہی سمجھتے۔ اور اسلام اس طرح مٹتا کہ کوئی جانتا بھی نہ کہ کبھی تھا۔ حضرت علی علیہ السلام نے اپنے کئی خطبوں میں وجوہات بتائی ہیں۔ کہ آپ نے کیوں اپنا حق لینے کے لئے تلوار نہیں اٹھائی۔ قلتِ انصار اور ضررِ اسلام۔ یہ دو وجوہات آپ نے بتائی ہیں۔ کہ کیوں آپ نے اپنا حق بزورِ شمشیر نہیں لیا۔

اب رہا تقیہ۔ تو تقیہ کا اصول توان لوگوں نے نہ کبھی سمجھا ہے اور نہ سمجھنے کی کوشش کی ہے۔ تقیہ کے لئے دو شرائط ہیں۔ ایک تو یہ کہ اپنی جان کسی اور ذریعے سے بچتی ہی نہ ہو۔ اور دوسرے یہ کہ ہمارے تقیہ سے ہماری جان سے بہتر شئے کا نقصان نہ ہوتا ہو۔ اگر امام حسینؑ "تقیہ" کر لیتے۔ تو اسلام کو ضررِ عظیم پہنچتا۔ وہ تقیہ جائز کہاں ہوتا۔ اور تقیہ تو نہ حضرت علیؑ نے کیا۔ اور نہ امام حسنؑ نے کیا۔ ہمیشہ اپنا حق جتاتے رہے۔ جنہوں نے اُن کا حق لیا تھا۔ اُس کو ظاہر کرتے رہے۔ جو کیا وہ صرف اتنا تھا۔ کہ قلتِ ناصرین کی وجہ سے اپنا حق بزورِ شمشیر نہ لیا۔ اگر شمشیر اس حالت میں اُٹھاتے۔ تو حق تو نہ ملتا۔ اسلام کو نقصان پہنچا ہوا لگے۔ اتنی سی بات کو کتنا زیادہ بنا لیا ہے۔

(البلاغ المبین جلد دوم ص۲۰۲ تا ۲۰۵)

کارنامۂ حسینیؑ پر مختصر مگر جامع تبصرہ

امام حسینؑ کی سیرت زندگی کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے یہاں کسی جگہ شعور کامل کے خلاف کوئی بات نظر نہیں آتی۔ اور اس سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ انسانِ کامل تھے۔ جنہوں نے اپنے ساتھیوں کے بہترین نمونے ایسے پیش کئے جو عدالت، حریت، مساوات، عزیمت، جوش وعمل، عزتِ نفس

ایثار و قربانی، شجاعت، صبر و رضا، خدا شناسی، پاکبازی و پاکدامنی کے مجسمہ بنے،
کربلا سے بڑھ کر کون سا موقع دہشت و ہراس کا ہو سکتا ہے۔ جس میں بڑے سے بڑے بہادر بزدل ہو جاتے ہیں لیکن کربلا والے اس گیر و دار میں ایک دوسرے سے مزاح کرتے نظر آتے ہیں۔ بچے موت کو شہد سے زیادہ شیریں بتاتے ہیں۔
تاریخیں دیکھو سخت اشتعال کے وقت کون اپنے آپے میں رہتا ہے۔ کربلا میں قدم قدم پر اشتعال انگیزی تھی۔ مگر اللہ رے صبر و تحمل، وہ کوہ وقار کوئی قدم بغیر اپنے قائد کی اجازت کے نہ اٹھاتے تھے۔ اولاد سے بڑھ کر دنیا میں کون چیز محبوب ہے۔ کیا کہنا کربلا کی خواتین کا جو گود کے پالوں کو اسلحہ سج کر خدمت امام میں مرنے کے لئے بھیج رہی تھیں۔
کون ماہر نفسیات بغیر اقرار کئے رہ سکتا ہے کہ قوی ترین ہیجانات اپنی اچانک تیزی سے عام انسانوں کے نفسی توازن کو درہم برہم کر دیتے ہیں۔ لیکن کربلا والوں میں یہ نفسیاتی قانون اُن کی شعوری طاقت نے بالکل معطل کر دیا تھا۔ یہی وہ چیزیں تھیں جو اُن کو اور بالخصوص اُن کے قائد امام حسینؑ کو تاریخ میں ایک عجیب انسان بنا کر پیش کر رہی ہیں۔
عام طور سے فطرت کے معنی وہی سمجھے جاتے ہیں جو عامہ افراد بشر کی افتاد طبع نظر آتی ہے۔ اور اس اعتبار سے انسان کامل وہ ہے جو خلاف فطرت بات پر قادر ہو۔ امام حسینؑ نے کربلا میں اپنی ذات سے اور اپنے اصحاب کی ذات سے فطرت شکنی کر کے دکھا دی۔
(۱) فطرت یہ ہے کہ پتھر یا تیر و نیزہ آتے دیکھے تو اپنے کو بچائے یا کم از کم جھجکے۔ مگر یہاں امام حسینؑ نماز ظہر ادا کر رہے ہیں۔ اور سعید بن عبداللہ اور زہیر بن قین سامنے کھڑے ہیں۔ دشمن کی صف سے جو تیر آتا ہے یہ مقدس جاں نثار جھک کر اپنے اوپر روکتے ہیں۔
(۲) انسانی فطرت ہے کہ تیروں یا پتھروں کی بارش میں گود کے بچے کو اپنے سینہ کے نیچے چھپا لے گا۔ امام حسینؑ بچے کو ہاتھوں پر بلند کر کے حرملہ کے تیر کا نشانہ ہوا دے دیتے ہیں۔
(۳) عام فطرت یہ ہے کہ نفس کو کنبہ پر مقدم کیا جاتا ہے اور کنبہ کو غیروں پر۔ امام حسینؑ اپنے اور

اپنے عزیزوں کی پیاس کا خیال نہیں کرتے۔ اور تمام پانی حرؑ کے لشکریوں اور اُن کے مرکبوں کو پلا دیتے ہیں۔

(۴) فطرت ہے کہ زخموں اور شدت مصائب سے چہرہ پر آثار افسردگی ضرور نمایاں ہوتے ہیں۔ لیکن امام حسینؑ کا چہرہ جس قدر مصائب کی شدت ہوتی ہے۔ اُسی قدر زیادہ چمکتا جاتا تھا۔

(۵) فطرت ہے کہ جب دو مصیبتیں سامنے آئیں۔ ایک بہ نسبت دوسری کے سخت تر ہو۔ تو آسان مصیبت اختیار کی جاتی ہے لیکن امام حسینؑ کے کارنامہ میں دیکھو گے کہ وہ آسان پر سخت کو ترجیح دیتے تھے بیعت نہ کر کے شہادت قبول کر لیتے ہیں۔ اور تنہا اس مہم پر جانے کے بجائے زن و بچہ کو ساتھ لینا پسند کرتے ہیں۔

حضرت امام حسینؑ کی عمر کربلا میں ۵۷ سال کی تھی۔ اس عمر میں خیالات پختہ ہوتے ہیں۔ خواہشوں میں استحکام ہوتا ہے۔ جو بات انسان کرنا چاہتا ہے۔ سوچ سمجھ کر قدم اُٹھاتا ہے۔ اس عمر میں اگر کوئی میدان میں سر دینے کے لئے آمادہ ہوتا ہے۔ تو جان کر آتا ہے۔ کہ کیا کرنے جا رہا ہے۔ یہ خودکشی کی منزل نہیں ہوتی۔ حقیقتہً دماغ اور دل دونوں ایک ساتھ سوچتے ہیں۔ احساسات اور دماغ کی طاقتیں ایک ساتھ کام کرتی ہیں۔ انسان رو میں کام نہیں کرتا۔ ایک ادنیٰ انسان بھی ۵۷ برس کی عمر میں پختہ کار سمجھا جاتا ہے۔ پھر حسینؑ نے تو آنکھیں بند ہونے کی حالت میں ۵۷ سال نہیں گذارے تھے۔ بلکہ وہ ایسے حادثات اور واقعات سے بھرے ہوئے تھے کہ نہ صرف عرب کی تاریخ نے بلکہ دنیا کی تاریخ نے پلٹے کھائے تھے۔"

ہر ایک کا فلسفۂ حیات ہوتا ہے کسی کا پست اور کسی کا بلند۔ اکثر ایسے ہوتے ہیں جن کا فلسفۂ حیات بلند تو ضرور ہے مگر وہ خیال کے دائرہ تک محدود رہے۔ عمل کا نہ انہیں موقعہ ملا۔ نہ موقع آنے پر کامیابی ہوئی۔ مگر حسینؑ کا ایک فلسفۂ حیات تھا جس پر وہ زندگی بھر چلے۔ اور اسی پر آخر کو اس طرح مر گئے۔ کہ اُس فلسفہ کو ہمیشہ کی زندگی دے گئے۔

وہ فلسفہ اُن کے اقوال سے بھی ظاہر ہے۔ اور اُن کے اعمال سے بھی۔

(شہید انسانیت ص ۵۱۲ تا ۵۱۴)

سانحہ کربلا کا پس منظر
اور
اس کی ذمہ داری

تاریخ عالم کا مطالعہ کرنے والے اچھی طرح جانتے ہیں کہ بڑے بڑے تاریخی واقعات اور انقلاباتِ وقتی اور فوری جوش کا نتیجہ نہیں ہوا کرتے۔ بلکہ سالہا سال سے ان کے متعلق منصوبہ بندیاں کی جاتی ہیں۔ ابتداء سے ہی اگر انقلاب آفرین تحرکات کے اسباب پیدا نہ کئے جائیں۔ تو یہ بات ناممکن ہے۔ کہ ہمہ گیر حادثات اور انقلابات رونما ہوں۔ اس لئے یہ تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ ہر تاریخی واقعہ نتیجہ ہوتا ہے اپنے پہلے بہت سے گزرے ہوئے واقعات کا ایک آدمی کبھی بھی دنیا کو ہلا دینے والے واقعات پیدا نہیں کرسکتا۔ مگر دیگر واقعات کے ساتھ مل کر ممد و معاون ضرور ہو سکتا ہے۔ تاریخِ انقلاب عالم کے ذیل میں سانحۂ کربلا بھی ایک اہم حیثیت رکھتا ہے۔ بلکہ اگر بغور مطالعہ کیا جائے تو ابتدائے آفرینش سے اس وقت تک یہ واقعہ اپنی انفرادیت میں بے مثال نظر آتا ہے۔ جب دوسرے معمولی معمولی واقعات بھی کسی سکیم اور علل و اسباب کے تحت ظہور پذیر ہوتے ہیں۔ تو بھلا اسلامی تاریخ کا اتنا بڑا ہمہ گیر انقلابی حادثہ اچانک اور بغیر کسی سوچی سمجھی سکیم کے کس طرح رونما ہو سکتا ہے۔ اموی ڈپلومیسی کے ترجمان اور آلِ محمدؐ کے فلسفہ سے اختلاف رکھنے والے متعصب مؤلفین اتنا کہہ کر ختم کر دیتے ہیں۔ کہ جنگِ کربلا نتیجہ ہے بنو ہاشم اور بنو امیہ کی پرانی دشمنی اور حضرت امام حسین علیہ السلام کے طلب اقتدار کی ہوس کا۔ ان لوگوں سے کوئی پوچھے۔ کہ اگر بنو امیہ فی الواقعہ مسلمان ہو چکے تھے۔ تو پھر دشمنی کیسی؟ جبکہ اصلی مومنین کے لئے تو اسلام کے بعد قبیلوں کی سابقہ دشمنیاں اخوتِ اسلامی میں تبدیل ہو گئی تھیں۔ اگر یزید فی الواقعہ مسلمان تھا۔ تو پھر کیونکر

اس نے اپنے باپ دادا کے قتلوں کا بدلہ لیا۔ اور اگر وہ کافر ہی تھا۔ تو یہ بات سمجھ میں نہیں آسکتی کہ رسول اسلام کے صرف پچاس سال بعد ہی اسلامی تخت کفار کے قبضہ میں کیونکر چلا گیا۔ ہو سکتا ہے کہ کوئی منچلا انسان یہ کہدے کہ یزید اور اس کے باپ وغیرہ بظاہر مسلمان تھے۔ اور کفر کو دل میں چھپائے ہوئے تھے۔ جس کی وجہ سے انہوں نے اسلام اور اہل اسلام پر حکومت حاصل ہوتے ہی یلغار کر دی۔ اور اپنے پرانے کینے دل کھول کر نکالے۔ اس میں شک نہیں۔ کہ بنو امیہ نے اسلام کا لبادہ اوڑھ کر یہ سب کچھ کیا۔ مگر اس مقام پر ایک اور سوال حل طلب سامنے آجاتا ہے۔ کہ ابوسفیان اور اس کی آل اولاد کی دشمنی اسلام اور پیغمبرؐ سے اظہر من الشمس تھی۔ اور اس اسلام و مسلمین کے دشمن خاندان میں رسول اسلام کی وفات کے چند سال بعد ہی کیونکر اسلامی اقتدار کی باگ ڈور چلی گئی؟ ہمارا تاریخی مطالعہ تو اس مقام پر یہی کچھ پیش کرتا ہے:۔ کہ پیغمبر اسلامؐ کی رحلت کے بعد اقتدار اسلامی جن لوگوں کے ہاتھ لگا۔ انہوں نے محمدؐ اپنے ہاشمی حزب مخالف کو جو صحیح طور پر جانشین رسولؐ تھا۔ دبانے کے لئے ان کے قدیمی دشمنوں کو جو اسلام اور مسلمین کے بھی سخت دشمن تھے۔ میدان سیاست میں از سر نو لانا مناسب سمجھا کیونکہ اسباب اقتدار اچھی طرح جانتے تھے۔ کہ جب تک بنو ہاشم کے حریفوں کے مردہ جسم میں از سر نو اقتدار کی روح نہ پھونکی جائے۔ ہماری خود اپنی پالیسی کامیاب ہوتی نظر نہیں آتی۔ اس مشن کی تکمیل کے لئے ایک تو انہوں نے یہ کیا۔ کہ ہاشمیوں کو حکومتِ اسلامی کے تمام چھوٹے بڑے عہدوں سے قطعاً علیحدہ رکھا۔ اور دوسرے بنو امیہ کے کھوئے ہوئے اقتدار کو واپس لانے کے لئے حکومت کا معتدبہ حصہ عطا کر دیا۔ چنانچہ حضرت عمر کے زمانہ میں صوبہ شام پر امویوں کی گورنری آئندہ کے لئے پورے اسلامی اقتدار پر قبضہ کرنے کے لئے پیش خیمہ ثابت ہوئی۔ ہمارے فاضل ہمعصر اور نقاد اسلامی مؤرخ محمد سلطان مرزا دہلوی البلاغ المبین حصہ دوم میں امویوں کے حصولِ اقتدار پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

حضرت ابوبکر و حضرت عمر عرب کے معزز و مؤقر خاندانوں میں سے نہ تھے۔ بنو تیم و بنی عدی

کا زمانہ قبل اسلام میں کچھ اثر و رسوخ نہ تھا۔ اور وہ گمنامی کی زندگی بسر کیا کرتے تھے۔ خلافت و حکومت اس نبوت کا جزو اعظم تھی۔ جو بنو ہاشم کے ایک فرد کو خداوند تعالیٰ نے عطا فرمائی تھی۔ اور اس شخصِ واحد ہی کی جدوجہد سے یہ حکومت حاصل ہوئی تھی۔ جناب رسولِ خدا نے اپنی جانشینی کے لئے بنو ہاشم ہی میں سے ایک فرد کو بحکمِ خداوندی منتخب کر لیا۔ جو ہر طرح سے اس عہدۂ جلیلہ کا مستحق تھا۔ اور جس کی ہی تلوار کے ذریعے سے یہ حکومت حاصل ہوئی تھی حکومت وخلافت کو چھین کر اس پر خود قبضہ کر لینا ہی بنو تیم و بنی عدی کے لئے بہت تھا۔ اس قبضہ کو استوار کرنا اور بنو ہاشم سے حکومت کو ہمیشہ کے لئے لے لینا یہ دوسرا کام تھا۔ اس کے لئے ہر ممکن کوشش کی گئی۔ ان کوششوں و تدبیروں کا ذکر ہم کر رہے ہیں۔ ان میں سے ایک یہ بھی تھی۔ کہ بنو ہاشم کے پرانے دشمنوں کو اٹھایا جائے۔ بنو امیہ کے سرگروہ ابوسفیان زمرۂ مؤلفۃ القلوب میں تھے۔ ان کو محض دنیاوی وجاہت کی پرواہ تھی۔ صاحب سیرۃ العلویہ لکھتے ہیں :-

"ابوسفیان کو جب حضرت ابوبکر کی خلافت کی اطلاع ملی۔ تو وہ جناب امیرؑ کے پاس آکر کہنے لگے کہ یہ کیا معاملہ ہے۔ قریش کا ایک ادنٰے خاندان تم پر غالب ہو گیا۔ ہاتھ بڑھاؤ تاکہ میں تم سے بیعت کر لوں۔ خدا کی قسم اگر تم چاہو۔ تو میں سواروں اور پیادوں سے مدینہ کی سرزمین بھر دوں۔ جناب امیرؑ نے فرمایا۔ جاؤ تشریف لے جائیے۔ قبل اسلام بھی آپ کو خونریزی سے بہت ذوق رہا ہے۔ اب بھی آپ خونریزی کرانا چاہتے ہیں۔ اور اپنی حرکتوں سے باز نہیں آتے۔ ابوسفیان نادم ہو کر چلے گئے۔"

(سیرۃ علویہ حیدر علی حنفی حصہ اول صفحہ ۱۸۱)

اس واقعہ کے لئے ملاحظہ ہوں :- تاریخ طبری الجزء الثالث صفحہ ۲۰۲۔ ابن عبد البر الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب الجزء الاول صفحہ ۳۴۵۔ ابن ابی الحدید۔ شرح نہج الجزء الاول صفحہ ۱۳۰۔

حضرت علیؑ کا انکار اس وجہ سے نہ تھا کہ وہ خلافتِ ابی بکر سے راضی تھے۔ بلکہ اس انکار کی وجوہات یہ تھیں :-

۱۔ اس وقت مسلمانوں کی خانہ جنگی منافقین و کفار کے دعوے کو تقویت دیتی۔ ان کا دعویٰ یہ تھا۔ کہ جناب رسولؐ خدا نے یہ سب کچھ دنیا کی حکومت حاصل کرنے کے لئے کیا ہے۔ اگر رسولِ خدا کے قریب ترین رشتہ دار اس حکومت کے لئے تلوار اٹھاتے۔ تو اس دعوے کی تائید ہوتی۔

۲۔ وہ وقت ایسا تھا کہ ابھی شجر اسلام کی جڑ پختہ نہیں ہوئی تھی مسلمانوں کی خانہ جنگی اسلام کو تباہ کر دیتی۔

۳۔ ابوسفیان کی مدد سے حکومت حاصل کرنا اصلی مقصد کو فوت کرنا تھا۔ اگر وہ حکومت دلاتا۔ تو وہ ضرور حکومت پر حاوی ہوتا۔ اور اس کو اپنے طرز پر چلتا ہوا دیکھنا پسند کرتا۔ پھر اسلام کہاں رہتا۔ حضرت علیؑ ضرور انکار کرتے۔ پھر ابوسفیان سے لڑائی ہوتی۔ جو شخص حکومت دلانے کی طاقت رکھتا ہے وہ حکومت چھین بھی سکتا ہے۔ تاریخ عالم میں ایسے بادشاہ گروں کے بہت سے قصے ملتے ہیں۔ اُن کا بنایا ہوا بادشاہ یا تو اُن کے ہاتھ میں کٹھ پتلی ہوتا ہے یا اس کو تخت سے اتار دیتے ہیں۔

۴۔ ابوسفیان دل سے اسلام نہیں لایا تھا۔ اس سے تعاون کرنا اسلام کے مخالف سے تعاون کرنا تھا۔

حضرت علی سے ابوسفیان اپنا سا منہ لے کر چلے گئے لیکن ان کی سازش پسند طبیعت ایسے زرّیں موقعہ کو کب ہاتھ سے کھوتی۔ جب ایک فریق نے ان کی کمک لینے سے انکار کر دیا۔ تو پھر دستِ آشتی دوسرے فریق کی طرف بڑھانا لازمی تھا۔ وہ دوسرا فریق بنو ہاشم کو زیر کرنے کی تدبیریں پہلے ہی سے سوچ رہا تھا۔ یہ تو ایسا ہوا۔ کہ بلی کے بھاگوں چھینکا ٹوٹا۔ ابوسفیان درگاہ خلافت پر پہنچے اور وہاں بہت جلدی سمجھوتہ ہو گیا۔ اگرچہ یہ سمجھوتہ اسلام کے آئندہ کی تمام آفات و مصائب کا سرچشمہ تھا۔ وہ سمجھوتہ یہ تھا۔ کہ صوبۂ شام بنوامیہ کو دیدیا جائے۔ اور خلافت جاریہ کے بعد خلافت ان کی طرف لوٹا دی جائے۔ اور بنوامیہ اس کے بدلے کارکنانِ خلافت کی مخالفت

چھوڑ دیں۔ اور بنو ہاشم سے ہر ایک ممکن موقعہ پر مقابلہ و مقاتلہ کریں خلافت جاریہ سے مطلب خلافت ابوبکر و عمر سے تھا۔ دونوں فریقین کے لئے یہ نہایت خوشگوار شرائط تھیں۔ اور ان پر دونوں نے سچے دل سے عمل کیا۔ چونکہ بقول حضرت شبلی تمام مروجہ تاریخ کی کتابیں اہلسنت و جماعت کی لکھی ہوئی ہیں۔ لہٰذا ان میں اس تصفیہ باہمی کی شرائط صریح الفاظ میں تلاش کرنا بے سود ہوگا۔ ہاں واقعات کی شہادت الفاظ سے بھی زیادہ معتبر ہوتی ہے۔ واقعات یہ ہیں کہ ابوسفیان کے صاحبزادے یزید فوراً صوبہ شام کی افواج کے کمانڈر اعلیٰ بنا دیئے گئے۔ اس کے بعد پھر کسی نے ابوسفیان کے منہ سے بارگاہ خلافت کے خلاف ایک لفظ بھی نہیں سُنا۔ حضرت عمر کا دستور تھا کہ ایک حاکم کے مرنے کے بعد اس کے رشتہ دار کو اس کا جانشین نہیں کرتے تھے۔ مگر صوبہ شام کے معاملہ میں ان کو اپنے دستور العمل سے تجاوز کرنا پڑا۔ اور جب یزید مر گیا تو اس کے بھائی معاویہ ابن ابی سفیان کو شام کا والی مقرر کر دیا۔ اس طرح صوبہ شام بنو امیہ کا ایک مضبوط و وسیع دارالقرار بن گیا۔ اور پھر تدبیر شوریٰ کے ذریعے سے خلافت بھی حضرت عثمان کو پہنچا دی گئی۔ اگر یہ انتظام اس سمجھوتے کے شرائط کے ماتحت نہ تھا تو کیا تھا اس خاندان نے اسلام کی کوئی خدمت نہیں کی تھی بلکہ اسلام و بانیٔ اسلام کا سخت ترین دشمن یہی خاندان تھا اسلام کی تمام بڑی بڑی لڑائیاں اس ہی خاندان کے خلاف ہوئیں جناب رسولِ خدا مرتے دم تک اس خاندان سے ناراض تھے آنحضرتؐ نے اپنا خواب اپنی امت کو سُنا دیا تھا کہ میں نے اپنے منبر پر بندروں کو اچھلتے ہوئے دیکھا ہے جس کی تعبیر یہ ہے کہ بنی امیہ میری ملک و سلطنت پر حاوی ہو جائیں گے۔ راوی کہتا ہے کہ آنحضرتؐ کو اس کا اتنا صدمہ تھا کہ اس کے بعد رحلت تک کسی نے آنحضرتؐ کو ہنستے ہوئے نہیں دیکھا۔ اس خواب کی تعبیر کو پورا کرنے کی فضیلت کارکنانِ قضا و قدر نے حکامِ سقیفہ کے حوالے کی۔ اگر یہ نہیں۔ تو ہم پوچھتے ہیں۔ کہ وہ کون سی خدمتِ اسلامی تھی۔ کون سی فضیلت ذاتی تھی۔ کون سی صفت تھی۔ جس کے صلہ میں شام کی جاگیر کا استمراری پٹہ خاندانِ ابوسفیان کے نام لکھ دیا گیا کسی معرکہ میں آنحضرتؐ کے ساتھ شامل نہ ہوئے ہمیشہ مؤلفۃ القلوب میں رہے۔ جنگِ حنین میں فرمایا۔ کہ اب محمد کا سحر باطل ہوا۔ ان کی بھاگ

سمندر کے ورے نہیں ٹھہرتی حضرت علیؑ تو خیر ان کی آنکھوں میں کھٹکتے تھے۔ اگر خالد بن ولید کو شام کا صوبہ حوالے کر دیتے۔ تب بھی ہم کہتے کہ سرحدی علاقہ تھا۔ ایک اچھے جنرل کے سپرد کیا گیا۔ یزید ابن ابوسفیان و معاویہ ابن سفیان کو اتنا بڑا ملک کیوں دیا گیا۔ وکلائے حکومت اس کا کوئی تسلی بخش جواب نہیں دے سکتے۔ اور ہم بتاتے ہیں کہ ایسا کیوں کیا۔ کارکنان حکومت نے سمجھا۔ کہ یہ خاندان ایسا ہے۔ کہ جو ہمیشہ کے لئے بنو ہاشم کی جان و دل سے مخالفت کرے گا۔ اپنے پرانے کینے یاد کر کے ان سے لڑے گا۔ اپنے پرانے بتوں کی تباہی کا خیال کر کے اس کی آنکھوں میں خون اترے گا۔ محض ہماری خاطر ہی سے نہیں بلکہ اپنی طرف سے اور اپنی وجہ سے یہ بنو ہاشم کی جڑ اکھاڑنے میں کوتاہی نہیں کرے گا۔ اگر احیاناً کبھی مدینہ کی خلافت علیؑ کو مل بھی گئی۔ تو ہم نے ایسے خاندان کو شام میں مضبوط کر کے بٹھا دیا ہے۔ کہ وہ علیؑ کو چین سے نہیں بیٹھنے دے گا۔ اور ابوسفیان ہم سے خوش ہوا جاتا ہے۔ یہ جو خاندانی فضیلت کی بانگ بے ہنگام لگا رہا ہے اس کا بھی منہ بند ہوئے جاتا ہے۔ یہ امیہ نوازی یہیں ختم نہیں ہوئی۔ شوریٰ کی بیچ در بیچ ایسی تجویز تھی کہ سوائے بنی امیہ کے خلافت کہیں اور جا ہی نہیں سکتی تھی۔ مکمل تجویز تو یہ تھی کہ حضرت عثمان کے بعد معاویہ خلیفہ ہوتے۔ مگر حضرت عثمان کی ناعاقبت اندیشی نے ذرا سا موقعہ بنو ہاشم کو دے دیا۔ پھر بھی وہ تجویز مکمل ہو کر رہی۔ آخر کار حضرت معاویہ خلیفہ ہو ہی گئے۔ اور خلافت بنو امیہ میں چلی ہی گئی۔ (البلاغ المبین جلد دوم ص۱۳ تا ۱۵)

فاضل مؤلف کے مذکورۃ الصدر بیان سے یہ بات کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ حقیقت میں اموی گروہ کو جان بوجھ کر اقتدار کی کرسی پر متمکن کرنا ارباب سقیفہ کا قدیمی منصوبہ تھا۔ جو انہوں نے نہایت تدبر سے پایۂ تکمیل کو پہنچایا۔ یہی وجہ ہے کہ اس تمام اسلامی دور میں بنو ہاشم کو دبا کر رکھنے کی پالیسی ہر ایک صوبے کے گورنر مقرر کرنے کے وقت ملحوظ خاطر رہتی تھی۔ چنانچہ اسی بنا پر سانحۂ کربلا کی ذمہ داری بعض حق پسند مفکرین نے ارباب سقیفہ کے سر عاید کی ہے۔ ان کا یہ کہنا ہمارے نزدیک سو فی صدی صحیح معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ اگر وفات پیغمبر کے بعد خلافت اسلامیہ اپنے

اپنے منتقین کو پہنچ جاتی تو ہم یقین سے کہہ سکتے کہ فدک کا واقعہ رونما نہ ہوتا۔ بنتِ رسولؐ کے گھر پر آگ لکڑیاں نہ جمع کی جاتیں۔ حضرت امام حسن علیہ السلام کو زہر سے شہید نہ کیا جاتا۔ اور ان کے جنازہ پر تیر نہ برسائے جاتے۔ اور نہ ہی یہ دلگداز اور جاں سوز واقعہ ہائلہ کربلا عالمِ انسانیت کو خون کے آنسو رلاتا۔ اس لئے جن مورخین اور مولفین نے یہ لکھا ہے۔ کہ سانحہ کربلا واقعاتِ سقیفہ کا قدرتی نتیجہ تھا۔ وہ حق بجانب ہیں۔ چنانچہ اسی ذیل میں علامہ ابنِ حسن جارچوی فلسفہ آلِ محمد میں فرماتے ہیں۔

"رسول کریمؐ کے بعد عرب کے سیاستدانوں نے یہ فیصلہ کر لیا تھا۔ کہ بنی ہاشم کو ہمیشہ امورِ سلطنت سے علیحدہ رکھا جائے اور اگر ممکن ہو سکے تو دشمنوں کو ان کے سر پر مسلط کر کے ان پر عرصہ زندگی تنگ کر دیا جائے۔ سیاست عرب کا یہ فتنہ خیز اور تباہ کن نظریہ تا قیامت مسلمانوں کو خون کے آنسو رلائے گا۔ نام نہاد مدبرینِ عرب کے خود غرضانہ رویہ نے سلطنت کو جس ڈھچر پر ڈال دیا تھا۔ اور خلافت کے انتخاب میں غلط اور غیر انجام بین انسانوں کی مداخلت کو جس آسانی کے ساتھ قبول کر لیا گیا تھا۔ اس کا لازمی نتیجہ یہ تھا۔ کہ یزید جیسا شراب خور، بداخلاق اور نامعقول انسان رسولِ اسلام کا جانشین اور مسلمانوں کا امیر کہلائے۔ حق یہ ہے کہ یزید نے تاجدارِ عرب بن کر ان تمام خود ساختہ مدبروں کے چہرے سے نقاب الٹ دی۔ جو قدم قدم پر ٹھوکریں کھانے والے انسانوں نے اپنی غلطیوں کو چھپانے کے لئے بنائے تھے"

فاضل علامہ ذرا آگے چل کر پھر اسی حقیقت پر روشنی ڈالتے ہیں "یزید نے اس تیار شدہ ڈرامے کو اسٹیج پر جگہ دی جو مدت سے پس پردہ وقت اور موقع کا منتظر تھا۔ وہ اس کتاب سیاست کے احکام کو عمل جامہ پہنایا گیا۔ جو اگلوں نے پچھلوں کے لئے تیار کی تھی۔ دشمنانِ اسلام کے ترکش کا یہ آخری تیر تھا۔ جو ترانداز ہو گیا۔ اور عربوں کا یہ آخری کھیل تھا۔ جو کامیاب ثابت ہوا۔ لیکن نہ یہ تیر اپنے چلانے والے کا بنایا ہوا تھا۔ نہ اس تماشے کے تمام اجزا اس مداری کے تیار کردہ تھے۔ یزید تو اس مشین کا ایک پرزہ تھا۔ جو دنیائے اسلام کو کسی اور طرف اڑائے لئے جا رہی تھی"

مندرجہ بالا بیان افسانہ نہیں بلکہ تاریخ کا ایک مسلم باب ہے۔ جو فاضل مذکور نے اپنے انوکھے انداز بیان میں تحریر کیا ہے۔ ہم نے جس بات کا دعویٰ کیا ہے۔ وہ تاریخ سے قطعی طور پر ثابت ہے۔ اور خود اموی تاجداروں نے اس بات کو تسلیم کیا ہے کہ ہم کو تاج پہنانے والے اور آل محمدؐ کے خلاف محاذ قائم کرکے دینے والے ارباب سقیفہ ہی تھے۔ چنانچہ علامہ مسعودی اپنی تاریخ مروج الذہب میں لکھتے ہیں کہ جب امیر معاویہ نے حضرت علی کے خلاف بغاوت کی اور صفین کے میدان میں طرفین کے لشکر صف آرا ہونے لگے تو حضرت محمد بن ابوبکر نے امیر معاویہ کو ایک خط لکھا جس میں حضرت علیؑ کے فضائل بیان کرکے معاویہ کو بغاوت پر ملامت کی۔ اس کے جواب میں امیر معاویہ نے جو خط محمد بن ابوبکر کو لکھا اس کا تاریخی متن یہ ہے۔

من معاویة بن صخر الی الزاری علی ابیه محمد ابن ابی بکر اما بعد فقد اتانی کتابك تذکر فیه ما الله اهله فی عظمته وقدرته وسلطانه وما اصطفیٰ به رسول الله صلعم مع کلام کثیر لك فیه تضعیف ولابیك فیه تعنیف ذکرت فیه فضل ابن ابی طالب وقدیم سوابقه وقرابته الی رسول الله صلعم ومواساته ایاه فی کل هول وخوف فکان احتجاجك علی وعیبك لی بفضل غیرك لا بفضلك فاحمد ربا صرف هذا الفضل عنك وجعله لغیرك فقد کنا وابوك فینا نعرف فضل ابن ابی طالب وحقه لازما لنا مبرورا علینا فلما اختار الله لنبیه علیه الصلوٰة والسلام ما عنده واتم له ما وعده واظهر دعوته فابلج حجته وقبضه الله علیه کان ابوك وفاروقه اول من ابتزه حقه وخالفه علی امره علی ذٰلك اتفقا واتسقا ثم انهما دعواه الی بیعتهما فابطا عنهما فیهما ایله الهموم وارادا به العظیم ثم انه بایع لهما وسلم لهما واقاما لا یشرکانه فی امرهما ولا یطلعانه علی سرهما حتی قبضهما الله ثم قام ثالثهما عثمان فهدی بهدیهما و

سار بسيرهما فعبته انت وصاحبك حتی طمع فيه الاقاصی من اهل
المعاصی فطلبتما له الغوائل واظهرتما عداوتكما حتی بلغتما
فيه مناكما فخذ حذرك يا ابن ابی بكر وقس شبرك بفترك
وتقصر عن ان توازی او تساوی من يزن الجبال بحلمه فان يك
ما نحن فيه صوابا فابوك استبد به ونحن شركاؤه ولولا ما فعل
ابوك من قبل ما خالفنا ابن ابی طالب ولسلمنا اليه ولكنا رأينا اباك
فعل ذلك به من قبلنا فاخذنا بمثله فعب اباك بما بدا لك
او دع ذلك والسلام۔ (مروج الذہب مسعودی مطبوعہ برحاشیہ تاریخ کامل
جلد ۶ صفحہ ۷۶ طبع جدید مصر ج ۲ صفحہ $\frac{۳۴۴}{۲۱۵}$)

معاویہ کی طرف سے اپنے باپ کو عیب لگانے والے محمد بن ابی بکر کے نام، واضح ہو کہ
تم نے اپنے خط میں خدا کی اس عظمت، قدرت اور حکومت کا ذکر کیا ہے جس کا وہ اہل
ہے۔ اور ان (صفات) کو بیان کیا ہے جن کے ساتھ اس نے اپنے رسولؐ کو برگزیدہ کیا اسی
کے ساتھ ہی ساتھ تم نے بہت سی باتیں لکھی ہیں۔ کہ وہ خود تمہاری سبکی اور تمہارے باپ
کی ملامت کا باعث ہیں۔ تم نے اس خط میں علی بن ابی طالبؑ کی فضیلت اور سابقیت
کا ذکر کیا ہے۔ اور یہ بھی دکھایا ہے کہ وہ رسولؐ اللہ کے قریبی عزیز تھے۔ اور انہوں نے
ہر خوف کے مقام پر آنحضرتؐ کی ہمدردی اور مدد کی۔ مگر یہ احتجاج اور عیب چینی جو تم نے کی
ہے۔ یہ اپنی نہیں بلکہ دوسرے کے فضائل کے بل بوتے پر ہے اور خدا کا شکر ہے۔ کہ اس نے
فضائل کا رخ تمہاری طرف سے دوسرے کی طرف موڑ دیا۔ (واضح ہو کہ) کہ ہم سب جن میں
تمہارے والد ابوبکر بھی شامل تھے۔ علیؑ کے فضل و شرف سے واقف تھے۔ اور ان کے حقوق
کو لازم اور ضروری سمجھتے تھے مگر جب خدا نے دین و حجت کے کامل و آشکار ہونے کے بعد
اپنے رسولؐ کو اپنے پاس بلا لیا۔ تو تمہارے باپ اور ان کے (دوست) فاروق ہی پہلے

وہ شخص تھے جنہوں نے باہم اتفاق کر کے علیؑ کا حق چھین لیا۔ اور امر خلافت میں اُن کی مخالفت کی۔ پھر دونوں نے علیؑ کو بیعت کرنے کی دعوت دی۔ مگر وہ عرصہ تک کنارہ کش رہے۔ اور (کنارہ کشی پر) دونوں صاحبوں نے ان کے خلاف بڑے بڑے منصوبے کئے۔ (یہاں تک کہ) علیؑ نے بیعت کی۔ اور صلح کی۔ پھر بھی ان دونوں بزرگوں نے علیؑ کو نہ اپنے کسی امر میں شریک کیا۔ نہ اپنے رازوں کی اطلاع دی۔ یہ دونوں رحلت کر گئے۔ تو تیسرے عثمان ان کے قائم مقام ہوئے اور پورے طور پر ان کی سیرت پر عامل ہوئے۔ تم نے اور تمہارے آقا علیؑ نے کھلم کھلا عثمان کے ساتھ دشمنی کی۔ اور اُن کو بلاؤں میں ڈالنا چاہا۔ یہاں تک کہ تمہاری مراد بر آئی۔ اے ابوبکر کے بیٹے خبردار رہ۔ اور چادر کے مطابق پاؤں پھیلا۔ (لفظی ترجمہ اپنے بالشت کو انگوٹھے اور انگلی کی درمیانی وسعت پر قیاس کر) تو اس شخص کا مقابلہ نہیں کر سکتا جس کے علم کا مقابلہ پہاڑ بھی کر سکتے ہیں۔ پس یہ مسئلہ زیر بحث اگر یونہی ٹھیک ہے جیسا کہ تم کہتے ہو۔ تو تمہارے باپ ہی نے اس کی ابتدا کی اور ہم بھی ان کے شریک کار رہے۔ اگر تمہارے والد نے پہلے اس کی بنیاد نہ رکھی ہوتی تو ہم علیؑ ابن ابی طالب کی مخالفت نہ کرتے۔ اور خلافت ان کے سپرد کر دیتے۔ مگر جب ہم نے تمہارے باپ کو یہ کرتے ہوئے دیکھا۔ تو ہم نے بھی ان کی تقلید کی۔ پس اگر تم عیب لگاتے ہو۔ تو اپنے باپ کو لگاؤ۔ ورنہ یہ بات چھوڑ دو۔ والسلام۔

حسینؑ کی شہادت کب ہوئی؟

جیسا کہ ہم سابقہ صفحاتی بیانات میں یہ بات واضح کر چکے ہیں۔ کہ یزید کا مسند آرائے سلطنت ہونا براہ راست سقیفہ کی کاروائی کا نتیجہ تھا۔ اور حقیقت میں شہادت حسینؑ کی داغ بیل بروز سقیفہ ہی قائم کی گئی۔ اس سلسلہ میں جس بھی صحیح الدماغ مفکر اور فطین مورخ نے ذرا علمی طور پر صدر اول کی اسلامی تاریخ کا مطالعہ کیا ہے۔ اور ان واقعات کی کڑیوں کو ایک دوسرے کے ساتھ مربوط کر کے تاریخی تحلیل و تجزیہ اور استخراج نتائج کے طور پر دیکھا ہے۔ وہ سمجھ سکتا ہے۔ کہ واقعات

قدرتی نتیجہ تھے واقعاتِ سقیفہ کے اور اکثر علماء اسلام نے اس حقیقت کا اعتراف بھی کر لیا ہے۔ چنانچہ موجودہ دور میں ایک مشہور و معروف مصری عالم اہل سنت استاذ العلامہ شیخ عبداللہ العلائلی ہیں جو مصر میں عصر حاضر کے طرز اول کے علماء محققین اور مصنفین میں سے ہیں۔ انہوں نے بھی واقعہ کربلا پر اسی حیثیت سے نظر کی ہے۔ اور اپنی تحقیقات علمیہ و تاریخیہ کو دنیا کے فکر و نظر کے سامنے پیش کیا ہے۔ فاضل موصوف نے واقعاتِ کربلا اور شہادت حسینؑ کے بارے میں تسلیم کیا ہے کہ حسین علیہ السلام دراصل سقیفہ کے روز ہی شہید کر دیئے گئے۔ انہوں نے "تاریخ الحسین نقد و تحلیل" میں اس امر پر کافی روشنی ڈالی ہے۔ ہم بھی اپنے پیش کردہ موقف کی تائید میں علامہ سید سبط الحسن ہنسوی کے رسالہ "پس منظر کربلا" کے حوالہ و اعتماد سے ذیل میں ایک ضروری اقتباس پیش کرتے ہیں ملاحظہ ہو۔

> حضرت سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے فرزند حسینؑ کی شہادت کی پیشین گوئی مختلف موقعوں پر فرمائی ہے۔ یہ پیشین گوئیاں صرف اہل بیت ہی کو مطلع کرنے کے لئے نہیں کی گئیں۔ بلکہ آنحضرتؐ نے عام مسلمانوں کو مطلع کرنے کے لئے اصحاب و انصار کے مجمع میں بھی حسین کی ہونے والی شہادت کا بار بار اعلان فرمایا ہے اس قسم کی احادیثِ پیغمبرؐ جو اخبار شہادت پر مشتمل ہیں۔ ان کو شہرت و تواتر کا درجہ حاصل ہے۔ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی لکھتے ہیں۔

ما اخبار النبی صلعم بھذہ الواقعۃ الھائلۃ من جھۃ الوحی بواسطۃ جبرئیل وغیرہ من الملٰئکۃ فمشھورٌ متواترٌ۔

شہادتِ امام حسینؑ کے متعلق ایسے اخبار و احادیث پیغمبرؐ جو یہ دلالت کرتی ہیں کہ آپ کو جبرئیل یا کسی دوسرے فرشتے کے ذریعے بطور اعلام و پیشین گوئی مطلع کیا گیا ہے۔ بہت مشہور و حد تواتر کو پہنچے ہوئے ہیں۔

قبل وقوع واقعہ امام حسینؑ کی شہادت کی شہرت اس قدر کیوں تھی؟ اس کے متعلق محدث

دہلوی لکھتے ہیں۔

لما کان مبنی امرہ علی الشہرۃ والاعلان انزلہ اولاً فی الوحی علی لسان جبرئیل وغیرہ من الملائکۃ ثم تعیین المکان وتسمیۃ وتعیین الزمان

(سر الشہادتین شاہ عبد العزیز)

چونکہ امام حسینؑ کی شہادت اعلان و شہرت کے اوپر مبنی تھی۔ اس لئے خداوند عالم نے سب سے پہلے جبرئیل اور دوسرے ملائکہ مقرب کے ذریعہ رسول اللہ کو بذریعہ وحی مطلع کیا۔ یہاں تک کہ مقام شہادت و زمانہ شہادت کو بھی بتلایا اور پھر رسول اللہ نے تمام مسلمانوں کو آگاہ کیا۔

اس سلسلہ میں بکثرت اخبار و احادیث کتب معتبرہ فریقین میں موجود ہیں میں صرف ایک حدیث کو نقل کرتا ہوں۔ تاکہ یہ معلوم ہو سکے کہ شہادت امام حسینؑ کی پیشین گوئی کو سننے کے بعد عموماً مسلمانوں کی کیا حالت ہوتی تھی۔ واقعہ یہ ہے کہ ایک مرتبہ حضور ختمی مرتبت سفر میں تشریف لے گئے تھے جب سفر سے واپس تشریف لائے۔ تو معمول کے مطابق سب سے پہلے اپنے پارۂ جگر فاطمہؑ کے بیت الشرف میں تشریف لے گئے۔ مہاجرین و انصار اور جملہ اہل مدینہ زیارت پیغمبرؐ کے لئے مسجد میں مجتمع ہو گئے تھے۔ حالت یہ تھی کہ مجمع کی مشتاق نگاہیں شوقِ دیدار میں جناب سیدہ کے در دولت کی طرف لگی ہوئی تھیں۔ کہ دفعتہً رسول اللہ اپنے پیارے نواسوں حسنؑ و حسینؑ کو گود میں لئے ہوئے برآمد ہوئے۔

فصعد المنبر فخطب ووعظ والحسین بین یدیہ مع الحسن فلما فرغ من خطبتہ وضع یدہ الیمنی علی راس الحسین ورفع راسہ الی السماء قال اللّٰھم انی محمد عبدك ونبیك وھذا ان الاطائب عترتی وخیار ذریتی واروحتی ومن اخلفھما فی امتی اللّٰھم وقد اخبرنی جبرئیل بان ولدی ھذا مقتول مخذول اللّٰھم فبارك لی فی قتلہ واجعلہ سادات الشہداء انك علی کل شئی قدیر۔ اللّٰھم ولا تبارك فی قاتلہ وخاذلہ قال فضج

الناس فی المسجد بالبکاء فقال النبیؐ اتبکون ولا تنصرونه اللّٰھم فکن له انت ولیاً و ناصراً۔ (مقتل الحسینؑ لابی المؤید الموفق بن احمد المکی الحنفی الخوارزمی الجزء الاول والفصل الثامن ص۱۶۳ طبع عراق)

اور منبر پر تشریف فرما ہو کر وعظ و خطبہ ارشاد فرمانے لگے۔ اس حالت میں کہ امام حسنؑ اور امام حسینؑ آپ کی گود میں تھے۔ بعد ختم خطبہ حضرتؐ نے دست راست کو حسینؑ کے سر پر رکھا۔ اور اپنے سر کو آسمان کی طرف بلند فرما کر یہ ارشاد فرمایا۔ خداوندا میں تیرا بندہ اور پیغمبر محمدؐ ہوں۔ اور یہ دونوں فرزند حسنؑ و حسینؑ میری پاکیزہ ترین و بہترین ذریت و عترت ہیں۔ جن کو میں اپنی امت میں اپنا خلیفہ چھوڑ رہا ہوں۔ خداوندا جبرئیل نے مجھ کو یہ خبر دی ہے۔ کہ میرا یہ فرزند حسینؑ بظلم و ستم قتل کیا جائیگا۔ خداوندا شہادت حسینؑ کی وجہ سے مجھ کو میری نسل میں برکت عطا فرما۔ اور میرے حسین کو تمام شہیدوں کا سردار بنا بے شک تو ہر چیز پر قادر ہے۔ خداوندا تو اس کے قاتل و دشمن کو برکت نہ دے۔ یہ سنتا تھا کہ مسجد میں لوگوں کی گریہ و زاری کی وجہ سے ایک چیخ بلند ہوئی یہ دیکھ کر پیغمبرؐ نے ارشاد فرمایا۔ (آج) تو تم لوگ روتے ہو لیکن (کل) میرے حسینؑ کی مدد نہ کروگے۔ خداوندا تو ہی میرے حسینؑ کا والی و مددگار ہے۔"

اس خبر سے مندرجہ ذیل امور مستفاد ہوتے ہیں:۔

۱۔ خلافت رسولؐ اہل بیت رسولؐ کے لئے مخصوص تھی۔

۲۔ شہادت حسینؑ کی وجہ سے نسل رسولؐ کو برکت حاصل ہوئی۔

۳۔ امام حسینؑ سید الشہداء ہیں۔

۴۔ قاتلان و دشمنان حسینؑ مبغوض خدا و رسولؐ اور قابل نفرت ہیں۔

۵۔ شہادت حسینؑ و مصائب حسینؑ سن کر رونا سنت ہے۔

۱۔ شہادت حسینؑ کے ذمہ دار صرف وہی نہیں۔ جو کربلا میں لڑنے آئے تھے، بلکہ اصحاب رسولؐ بھی ہیں۔ جنہوں نے اہل بیتؑ کی مدد نہیں کی۔ اور جن کی وجہ سے حزب مخالف کو طاقت پہنچی۔

ظاہر ہے کہ خبر شہادت کو سن کر صحابہ کرام کا آہ و درد اور گریہ و بکا کرنا یہ ان کی محبت کی دلیل ہے۔ جو ان کو رسولؐ اور آل رسول سے تھی۔ لیکن اس حالت میں پیغمبرؐ کا ان کو متنبہ کرنا اور یہ ارشاد فرمانا۔ کہ آج تو تم روتے ہو۔ لیکن کل وقت پڑنے پہ مدد نہ کرو گے۔ انتہائی پریشانی و اضطراب کا سبب ہوا ہوگا۔ اس وقت ان کا دل یہ کیونکر قبول کرنے کے لئے آمادہ ہو سکتا تھا۔ کہ وہ حسینؑ کی مدد نہ کریں گے۔ یقیناً وہ اپنے گریہ کو ضبط کرتے ہوئے یہ غور کرتے لگے ہوں گے۔ کیا ہم سے یہ امید کی جا سکتی ہے۔ کہ ہم آل رسولؐ کی مدد نہ کریں۔ استعاذ اللہ یہ کیونکر ہو سکتا ہے۔ ہم نے تو وطن چھوڑا پیغمبرؐ کا ساتھ دیا۔ مہاجر کہلائے۔ ہاں ہم لوگوں نے تو پیغمبرؐ کی مدد کی سینہ سپر ہوئے اور ایسی نصرت کی کہ انصار کہلائے۔ ہم مہاجر و انصار سے کیونکر ہو سکتا ہے۔ کہ فرزند رسولؐ کی مدد نہ کریں۔ کیا ہم کلمہ گو نہیں؟ کیا ہم اجر رسالت ادا کرنے میں بخل کریں گے؟ ہم پر تو رسولؐ اور ان کے اہل بیتؑ کا احسان ہے۔ یہ ہمارے محسن ہیں ہم اللہ اور اس کے رسولؐ کی اطاعت کرنے والے ہیں۔ کیا اہل بیت رسولؐ جو پیغمبرؐ کے جانشین اور خلیفہ ہوں گے۔ ہم ان کی اطاعت نہ کریں۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ہم میں سے کوئی ان سے سرتابی کر سکے۔ اور ان کی اطاعت و نصرت نہ کرے۔ شاید حسینؑ کی شہادت پوشیدہ طریقہ پر ہو جائے۔ اور ہم لوگ آگاہ نہ ہو سکیں۔ لیکن نہیں۔ رسولؐ تو صاف فرما رہے ہیں کہ "ولا تنصرونہ" جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ہمارے علم میں شہید ہوں گے۔ اور مدد کر سکنے کے باوجود ہم حسینؑ کی مدد نہ کریں گے۔ گویا حسینؑ کی شہادت کی ذمہ داری ہمارے اوپر عائد ہوگی اے کاش ایسا نہ ہوتا۔

یہ وہ خیالات ہیں جو رسول اللہ کی تقریر خبر شہادت کے بعد ہر مہاجر و انصار کے دل میں پیدا ہونا ایک فطری امر ہے۔ دراصل رسول اللہؐ کی حیات میں اسباب شہادت کے متعلق اصحاب کچھ نہیں سوچ سکتے تھے۔ ورنہ رسول اللہ کے بعد واقع ہونے والے حالات کا صحیح اندازہ لگا سکتے تھے۔

علاوہ بریں جناب رسالتمآب کا عام مسلمانوں کے مجمع میں یہ اعلان کرنا کہ ان کا فرزند حسینؑ بظلم و ستم قتل کیا جائے۔ اس کو مسلمانوں نے حیرت و استعجاب سے سُنا ہو اور اس خبر کو ایک دوسرے سے بیان کیا ہوگا۔ اس بناء پر تمام مسلمانوں کو حسینؑ کی ہونے والی شہادت کی اطلاع ہو گئی ہوگی جس کی بنا پر ہر ایک کے دل میں نصرت حسین کا جذبہ پیدا ہو جانا چاہیئے تھا۔ اصحاب رسولؐ میں یہ کوئی نہیں کہہ سکتا کہ وہ خبر شہادت سے بے خبر رہے۔ ملاحظہ فرمایئے کہ جناب ابن عباسؓ کیا فرماتے ہیں :-

اخرج الحاکم عن ابن عباس رضی اللہ عنہ قال ما کنا نشکّ واهل البیت متواترون ان الحسین یقتل بالطف (تحریر الشہادتین شاہ سلامت اللہ حنفی ص۸۹ طبع کانپور)

ہم اصحاب رسولؐ اور اہل بیت پیغمبرؐ سب کے سب حسینؑ کی شہادت کا جو کربلا میں واقع ہونے والی تھی یقین رکھتے تھے کسی کو ذرا بھی اس میں شک نہ تھا۔ اس خبر کو امام حاکم نے اخراج کیا ہے۔

ہاں بعد شہادت اصل سبب کا معلوم کر لینا دشوار نہیں۔ حالات کے پردے چاک کر دیئے اور حقیقت نگاہوں کے سامنے عبد الرحمن بن عیسی الہمدانی بیان کرتے ہیں کہ ایک بار بنی ہاشم سے دریافت کیا گیا کہ :-

قیل لرجل من بنی ہاشم متی قتل الحسین بن علیؑ فقال یوم سقیفہ بنی ساعدہ (کتاب الالفاظ الکتابیہ لعبد الرحمن بن عیسی الہمدانی ص۱۳۲ طبع بیروت)

حسین بن علی کب قتل کیے گئے۔ جواب دیا۔ کہ در اصل حسینؑ سقیفہ بنی ساعدہ کے دن شہید ہوئے"

اس ہاشمی مفکر کا مقصد یہ تھا کہ حسینؑ کی شہادت کا اصل سبب سقیفہ بنی ساعدہ کی کارروائی ہے جس کے نتیجہ میں حسین شہید کئے گئے۔

(پس منظر کربلا ص۳ تا ص۹)

ڈپٹی نذیر احمد دہلوی مفسر قرآن کا اعتراف

اس میں شبہ نہیں کہ شہادت حسینی کا تیرہ و تار سانحہ بظاہر اگرچہ ۶۱ھ ہجری میں رونما ہوا۔ مگر اس دیجور قیامت کی شام ظلمت اسی وقت سے شروع ہو گئی تھی۔ جبکہ خورشید رسالت غروب ہوا تھا۔ اس سے پہلے ہم چند ایک علماء اسلام کی شہادت پیش کر چکے ہیں۔ مگر ہم مفسر قرآن علامہ ڈپٹی نذیر احمد دہلوی مرحوم ایسے محقق اور مشہور قلمکار کا حقیقت پسندانہ فکر بھی پیش کرنا ضروری خیال کرتے ہیں۔ اس لئے کہ یہ شخصیت پورے ہندوستان میں ذمہ دار تسلیم کی گئی ہے۔

فاضل موصوف اس مقام پر خون کے آنسو روتے ہوئے رویائے صادقہ کی چودھویں فصل میں لکھتے ہیں:۔

"جو شخص سب سے زیادہ پیغمبرؐ صاحب کی وفات سے متاذی ہوا۔ وہ فاطمہؑ تھیں، والدہ پہلے انتقال کر چکی تھیں۔ اب ماں اور باپ دونوں کی جگہ پیغمبرؐ صاحب تھے اور باپ بھی کیسے۔ دین و دنیا کے بادشاہ ایسے باپ کا سر سے اٹھ جانا۔ اس پر حضرت علی علیہ السلام کا خلافت سے محروم رہنا اور ستم بالائے ستم یہ ہوا کہ ترکۂ پدری یعنی فدک کا دعویٰ کرنا اور مقدمہ ہار جانا۔ کسی دوسرے کو ایسے سہم صدمات پہنچتے تو زہر کھا کر مر جاتا۔ مگر ان کے صبر و ضبط الہٰی کے ساتھ تھے پھر بھی رنجوں میں گھُل گھُل کر چھ مہینے کے اندر انتقال فرما گئیں۔ اور جتنے دن زندہ رہیں۔ ان لوگوں سے جنہوں نے ان کو رنج دیئے تھے۔ نہ بولیں اور نہ بات کی یہاں تک کہ ان لوگوں

کی اپنے جنازے پر آنے کی مناہی کر دی۔ اور شب کے وقت مدفون ہوئیں۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن۔

سخت افسوس کی بات ہے کہ اہل بیت کو پیغمبرؐ صاحب کی وفات کے بعد ہی سے ایسے نالائق واقعات پیش آئے کہ ان کا وہ ادب و لحاظ جو ہونا چاہئے تھا۔ اس میں ضعف آگیا اور شدہ شدہ منجر ہوا۔ اس ناقابل برداشت واقعہ کربلا کی طرف جس کی نظیر تاریخ میں ملنی دشوار ہے۔ ایسی نالائق حرکت مسلمانوں سے ہوئی ہے کہ اگر سچ پوچھو تو دنیا میں منہ دکھانے کے قابل نہیں رہے (رویائے صادقہ ص۲۳۵ فصل ۴ مطبوعہ لاہور)

حضرت امام حسین علیہ السلام کا موقف اور اقدام

محمود عباسی نے "اقدام خروج میں غلطی" کے عنوان سے حسب ذیل الفاظ میں اپنا موقف ظاہر کیا ہے :-

"کردار خلیفہ میں کوئی ایسی خامی یا برائی نہ تھی۔ کہ اس کے خلاف خروج کا جواز نکالا جا سکے۔ زمانہ حال کے مورخ محمد الخضری حادثہ کربلا کے بارہ میں اظہار تاسف کرنے کے بعد لکھتے ہیں۔ لیکن حضرت حسینؓ نے یزید کے خلاف قدم اٹھایا۔ حالانکہ تمام لوگ اسی بیعت میں داخل ہو چکے تھے۔ اور اس سے اس مخالفت کے وقت ایسے ظلم وجور کا اظہار نہیں ہوا تھا۔ جو خروج کو جائز کر دیتا۔ حضرت حسینؓ نے اپنے خروج میں بڑی خطا و غلطی کی۔ جس سے امت پر افتراق و اختلاف کا وبال پڑا اور آج تک دن تک محبت و الفت کے ستون کو جنبش لگا۔" (خلافت معاویہ و یزید ص۲۷)

یزید لعین کے کردار اور اس کی سیرت خبیثہ کے بارے میں یہ بات ظاہر ہے کہ وہ ناہنجار انسان ماؤں، بہنوں، بیٹیوں، اور پھوپھیوں سے نکاح کرنا حلال جانتا تھا۔ کتوں سے لہو لعب، شطرنج یا مرغ بازی اس کا مشغلہ تھا۔ ہر وقت شراب کے نشہ میں بدمست اور چور دولت اور سطوت کے خمار میں مخمور رہتا تھا۔ لونڈیوں اور لڑکوں میں اس کی عام نشست ہوا کرتی۔ بندروں کو علماء کا لباس پہنا کر گھوڑوں پر بٹھا کر بازاروں میں پھرتا۔ ان کے گلے میں سونے چاندی کے ہار ڈالتا۔ بسا اوقات توحید اور جنت و دوزخ سے صریحاً انکار کر جاتا۔ اسلام کے خلاف نازیبا الفاظ کہتا۔ اپنے کافر آباؤ اجداد کی تعریف کرتا تھا۔ اور داد شجاعت دیا کرتا تھا۔ بنی امیہ کے قتل کرنے والوں کو بُرے الفاظ سے یاد کرتا۔ نماز وغیرہ سے اس کا کوئی سروکار نہ تھا۔ اگر کبھی نماز پڑھی بھی تو نشہ کی حالت میں۔ اس کے عقائد اور اعمال میں کہیں اسلام کی جھلک نہ تھی۔ کوئی کفر کی نشانی ایسی نہ تھی۔ جو اس میں موجود نہ ہو۔ اس کی مرضی اور منشا کے خلاف اگر کوئی شخص قرآن کی تلاوت کرتا۔ تو قتل کر دیا جاتا وغیرہ وغیرہ۔ اس قسم کے واقعات اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ اگرچہ وہ ظاہراً مسلمانوں کے اموال و نفوس پر قابض تھا۔ مگر درحقیقت کفر اس میں سورج سے بھی زیادہ روشن ہو چکا تھا۔ ان حالات میں کیونکر ہو سکتا ہے۔ کہ امام حسین علیہ السلام کا خروج اس کے خلاف جائز نہیں تھا یا یہ کہ تمام لوگوں نے اس کے ہاتھ پر بیعت اطاعت کر لی تھی۔

صحیح بخاری جلد ۲ کتاب الفتن میں عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے ایسے ظالم حکام کے خلاف خروج کرنے کی شرعی طور پر اجازت بایں الفاظ منقول ہے۔

"انہ قال بایعنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علی ان لا ننازع الامر اهله الا ان تروا کفراً بواحاً عندکم من اللہ فیه برهان"

"انہوں نے فرمایا۔ کہ ہم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس امر پر بیعت کی تھی۔ کہ تم اولی الامر سے جھگڑا نہیں کرو گے۔ مگر جب تم ان سے صریح کفر دیکھو

تو خروج جائز ہے۔ جو کہ اللہ کی طرف سے اس میں تمہارے لئے دلیل بھی ہو"

مذکورہ حدیث عباسی صاحب نے بھی اپنے موقف کی تائید میں پیش کی ہے۔ اور انہوں نے اس حدیث سے یہ استدلال کیا ہے۔ کہ چونکہ یزید ملعون سے کوئی ایسا امر خلاف شریعت یا کفر ظاہر نہیں ہوا تھا جس کی بنا پر اس کے خلاف خروج کرنا جائز ہوتا۔ چونکہ ہم نے سیرت یزید کے بارے میں ثابت کر دیا ہے۔ کہ اس نے علانیہ ایسے عقائد و اعمال کا اظہار کیا تھا۔ جو اس کے کفر پر صریح دلالت کرتے تھے۔ لہذا ہم اس حدیث کو اپنی تائید میں پیش کر کے مخالف کے غلط استدلال کی قلعی کھول دینے میں حق بجانب ہیں۔

شاہ اسمٰعیل شہید دہلوی کا مسلک

حضرت شاہ اسماعیل شہید دہلوی جو اہل حدیث کے مسلم امام ہیں۔ انہوں نے بھی اپنی کتاب منصب امامت اُردو ص ۱۲۲ میں زیر عنوان سلطنت کفر ایسے ظالم حکام اور کافر بادشاہ کے خلاف خروج کرنے کے جواز اور ان کے ساتھ جہاد کرنے کے سلسلہ میں حسب ذیل بصیرت افروز بیان قلمبند فرمایا ہے۔ جس سے یزیدی حکومت کی پوری تصویر آنکھوں کے سامنے آجاتی ہے ملاحظہ ہو:۔

"جاننا چاہئے کہ سلطنت کفر سے مراد اس مقام میں اصل کفار کی حکومت نہیں ہے۔ بلکہ اس سے مقصود وہ قوم ہے۔ جو اپنے کو گروہ مسلمین سے جلانے اور صریح موجبات کفر عمل میں لائے۔ اور اس سے احکام شرعی کی مخالفت وعناد اس قدر ظاہر ہو۔ کہ اس پر کفر اور ارتداد کا حکم ثابت ہو جائے۔ اس کا بیان یوں ہے۔ کہ بعض اشخاص جبلت سے ہی ملحد مزاج و زندیق طبع ہوتے ہیں۔ جو اگرچہ بظاہر اسلام کا کلمہ پڑھتے ہیں۔ لیکن خدا و رسول، دین و مذہب اور حساب و کتاب پر یقین نہیں رکھتے۔ اسی دنیاوی نشیب و فراز کو سعادت و شقاوت اور اسی دنیوی جاہ و جلال اور مال و منال کے حاصل کرنے کو اصل کمال جانتے ہیں۔ جو کوئی انہی باتوں میں غرق اور مشغول ہو وہی ان کے نزدیک ذکی و عاقل ہے۔ اور جو کوئی ان باتوں سے اعراض

کرے۔ اور غیر ملتفت ہو۔ وہ ان کے نزدیک عبث و جاہل ہے۔ جو چیز دنیا کے دول کے حاصل کرنے کا باعث نہ ہو۔ وہ ان کے نزدیک لغو اور باطل اور جو محنت نام و نشان کے حصول کا ثمرہ نہ ہو۔ وہ ان کے نزدیک رنج بے حاصل ہے.....

الغرض ان کے ہر کلام میں ملت رب العلمین پر رمز اور سنت سید المرسلینؐ پر طنز ہوتی ہے۔ کبھی اپنے کلام کو یاوہ گو شعرا کے ساتھ ملا کے اور کبھی علمائے جاہ طلب تشبیہات سے بیان کرتے ہیں پھر ص ۱۲۹ پر تحریر کرتے ہیں "پس اس قسم کے سلاطین بے شک کفار متمردین اور زندیق مرتدین کی جنس سے ہیں۔ ان پر جہاد ارکانِ اسلام سے ہے۔ اور ان کی اہانت سید الانام کی اعانت ہے۔ ان کی سلطنت ہرگز امامت حکمیہ سے نہیں۔ اور ان کی اطاعت کسی وجہ سے بھی اوامر شرعیہ سے نہیں۔ جیسا کہ عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ نے روایت کیا۔

انہ قال بایعنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علی ان لا ننازع الامر اھلہ الا ان تروا کفرا عندکم من اللہ فیہ برھان۔ فرمایا کہ ہم نے آنحضرتؐ سے اس امر میں بیعت کی تھی کہ ہم والیانِ امر سے جھگڑا نہیں کریں گے مگر جب تم ان سے ظاہری کفر دیکھو تو پھر ان کے خلاف خروج جائز ہے۔ جو کہ اللہ کی طرف سے اس میں تمہارے لئے دلیل بھی ہو۔

پھر آخر میں شاہ صاحب تحریر فرماتے ہیں "ایسی سلطنت مرتد کا قیام مشابہ کفار ہے مسلمین پر فرض ہے کہ اس پر جہاد کریں۔"

بحث مذکورہ کو ختم کرتے ہوئے شاہ صاحب اسی کتاب کے ص ۱۳۱ پر لکھتے ہیں کہ "جاننا چاہئے۔ کہ اس مقام میں سلطنت ارتداد کا ذکر باوجودیکہ یہ قسم اقسام امامت حکمیہ کے لئے موضوع اور ان اقسام مذکورہ سلطنت سے خارج ہے محض اس امر کی بنا پر مذکور ہوا کہ مدعیان اسلام کے درمیان کبھی کوئی ایسا سلطان ہوتا ہے۔ جو محض کفار اشرار اور مرتدین

الحاد شعار سے ہوتا ہے۔ اس کی بیخ کنی کرنا عین انتظام اور اس کا ہلاک کرنا عین اسلام ہے۔ کیونکہ ہر متسلط کی اطاعت احکام شرعیہ سے نہیں اور نہ ہی ہر متبحر کی تابعداری احکام دینیہ سے ہے۔

حضرت شاہ صاحب مذکور نے صفحہ ۱۰۰ پر سلطانِ کامل سے امیر معاویہ مراد لیا ہے اور لکھا ہے۔ کہ اس کے خلاف خروج جائز نہیں ہے۔ پھر صفحہ ۱۰۰ پر حدیث تعوذوا باللہ من راس السبعین (ہر ستر برس کے شروع میں اللہ تعالیٰ سے پناہ مانگو) کے متعلق لکھا ہے۔ کہ یہ کلمہ سلطنت کاملہ کے گزر جانے کی طرف اشارہ ہے۔ اور جو شر و فساد قابلِ تعوذ ہے وہ سلطنتِ کاملہ کے بعد کا زمانہ ہے۔ سلطنت کفر کا صحیح نقشہ جو حضرت شاہ صاحب نے کھینچا ہے وہ بعینہٖ یزید کے کردار کا آئینہ ہے۔ اور شاہ صاحب کا مقصد ہی اسی سلطنت یزید کی طرف اشارہ کرنے کا ہے۔ اور اگر یہ سلطنت مراد نہ لی جائے۔ تو ساری تاریخ اسلام میں کوئی ایسی حکومت نہیں گزری ہے۔ جس کے خلاف شرعی طور پر خروج کا جواز نکالا جا سکے اگر عباسی صاحب میں ہمت ہے تو سوائے بنو امیہ خصوصاً یزید کی حکومت کے کسی اور سلطنت کا نمونہ پیش کریں۔ جو شاہ صاحب موصوف کے خیال کے مطابق ہو۔

شاہ عبدالعزیز دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیق چنانچہ اس سلسلہ میں حضرت شاہ عبدالعزیز دہلوی رحمۃ اللہ علیہ مناظرِ اسلام و محقق بے بدل نزد اہل سنت، خروج امام حسین رضی اللہ عنہ کے باب میں ایک سوال کے ضمن میں اپنی کتاب "فتاویٰ عزیزی" جلد ۱ صفحہ ۲ مطبوعہ مجتبائی دہلی میں ارشاد فرماتے ہیں:-

"خروج امام حسین علیہ السلام بنا بر دعویٰ خلافت راشدہ پیغامبر کہ بر در سی سال منقضی گشت نبود بلکہ بنا بر تخلیص رعایا از دست ظالم بود و اعانت المظلوم علی الظالم من الواجبات و آنچہ در مشکوٰۃ ثابت است کہ حضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم از بغی و خروج بر بادشاہ وقت اگرچہ ظالم باشد منع فرمودند

بس درآں وقت است کہ آں پادشاہ ظالم بلامنازع ومزاحم تسلط تام پیدا کردہ باشد ہنوز اہل مدینہ واہل مکہ واہل کوفہ بہ تسلط یزید پلید راضی نشدہ بودند مثل حضرت امام حسینؓ وعبداللہ بن عباس وعبداللہ بن عمر وعبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہم بیعت نکردہ۔ بالجملہ خروج امام حسین رضی اللہ عنہ برائے رفع تسلط او بودند برائے دفع تسلط وآنچہ در حدیث ممنوع است آں خروج ست کہ برائے رفع تسلط بسلطان جائز باشد"

(ترجمہ) "امام حسین علیہ السلام کا خروج کرنا پیغمبرؐ کی خلافت راشدہ جو تیس سال تک ختم ہو چکی تھی۔ کے دعویٰ کی بنا پر نہ تھا۔ بلکہ رعایا کو ظالم کے ہاتھ سے نکالنا تھا۔ اور مظلوم کی اعانت ظالم کے خلاف واجبات سے ہے اور یہ جو مشکوٰۃ میں ثابت ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پادشاہ وقت کے خلاف بغاوت وخروج سے ممانعت فرمائی ہے ـــــــ اگرچہ وہ ظالم ہو۔ پس یہ اس وقت ہے۔ کہ جب یہ ظالم بادشاہ بلامنازعت ومزاحمت کے مکمل غلبہ اور تسلط حاصل کرلے حالانکہ اہل مدینہ واہلِ مکہ واہلِ کوفہ نے ابھی تک یزید پلید کے تسلط کو تسلیم نہیں کیا تھا۔ حضرت امام حسینؓ وعبداللہ بن عباس، عبداللہ بن عمر وعبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہم نے ابھی بیعت نہ کی ہوئی تھی۔ بالجملہ حسین علیہ السلام کا خروج دفع تسلط کے لئے تھا نہ کہ رفع کرنے کے لئے جس خروج کی حدیث میں مخالفت ہے وہ رفع تسلط کے لئے ہے"

شاہ عبدالحقؒ دہلوی کا اعتقاد

حضرت شاہ عبدالحقؒ محدث دہلوی لکھتے ہیں:۔ "بعض یزید اور اس کے مددگاروں اوریاروں کی شان میں اتنا غلو وافراط کرتے ہیں۔ کہ وہ مسلمانوں کے اتفاق سے امیر ہوا تھا۔ اس کی اطاعت امام حسین علیہ السلام پر واجب تھی" نعوذ باللہ من ہذا القول

دمن ہذا الاعتقاد" یزید پلید حضرت امام حسین علیہ السلام کے ہوتے ہوئے کیونکر امیر ہو سکتا تھا۔ اور مسلمانوں کا اتفاق اس پر کب ہوا۔ اصحاب رضی اللہ عنہم کا گروہ جو اس کے زمانے میں موجود تھا۔ وہ اور اُن کی اولاد سب اس کے منکر اور اس کی اطاعت سے خارج تھے۔"

(رسالہ عقائد تکمیل الایمان، ص۹۳)

شاہ عبدالعزیزؒ دہلوی اور شاہ عبدالحقؒ محدث دہلوی ہر دو کے واضح بیانات سے روشن ہو گیا کہ عباسی کا یہ غلغلہ کہ صحابہ کرامؓ نے متفقہ طور پر یزید کو خلیفہ تسلیم کر لیا تھا غلط اور محض پروپیگنڈا ہے۔ حقیقت میں کسی ذی اثر صحابی نے اس کے سامنے سر اطاعت نہیں جھکایا تھا۔ جب کسی ظالم کو جبر و تعدی سے تسلط حاصل ہو جائے۔ تو بعض لوگوں کا حفظ جان و مال کی خاطر یا حفاظت دین کے لئے تسلیم سلطنت کے طور پر بیعت کر لینا معیوب نہیں ہے۔ جیسا کہ بعد میں بعض صحابہ سے یہ امر ظہور پذیر ہوا بھی تھا۔

پس ایسے حالات میں جب کہ یزید پر قرآن و حدیث کی نص بھی نہ تھی۔ بلکہ نصوص متواترہ اس کے خلاف تھیں۔ اہل سنت کے کسی قاعدہ کلیہ کے ماتحت وہ حاکم بھی نہیں بنا تھا۔ اجلہ صحابہ کرام اور اہل بیتؑ عظام سے کسی نے بھی بیعت نہ کی تھی۔ مسلمانوں پر ظلم و تعدی کا بازار بھی گرم تھا۔ تو کیوں کر یہ جائز تھا۔ کہ نواسۂ رسولؐ حمایت دین کی خاطر ایسے پلید کے خلاف اپنے موقف کا اظہار نہ کرتا۔ اقوال عباسی کے اگر مسلمانوں کے باہمی اتفاق اور الفت و محبت کے ستون کو جھٹکا لگا۔ تو یہ مسلمانوں کی عدم شعوریت کا قصور ہے۔ حضرت امام حسین علیہ السلام کا اس میں کیا دخل؟ بلکہ وہ تو ملت اسلام کے بکھرے ہوئے شیرازے کو متحد کرنے کے لئے اٹھے تھے۔ اور اگر وہ ایسا نہ کرتے۔ تو آج دنیا میں رسولؐ اسلام کا پیش کیا ہوا سچا دین کہیں نظر نہ آتا۔ اموی نمک خواروں نے امام حسین علیہ السلام پر ضد اور ہٹ دھرمی کا الزام لگا رکھا ہے۔ کوتاہ بینوں کا یہ قول ہے۔ کہ یزید کی بیعت اور اطاعت بنو ہاشم کو اس بربادی سے بچا لیتی۔ جس نے

آج تک مسلمانوں کو سوگوار بنا رکھا ہے۔ لیکن وہ لوگ جو نواسہ رسولؐ سے یہ امید رکھتے ہیں۔ کہ وہ ایک شراب خوار۔ زانی خلیفہ کے ہاتھ پر بیعت کر لیتے۔ انہوں نے دراصل آل محمدؐ کے مقاصد اور ان کے فلسفہ کو سمجھا ہی نہیں۔ ان کا تو یہ نظریہ تھا۔ کہ انسان نام نہاد مذہبی و سیاسی پیشواؤں کی بجائے فقط مامور من اللہ کی ہی اطاعت کا اقرار کر سکتا ہے۔ حسینؓ خود مامور من اللہ تھے۔ وہ بنی نوع انسان کے لئے دنیا میں آئے تھے۔ یزید کا وجود نہ صرف مذہب بلکہ تہذیب اسلامی کے لئے بھی ایک عظیم خطرہ تھا۔ حسینؓ کا فرض تھا۔ کہ وہ اس خطرہ سے دنیا کو خالی کر دیں۔ چنانچہ انہوں نے اپنے اس فرض کو حسن و خوبی کے ساتھ انجام دے دیا ہے

"واللہ اے حسینؓ کارے کردی"

حضرت امام کا محتاط اور امن پسندانہ طرز عمل

جناب سید الشہداء علیہ السلام کی دینی بصیرت اور مستحسن اقدام کے متعلق علامہ امام نگری کے فکری رجحان کا اندازہ ان کے ذیل میں پیش کردہ مضمون سے لگاتے چلیے۔ وہ فرماتے ہیں۔

اوپر کی بحث کا تعلق اس مسئلے سے تھا۔ کہ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کا مجددانہ انقلابی اقدام صحیح اور حق تھا۔ یا اس کے برعکس۔ اب اسی بحث کے تتمہ کے طور پر دو باتیں اور جان لینی چاہئیں:۔

۱۔ حضرت امام حسینؓ نے ایسا نہیں کیا کہ یکایک خروج کا فیصلہ کیا اور قدم اٹھا دیا۔ آپ خاموشی اور صبر کے ساتھ حالات کا انتظار کرتے رہے۔ اور ایسے حالات میں قدم اٹھایا۔ جو بظاہر بالکل سازگار تھے۔ اور انسان کسی اقدام و عمل کا فیصلہ ظاہر ہی کے مطابق ہی کرتا ہے۔ باطن کا علم خدا کے سوا کسی کو نہیں ہوتا۔

۲۔ حضرت امامؓ نے جو اقدام کیا۔ اس کو جنگ و جدل اور حرب و ضرب سے کوئی تعلق

نہ تھا۔ اور نہ آپ کے اقدام میں کوئی ایسا پہلو تھا۔ جسے نظم مملکت میں اختلال اور بدنظمی کا موجب قرار دیا جا سکے۔

اب آئیے ان شقوں پر ایک تفصیلی نگاہ ڈالیں۔

۱۔ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے یزیدی حکومت کے خلاف کوئی اسکیم نہیں بنائی تھی۔ نہ وہ کوئی تحریک چلا رہے تھے۔ اپنے مقدس نانا کے جوار مدینۃ النبی میں خاموشی اور سکون کی زندگی گزار رہے تھے۔ یزید کا فاسق و فاجر اور بدکار و بدکردار ہونا عام ہو چکا تھا۔ اسی حالت میں کوفہ کے رؤسا اور اکابر کے خطوط آنا شروع ہوئے۔ کہ وہ یزید کے جیسے فاسق و فاجر اور بدکردار کو امام اور خلیفہ ماننے کو تیار نہیں ہیں۔ ہم آپ کے ہاتھ پر بیعت کرنا چاہتے ہیں۔ آپ آئیے اور ہم سے بیعت لیجئے۔ ایسے خطوط ایک دو یا دس پانچ نہیں آئے۔ اتنے خطوط آئے کہ ایک انبار لگ گیا۔

کہا جاتا ہے کہ اہل عراق مفسد اور غدار تھے۔ حضرت امامؓ کے اعزہ اور دوسرے حضرات نے آپ کو سمجھایا کہ عراقی لائق اعتماد نہیں۔ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ برسوں کوفہ رہ چکے تھے۔ آپ اہل کوفہ کے مزاج و اخلاق اور طرز عمل سے براہ راست ذاتی واقفیت رکھتے تھے، اچھے اور برے ہر جگہ ہوتے ہیں۔ کوفہ میں بھی ایک ہی طرح کے لوگ نہ تھے۔ حجر بن عدی رضی اللہ عنہ اور ان کے رفقاء جیسے مخلص اور جاں نثار بھی تھے۔

حضرت امامؓ بھی بغیر غور و فکر کئے کوفہ جانے کے لئے تیار نہیں ہو گئے۔ نتائج و عواقب پر بار بار غور کیا۔ عباسی صاحب ہی نے "البدایہ والنہایہ" کے یہ الفاظ نقل کئے ہیں۔ "مرۃ یرید ان یسیر الیہم ومرۃ یجمع الاقامۃ"، رص۲۹ یعنی حضرت امامؓ کبھی تو یہ ارادہ فرماتے۔ کہ اہل کوفہ کے پاس چلے جائیں۔ اور کبھی یہ سوچتے کہ ان سے دور اپنی ہی جگہ ٹھہرے رہیں اس تذبذب کے بجائے یکسوئی حاصل کرنے کے لئے آپ نے انتہائی صحیح اور دور اندیشانہ صورت اختیار کی۔ اپنے معتمد اور چچیرے بھائی حضرت مسلم بن عقیلؓ کو اپنے نمائندہ کی حیثیت سے صورت حال

کا جائزہ لینے کے لئے کوفہ بھیجا اور ان کو ہدایت کر دی کہ وہ اہل کوفہ کو اپنے قول اور طرز عمل میں صادق پائیں۔ تو خط کے ذریعہ اطلاع دیں ورنہ فوراً واپس چلے آئیں۔ یہ بات بھی خود عباسی صاحب نے لکھی ہے۔ (ص۸۱) اب آپ غور کیجئے۔ ایک محتاط اور دور اندیش آدمی اس کے سوا اور کیا طریقہ اختیار کر سکتا ہے؟

حضرت مسلمؓ کوفہ پہنچے۔ وہاں کے رؤسا و اکابر اور عوام سب نے آپ کا پُر جوش خیر مقدم کیا۔ ہزاروں آدمی حضرت امامؓ کی بیعت میں داخل ہو گئے۔ اور سب نے قسم قسم کھا کر حضرت امامؓ کی نصرت و اعانت کا اقرار کیا۔ اس کے متعلق بھی عباسی صاحب نے البدایہ والنہایہ کے یہ الفاظ نقل کئے ہیں "فبایعوہ علی امرۃ الحسین وحلفوا لینصرنہ بانفسہم واموالہم" (ص۸۱) یعنی اہل کوفہ نے حضرت امامؓ کی امارت کی بیعت کی اور قسم کھا کر اقرار کیا۔ کہ وہ اپنی جان و مال سے حضرت امامؓ کی نصرت و اعانت کریں گے۔"

حضرت مسلمؓ نے اہل کوفہ کا یہ جوش و خروش اور جذبۂ اخلاص و نصرت دیکھا تو حضرت امام حسینؓ کو ایک وثوق آمیز خط لکھا۔ کہ اٹھارہ ہزار آدمی میرے ہاتھ پر بیعت کر چکے ہیں۔ آپ میرا مکتوب دیکھتے ہی کوفہ کے لئے روانہ ہو جائیں۔ تمام لوگ آپ کے حق میں ہیں۔ یہاں نہ کوئی یزید کو پسند کرتا ہے۔ اور نہ اس سے واسطہ رکھنا چاہتا ہے۔ عباسی صاحب نے متن کے ساتھ اس خط کو نقل کیا ہے:۔

اُدھر حضرت مسلمؓ نے حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کو خط لکھا۔ اور ادھر کوفہ کی حالت نے پلٹا کھایا۔ حضرت نعمان بن بشیر انصاریؓ تھے۔ تو حضرت علیؓ کے وقت سے حضرت معاویہ کی پارٹی میں۔ لیکن بہر حال وہ ایک صحابی تھے۔ ان کی پالیسی معتدل تھی۔ حامیانِ حکومت نے جن میں عمر بن سعد بھی تھا۔ یزید کو لکھا۔ کہ یہاں کسی سخت گیر والی کو بھیجا جائے۔ یزید کا چچیرا بھائی عبید اللہ بن زیاد بصرہ کا والی تھا۔ جو بڑا ہی تشدد پسند اور سخت گیر تھا۔ یزید نے کوفہ کو بھی اس کے چارج میں دیدیا۔ یہ اسی باپ کا بیٹا تھا۔ جس نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے عقیدت کیشوں

کیا یہ استحصال ہے۔

ہیں اہلِ کوفہ کو مسجد میں بند کر کے ان کے ہاتھ کٹوا دیئے تھے اور جس کی تحریک پر حضرت حجر بن عدی رضی اور
ان کے رفقاء کو حضرت معاویہ نے قتل کرا دیا تھا۔

ابن زیاد نے بصرہ سے کوفہ آتے ہی حضرت ہانی کو جن کے یہاں حضرت مسلم بن عقیل رضی مقیم تھے۔
گرفتار کرا لیا۔ یہ حضرت مسلم رضی کے لئے بڑے امتحان کا وقت تھا۔ ان کا ایک حامی اور پیرو گرفتار کر لیا
جائے اور وہ خاموش بیٹھے رہیں۔ یہ بات سیاست و اخلاق دونوں کے منافی تھی۔ پھر حضرت ہانی
کے بعد خود حضرت مسلم رضی کی گرفتاری کی باری تھی۔ اس لئے حضرت مسلم رضی کے لئے آزمائش کی آگ میں
کود نے کے سوا کوئی چارہ نہ تھا۔ چنانچہ آپ اٹھے آپ کے ہزاروں پیروؤں نے آپ کا ساتھ
دیا۔ آپ ان کو لے کر ایوانِ حکومت کے سامنے پہنچ گئے۔ آپ کا مطالبہ صرف ہانی کی رہائی کا تھا۔
اگر ابن زیاد ان کو رہا کر دیتا۔ تو کوئی ناگوار صورت رونما نہ ہوتی۔ رفتہ رفتہ سکون ہو جاتا۔ حالات
کو سازگار ہی دیکھ کر حضرت مسلم رضی نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو کوفہ آنے کا خط لکھا تھا۔ حالات
کے بدل جانے پر آپ کوفہ سے حجاز واپس چلے جاتے۔ لیکن یزیدی حکومت تو پہلے ہی سے حضرت
امام حسین رضی کے خلاف کارروائی کرنے پر تلی ہوئی تھی۔ اور آپ کو یزید کی بیعت پر مجبور کر رہی تھی۔
ابن زیاد حضرت مسلم بن عقیل کے ساتھ کوئی نرمی اور رعایت کیا برتتا۔ درباری روساء اور امراء ہمیشہ
تجدید و انقلاب کی راہ کے سنگِ گراں ہوتے ہیں۔ ایک طرف ابن زیاد نے کوفہ کے درباری اعیان
و اکابر پر دباؤ ڈالا۔ کہ وہ عوام کو سمجھا بجھا کر حضرت مسلم رضی سے الگ کریں۔ دوسری طرف اس نے خود
ہجوم کو مخاطب کر کے آتش بار تقریر کی۔ عورتیں بھی چیخ و پکار کرتی اپنے مردوں کو واپس لانے کے لئے
ہجوم میں پہنچ گئیں۔ ان حالات نے مل ملا کر عوام کے حوصلے پست کر دیئے اور حضرت مسلم رضی نے ذلت
کے ساتھ گرفتار ہونے کی بجائے مردانہ وار لڑ کر جان دے دی۔

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے جو پر امن قدم اٹھایا تھا۔ وہ ابن زیاد کی سخت گیری سے
دفعتہً قتل و غارت کی صورت میں تبدیل ہو گیا۔

حضرت مسلم رضی کے مکتوب کے مطابق حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ مکہ معظمہ سے کوفہ کے لئے

روانہ ہو چکے تھے۔ عباسی صاحب نے اس سلسلے میں دن، تاریخ، منازلِ سفر، حضرت امامؓ کے کوفہ پہنچنے کے دن اور تاریخ کی عجیب عجیب دور از کار بحثیں چھیڑی ہیں۔ اور ان مباحث میں کتاب کے کتنے ہی صفحات سیاہ کر ڈالے ہیں۔ اس مسئلے پر عباسی صاحب نے جو دماغ سوزی اور خامہ فرسائی کی ہے وہ کتنی بے حقیقت ہے۔ اس کی حقیقت حیات اللہ صاحب انصاری ایڈیٹر قومی آواز لکھنؤ نے بخوبی واضح کر دی ہے۔ (ملاحظہ ہو "قومی آواز" ۲۱ نومبر ۱۹۵۹ء)

انہی مباحث میں حضرت امامؓ کے خلاف عباسی صاحب نے پروپیگنڈا بھی کیا ہے۔ کہ آپ نے عین تاریخ حج کئے بغیر مکہ چھوڑ دیا۔ عباسی صاحب کو اتنی خبر نہیں۔ کہ حضرت امامؓ تو مجتہد تھے اتنی بات تو ایک معمولی مسلمان بھی جانتا ہے۔ کہ حج زندگی میں ایک ہی بار فرض ہے۔ اور حضرت امامؓ کتنے حج کر چکے تھے۔ ان پر حج کچھ فرض نہ تھا جسے آپ نے ترک کر دیا۔

راستہ میں حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کو اطلاع ملی، کہ حکومت کے تشدد سے کوفہ کا ماحول یکسر بدل گیا۔ اور حضرت مسلمؓ شہید ہو گئے۔ اس لئے آپ نے واپسی کا ارادہ کیا۔ لیکن راہ میں ایک ناقابلِ حل الجھن آ پڑی۔ برادرانِ حضرت مسلمؓ واپسی کے لئے تیار نہ ہوئے۔ انہوں نے کہا مسلمؓ کے مارے جانے کے بعد ہم زندہ رہنا نہیں چاہتے۔ حضرت امامؓ ان کو چھوڑ کر خود واپس ہو جاتے تو یہ بات معمولی انسانی اخلاق کے بھی منافی ہوتی۔ چہ جائیکہ حضرت امامؓ اس کو گوارہ کرتے۔ ناچار آپ کو آگے بڑھنا پڑا۔ یہاں یہ بات بھی یاد رکھنے کے قابل ہے۔ کہ جہاں تک بیعتِ یزید کے مسئلے کا تعلق تھا۔ ہر زمین امامؓ کے لئے کوفے کا حکم رکھتی تھی۔ آپ جہاں بھی جاتے۔ آپ سے بیعت کا مطالبہ ہوتا۔ تاہم آپ نے کوفہ پہنچ کر اپنی پوری قوت اس راستہ پر صرف فرما دی۔ کہ جنگ و جدل کی نوبت نہ آنے پائے۔ اس لئے کہ آپ اس مقصد سے نکلے ہی نہ تھے۔

۲۔ اب یہ دیکھئے کہ کیا حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے اقدام میں جنگ و پیکار اور نظم مملکت میں بدنظمی اور خلل پیدا کرنے والا کوئی پہلو پایا جاتا ہے۔ کوفہ اسلامی مملکت کا ایک اہم سیاسی مرکز تھا۔ اور وہاں کے باشندے یزید سے متنفر اور امامؓ کی بیعت کے لئے آمادہ تھے۔

اور بلا دے پر بلا دا بھیج رہے تھے۔ یہ صورت جنگ و جدل اور مملکت کے نظم و نسق میں کوئی خلل اور بدنظمی پیدا ہوئے بغیر ایک خطہ میں صالح امامت و خلافت قائم ہو جانے کی تھی۔ اس لیئے حضرت امامؑ نے اس کے خلاف اقدام کیا۔ ایسی بات نہ تھی۔ کہ آپ نے اس غرض سے کوئی فوجی تیاری کی ہو۔ اور کوفہ پر حملہ کیا ہو۔ آپ نے جس حالت میں مکہ معظمہ سے کوچ کیا۔ اس میں بھی عسکریت اور حملہ آوری کا مطلق کوئی شائبہ نہ تھا۔ اہلِ خاندان کے ساتھ جن میں خواتین اور گود کے بچے تک شامل تھے۔ کوفہ کے لیئے مکہ سے نکلے تھے۔ عراق بھی وہی تھے۔ جو آپ کو کوفہ لے جانے کے لیئے آپ کے پاس آئے تھے ان پر بھی فوج کا اطلاق نہیں ہو سکتا۔

حضرت امامؑ کے کوفہ پہنچنے سے پہلے ابن زیاد نے آگے بڑھ کر حضرت امامؑ کو محاصرہ میں لینے کے لیئے حرؒ کی قیادت میں جو فوج بھیجی تھی۔ اس کو مخاطب کر کے حضرت امامؑ نے جو خطبہ دیا تھا۔ وہ ملاحظہ کے قابل ہے۔ آپ نے فرمایا:—

> لوگو! — خدا کے سامنے اور تمہارے سامنے میرا یہ عذر ہے کہ میں خود اپنی خواہش سے یہاں نہیں آیا ہوں۔ میرے پاس تمہارے خطوط گئے۔ قاصد گئے۔ مجھے بار بار دعوت دی گئی۔ کہ ہمارا کوئی امام نہیں۔ آپ آیئے تاکہ خدا ہمیں آپ کے ہاتھ پر جمع کر دے۔ اگر تم اب بھی اپنی حالت پر قائم ہو تو میں آگیا ہوں۔ اگر تم مجھ سے ایسا عہد و پیمان کرو۔ جو میرے لیئے قابلِ اطمینان ہو۔ تو میں تمہارے ساتھ تمہارے شہر چلنے کو تیار ہوں۔ اگر ایسا نہیں ہے۔ بلکہ تم میرے آنے سے ناخوش ہو تو میں جہاں سے آیا ہوں۔ وہاں واپس چلا جاؤں گا۔"

(شہادت حسین مولانا ابوالکلام آزاد)

حضرت امامؑ کے اس خطبہ سے صاف پتہ چلتا ہے کہ آپ کا اقدام جارحیت و عسکریت اور خونریزی و بدنظمی سے پاک تھا۔

آخر میں اتنی بات اور سمجھ لینی چاہیئے۔ کہ جب سے یزید برسر حکومت ہوا تھا حضرت امام حسین رضؓ سے بیعت کے لئے برابر مصر تھا۔ اور اس کے عمال آپ کے درپے تھے۔ حضرت امام رضؓ کو ہر لمحہ خطرہ دامن گیر تھا۔ کہ حکومت کی طرف سے کوئی سخت گیر کارروائی عمل میں نہ لائی جائے۔ اور آپ کسی حالت میں بیعت کے لئے تیار نہ تھے۔ ظاہر ہے کتنی نازک صورت حال تھی۔ اگر یزیدی حکومت کا یہ رویہ نہ ہوتا۔ تو اغلب ہے کہ حضرت امام کی طرف سے اقدام کی کارروائی عمل میں نہ آتی۔ کربلا کا مرحلہ بھی ٹل سکتا تھا۔ اگر ابن سعد اور ابن زیاد حضرت امامؓ کی بات مان لیتے اور بیعت لینے پر مصر نہ ہوتے۔

ایک عظیم اسلامی مفکر کا جینیئت پر تبصرہ

ہندوستان کی مشہور دینی درسگاہ دیوبند کے مہتمم اعلیٰ فاضل علامہ قاری طیب صاحب اپنی کتاب شہید کربلا اور یزید میں عباسی صاحب کے دوسرے منصوبے کی قلعی کھولتے ہوئے جناب امام حسین علیہ السلام کی عزیمت، جرأت اور ہمت و شجاعت پر اس طرح دلائل پیش فرماتے ہیں۔

سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کی عزیمت و جرأت اور ہمت و شجاعت قلب کا سب سے بڑا ظہور اسی واقعہ کربلا سے ہوا ہے۔ کہ جس چیز کو وہ حق سمجھ چکے تھے۔ اس پر جان دے دینی گوارا کی۔ مگر باطل کے آگے سر جھکانا گوارا نہیں کیا۔ اور باوجود بے یاری و مددگاری کے یکہ و تنہا باطل کے مقابلہ میں آگئے۔ اور شہادت عظمیٰ کے مقابلہ میں جا پہنچے۔

لیکن اسی کو عباسی صاحب نے بغاوت کا عنوان دے کر ان کا سب سے بڑا عیب شمار کرانے اور اس اونچی حسنہ کو قرآن و حدیث اور اجماع صحابہ کے خلاف ایک نیچی قسم کی سئیہ دکھلا کر داغدار بنانے کی سعی کی ہے۔ تاکہ کسی نہ کسی طرح حضرت حسین پر کوئی نہ کوئی حرف آجائے۔ اور ہمت و شجاعت کا یہ غیر معمولی کارنامہ اور شہادت عظمیٰ کا یہ بلند و بالا مقام اس کے نام مبارک پر نہ لگنے پائے۔ جیسا کہ ان کی عبارتوں اور ان کے فحویٰ سے ان کا یہ مدعا پیش کیا جا چکا ہے۔

لیکن اس سلسلہ میں جہاں تک الزام بغاوت یا نفی شہادت کا تعلق ہے اس کے بارے میں سلف اور متقدمین کا جو کچھ نقطۂ نظر ہے اس کے لئے ملا علی قاری شارح مشکوٰۃ شریف کی یہ ایک ہی عبارت کافی ہو سکتی ہے۔ جو علاوہ موثق نقل ہونے کے اہل سنت والجماعت کا عقیدہ بھی ہے۔ شارح ممدوح عقیدہ کی ترجمانی کرتے ہوئے شرح فقہ اکبر میں تحریر فرماتے ہیں کہ

واما ما نقوہ بعض الجھلۃ من ان الحسین کان باغیاً فباطل عند اہل السنۃ والجماعۃ ولعل ھٰذا من ھذیانات الخوارج عن الجلاۃ (شرح فقہ اکبر ص)

اور یہ جو بعض جاہلوں نے افواہ اڑا رکھی ہے، کہ حسین باغی تھے۔ تو اہل سنت والجماعت کے نزدیک باطل ہے۔ شاید خوارج کے ہذیانات ہیں جو راہ مستقیم سے ہٹے ہوئے ہیں۔

عباسی صاحب نے حضرت حسین پر بغاوت کا جرم عاید کرنے کے لئے تاریخی نقل اور وہ بھی ٹوٹی پھوٹی سی پیش کی تھی۔ حالانکہ یہ نقل اگر مسلم مورخین کی بھی ہوتی تب بھی عقیدہ اور متکلمانہ نقل کا مقابلہ نہیں کر سکتی تھی۔ جس پر عقائد کی بنیاد رکھی جاتی ہے۔ ملا علی قاری نے حضرت حسینؓ پر بغاوت کا الزام لگانے والوں کو جاہل کہہ کر اس خیال کو جاہلانہ خیال کہا ہے۔ یہ کوئی جذباتی طعنہ نہیں بلکہ حقیقتاً ان مدعیوں کی ناواقفیت اور مذہب سے جہالت یا تجاہل پر روشنی ڈالی ہے۔ کیونکہ حضرت حسینؓ کو باغی کہنے کا منصوبہ اس خیال پر مبنی ہے۔ کہ یزید خلیفۂ برحق تھا۔ اور اس کی حقانیت کی سب سے بڑی دلیل یہ ظاہر کی گئی ہے۔ کہ صحابہ کی اکثریت نے اس کے ہاتھ پر بیعت کرلی تھی۔ جو خلیفہ کے حسن کردار کی دلیل ہے۔ درحالیکہ یہ مقدمات بھی جہالت پر مبنی ہیں۔ جن میں سے اکثر قیاسی ہیں۔ کیونکہ صحابہ کی اکثریت کی بیعت کو یزید کے خلیفۂ برحق ہونے پر محمول کرنے کا شاخسانہ ایک قیاسی نظریہ ہے۔ اور عقیدہ کے مقابلہ میں نظریہ یا خیالی منصوبہ اول تو وقعت ہی کیا رکھتا ہے۔ کہ عقیدہ کے بعد اس کی طرف التفات بھی کیا جائے جبکہ تاریخی نظریہ تاریخ بھی نہیں۔ تاریخ کا محقق ایک قیاسی نظریہ ہوتا ہے۔ اور ظاہر ہے۔ کہ کسی مورخ یا تاریخ کے مطالعہ کنندہ کے قیاس و استنباط کو جب تاریخ نہیں کہا جا سکتا۔ تو

عقیدہ کی حیثیت تو کیا دی جا سکتی ہے۔ ورنہ نتائج دوسرے بھی نکال سکتے ہیں۔ پھر جہاں تک ارباب تحقیق مورخین کی تحقیق و روایت کا تعلق ہے۔ انہوں نے اکثریت صحابہ کی بیعت اور بیعت کے بعد یزید کے خلاف خروج نہ کرنے کو قطعاً یزید کو مستحق خلافت ہونے کی دلیل نہیں سمجھا۔ اور نہ ہی اس سے یزید کے فسق و فجور کو ہلکا یا غیر واقعی باور کرانے کی کوشش کی۔ بلکہ ان کے نزدیک صحابہ کرام کی اکثریت کی یہ بیعت اور یزید کے خلاف نہ اٹھنا خوف فتنہ باہمی۔ نزاع۔ جدال اور آپس کے خون سے بچنے کے لئے تھا۔ جو اس صورت میں یقینی تھا نہ کہ یزید کی اہلیت امارۃ یا اس کی صلاح و صلاحیت تسلیم کر لینے کی بنیاد پر تھا۔ ابن خلدون لکھتے ہیں:۔

ولما حدث فی یزید ما حدث من الفسق اختلف الصحابة حینئذ فی شانه فمنهم من رأی الخروج علیه ونقض البیعة من اجل ذالك كما فعل الحسین وعبد الله ابن الزبیر ومن تبعهما فی ذالك ومنهم من اباه لما فیه من اثارة الفتنه وكثرة القتل مع العجز عن الوفاء به لان شوكة یزید یومئذ هی عصابة بنی امیة وجمهور اهل الحل والعقد من قریش وتستتبع عصبیة مفر اجمع وهی اعظم من كل شوكة ولا یطاق مقاومتهم فاقصروا عن یزید بسبب ذالك واقاموا علی الدعا بهدایته والراحة منه وهذا كان شان جمهور المسلمین والكل مجتهدون ولا ینكر علی احد من الفریقین فمقاصدهم فی البر وتحری الحق معروفة وفقنا الله للاقتداء بهم۔ (مقدمہ ابن خلدون)

اور جب یزید میں وہ بات پیدا ہو گئی جو پیدا ہوئی تھی یعنی فسق و فجور تو صحابہ اس کے بارے میں مختلف الرائے ہو گئے۔ بعضوں نے اس کے خلاف کھڑے ہو جانے اور اس کی بیعت توڑ دینے کو ضروری سمجھا۔ اس فسق کی وجہ سے جیسا کہ حضرت حسینؓ اور عبداللہ ابن زبیر

ان کے پیروؤں نے کیا۔ اور بعض نے فتنہ اور کثرت قتل کے خطرات اور اس کی روک
ام سے عجز محسوس کرنے کی وجہ سے اس سے انکار کیا۔ کیونکہ اس دور میں یزید کی شوکت
ت بنی امیہ کی عصبیت تھی۔ اور اکثر اہل حل و عقد قریش تھے۔ اور اسی کے ساتھ مضر کی
ی کی ساری عصبیت اور جماعتی قوت بھی لگی ہوئی تھی۔ اور وہ سب قوتوں سے
ں قوت تھی۔ جس کی تاب مقاومت کوئی نہیں لا سکتا تھا۔ اس لئے جو لوگ یزید کے
لف بھی تھے وہ اس وجہ سے اس کے مقابلہ سے رک گئے۔ اور اس کے لئے دعائے ہدایت
نے اور اپنے کو اس سے راحت و بچے رہنے میں لگ گئے۔ عام طور سے (اس وقت)
مانوں کی اکثریت کا بھی یہی طریقہ رہا۔ اور سب کے سب مجتہد تھے۔ (کوئی دنیوی
ں درمیان میں نہ تھی) فریقین میں سے کوئی ایک دوسرے پر انکار (ملامت) نہیں کرتا
پس مقاصد ان کے نیک تھے۔ اور حق کی جستجو ان کی معروف تھی۔ اللہ تعالیٰ ان کی
تدا ہمیں بھی نصیب فرمائے۔

اس سے بھی زیادہ صاف ذیل کی عبارت ہے جس سے کھلے لفظوں میں واضح ہے
س دور کے تمام لوگوں کے نزدیک یزید کا فسق مسلم تھا جس کے مقابلہ کے لئے حضرت
ین رضی اللہ عنہ اپنی قلبی عزیمت کی بنا پر کھڑے ہوگئے۔

ابن خلدون لکھتا ہے :۔

واما الحسین فانہ لما ظہر فسق یزید عند الکافۃ من اہل عصرہ بعثت
یعۃ اہل البیت بالکوفۃ للحسین ان یاتیہم فیقوموا بامرہ فرای الحسین
ن الخروج علی یزید متعینین من اجل فسقہ لا سیما من لہ القدرۃ علی ذالک
ظنہا من نفسہ باہلیۃ و شوکتہ فاما الاہلیۃ فکانت کما ظن و
یادۃ واما الشوکۃ فغلط یرحمہ اللہ فیہا لان عصبیۃ مضر کانت
ی قریش وعصبیۃ قریش فی عبد مناف وعصبیۃ عبد مناف انما کانت

فی بنی امیۃ تعرف ذالک لھم قریش وسائر الناس ولاینکرونہ الخ

(مقدمہ ابن خلدون ص۱۸۰)

لیکن حسینؓ تو جب یزید کا فسق وفجور اس کے دور کے سب لوگوں کے نزدیک ظاہر ہوا تو کوفہ کی اہلبیت کی جماعت نے حضرت حسین کے پاس پیغام بھیجا۔ کہ وہ اہل کوفہ کے پاس تشریف لے آئیں۔ تو وہ سب ان کی اطاعت میں کھڑے ہو جائیں گے۔ تو اس وقت حضرت حسین نے سمجھ لیا۔ کہ اب یزید کے خلاف کھڑے ہو جانا متعین ہے اس کے فسق کی وجہ سے (اور مقابلہ کی قوت فراہم ہو جانے کے سبب سے) بالخصوص اس شخص کے لئے جسے کھڑے ہو جانے کی قدرت حاصل ہو جائے اور اہلیت بھی موجود ہو اور حضرت حسینؓ کو اپنے اندر اس قوت وقدرت کا ظن غالب پیدا ہو گیا مع اپنی اہلیت اور صلاحیت کے (ابن خلدون کہتے ہیں) جہاں تک اہلیت کا تعلق ہے تو وہ بلا شبہ ان میں تھی۔ جیسا کہ انھوں نے گمان کیا۔ بلکہ اس سے بھی زیادہ تھی لیکن جہاں تک شوکت اور (یزید کے مقابلہ کی) قوت کا تعلق ہے۔ تو اپنے اندر اس کے سمجھنے میں غلطی کھائی۔ کیونکہ اس وقت مضر کی ساری جماعتی قوت قریش میں تھی۔ اور قریش کی جماعتی طاقت عبد مناف میں اور عبد مناف کی ساری قبائلی طاقت بنی امیہ میں تھی۔ (پس قبائلی اور خاندانی طاقتیں کل کی کل طاقتیں یزید کو حاصل تھیں) جسے قریش اور سب لوگ برملا پہچانتے تھے۔ اور کسی کو اس سے انکار نہ تھا۔

عبارات بالا سے صاف واضح ہے کہ یزید کے فسق کے بارے میں صحابہ کی دو رائیں نہ تھیں۔ بلکہ اس کے خلاف کھڑے ہونے میں دو رائیں تھیں۔ اور وہ بھی اس کی نا اہلیت و اہلیت کے معیار سے نہیں۔ جب کہ فسق مسلم کل تھا۔ بلکہ وہی اثارہ فتنہ کے خطرہ سے جس کی بنیادی وجہ بنی امیہ کی عصبیت وقوت اور اس وقت کی چھائی ہوئی شوکت تھی۔ جس سے عہدہ برآ ہونا دشوار تھا۔ اور درصورت خروج علاوہ فساد ذات البین

کے مسلمانوں کا خون رائگاں بھی جاتا۔ یزید کی محبوبیت واہلیت کا یہاں کوئی سوال نہ تھا پس صحابہ کی اکثریت کی اس بیعت کو خلیفہ کے کردار کی خوبی پر محمول کیا جانا تاریخ کی تکذیب ہے۔ نہ کہ تاریخی ریسرچ۔

اسی سے یہ بھی واضح ہو جاتا ہے۔ کہ یزید کا فسق کھلنے کے بعد صحابہ میں نقض بیعت کا مسئلہ بطور اصول شرعی کے شرعی حیثیت سے سامنے آیا جس پر اجتہادی شان سے غور کیا گیا۔ کہ آیا یہ بیعت باقی رکھی جائے یا نہیں؟ اسے غدر پر محمول کرنا اور پھر اسے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے سر تھونپنا تاریخ نہیں خود ساختگی ہے۔ اور وہ تاریخی ریسرچ کے نام پر جب کہ معتبر مؤرخین خود ہی اسے رد بھی کر رہے ہیں۔ جیسا کہ عبارت بالا سے واضح ہے۔

اب جبکہ صحابہ کی اکثریت نے یزید کی نااہلیت کے باوجود باہمی خونریزی کے خوف اور فتنۂ نزاع وجدال کے خطرہ کی وجہ سے اس کا ساتھ نہ چھوڑا تو اسی سے یہ بھی واضح ہو گیا۔ کہ عملاً ان کا حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے ساتھ نہ ہونا حضرت ممدوح کے اقدام کو بغاوت سمجھنے یا معاذ اللہ ان میں صلاحیت وصلاح نہ پائے جانے کی بنا پر نہ تھا۔ بلکہ باوجود ان کے کمال اہلیت کے اعتراف کے اسی اثارۂ فتنہ وکثرت قتل کے خطرہ کی بنا پر تھا۔ اسی لئے نہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ اکثریت کے خلاف کر کے کسی گناہ کے مرتکب تھے۔ اور نہ صحابہ کی اکثریت ان کا خلاف کر کے کسی گناہ کا مرتکب ہوئی۔ جب کہ ان دونوں طرف اجتہاد کام کر رہا تھا۔ چنانچہ ابن خلدون جیسا حکیم مؤرخ اس حقیقت کو پانے میں کامیاب ہو گیا اور اس نے واضح لفظوں میں اپنی مؤقر تاریخ کے مقدمہ میں یہ بیان دیا کہ

ولا يذهب بك الغلط ان تقول بتاثيم هؤلاء وبمخالفة الحسين وقعودهم عن نصرة فانهم اكثر الصحابة وكانوا مع يزيد ولم يروا الخروج عليه و كان الحسين يستشهد بهم وهو يقاتل في كربلاء على فضله وحقه ويقول

ساو احبابر بن عبد اللہ وابا سعید الخدری وانس بن مالک وسھل بن س
وزید بن ارقم وامثالھم ولم ینکر علی قعودھم عن نصرۃ ولا تعرض لد
لعلمہ انہ عن اجتھاد منھم کما کان فعلہ عن اجتھاد منہ

(مقدمہ ابن خلدون)

کہیں تم اس غلطی میں مت پڑ جانا کہ تم ان لوگوں کو جو حضرت حسین کی رائے کے مخا
تھے۔ اور ان کی مدد کے لئے (عملاً کھڑے نہیں ہوئے۔ گنہگار کہنے لگو۔ کہ اس لئے کہ وہ
کی اکثریت ہے جو یزید کے ساتھ تھے۔ اور اس پر خروج جائز نہیں سمجھتے تھے۔ اور خود ح
حسینؓ اپنے حق اور اپنی فضیلت کے بارے میں انہیں کو میدان کربلا میں قتال کرتے ہو
بطور گواہ کے پیش فرما رہے ہیں۔ (تو جب وہ انہیں گنہگار نہیں سمجھتے تھے۔ بلکہ متقی و
جانتے تھے جیسا کہ گواہی میں پیش کرنے سے ظاہر ہے۔ تو تمہیں ان کو گنہگار سمجھنا کب
ہے) اور کہہ رہے تھے۔ کہ (میرے حق اور فضیلت اور اہل بیت کے بارے میں) پوچھ جا
عبد اللہ سے اور ابو سعید خدری اور انس بن مالک سے اور سہل بن سعید سے اور زید ب
سے اور ان جیسے دوسرے حضرات سے نیز حضرت حسین نے ان کے بیٹھے رہنے پر اور ان کو
مددگار نہ دیکھ کر ان پر ملامت کی اور نہ ان سے کوئی تعرض کیا۔ کیونکہ وہ جانتے تھے کہ
حضرات کا یہ رویہ اجتہادی ہے۔ (کسی دنیوی غرض سے نہیں) جیسا کہ خود ان کا اپنا
اپنے اجتہاد سے تھا۔

مقصد یہ ہے کہ صحابہ کی اکثریت اور امام حسین رضی اللہ عنہ اپنے اپنے اجتہاد پر
کوئی دنیوی غرض بنار کار نہ تھی اس لئے کسی نے کسی کو ایک دوسرے کے خلاف رائے
کرنے پر نہ گنہگار سمجھا نہ قابل ملامت، اندریں صورت صحابہ کے محض اس بیعت پر قائم
کو جب کہ وہ انہیں فاسق جان رہے ہیں۔ کردار خلیفہ کی خوبی کی دلیل سمجھنا خوش فہمی ا
تاریخی صراحتوں کی تکذیب ہے۔ بہر حال مخالفین یزید تو اسے فاسق جانتے ہی تھے

مبائعین یزید بھی اُسے فاسق ہی سمجھتے تھے۔ اسی لئے اس کا فسق متفق علیہ تھا۔ جسے ابن خلدون نے عند المکافئۃ کے لفظ سے تعبیر کیا ہے۔

ایسے ہی عباسی صاحب کا حضرت ممدوح کے اس اقدام کو طلب اقتدار اور غیر معقول حب جاہ کی طلب کا عنوان بخشنا بھی وہی اختراع نفس ہے جو تاریخ کے نام پر کیا گیا ہے۔ کیونکہ کتاب وسنت سے یہ ثابت ہو چکا ہے۔ کہ حب جاہ اور ہوس اقتدار کے رذائل رجس باطن ہی سے ہیں۔ جن سے ان کی صحابیت اور اہل بیت صحابہ میں شمولیت مانع ہے۔ جیسا کہ واضح ہو چکا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ حضرت ممدوح کا یزید اور یزیدیوں کے مقابلہ پر کھڑے ہونا نہ طلب خلافت کے لئے تھا۔ نہ حصول جاہ و اقتدار کے لئے۔ بلکہ مظلوموں کو ظالموں کے پنجے سے رہائی دلانے کے لئے تھا۔

فتاویٰ عزیزی میں حضرت شاہ عبد العزیز قدس سرہ تحریر فرماتے ہیں کہ:-

خروج امام حسین علیہ السلام بنا بر دعوئے خلافت راشدہ پیغامبر کہ بر ور سی سال منقضی گشتہ بود۔ بلکہ بنا بر تخلیص رعایا از دست ظالم بود واعانۃ المظلوم علی الظالم من المواجبات (فتاویٰ عزیزی ص۲)

"امام حسین رضی اللہ عنہ کا یزید کے خلاف کھڑا ہونا دعوئے خلافت راشدہ کی بنا پر نہ تھا۔ جو تیس سال گذرنے پر ختم ہو چکی تھی۔ بلکہ رعایا کو ایک ظالم (یزید) کے ہاتھ سے چھڑانے کی بنا پر تھا۔ اور ظالم کے مقابلے میں مظلوم کی اعانت وجبات (دین) میں سے ہے۔

اب اگر یہ مقصد یزید کے معزول کرنے سے بھی حاصل ہوتا۔ تب بھی حضرت امام پر کوئی گرفت نہ تھی۔ کہ یزید امیر فاسق ہونے کی وجہ سے مستحق عزل تھا۔ چنانچہ علامہ سعد الدین تفتازانی نے اسی کو مذہب مختار لکھا۔ اور ائمہ مذاہب کا اس پر اتفاق نقل کیا ہے۔

وکذا فی العزالہ بالفسق والاکثرون علی انہ لا ینعزل وھو المختار

من مذهب الشافعی رضی اللہ عنہ وابی حنیفۃ وعن محمد رضی اللہ عنہ روایتان ویستحق العزل بالاتفاق۔

(شرح مقاصد ص۲۸۲)

اور ایسے ہی فسق کی وجہ سے (امیر کے) انعزال یعنی خود بخود معزول ہو جانے میں اختلاف ہے۔ اکثر اسی پر ہیں کہ فسق سے خود بخود معزول نہیں ہوتا۔ اور یہی مذہب مختار ہے امام شافعی اور ابو حنیفہ کا اور امام محمد سے اس میں دو روائتیں ہیں۔ غرض (امیر کا) (فسق سے) مستحق عزل ہو جانا متفق علیہ ہے۔

ظاہر ہے کہ جب فسق سے امیر کا انعزال تک زیر بحث آ گیا۔ تو استحقاق عزل میں تو کوئی کلام ہی نہیں ہو سکتا۔ جیسا کہ ائمہ مذاہب کے اس پر متفق ہونے سے ظاہر ہے۔ البتہ یہ ضرور ہے کہ امیر کا یہ فسق جو اسے مستحق عزل بنا دیتا ہے۔ محض ذاتیاتی نہ ہو۔ بلکہ اجتماعی رنگ کا ہو۔ جس کا اثر متعدی ہو کر عمال اور رعایا تک میں سرایت کرنے لگے۔ ملک سے تقویٰ اور طہارت کی جمی جمائی بنیادیں اکھڑ جانے کی راہ پڑ جائیں۔ جس سے خلافت و امارت کا موضوع ہی تباہ ہو جائے۔ اور خالی سیاسی اقتدار اور اس کی پیچ آ گے آ جائے۔ تو یہی وہ فسق عمومی ہے۔ جس سے امیر مستحق عزل ہو جاتا ہے۔ اور رعایا کو حق ہوتا ہے۔ کہ ایسے امیر کو معزول کر دے۔ خواہ تدبیر سے، خواہ لڑ بھڑ کر۔ بشرطیکہ اس مستحق عزل امیر کو معزول کرنے والے اپنے اندر اتنی اجتماعی قوت و شوکت محسوس کرتے ہوں۔ کہ وہ امیر کو تخت سے ہٹا کر امت کو خانہ جنگی اور آپس کی خونریزی میں مبتلا نہ ہونے دیں گے۔ ورنہ درصورت خانہ جنگی کے احتمال غالب پر تو پھر امیر کا یہ فسق و فجور ہی اھون البلیتین[1] سمجھ کر برداشت کیا جائے گا۔ تاکہ فتنۂ فسق سے بڑا فتنہ انتشار امت کا

---

[1] دو مصیبتوں میں ہلکی مصیبت۔

سر نہ پڑ جائے۔ پھر بھی اگر کوئی صاحب عزیمت اپنے اندر قوت و شوکت اور اپنے وسیع اثرات کے تحت اپنے حق میں جماعتی قوت کا احساس کرے۔ اور کھڑا ہو جائے۔ تو وہ اس اجتہاد کی حد تک اس عزیمت پر قابل ملامت بھی نہ ہوگا۔ بلکہ اس کا حق دار سمجھا جائے گا۔ اب اگر یزید عمومی فسق کے ساتھ فاسق تھا۔ اور بلا شبہ تھا۔ جیسا کہ احادیث کے اشارات صحابہؓ اور علماء مابعد محدثین، فقہا، متکلمین اور مؤرخین کی تصریحات سے ثابت ہو چکا ہے تو بلا شبہ وہ عرض کردہ فقہی اصول کی روشنی میں مستحق عزل بھی ہو چکا تھا اور اگر اس کا فسق متفق علیہ تھا۔ تو دوسرے لفظوں میں اس کا استحقاق عزل بھی متفق علیہ تھا۔ گو اس پر خروج کرنے میں اثارت فتنہ کے معیار سے راہیں دُور ہو گئی تھیں۔ پھر نہ صرف یزید بلکہ "الناس علی دین ملوکھم" کے اصول پر اس کے مخصوص عمال تک بھی اس کے فسق کا مظہر اتم بنے ہوئے تھے۔ جو کسی بڑے چھوٹے کے رتبہ اور فرق مراتب کی رعایت کئے بغیر غرور و استبداد کے مظاہروں پر اتر آئے تھے۔ چنانچہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ جو اس دور میں بھی سادات مسلمین میں سے تھے اور پوری امت صحابہ سے لے کر تابعین تک ان کا ادب و احترام ضروری سمجھتی تھی۔ لیکن باعتراف عباسی صاحب یزیدی حکام کا برتاؤ ان کے ساتھ یہ تھا۔ کہ ان کے مدینہ چھوڑ کر مکہ چلے آنے کا سبب ہی حضرت ابن عباس نے عمال یزید کی زیادتی اور بدتہذیبی ظاہر کی ہے جسے لکھ کر انہوں نے یزید کے پاس بھیجا۔ عباسی صاحب ابن عباس سے ناقل ہیں۔

> حسین کے مدینہ چھوڑ کر مکہ آنے کا سبب یہ ہوا کہ مدینہ میں جو عمال تمہارے ہیں، انہوں نے ناشائستہ کلمات ان کے بارے میں کہے وعجلوا علیہ بالکلام الفاحش فاقبل الی حرم اللہ مستجیرا بہ" (خلافت معاویہ ویزید ۱۷۱)

یعنی تمہارے عمال نے ان کے مقابلے میں فحش گوئی کا اقدام کیا اس لئے وہ پناہ لینے کے لئے مکہ چلے آئے۔ ظاہر ہے کہ الناس علی دین ملوکھم کے اصول پر عمال کے دلوں کا یہ رخ حقیقتاً یزید ہی کے رُخ کا آئینہ دار تھا۔

یہی صورت دوسرے اکابر کے ساتھ بھی تھی۔ ابن زیاد نے حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ کو نحیف العقل بڈھا کہہ کر خطاب کیا تھا۔ حضرت حسینؓ کے سر کو چھڑی سے ٹھونکنے والے بھی یزید اور یزیدی تھے۔ مکہ اور مدینہ میں صحابہ اور اولاد صحابہ کے قاتل اور ان کے ناموس اور آبروؤں پر حملہ کرنے والے بھی تھے۔ چنانچہ اس پارٹی کے بارے میں پیشگوئی بھی احادیث میں فرمادی گئی تھی۔ کہ ان کی اطاعت میں دین ضائع ہو گا۔ اور عدم اطاعت میں جان و مال اور آبرو تباہ ہو گی۔ جیسا کہ یہ روایتیں آگے آئیں گی۔

اندریں صورت جبکہ ایک غیر عادل یا فاسق امیر مسلط تھا جس کا فسق و فجور انفرادیت کی حدود سے گزر کر جماعتی رنگ اختیار کر چکا تھا۔ حتی کہ امیر فاسق کے نوخیز جوشیلے اور سفیہ العقل عمال برسر اقتدار آکر شیوخ و اکابر کی حق تلفی اور توہین و تحقیر پر اترے ہوئے تھے۔ اور اس طرح یہ امیر فاسق مستحق عزل ہو چکا تھا۔ تو جو بھی صاحب انقلاب عزیمت کے ساتھ یہ سمجھ کر اٹھ کھڑا ہو تاکہ وہ اس فسق کے بڑھتے ہوئے اثرات کو اپنی اہلیت و قوت اور وسیع اثرات سے مٹا سکتا ہے۔ تو وہ ہی قدرتاً اس کا مستحق اور حقدار بن جاتا ہے۔ ان حالات میں حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے اپنی قلبی شہادت اور اجتہاد کے غیبی اشارہ سے اس فتنہ کے مقابلہ میں اپنی فضیلت و اہلیت کا اعلان فرمادیا۔ اور ایک مستحق عزل امیر کے مقابلہ میں دفع فساد کے لئے کھڑے ہو گئے جس میں وہ فیما بینہ و بین اللہ حق بجانب تھے۔ اور حدود شرعیہ کے دائرہ سے ایک انچ ادھر اُدھر نہ تھے۔ بالخصوص جبکہ اس سلسلہ میں انہوں نے اپنی فضیلت و اہلیت کے دعوے کے ثبوت کے لئے دلیل کے طور پر چند جلیل القدر صحابہ کے اسماء گرامی بھی شہادت میں پیش فرما دیئے۔ تو اس پر یہ کہنا کہ ان کا یہ اقدام ناجائز تھا۔ یا طلب خلافت کی تہمت سے یہ اقدام بے اثر تھا۔ یا اس شرعی اقدام کے لئے وہ اپنے استحقاق کو ثابت نہ کر سکے اور انہوں نے ثبوت پیش کرنے میں کسی ناکامی کا منہ دیکھا۔ محض افسانہ نگاری ہے جس کے نیچے کوئی حقیقت نہیں۔ پھر حضرت ممدوح اتنا ہی حق لے کر کھڑے ہوئے تھے۔

حقنا حق ایسے حالات میں ہر مسلمان صاحب عزیمت کو پہنچتا ہے تو یہ کہنا کہ وہ اس جا حق حق کو اپنا خاندانی یا ذاتی حق سمجھتے تھے۔ نہایت ہی نامعقول قسم کی تہمت تراشی اور یا ذرا واضح لفظوں میں حسینؓ دشمنی کی نہایت ہی مکروہ مثال ہے جس کی کسی مدعی تحقیق اور بے لاگ تبصرہ کنندہ سے توقع نہیں کی جا سکتی۔

امیر پر خروج کا جواز

رہی حدیث عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ جسے عباسی صاحب نے امیر پر خروج کرنے کی ممانعت کے سلسلے میں پیش کیا ہے۔ اور یہ کہ یہ خروج بجز امیر کے کافر ہو جانے کے کسی حالت میں جائز نہیں سو یہ احادیث اور فن حدیث سے ناواقفی پر مبنی ہے۔ اس حدیث سے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے اقدام پر عدم جواز کا کوئی اثر نہیں پڑتا۔ کیونکہ اگر حدیث کے لفظ کفر بواح سے یہاں کفر اصطلاحی مراد لیا جائے۔ تو امام کے کافر ہو جانے کے بعد اس پر خروج کے جواز کے کوئی معنی ہی نہیں بنتے۔ کیونکہ اس حالت میں وہ امیر امیر ہی باقی نہیں رہا۔ جب کہ امیر کی امارت کے لئے اسلام شرط اول ہے اگر وہ اسلام سے خارج ہو جائے تو اسے معزول کرنے کی ضرورت نہیں۔ وہ تو خود بخود ہی معزول ہو جاتا ہے۔ اس لئے امیر سے منازعت کرنے یا امیر پر خروج کرنے کی صورت جبکہ وہ امیر ہی نہیں آخر بن کیسے سکتی ہے۔ یا اس کے جواز و عدم جواز کا سوال پیدا ہو۔

علامہ نووی شارح مسلم تحریر فرماتے ہیں:۔

قال القاضی عیاض اجمع العلماء علی ان الامامة لا تنعقد لکافر وعلی انه لو طرأ علیه الکفر انعزل قال وکذا لو ترك اقامة الصلوٰة والدعاء الیها قال وکذالك عند جمهورهم البدعة

قاضی عیاض فرماتے ہیں کہ علماء کا اس پر اجماع ہے کہ امامت کافر کی منعقد ہو ہی نہیں سکتی اور اگر امامت کے بعد اس پر کفر طاری ہو جائے۔ تو وہ خود بخود معزول ہو جاتا ہے۔ اور ایسے ہی جبکہ وہ اقامت صلوٰۃ چھوڑ دے۔ اور اس کی طرف بلانا ہی ترک کر دے اور فرمایا کہ ایسے ہی جمہور علماء کے یہاں بدعت

کا یہی حکم ہے) کہ اسے رائج کرنے لگے)

پھر چند جملوں کے بعد تحریر فرمایا ہے کہ :۔

قال القاضی فلو طرأ علیہ الکفر و تغییر الشرع او بدعۃ خرج عن الولایۃ وسقط طاعتہ ووجب علی المسلمین القیام علیہ وخلعہ ونصب امام عادل ان امکنہم فان لم یقع الا لطائفۃ وجب علیہم القیام بخلع الکافر ولا یجب فی المبتدع اذا ظنوا القدرۃ علیہ فان تحققوا العجز لم یجب القیام ولیہاجر المسلم عن ارضہ الی غیرہا ویفر بدینہ (انتہی ما قال النووی) (مسلم مع نووی ص ۱۲۵ ج ۲)

فرمایا قاضی عیاض نے اور اگر امام پر کفر طاری ہو جائے یا وہ شرعی احکام کو متغیر کرنے لگے یا بدعت کا غلبہ ہو جائے تو امام خود بخود ولایت مسلمین سے خارج ہو جائیگا۔ (اور والی باقی نہ رہے گا) اور اس کی اطاعت ساقط ہو جائے گی۔ اور مسلمانوں پر اس کے خلاف کھڑا ہو جانا واجب ہو جائے گا اور دوسرا امام عادل تقرر کرنا ضروری ہو گا۔ اگر ان میں قدرت ہو اور اگر یہ بات کسی چھوٹی جماعت سے بن پڑے۔ تو اس پر بھی یہ واجب ہو گا کہ اس کام کو علیحدہ کریں۔ ہاں مبتدع امام کی علیحدگی اس وقت تک واجب نہ ہو گی۔ جب تک کہ انہیں اپنی قدرت کا ظن غالب نہ ہو جائے۔ اگر عجز محسوس نہ ہوا تو پھر یہ واجب نہیں۔ مگر یہ اس صورت میں جا ہیئے۔ کہ اس زمین سے مسلمان ہجرت کر جائیں۔ اور اپنے دین کو لے کر یہاں سے بھاگ نکلیں۔

اب اگر شرعی اصول اور مسائل فقیہہ پر نظر ڈالی جائے تو واضح ہو گا کہ امیر پر خروج کے جواز کی صورت کفر سے پہلے ہی پہلے ہو سکتی ہے۔ کہ وہ امیر باقی رہے مگر مستحق عزل ہو جائے نہ کہ کفر کے بعد کہ نہ امیر رہے نہ اس کے عزل کا استحقاق کا سوال درمیان میں آسکے۔ اور یہ صورت کفر کی نہیں فسق کی ہو سکتی ہے۔ جیسا کہ مذاہب فقیہہ اس بارے میں نقل کئے جا چکے ہیں۔

اس لئے حدیث کی مراد بحالت کفر امام پر خروج کرنے کا جواز بتلانا ہو ہی نہیں سکتی۔ حاصل مسئلہ در حقیقت فسق کے دو درجوں پر روشنی ڈالتے ہوئے ان دونوں کا حکم بتلایا ہے جس کی

توضیح یہ ہے کہ جہاں تک فسق کے ہوتے ہوئے سمع وطاعت کا حکم ہے اس سے ذاتی اور انفرادی فسق مراد ہے۔ جس کا اثر متعدی ہو کر حکام در عایا تک نہ پہنچے۔ جیسے بہت سے امراء ذاتی حد تک عیاشی اور بدکاری ہی میں مبتلا رہتے ہیں۔ مگر رعایا کے حقوق کی ادائیگی اور معاملات میں عدل و انصاف میں بھی کوتاہی اور قصور نہیں کرتے۔ تو محض ان کے ذاتی فسق وفجور پر ان کے اوپر خروج جائز نہیں۔ جبکہ امارت وخلافت کا مقصد وموضوع تکمیل پا رہا ہے۔ یہی حاصل ہے روایت کے اس حصہ کا۔ جس میں باوجود فجور کے سمع وطاعت کا حکم دیا گیا ہے۔ اور امیر کے اوامر میں منازعت کی ممانعت کی گئی ہے۔ کیونکہ یہ امیر کی ذات کا اختلال ہے اس کی امیری یا امر کا نہیں۔ اس لئے امیری سمع وطاعت بحالہ قائم رہے گی لیکن جب امیر کا فسق ذات سے گذر کر معاملاتِ حقوق ورعایا اور اکار امت پر اثر انداز ہونے لگے اور چو تیم بیضہ کہ سلطان ستم روا دارد۔ زنند لشکریانش ہزار مرغ بہ سیخ کا معاملہ ظہور میں آنے لگے۔ تو اس صورت میں وہ بحیثیت امیر کے فاسد ہو گیا اور امیری بھی مختل ہو گئی۔ اس لئے وہ عزل کا مستحق ہو جاتا ہے۔ اور اس کے عزل کا اقدام ایک شرعی مسئلہ بن جاتا ہے معصیت کی اسی نوعیت کو جس میں حق اور اہلِ حق کا معارضہ شامل نہ ہو کفر بواح سے تعبیر کیا گیا ہے۔ جو کفر اعتقادی نہیں۔ بلکہ کفر عملی ہے جس کا نام معصیت ہے۔

حدیث کی یہ مراد خود حدیث ہی سے متعین ہوتی ہے۔ چنانچہ اسی عبادہ بن صامت کی حدیث میں حبان بن النضر کی روایت سے شرح کرتے ہوئے الا ان تروا کفراً بواحا کی جگہ الا ان تروا معصیۃً بواحا نقل کیا ہے جس سے واضح ہو جاتا ہے۔ کہ یہاں کفر بواح سے شارح علیہ السلام کی مراد معصیت اور کھلا ہوا منکر ہے۔ حافظ ابن حجر فرماتے ہیں:۔

ووقع فی روایۃ حبان ابی النضر المذکورۃ الا ان یکون معصیۃ للہ بواحا

(فتح الباری ص ۶/۱۳)

اور (اسی حدیث میں) بروایت حبان بن النضر یہ جملہ آیا ہے الا ان یکون معصیۃ للہ بواحا یعنی

اس وقت امام سے منازعت جائز ہے۔ کہ وہ کھلی ہوئی معصیت میں گرفتار ہو جائے۔

اس سے صاف واضح ہے کہ کفر بواح سے معصیت بواح مراد ہے نہ کہ کفر اصطلاحی حدیث کی اسی معینہ مراد کو سلف و خلف نے قبول کیا۔ اور اس کی روایت کی۔ امام نووی نے اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے لکھا ہے۔

والمراد بالکفر ھہنا المعاصی ومعنی عندکم من اللہ فیہ برھان ای تعلمونہ من دین اللہ تعالیٰ۔ نووی برمسلم ص ۱۲۵ ج ۲)۔

اور یہاں کفر سے مراد معاصی ہیں۔ اور معنی عندکم من اللہ فیہ برہان کے یہ ہیں۔ کہ تم امام کی معصیت کو قواعد اور شرعیہ سے جان لو کہ یہ دینی خلاف ورزی ہے۔

اور بھی متعدد مواقع پر شرعی استعمالات میں معاصی پر کفر کا اطلاق کیا گیا ہے۔ جیسے حدیث میں عمداً تارک الصلوٰۃ کو مرتکب کفر کہا گیا۔ یا کاہن وساحر کے پاس جانے آنے والے کو پوری شریعت کا منکر اور اس کے ساتھ کفر کنندہ فرمایا گیا وغیرہا۔ اسی طرح اس حدیث زیر نظر میں بھی معصیت بواح کو جس میں آدمی کافروں کی طرح برملا حقوق شرعیہ کو ضائع کرنے لگے۔ اور عملاً ان کے ساتھ معارضہ کرنے لگے۔ کفر بواح فرما دیا گیا کہ وہ عمل بلاشبہ کفر ہی کا ہے۔ یا کفر سے قریب تر کر دینے والا ہے۔

اس حدیث کی یہی مراد حکماء متاخرین میں سے حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم قدس سرہ بانی دار العلوم دیوبند نے اور زیادہ بلیغ عنوان سے واضح فرمائی ہے ارشاد ہے۔

دہم آنکہ در احادیث کتب صحیحہ مثل مسلم از عبادۃ بن الصامت مروی است کہ دعانا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فبایعنا فکان فیما اخذ علینا ان بایعنا علی السمع والطاعۃ فی منشطنا ومکرھنا وعسرنا ویسرنا واثرۃ علینا ولا ننازع الامر اھلہ قال الا ان تروا کفرا بواحا عندکم من اللہ فیہ برہان ازیں روایت مثل آفتاب روشن است کہ اگر خلیفہ علی الاعلان مرتکب معصیت بینہ باشد و از امر بالمعروف ونہی عن المنکر منزجر نشود۔ منازعت

باد جائز است چہ مراد از کفر بواح دریتجا معصیت است بقرینہ جملہ عندکم من اللہ فیہ برہان۔ ورنہ کفر اصطلاحی محتاج ایں توصیف نبود۔ چنانچہ ظاہر است ہمچنیں جملہ لا ما اقاموا الصلوٰۃ کہ در بعض روایت مسلم بعد استفسار صحابہ از منابذہ امر فسقہ وارد است بر ایں امر دلالت دارد کہ اگر کسے ارکانِ ضروریہ دینیہ را ترک دہد اطاعۃ از دست او باید کشید۔

دسویں بات یہ ہے کہ کتب صحیح مثل مسلم کی حدیث میں عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ہمیں دعوت دی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اور ہم نے آپ سے بیعت کی۔ سو جن امور میں آپ نے ہم سے بیعت لی وہ یہ ہے۔ کہ ہم نے بیعت کی سمع وطاعت پر پسند اور ناپسند میں فراخی اور تنگی میں اور دامام کو اپنے نفس پر ترجیح دینے میں اور اس میں کہ ہم اولو الامر سے اس کے امر میں منازعت نہ کریں بجز اس کے کفر بواح کھلا کفر سامنے آجائے۔ جس میں عند اللہ تمہارے ہاتھ میں اس کی حجت ہو۔ اس روایت سے آفتاب کی طرح روشن ہے کہ اگر خلیفہ علی الاعلان کھلی ہوئی معصیت کا مرتکب ہو۔ اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا اثر قبول نہ کرے (اور باز نہ آئے) تو اس سے منازعت جائز ہوتی ہے۔ کیونکہ یہاں کفر بواح سے (کفر اصطلاحی مراد نہیں) بلکہ معصیت مراد ہے۔ جس کا قرینہ جملہ حدیث عندکم من اللہ فیہ برہان ہے۔ ورنہ کفر اصطلاحی اس توصیف کا محتاج نہیں۔ (یعنی کافر کا کفر ایسا ہوتا ہے جسے عوام بھی جان لیتے ہیں۔ دلائل و براہین کی حاجت نہیں ہوتی) جیسا کہ ظاہر ہے۔ ایسے ہی حدیث کا جملہ کہ اس وقت تک سمع وطاعۃ سے دست کش مت ہو جب تک کہ امیر نماز قائم کرتا رہے۔ جو بعض روایات مسلم میں صحابہ کے اس سوال پر فرمایا گیا۔ کہ امراء فساق کے احکام کو کیا ہم چھوڑ دیں؟ یہ جملہ بھی اسی پر دلالت رکھتا

ہے کہ اگر کوئی امیر دین کے ضروری ارکان کو ترک کر دے۔ تو اس کی اطاعت سے دست کش ہو جانا چاہئے۔

اس بیان مراد کے بعد حدیث کے مدلول کا حاصل یہ ہوا کہ امام اگر فسق و فجور میں غرق بھی ہو جائے گا۔ مگر یہ فسق ذاتیاتی قسم کا ہو۔ تو اس پر خروج جائز نہیں۔ لیکن جب وہ جماعتی رنگ کا ہو جائے جس میں کھلم کھلا حق کا معاوضہ ہو۔ اور کفار کی طرح امیر اپنے اقتدار کی تیج میں آکر منکرات میں کھیل کھیلے تو وہ مستحق عزل ہو جائیگا۔ اور اس پر خروج جائز ہو جائے گا۔

ادھر اور بھی متعدد روایات حدیث میں صاف وارد ہیں کہ اگر امام غیر شرعی باتوں کا امر کرے۔ تو اس میں امیر کی اطاعت باقی نہیں رہتی۔ اور ظاہر ہے کہ ایک طاقتور فرمانبردار کے مقابلہ میں عدم اطاعت کا نتیجہ وہی منازعت اور انجام کار محاربت ہے جو خروج کا نتیجہ ہوتا ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ استطاعت نہ ہونے کی وجہ سے شریعت ایسے لوگوں کو معذور رکھ کر معاف کر دے۔ مگر فی نفسہ اصل حکم یہی ہے۔ کہ معصیت میں امیر کی اطاعت جائز نہیں اگرچہ وہ محاربہ پر اتنج ہو۔ علامہ زبیدی شارح احیاء العلوم نے وہ روائتیں نقل کرنے کے بعد جن کی رو سے امیر کے ذاتی فسق و فجور کے باوجود اس پر خروج جائز نہیں۔ وہ روائتیں بھی پیش کی ہیں۔ جن میں امیر کے حکم معصیت کی اطاعت ممنوع قرار دی گئی ہے۔ اور وہی معصیت بواح ہے جس کا ذکر حدیث حبان بن النضر میں فرمایا گیا ہے۔ اور اسی کو حدیث عبادہ میں کفر بواح سے تعبیر کیا گیا ہے علامہ زبیدی فرماتے ہیں۔

واما اذا خالف احکام الشرع فلا طاعة لمخلوق فی معصیة الخالق کما فی البخاری والسنن الاربعة السمع والطاعة علی المرء المسلم فی ما احب وکرہ ما لم یؤمر بمعصیة فاذا أمر بمعصیة فلا سمع ولا طاعة (اتحاف السادة المتقین ص۲۳۳ ج۲)

اور جب (امیر) احکام شریعت کی مخالفت کرنے لگے تو مخلوق کی اطاعت خالق کی معصیت میں نہیں ہے۔ جیسا کہ بخاری اور سنن اربعہ میں ہے۔ کہ امیر کی سمع و طاعۃ مرد مسلم پر واجب ہے خوشی اور ناخوشی میں۔ مگر جب ہی تک کہ اسے معصیت خداوندی کا امر نہ کیا جائے۔ پس جب اسے کسی معصیت شرعی کا امر کیا جائے تو اب سمع و طاعت نہیں۔

بہرحال حدیث عبادہ میں جبکہ کفر بواح کے معنی معصیت بواح کے ہیں تو اس حدیث کی رو سے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے خروج پر کوئی اعتراض وارد نہیں ہوتا۔ کیونکہ یزید کے کافر ہوئے بغیر ہی اس پر خروج جائز تھا۔ جبکہ وہ اور اس کی صبائی پارٹی معصیت بواح کی مرتکب ہو چکی تھی۔ جو علانیہ فسق تھا۔ اور یہ حدیث عبادہ معصیت بواح پر خروج کو جائز قرار دے رہی ہے نہ کہ ممنوع۔ لیکن اگر حدیث میں کفر بواح سے کفر ہی مراد ہو اور امیر کے معاصی اور فسق و فجور پر خروج جائز نہ ہو۔ جو عباسی صاحب کا دعویٰ ہے۔ تو پھر بھی اس حدیث کی رُو سے یزید پر خروج کا جواز پیدا ہو جاتا ہے۔ کیونکہ فسق و معصیت کی وجہ سے خروج کی ممانعت اس وقت ہے جبکہ امام متفق علیہ ہو۔ لیکن اگر امام کی بیعت ہی مختلف فیہ ہو۔ کہ بعض بیعت کریں۔ اور بعض ابتدا ہی سے نہ اسے امام مانیں نہ اس کی بیعت کریں۔ تو بیعت نہ کرنے والے اس کی اطاعت کے پابند نہیں۔ اور وہ اس کے جماعتی رنگ کے معاصی دیکھ کر اس پر خروج کر سکتے ہیں۔ حضرت الامام شاہ عبدالعزیز قدس سرہٗ نے اس حدیث کا یہی محل قرار دیا ہے۔ اور ثابت کر دیا ہے۔ کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا یہ سفر کوفہ کا اقدام اور یزید کی بیعت سے گریز قطعاً اس حدیث کے خلاف نہیں۔ نیز حضرت حسینؓ کا خروج یزید کے مظالم کے دفعیہ کے لئے تھا خود اس کے رفع کرنے کے لئے نہ تھا۔

"و آنچہ در مشکوٰۃ شریف ثابت است کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم از بغی و خروج بر بادشاہ وقت، اگرچہ ظالم باشد منع فرمودہ اند۔ پس دراں وقت است کہ آں بادشاہ ظالم بادشاہ

ومزاحم تسلط تام پیدا کردہ باشد۔ وہنوز اہل مدینہ و اہل مکہ و اہل کوفہ بہ تسلط یزید پلید راضی نشدہ بودند و مثل حضرت امام حسین و عبداللہ بن عباس و عبداللہ بن عمر و عبداللہ ابن زبیر رضی اللہ عنہم بیعت نہ کردہ۔ بالجملہ خروج حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ برائے دفع تسلط او بود۔ نہ برائے رفع تسلط و آنچہ در حدیث ممنوع است آں خروج کہ برائے رفع تسلط سلطان جائر باشد۔ والفرق بین الدفع والرفع ظاہر مشہور فی المسائل الفقہیہ (فتاویٰ عزیزی ص۲۱)

اور یہ جو مشکوٰۃ شریف میں ثابت ہے۔ کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بادشاہ وقت کے مقابلہ پر کھڑے ہونے سے منع فرمایا ہے۔ اگرچہ وہ ظالم ہی کیوں نہ ہو اس وقت کے لئے ہے کہ وہ ظالم بادشاہ بلا کسی کے جھگڑے اور مزاحمت کے مکمل غلبہ پیدا کرلے۔ حالانکہ یہاں ابھی تک اہل مدینہ، اہل مکہ اور اہل کوفہ یزید پلید کے تسلط سے راضی نہ تھے۔ اور حضرت امام حسین و عبداللہ بن عباس و عبداللہ بن عمر و عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہم جیسے حضرات نے بیعت ہی نہ کی تھی۔ حاصل یہ کہ امام حسینؓ کا خروج یزید کے (ظالمانہ) تسلط کو دفع کرنے کے لئے تھا۔ اس کے رفع کرنے کے لئے نہ تھا۔ (کیونکہ تسلط ان کر خروج ہوتا تو رفع ہوتا۔ اور ماننے سے پہلے جبکہ خروج ہوا تو دفع کی صورت ہوئی جو ممنوع نہیں۔ اور وہ خروج جو حدیث شریف میں ممنوع ہے وہ وہ ہے جو ظالم بادشاہ کا تسلط رفع کرنے کے لئے ہو۔ نہ کہ دفع کرنے کے لئے) اور دفع اور رفع میں فرق کھلا ہوا ہے۔ اور مسائل فقہیہ میں مشہور ہے۔

اس عبارت سے واضح ہے کہ امام کی اطاعت کا وجوب بیعت کے بعد ہوتا ہے نہ کہ بیعت سے پہلے۔ پھر بیعت کے بعد بھی سمع وطاعت کا بقاء جب رہتا ہے کہ امام متفق علیہ عادل ہو پس ایک نفس امارت ہے اور ایک عموم امارت۔ عموم سے پہلے جو بھی دائرۂ بیعت میں داخل نہ ہو اس پر اس امام کی اطاعت واجب نہیں۔ اور جبکہ وہ امیر فاسق معلن بھی ہو۔ تو ان غیر مبائعین کے لئے اس

کے خلاف کھڑے ہونے میں بھی کوئی شرعی محذور نہیں کیونکہ رعایا کے حق میں جو فتنہ اور اذیتیں اسی صورت میں متحمل تھیں جن کی وجہ سے یہ خروج جائز نہ تھا۔ وہ ان غیر مبائعین کے حق میں محتمل نہیں۔ جن کی جماعت ہی امارت سے الگ ہے۔ اور وہ اپنی جداگانہ طاقت رکھتے ہیں۔ امام کے زیر اثر نہیں رہی۔ پھر جو بیعت کر چکے ہیں۔ تو جس حد تک۔ ۔ ۔ ۔ امیر کا فسق ذاتیاتی ہو۔ اس پر سمع و طاعت واجب ہے اور یہی حاصل احادیث سمع و طاعت کا ہے۔

لیکن جب فسق متعدی اور اجتماعی رنگ کا ہو اور اطاعت کرنے میں دین ضائع ہونے لگے۔ تو وہ خود ہی مستحق عزل ہو جاتا ہے۔ اور بیعت کنندوں کو بھی نقض بیعت کا استحقاق ہو جاتا ہے۔ پس اس صورت میں بھی حضرت امام ہمام کو اس اقدام میں ہرگز مطعون و ملام نہیں کیا جا سکتا۔ کہ ان کی مقبولیت عند اللہ یا شہادت میں فرق آئے۔ اس حقیقت پر حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی موسس دار العلوم دیوبند کے حکیمانہ جملے ملاحظہ ہوں جو قرآن و حدیث کے اصول اور ائمہ ہدایت کے کلام کا نچوڑ ہیں۔

"اندریں صورت در شہادت حضرت امام ہمام علیہ السلام چہ تردد؟ نہ یزید در حق وشان خلیفہ بود۔ نہ خروج برو ممنوع واگر خلیفہ بود تاہم خروج ممنوع نہ بود واگر خروج ممنوع بود عزل ممنوع نہ بود۔ بالجملہ وجود ممانعت مفقود و موجبات جہاد موجود در حسن نیت کلام نیست باز اگر اوشان شہید نہ شود دیگر کدام خواہد بود۔

وازیں ہم در گذشتیم اگر موجبات جہاد نبودند اوشان نیز از تصدی جہاد باز آمدہ۔ می خواستند کہ براہ خود روند لشکریان یزید پلید نگذاشتند و محاصرہ کردہ ظلماً شہید ساختند من قتل دون عرضہ و مالہ فھو شہید (قاسم العلوم جلد ۱ مکتوب نہم ص ۱۵)

اس صورت میں کہ امام ہمام علیہ السلام کی شہادت میں کیا تردد ہو سکتا ہے نہ یزید ان کے حق میں خلیفہ تھا۔ نہ ان کا خروج اس کے خلاف ممنوع تھا۔ اور اگر وہ خلیفہ بھی تھا۔ تو پھر بھی خروج ممنوع نہ تھا۔ خروج بھی ممنوع تھا۔ تو عزل ممنوع نہ تھا۔ حاصل یہ کہ وجود

مانعتِ خروج تو موجود نہ تھیں اور موجباتِ جہاد موجود تھے حسن نیت امام میں کلام نہیں۔ پھر بھی اگر وہ شہید نہ تھے۔ تو اور کون شہید ہوگا؟

ہم اسے بھی چھوڑتے ہیں۔ اگر موجباتِ جہاد بھی موجود نہ تھے تو حضرت امام بھی تو جہاد سے رک کر یہ چاہتے تھے کہ ان کا راستہ نہ روکا جائے۔ وہ یہاں سے کہیں بھی نکل جائیں۔ انہیں نکل جانے دیا جائے۔ مگر یزید پلید کے فوجیوں نے انہیں نہ چھوڑا سارے راستے روک دیئے گئے۔ گھیرے میں لے کر قتل کر دیا۔ تو اب نص حدیث نبوی (جو اپنی آبرو اور مال بچاتا ہو مارا جائے وہ شہید ہے۔) تو اس شہادت میں حرف زنی کی گنجائش ہی کیا ہے)

بہرحال حدیث عبادہ میں کفر بواح کے معنی معصیت کے ہوں یا اصطلاحی کفر کے دونوں صورتوں میں حضرت امام ہمام کے اس خلاف یزید قدم اٹھانے پر کوئی اعتراض وارد نہیں ہوتا۔ اور نہ ہی یہ اقدام کسی بھی صورت میں اس حدیث کے خلاف ہے۔ جبکہ یزید کا فسق نمایاں تھا۔ اور اس کی وجہ سے وہ مستحق عزل ہو چکا تھا۔ ہاں اگر یزید خلیفۂ راشد یا کم از کم امیر عادل ہوتا۔ تو اس صورت میں حضرت امام کے اس فعل کو ناجائز یا بغاوت کہنے کی گنجائش تھی۔ لیکن جبکہ وہ عادل نہ تھا۔ بلکہ موافق و مخالف سب کے اتفاق سے فاسق تھا۔ تو امام حسینؓ کا اس کے خلاف کھڑے ہونا نہ صرف یہ کہ جائز اور حق بجانب تھا۔ جسے بغاوۃ کہنا خود بغاوتِ حق ہے بلکہ حضرت امام کا یہ اقدام یزید کے فسق اور اس قتل میں اس کے ناحق بجانب ہونے کے لئے اور زیادہ مؤکد اور حضرت امام کی شہادت کے لئے مثبت تھا۔ ابن خلدون لکھتے ہیں:۔

واعلم انه انما ينفذ من اعمال الفاسق ما كان مشروعا وقتال البغاة عندهم من شرطه ان يكون مع الامام العادل وهو مفقود فی مسئلتنا فلا يجوز قتال الحسين مع يزيد ولا ليزيد بل هی

من فعلاته المؤكدة لفسقه والحسين فيها شهيد مثاب وهو علی حق واجتهاد والصحابه الذين كانوا مع يزيد علی حق و اجتهاد۔ (مقدمہ ابن خلدون۔) ص ۱۸۱

اور سمجھ لو کہ فاسق (امیر) کے وہی اعمال (احکام عنداللہ) نافذ ہو سکتے ہیں جو مشروع ہوں اور باغیوں سے قتال کرنے میں اہل شرع کے نزدیک شرط یہ ہے کہ امام (عادل ہو، (تب اسی کے ساتھ ہو کر باغیوں سے جنگ کی جا سکتی ہے) اور یہ بات اس مسئلہ میں مفقود ہے۔ (کیونکہ یزید امیر عادل ہی نہ تھا) اس لئے حسین کے ساتھ قتال کرنا یزید کے ساتھ ہو کر یا یزید کے لئے جائز نہ تھا۔ بلکہ یہ حرکتیں یزید کے فسق کے لئے زیادہ مؤید اور مؤکد ثابت ہوئیں۔ اور حسینؓ اس قتال میں شہید اور اجر یافتہ ثابت ہوئے۔ جو حق اور اجتہاد پر تھے۔ اور صحابہ یزید کے ساتھ تھے۔ وہ بھی حق اور اجتہاد پر تھے۔

ابن خلدون نے اسی حقیقت کا تجزیہ کرتے ہوئے لکھا ہے:۔

فقد تبين لك غلط الحسين الا انه فی امر دنيوی لا يضره الغلط فيه واما الحكم الشرعی فلم يغلط فيه لانه منوط بظنه وكان ظنه القدرة علی ذالك (مقدمہ ابن خلدون) ص ۱۸۱

تم پر اتنا تو واضح ہو گیا کہ حضرت حسینؓ نے (بمقابلہ یزید اپنی مادی شوکت و قوت سمجھنے میں) غلطی کی۔ لیکن یہ غلطی ایک دنیوی امر (یعنی جنگی تدبیر) میں تھی جو ان کے لئے کچھ بھی مضر نہ تھی کیونکہ اس کا دار و مدار ان کے گمان پر تھا۔ اور گمان یہ تھا کہ (انہیں یزید کے مقابلہ کی) قدرت ہے (توان کی نیت اور گمان کے لحاظ سے یہ خطا اجتہادی تھی۔ کسی حکم شرعی کے خلاف معصیت نہیں تھی کہ اسے مضر کہا جائے۔

اس سے صاف واضح ہے کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے یزید کے خلاف کھڑے ہونے

میں معاذ اللہ کسی نیت کی غلطی جیسے حب جاہ و مال وغیرہ کی لغزش نہیں کی جسے شرعی گناہ کہا جا سکے۔ جو عباسی صاحب کا مدعا ہے۔ اور اگر ان سے اجتہادی خطا بھی ہوئی تو وہ بھی اپنی اہلبیت کے سمجھنے میں نہیں جیسا کہ گزرا۔ بلکہ اپنی شوکت اور غلبہ کے مظنون ہونے کی حد تک کہ میرے ساتھ اتنی طاقت ہے کہ کامیابی ممکن ہے۔ تو یہ اگر خطا اجتہادی بھی تھی تو ایک تدبیر اور امر دنیوی کی حد تک تھی۔ جو حضرت حسینؓ کے لئے مضر نہیں۔ مضر شرعی غلطی ہوتی ہے۔ جس سے وہ بری تھے۔ اسی طرح دوسرے حضرات صحابہ جو یزید کے خلاف نہیں کھڑے ہوئے تو نہ اس بنا پر کہ

"کردار خلیفہ میں کوئی خامی یا برائی ایسی نہ تھی کہ اس کے خلاف خروج کا جواز نکالا جا سکتا۔ (خلافت معاویہ و یزید ص۹۷)

یا ان کے نزدیک فاسق اور نااہل نہ تھا۔ بلکہ باوجود خامیوں اور برائیوں کے وہی فتنہ قتلِ مسلمین کا اندیشہ مانع آیا جس سے یہ مقدسین اس خیال سے باز رہے اور حضرت حسینؓ کو بھی اس اقدام سے روکنے کی کوشش کی مگر پھر بھی انہیں کسی معصیت کا مرتکب خیال نہیں کیا۔

ابنِ خلدون کہتا ہے۔

واما غیر الحسین من الصحابة الذین کانوا بالحجاز ومع یزید بالشام والعراق ومن التابعین لهم فرأوا ان الخروج علی یزید وان کان فاسقاً لا یجوز لما ینشأ عنه من الهرج والدماء فاقصروا عن ذالك ولم یتابعوا الحسین ولا انکروا علیه ولا اثموه لانه مجتهد وهو اسوة المجتهدین (مقدمہ ابن خلدون ص۱۸۱)

لیکن حضرت حسینؓ کے سوا دوسرے صحابہ جو حجاز میں تھے۔ اور یزید کے ساتھ شام اور عراق میں تھے۔ اور جو لوگ ان کی رائے کے تابع تھے۔ یزید کے خلاف خروج جائز نہیں

سمجھتے تھے۔ اگرچہ یزید ان کے نزدیک) فاسق تھا کہ اس خروج سے قتل و خونریزی
کا تی ہوتی۔ تو یہ حضرات اس خونریزی سے رُک گئے اور حضرت حسینؓ کے ساتھ نہ ہوئے۔
مگر حضرت حسینؓ پر کوئی انکار و ملامت بھی نہیں کیا۔ اور نہ ہی انہیں گنہگار سمجھا۔
کیونکہ امام حسین مجتہد تھے۔ اور یہ حضرات بھی مجتہد تھے۔) اور یہی مجتہدوں کا
طریقہ ہے (کہ ایک مجتہد دوسرے مجتہد پر انکار و ملامت نہیں کرتا اگرچہ رائے
میں اسے خاطی بھی سمجھتا ہو۔)

عباسی صاحب نے مدح یزید اور قدح حسینؓ کے سلسلے میں محمد ابن الحنفیہ کا نام لیکر
بڑے زور کے ساتھ دعوی کیا ہے کہ ان جیسے شجیع و ناہد نے بھی باوجود حضرت حسینؓ کے بھائی
ہونے کے یزید کی بیعت قبول کرلی۔ اور حضرت حسینؓ کا نہ خود ساتھ دیا۔ نہ اپنی اولاد کو اس
کی اجازت دی۔ تو اس سے بڑھ کر یزید کے حسن کردار اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے اقدام
خروج کے غلط ہونے کی کیا دلیل ہو سکتی ہے؟

لیکن سوال یہ ہے کہ کسی کا نام لینے نہ لینے سے اصل معاملہ میں آخر فرق کیا پڑا؟ جبکہ
بنیادی طور پر تاریخی شہادتوں سے یہ متعین ہو گیا کہ اس زمانہ کے تمام اکابر و اتقیا خواہ یزید
سے بیعت کئے ہوئے ہوں یا نہ کئے ہوئے ہوں سب اسے فاسق اور بالفاظ دیگر مستحق عزل
جانتے تھے۔ اور ان میں محمد ابن حنفیہ بھی آجاتے ہیں۔ اگرچہ نام نہ لیا جائے۔ اور اگر بیعت
یزید کے سلسلہ میں ان کا نام ہی لے دیا جائے۔ تو اس سے یزید کے فسق یا مستحق عزل ہونے میں اور
حضرت حسینؓ کے اقدام کے صحیح ہونے پر کیا اثر پڑ سکتا ہے؟

گویا عباسی صاحب کا منشا یہ ہے کہ جب تک کسی کا نام لے کر یہ ثابت ہو کہ انہوں نے
امام حسینؓ کی بمقابلہ یزید تائید یا حوصلہ افزائی کی۔ اس وقت تک انہیں حضرت امام کا مخالف
اور یزید کا کلی حامی ہی سمجھا جائے گا۔ گو یہ کوئی اصولی بات نہیں لیکن پھر بھی اگر اسے تسلیم ہی
کر لیا جائے۔ تو محمد بن الحنفیہ کے نام کی تخصیص کے ساتھ تاریخ ہی سے یہ بھی سُن لیجئے۔ کہ

محمد بن الحنفیہ نے بھی نہ صرف یہ کہ حضرت امامؑ کے اس اقدام کو بُرا یا ناجائز ہی نہیں سمجھا بلکہ حضرت حسینؓ کو اس سے روکا بھی نہیں۔ حتیٰ کہ اس کی تدبیر بھی بتلائی جس کے معنی یہ ہیں کہ دل سے وہ بھی یہی چاہتے تھے۔ کہ یزید کا اقتدار باقی نہ رہے۔ کہ وہ فسق و فجور کا اقتدار ہے۔ مگر اس اقدام میں اندیشۂ ناکامی اور خوفِ فتنہ کو تقریباً یقینی سمجھنے کی وجہ سے انہوں نے حضرت حسینؓ کا عملاً ساتھ نہیں دیا۔ اور انہیں اس اقدام سے روکا بھی۔ مگر نہ اس لئے کہ یزید کے خلاف ایسا اقدام ممنوع یا غیر مستحسن ہے۔ یا وہ فاسق اور نااہل نہیں۔ یا وہ مستحقِ عزل نہیں۔

چنانچہ حافظ ابنِ کثیر محدث و مورخ کی عبارت ذیل سے یہ حقیقت روزِ روشن کی طرح کھل کر سامنے آجاتی ہے۔ وہ تحریر فرماتے ہیں کہ:۔

واما الحسین بن علی فان ولید تشاغل عنہ بابن الزبیر وجعل کلما بعث الیہ یقول حتی تنظر وننظر ثم جمع اھلہ وبنیہ رکب لیلۃ احد لیلتین بقیتا من رجب من ھذہ السنۃ۔ بعد خروج ابن الزبیر بلیلۃ ولم یتخلف عنہ احد من اھلہ سوی محمد بن الحنفیہ فانہ قال لہ واللہ یا اخی لأنت اعز اھل الارض علی وانی ناصح لک لا تدخلن مصراً من ھذہ الامصار ولکن اسکن الوادی والرمال وابعث الی الناس فاذا بایعوکم واجتمعوا علیکم فادخل المصر وان ابیت الا سکنی المصر فاذھب الی مکۃ فان رأیت ما تحب والا ترفعت الی الرمال والجبال فقال لہ جزاک اللہ خیرا فقد نصحت واشفقت وسار الحسین الی مکۃ الخ (البدایہ والنہایہ ص ۱۴۸ ج ۸)

رہا معاملہ حسینؓ بن علیؓ کا تو ولید جب ابنِ زبیر کے معاملہ میں لگ کر حسینؓ سے

کچھ غافل ہوا اور رجب بھی ان سے (بیعت کے لئے) کہلاتا تو حضرت حسینؓ جواب دیتے رہے۔ کہ تم بھی سوچ سمجھ لو، ہم بھی غور کر رہے ہیں۔ اس کے بعد انہوں نے اپنے اہل و عیال کو جمع کیا۔ اور اس سنہ کے رجب کی دو راتیں رہی تھیں۔ کہ وہ روانہ ہو گئے۔ ابن الزبیر کی روانگی کے ایک رات بعد اور ان کے خاندان میں سے کوئی بھی ساتھ سے نہیں رہا سوائے محمد بن الحنفیہ کے سو محمد بن حنفیہ نے حضرت حسینؓ سے کہا کہ خدا کی قسم میرے بھائی میں تمہیں اپنی نظر میں ساری دنیا سے زیادہ عزیز جانتا ہوں۔ اور میں تمہاری خیر خواہی سے یہ کہتا ہوں کہ اوّل تو تم کسی بھی شہر میں ان شہروں میں سے مت جاؤ۔ بلکہ دیہات اور ریگستان میں قیام کرو۔ اور لوگوں کو اطلاع دو۔ اگر وہ تم سے بیعت کر لیں، اور تم پر جمع ہو جائیں۔ تب شہروں کا رخ کرو۔ اور اگر بہر صورت تم شہر ہی میں رہنا چاہتے ہو۔ تو مکہ چلے جاؤ۔ اگر وہاں وہ بات پوری ہو جائے۔ جو تم چاہتے ہو، فبہا۔ ورنہ ریگستانوں اور پہاڑوں ہی میں قیام رکھو۔ اس پر حضرت حسینؓ نے فرمایا۔ کہ اللہ تعالیٰ تمہیں جزائے خیر عطا فرمائے۔ تم نے نیک مشورہ دیا۔ اور شفقت کی۔ اور مکہ کا راستہ لیا۔

اس سے صاف واضح ہے کہ حضرت محمد بن الحنفیہ حضرت حسینؓ کے اس اقدام کو جو یزید کے خلاف تھا۔ کوئی بُرا اقدام یا شرعی گناہ نہیں سمجھتے تھے صرف مصلحت کی وجہ سے ان کی رائے نہ تھی۔ اگر وہ اسے شرعی جرم جانتے۔ تو حضرت حسینؓ کو کسی بھی درجہ میں لوگوں کی بیعت لینے کا مشورہ نہ دیتے۔ ان کا تدبیریں بتلانا کہ اگر تمہیں یہ کرنا ہی ہے۔ تو دیہات میں قیام کرو۔ وفود بھیجو۔ بیعت لو۔ اگر بیعت شروع ہو جائے اور لوگوں کی جمعیت تمہارے ساتھ ہو جائے تو پھر شہروں کا رخ کرو۔ ظاہر ہے کہ یہ رائے وہ شخص ہرگز نہیں دے سکتا۔ جو خلیفۂ وقت کے کردار کا معتقد ہو اور اسے بہر صورت تختِ حکومت پر برقرار رکھنا چاہتا

ہو۔ ورنہ ان کی سیدھی نصیحت یہ ہوتی۔ کہ تمہارے لئے کسی حالت میں بھی شرعاً یہ خروج جائز نہیں اور تم اس سے توبہ کرو۔ اور اس خیال کو دل سے نکال دو۔ خلیفۂ راشد و عادل کے ہوتے ہوئے تمہیں کس طرح یہ حق پہنچتا ہے۔ کہ اس کے خلاف بغاوت کرو۔ کہ یہ کہ میرے بھائی جب یہ کام کرنا ہی ہے۔ تو صحیح تدبیر اختیار کرو۔ وہ طریقہ مفید نہیں ہوگا۔ جو تم اختیار کرنا چاہتے ہو۔ تو تدبیریں بتلانا اور نفسِ خروج سے نہ روکنا اس کی واضح دلیل ہے کہ ایک تو محمد بن الحنفیہ اس اقدام کو کوئی شرعی جرم نہیں جان رہے تھے۔ ورنہ صاف لفظوں میں اسے روک دیتے۔ دوسرے یزید کو خلیفۂ راشد یا امیر عادل نہیں مان رہے تھے۔ ورنہ اس کے خلاف تدبیر نہ بتلاتے۔ تیسرے خود ان کی بیعت خلیفہ کے کردار کی کسی خوبی کی بنا پر نہ تھی۔ بلکہ اثارۂ فتنہ سے بچنے کے لئے تھی۔ گویا فی نفسہٖ تو یزید کے خلاف اقدام بُرا نہیں جانتے تھے۔ بالغرض خارجی وجوہ و اسباب کی بنا پر اسے مفید اور مثمر نہ سمجھنے کی وجہ سے اس سے روکتے تھے۔ جو اس وقت کے عام اکابر و صحابہ و تابعین بالاحسان کا رویہ تھا۔

اس لئے عباسی صاحب کا محمد بن الحنفیہ کا نام لے کر ان کی خصوصی بیعت سے خصوصی طور پر یزید کے کردار کی خوبی پر استدلال کرنا یا ان کے حضرت حسین کا عملاً ساتھ نہ دینے سے حضرت حسینؓ کے اس اقدام کو خلاف شرع یا خلاف عقل کہنا یا انہیں باغی سمجھنا۔ یا انہیں اس اقدام پر مستحق اجر و ثواب نہ جاننا ان کی موت کو موتِ شہادت نہ سمجھنا تاریخی شہادتوں کی کھلی تکذیب ہے۔ جسے تاریخی ریسرچ "یا "بے لاگ تبصرہ" کا نام دینا برعکس نہند نام زنگی کافور کا مصداق ہے۔

(شہید کربلا اور یزید ص ۹۲ تا ۱۰۱)

حضرت امامؑ عالی مقامؑ اور صحابہؓ کے نصائح

حضرت امام حسین علیہ السلام کے خروج کے عدم جواز پر تذکرہ کرتے ہوئے محمود عباسی تحریر کرتے ہیں کہ:۔

"نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات اور احکام شریعت کی تصریحات سے واضح ہے کہ حضرت حسینؓ کے امیر یزید کے خلاف اقدام خروج کا جواز مطلق نہ تھا۔ صحابہ کرام نے جو ان سے ملے۔ انہیں طرح طرح سے سمجھایا۔ اور اس غلط اقدام سے باز رکھنے کی کوشش کی۔ حضرت عبداللہ بن عمر فاروق نے ابن زبیر اور حسینؓ دونوں سے فرمایا تھا۔ کہ تم دونوں اللہ سے ڈرو۔ اور مسلمانوں کی جماعت میں تفرقہ مت ڈالو" (خلافت معاویہ و یزید ص۲۶۹)

ہم سابقہ اوراق میں نہایت وضاحت کے ساتھ اس امر کو ثابت کر چکے ہیں۔ کہ حضرت امام حسین علیہ السلام کا یزید کے خلاف خروج کرنا عین شرع کے مطابق تھا۔ یزید کے فسق و فجور پر تمام صحابہ متفق تھے۔ جیسا کہ شاہ عبدالحقؒ دہلوی اور عبدالعزیز دہلوی وغیرہ کے بیانات سے ظاہر ہو چکا ہے۔ کہ صحابہ کرام میں کسی شخص نے بھی بیعت نہ کی تھی۔ صحابہ کرام میں سے جن لوگوں نے بھی حضرت امام علیہ السلام کو خروج سے منع کیا۔ وہ اس غرض سے نہ تھا۔ کہ یزید بلعون خلیفہ برحق ہے۔ اور آپ کا اس کے خلاف قدم اٹھانا شرعی طور پر ناجائز ہے۔ بلکہ وہ خود کمزور طبیعت تھے۔ اور حضرت امامؑ کی خیر خواہی کے لئے نصائح کرتے اور کہتے یزید طاقت پکڑ چکا ہے۔ آپ کے مال اور جانوں کو نقصان ہوگا۔ کچھ وقت انتظار کیجئے۔ چنانچہ اس سلسلہ میں عبداللہ بن عمر کی ملاقات جو انہوں نے حضرت امام حسین علیہ السلام سے کی تھی۔ اور امام عالی مقام نے جو جواب فرمایا تھا۔ فتوحات اعثم کوفی کے حوالہ سے پیش کرتا ہوں۔

عبداللہ نے کہا۔ اے ابا عبداللہ! اگر تم اس ارادہ کو جو پیش نظر ہے۔ ترک کر دو اور جس طرح لوگوں نے یزید سے بیعت کر لی ہے۔ تم بھی اس بیعت کر لو۔ اور اپنے مکان اور اپنے نانا جان کی تربت سے علیحدہ نہ ہو اور اپنے اوپر اس گروہ کی محبت قائم نہ ہونے دو جس کے لئے آخرت میں کوئی حصہ نہیں ہے۔ اور اگر تم سے یہ چاہتے ہو کہ یزید کی بیعت نہ کرو۔ تو وہ تمہیں اس کے لئے ضرور مجبور کرے گا۔ اور وطن میں اطمینان سے نہ بیٹھنے دے گا۔ تا وقتیکہ آپ اس کی بیعت نہ کریں۔ اور ممکن ہے کہ یزید کی عمر تھوڑی ہو اور ہم تم اس کی طرف سے بے فکر ہو جائیں۔"

جناب امام حسین علیہ السلام نے فرمایا "ایسی باتوں پر تعجب ہے۔ جب تک کہ زمین و آسمان قائم ہے۔ کیا تو یہ سمجھتا ہے کہ میں غلطی پر ہوں۔ تو تو اسے بیان کر میں اس غلطی سے باز آجاؤں۔" عبداللہ بن عمر نے کہا کہ آپ غلطی پر نہیں ہیں۔ اور نہ ایسا ہونا ممکن ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ اپنے رسولؐ کی دختر کے فرزند کو غلطی میں مبتلا کرے۔ مگر آپ نے سنا ہوگا۔ کہ زمانہ کا رنگ بدلا ہوا ہے "مبادا یزید آپ کے خلاف اٹھ کھڑا ہو اور کوئی ایسی حرکت کر بیٹھے جس کے مقابلہ کی آپ میں طاقت نہ ہو۔ اس لئے مناسب ہے کہ آپ ہمارے ساتھ چلیں۔ جناب امام حسینؑ نے فرمایا۔ کہ میں ہرگز یزید کی بیعت نہ کروں گا۔ بلکہ اپنے نانا جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت اور اپنے باپ حضرت علی مرتضیٰ علیہ السلام کی خصلت پر چلوں گا۔ جو شخص میری اطاعت کرے گا۔ اور حق بات کو سنے گا۔ نیکی اور سلامتی حاصل کرے گا۔ جو شخص انکار کرے گا دائرۂ اطاعت سے باہر ہوگا۔ تو میں اس پر صبر کروں گا۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ مجھ میں اور اس میں فیصلہ کر دیگا۔ اور وہی اچھا حاکم ہے۔" (تاریخ اعثم کوفی اردو مطبوعہ دہلی ص ۲۵۲)

عبارت بالا پڑھنے سے بخوبی یہ بات سمجھ میں آسکتی ہے کہ عبداللہ بن عمر کا موقف بھی حقیقت میں یہی تھا۔ کہ یزید خلیفہ ناحق ہے۔ مگر مصلحت وقت کا تقاضا اور حفاظت جان ومال کے لحاظ سے خود بھی بیعت کر بیٹھے۔ اور حضرت امام حسین علیہ السلام کو بھی بیعت کا مشورہ دیا۔ مگر امام علیہ السلام نے فرمایا میں ایسا ہرگز نہ کروں گا۔ حضرت امام حسین علیہ السلام تو اپنے ناناؐ کی سنت اور باپ علی المرتضیٰ کے طریقہ پر گامزن تھے مگر عباسی صاحب حضرت امام حسینؓ کے خروج کو خلاف شریعت قرار دے رہے ہیں۔ نعوذ باللہ من ذالک۔

عبداللہ بن عمر سے ایک اور موقعہ پر جو گفتگو حضرت امام حسین علیہ السلام نے فرمائی ہے۔ اس سے صاف پتہ چلتا ہے۔ کہ اگر امام حسین علیہ السلام خروج نہ بھی کرتے تو پھر بھی بنو امیہ کوئی نہ کوئی الزام لگا کر ضرور ہی فرزند رسولؐ کو قتل کر دیتے۔ چنانچہ تاریخ اعثم کوفی کے اسی صفحہ پر بیان تحریر ہے کہ:۔

عبداللہ نے کہا: "کوفہ والے آپ کے خاندان کے دشمن ہیں۔ آپ کو ان کی طرف سے پوری احتیاط برتنی چاہئے۔ اور اپنے آپ کو ان سے بچانا لازم ہے آپ ان کے قول پر اعتماد نہ کریں۔ دوسری بات یہ ہے کہ لوگوں نے عام طور پر یزید کی بیعت کر لی ہے اور کوفہ والے بھی دولت وزر کے لالچ سے اس کی طرف جھکے ہوئے ہیں۔ آپ کا ساتھ چھوڑ دیں گے۔ یا آپ کو شہید کر دیں گے آپ کے قتل ہو جانے سے تمام اہل بیت برباد ہو جائیں گے۔ اس لئے آپ امن و امان سے خدا کے گھر میں بیٹھے رہیں۔ اور تمام جھگڑوں اور مخمصوں سے الگ تھلگ رہیں۔ جناب امام حسین علیہ السلام نے فرمایا۔ اے ابن عمر! افسوس تو اس بات کا ہے کہ یہ لوگ مجھے خدا کے گھر میں بیٹھنے نہ دیں گے۔ مجھ سے خواہ مخواہ الجھیں گے۔ اور اگر میں کسی لا معلوم جگہ پر چلا جاؤں۔ تو بھی یہ ڈھونڈ نکالیں گے اور مجھ کو بیعت یزید کے لئے مجبور کریں گے۔ اگر میں انکار کروں گا تو مجھے قتل

کر جائیں گے۔ اے ابا عبد الرحمٰن! تم نے سنا ہوگا۔ کہ بنی اسرائیل نے پَو پھٹنے
سے سورج نکلنے تک ستر پیغمبروں کو قتل کیا۔ اور اس کے بعد اطمینان سے
بازاروں میں جا بیٹھے اور اپنے لین دین میں مصروف ہوگئے تھے۔ خدا نے ان
کے ایسے بڑے گناہ کا سزا دینے میں توقف فرمایا تھا۔ اور ان پر عذاب نازل
کرنے میں جلدی نہ کی تھی۔ مگر انجام کار ان کو پکڑ لیا۔ اور خدا ہی سب سے بہتر
بدلہ لینے والا ہے۔" (تاریخ اعثم کوفی ص۲۵۳)

اسی طرح جب عبد اللہ بن عباس نے سنا کہ آپ عراق جانے کا پختہ ارادہ کر چکے ہیں۔
تو خدمت امامؑ میں حاضر ہو کر عرض کی جس کو ابی مخنف نے اپنے مقتل میں لکھا ہے۔

"ہشام اور عبد اللہ بن عباس حاضر خدمت امام ہوئے ان سے عبد اللہ بن عباس
نے عرض کی کہ اے میرے چچیرے بھائی میں نے سنا ہے کہ آپ عراق جانا چاہتے
ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ انہی دو دنوں میں سفر کرنے کا پختہ ارادہ کر چکا ہوں۔
ابن عباسؓ نے عرض کی کہ ابن عمؑ آپ ایسی قوم کے پاس جانا چاہتے ہیں۔
جنہوں نے آپ کے والد کو شہید کیا۔ آپ کے بھائی کو دغا دی۔ مجھ کو تو آپ
کے لئے یہی خدشہ ہے کہ وہ لوگ وہی نہ کریں آپ کو خدا کی قسم کہ وہاں تشریف
نہ لیجائیے۔ آپ نے اس امر سے انکار فرمایا۔ اور جانا ہی ضروری تبلایا۔

(مقتل ابی مخنف اردو ص۲۴ ۸ رجولائی ۱۹۲۰ء)

اعثم کوفی اور ابی مخنف جیسے بلند پایہ مقتل نویسوں کے بیان سے ثابت ہوتا ہے
کہ ابن عمر و ابن عباس کی نصیحتیں اس وجہ سے نہ تھیں کہ یزید خلیفۂ حق ہے۔ اس کی بیعت
کر لینی چاہیئے۔ بلکہ وہ تو کوفہ والوں کی بے وفائی سے نتیجہ اخذ کئے ہوئے تھے۔ کہ اگر امام
حسین علیہ السلام وہاں گئے تو وہ اپنے عہد سے پھر جائیں گے۔ اور امام کا مالی و جانی نقصان
ہوگا۔ یہ لوگ امام حسین علیہ السلام کے ساتھ جانے کے لئے اس وجہ سے تیار نہ تھے کہ عبد اللہ

بن عباس بوجہ آنکھوں کی بینائی کے زائل ہونے کے اس قابل ہی نہ تھے۔ اور عبداللہ بن عمر اگرچہ یزید کو خلیفۂ حق نہ مانتے تھے مگر بنو ہاشم کا ساتھ دینا بھی ان کے مسلک کے خلاف تھا۔ کیونکہ قبل ازیں وہ حضرت علی علیہ السلام کی بیعت سے بھی تقاعد اختیار کر چکے تھے۔ رہا ابن زبیر کا معاملہ تو وہ خود اگرچہ سیاست وقت کے مخالف تھا۔ مگر امام حسین علیہ السلام کا ساتھ دینا بھی اس کو گوارا نہ تھا۔ کیونکہ مکہ میں وہ اپنا اثر رسوخ قائم کر چکا تھا۔ اور امام حسینؑ کے چلے جانے پر وہ خلافت حاصل کرنے کی امیدوں میں مصروف تھا۔ حضرت امام عالیمقام چونکہ مامور من اللہ تھے۔ اور خبر شہادت بذریعہ وحی سن چکے تھے۔ لہٰذا انہوں نے کسی بھی ظاہر بین کی نصیحت پر کان نہ دھرا۔ بلکہ وہ تو اپنے آپ کو اقدام خروج کے سلسلہ میں حکم رسولؐ اور منشائے خداوندی کا پابند خیال کرتے تھے۔

علامہ ابو محمد امام الدین صاحب رام نگری اسی عنوان کے تحت رقمطراز ہیں :-

عباسی صاحب نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بے مغز اور ناعاقبت اندیش ثابت کرنے کے لئے بڑی محققانہ شان سے بتایا ہے کہ وہ سبائی فتنہ کے شکار ہو گئے تھے۔ اور یہی الزام حضرت امام حسینؓ پر عائد کیا ہے (ص۹۰) لیکن عباسی صاحب اپنی مانی ہوئی تاریخ "اخبار الطوال" کے حوالہ سے ہمیں بتا آئے ہیں۔ کہ امیر معاویہ کے زمانہ میں اہل کوفہ نے حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کو کوفہ آنے کی دعوت دی۔ تو آپ نے ان کو لکھا کہ تم ابھی خاموش بیٹھو۔ معاویہ کے بعد میں تم کو اپنی رائے سے مطلع کروں گا۔ (ص۲۱)

اس سے واضح ہے کہ حضرت امام حسینؓ اموی خلافت سے متفق نہ تھے۔ یزید کے خلاف حضرت امام عالی مقامؑ کے خروج کے متعلق عباسی صاحب کے دوسرے مسلم الثبوت مورخ علامہ ابن خلدون لکھتے ہیں :-

"جب یزید کا فسق و فجور تمام اہل زمانہ کے سامنے آشکارا ہو گیا۔ تو طرفداران اہل بیت نے کوفہ سے حضرت امام حسینؓ کو بلا بھیجا۔ اور لکھا کہ آپ تشریف لائیے

ہم آپ کی حمایت کے لئے تیار ہیں۔ حضرت امامؑ نے خیال فرمایا۔ کہ یزید کی بدکاریوں کی وجہ سے یزید کے خلاف اٹھنا تو ہے ہی۔ خصوصاً اب کہ اس پر قدرت بھی ہے تو تاخیر کیوں کی جائے۔ (ترجمہ مقدمہ تاریخ ابن خلدون ص۱۶۱)

ان دونوں مورخوں کے بیانات سے واضح ہے کہ حضرت امام حسینؓ یزید کی بدکاریوں اور بداعمالیوں کی بنا پر خود خروج کی ضرورت محسوس فرما رہے تھے۔ نہ کہ آپ اہلِ کوفہ کے فریب میں آ گئے تھے۔

عباسی صاحب نے حضرت امام عالی مقامؑ کے خروج کی غلطی ثابت کرتے ہوئے بتایا ہے۔ کہ یزید کے کردار میں کوئی ایسی خامی یا برائی نہ تھی۔ جس سے خروج کا جواز ثابت ہو سکے! اور شہادت میں زمانہ حال کے ایک مورخ الخضری کو دھر لا کر ہمارے سامنے پیش کیا ہے (ص۹۵)

کوئی ہمیں بتائے کہ ہم الخضری صاحب کو شاہد عادل مانیں۔ یا عباسی صاحب کے مانے ہوئے امام المورخین علامہ ابنِ خلدون کو؟۔ امام کے آگے مقتدی کی کیا حیثیت ہے؟ پھر خضری صاحب سے قبل کتنے ہی ائمہ وسلف یزید کے فسق وفجور پر مہر تصدیق ثبت کر چکے ہیں۔ اسی لئے عباسی صاحب کا دعویٰ غلط اور حضرت امام عالی مقامؑ کا خروج حق اور صحیح ثابت ہو گیا۔ رہا ان صحابہ کا معاملہ جنہوں نے حضرت امامؑ کو خروج سے روکا۔ اور اُن کا ساتھ نہیں دیا۔ اُن کے معاملے کے متعلق ہم آخر میں تفصیل سے لکھیں گے۔ اس مسئلے میں بھی عباسی صاحب نے بڑی فریب کاری سے کام لیا ہے۔ عمر و سال کا گز لے کر اور اس سے ناپ ناپ کر بتایا ہے۔ کہ تمام مانعینِ خروج بڑے تھے۔ اور حضرت امام عالی مقام سب سے چھوٹے عباسی صاحب کی یہ سب سے بڑی دلیل ہے حضرت امامؑ کے خروج کے غلط ہونے کی کہ حضرت ابن عباسؓ بھی مانعینِ خروج میں تھے۔ اس لئے ان کی علمی بزرگی کے ساتھ ان کی سنی بزرگی دکھانے کے بعد عباسی صاحب حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے متعلق لکھتے ہیں:-

"یہ چھوٹے نواسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت صرف پانچ

ساڑھے پانچ برس کے اتنے صغیر السن اور کم عمر تھے کہ ان کو اپنے مقدس اور نادیٔ نانا کے نہ حالات نہ معمولات کی کوئی بات یاد تھی۔ نہ زبانِ مبارک سے سُنا ہُوا اسلامی سیاست کے بارے میں کوئی ارشاد" (ص ۹۹)

کتنے پیارے الفاظ ہیں اور کتنا پیارا اسلوب، لیکن کتنا فریب کارانہ و منافقانہ، گویا حضرتِ امامؑ نے اسی پانچ ساڑھے پانچ سال ہی کی عمر میں یزید کے خلاف خروج کیا۔ جب کہ وہ کچھ جانتے اور سمجھتے نہ تھے۔ یا پھر وہ آخر عمر تک اپنے مقدس و ہادیٔ برحق نانا کے حالات و معمولات اور اسلامی سیاسی ارشادات سے لاعلم ہی رہے۔ ذرا عباسی صاحب سے پوچھئے کہ حضرت امامؑ تو سیاستِ نبویؐ سے بے بہرہ رہے۔ مگر آپ چودھویں صدی میں پیدا ہو کر سیاستِ اموی کے محقق کیسے ہو گئے؟ صحابۂ کرامؓ اور حضرت امام حسینؓ کے متعلق ایک اصولی بات سمجھ لی جائے پھر عباسی صاحب نے اپنی کتاب میں جہاں جہاں بھی اس فریب دہی سے کام لیا ہے اس کی بے حقیقتی واضح ہو جائے گی۔

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کچھ بچّے یا بے علم نہ تھے۔ حضرت ابن عباسؓ ہوں جعفرؓ ابنِ عمرؓ ہوں۔ حضرت ابن الحنفیہؓ ہوں۔ حضرت عبداللہ بن جعفر طیارؓ ہوں کوئی بزرگ ہوں۔ ان کے علم و کمال اور حضرت امامؑ کے علم و فضل سے مقابلہ محض مغالطہ ہے۔ یہ امت کا متفقہ عقیدہ ہے۔ کہ جس جس طرح دوسرے حضرات مجتہد تھے۔ اسی طرح حضرت امام حسینؓ بھی مرتبۂ اجتہاد پر فائز تھے۔ اس لئے جس طرح دوسرے حضرات کو اپنے لئے راہِ عمل متعین کرنے کا حق حاصل تھا اسی طرح حضرت امام کو بھی یہ حق حاصل تھا۔ اگر صحابۂ کرام نے حضرت امام کو خروج سے منع کیا۔ اور سمجھایا۔ تو وہ ان کے اجتہاد کے مطابق تھا۔ اور حضرت امامؓ نے اقدامِ خروج کیا تو وہ اپنے اجتہاد کی رو سے کیا۔ ہر مجتہد پر واجب ہے کہ وہ اپنے ہی اجتہاد پر عمل کرے۔ کسی دوسرے کی رائے پر عمل کرنا اس کے لئے جائز نہیں۔

اس بحث کے ضمن میں اتنی بات اور سمجھ لینی چاہئے۔ کہ جو حضرات یزید کے خلاف خروج کے

مخالف تھے۔ ان کی مخالفت کی وجہ یہ نہ تھی کہ ان کے نزدیک یزید بڑا متقی، پرہیزگار، اور صالح امیر المومنین تھا۔ جیسا کہ عباسی صاحب نے اسے ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ وہ تھا تو ان حضرات کے نزدیک بھی فاسق و بدکردار ہی، بات صرف یہ تھی کہ وہ خروج کو احتیاط و مصلحت کے خلاف سمجھتے تھے۔ اور ایسا سمجھنے کے لئے اُن کے سامنے بھی شرعی دلائل موجود تھے۔ ان کے برعکس حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ اپنے اجتہاد کے مطابق مردانہ وار یزیدی اقتدار سے ٹکرا گئے۔ (حضرت امام حسین شہید ص۱۱۵ تا ۱۱۷)

برادرانِ حسین علیہ السلام کا موقف

محمود عباسی نے لکھا ہے کہ جس طرح صحابۂ کرام حضرت امام حسین علیہ السلام کے خروج کے خلاف تھے، اسی طرح حضرت امام حسین علیہ السلام کے بھائی بھی یزید کی بیعت کر کے جناب امام حسینؑ کو خروج سے منع اور یزید کی بیعت پر مجبور کرتے تھے۔ چنانچہ لکھتے ہیں۔

"قطع نظر اس امر کے کہ حضرت حسین نے امیر یزید کی ولایت عہد کی بیعت مثل دیگر صحابہ اور تابعین کرام کے کی تھی یا نہیں۔ یہ حقیقت ہے کہ ان کے اس اقدام کی تائید میں مدینہ منورہ یا مکہ معظمہ یا حجاز کا ایک متنفس بھی سوائے ان کے چند نوجوانوں کے ان کے ساتھ نہ ہوا۔ اور ان کے اپنے گھر کی بھی یہی حالت تھی۔ کہ حضرت علی کے منجملہ سترہ صاحبزادوں کے جو اس زمانہ میں حیات تھے۔ صرف پانچ بھائی ساتھ گئے۔ اور گیارہ برادرانِ حسین نے ساتھ جانے سے انکار کر دیا۔ حضرت حسین نے اپنے بھائی محمد ابن حنفیہ پر جو فرزندانِ علی میں علم و فضل اور ورع و تقویٰ میں امتیازی شان رکھتے تھے۔ جسمانی قوت و شجاعت میں اپنے گرامی قدر والد ماجد کے صحیح جانشین تھے۔ اس مہم میں ان کا ساتھ دینے

کے لئے بہت زور ڈالا۔ یہاں تک کہا کہ خود ساتھ نہیں دیتے تو اپنی اولاد کو ہی اجازت دیں کہ میرے ساتھ چلیں۔ مگر انہوں نے صاف انکار کر دیا۔"

(خلافت معاویہ و یزید، ص۲۲)

محمود عباسی کی مندرجہ بالا تقریر سے احتمال پیدا ہوتا ہے۔ کہ ہر چند امام حسین علیہ السلام نے اپنے بھائی محمد ابن حنفیہ کو آمادۂ خروج کیا۔ مگر وہ نہ مانے کیونکہ وہ یزید کی بیعت کر چکے تھے اور اس کے خلاف شرعی طور پر خروج کرنا جائز نہ سمجھتے تھے۔ مگر تاریخ کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے۔ کہ ہر چند جناب محمد ابن حنفیہ نے از راہ نصیحت و شفقت اپنے بھائی کو اس لئے منع فرمایا۔ کہ لوگ آپ کا ساتھ نہیں دیں گے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ آپ قتل کر لئے جائیں۔ چنانچہ ہم محمد بن حنفیہ اور امام حسین علیہ السلام کی ملاقات کی گفتگو کو نقل کر کے اس حقیقت کو واضح کرتے ہیں صاحب مقتل ابی مخنف یوں تحریر فرماتے ہیں :-

"جب محمد ابن حنفیہ رضی اللہ عنہ نے سنا کہ ہمارے بھائی جناب امام حسین علیہ السلام ملک عراق کی جانب تشریف لے جانے کا قصد رکھتے ہیں۔ تو آپ زار و قطار روئے۔ پس آپ نے عرض کی کہ اے بھائی آپ اہل کوفہ کے غدر کو اپنے پدر بزرگوار اور برادر عالی مقدار کے ساتھ خوب جانتے ہیں۔ پس اگر میری عرض قبول فرمالیں۔ تو مکہ ہی میں قیام کریں۔ جناب امام حسین علیہ السلام نے فرمایا۔ کہ مجھ کو خوف ہے۔ کہ لشکر بنو امیہ مجھ کو مکہ میں قتل نہ کر ڈالے۔ اور کہیں میں وہ شخص نہ ہوں کہ جس کا خون بہانا حرم محترم میں مباح ہو۔ محمد بن حنفیہ نے کہا۔ کہ آپ یمن کی طرف چلے جائیں۔ کہ وہاں کے لوگ مخالفین کو آپ تک نہ آنے دیں گے۔ امام نے فرمایا کہ اے برادر عزیز اگر میں پتھر میں بھی سما جاؤں۔ تاہم یہ بے دین مجھ کو وہاں سے نکال لیں گے۔ اور مجھے قتل کر ڈالیں گے۔ پھر فرمایا۔ اے بھائی جو کچھ تم نے کہا ہے میں اس میں غور کروں گا۔ مگر جب صبح ہوئی تو حضرت نے سفر عراق

کا مصمم ارادہ کیا۔ خبر پا کر محمد بن حنفیہ رضی اللہ عنہ آئے اور انہوں نے آپ کے
ناقہ کی مہار پکڑ لی۔ اور عرض کی۔ کہ اے بھائی اتنی جلدی کرنے کی کیا وجہ ہے۔
جناب امام حسین علیہ السلام نے فرمایا تمہارے رخصت ہو جانے کے بعد میں سو گیا
تو میں نے عالم رویا میں جناب رسالتمآبؐ کو دیکھا کہ آپ تشریف لائے۔ اور
آپؐ نے مجھ کو سینۂ اقدس سے لگایا۔ اور میری دونوں آنکھوں کے درمیان بوسہ
دیا۔ اور ارشاد فرمایا۔ کہ اے حسینؑ اے میری آنکھوں کی ٹھنڈک۔ عراق کی طرف
روانہ ہو۔ کیونکہ خدا و ند عالم کی مرضی یہی ہے کہ تو قتل ہو۔ اور اپنے خون میں
رنگین ہو۔ اتنا سننا تھا کہ حضرت محمد بن حنفیہ زار زار رونے لگے۔ اور کہنے لگے۔
کہ بھائی جب آپ اس حال سے خود واقف ہیں تو پھر عورتوں کو کیوں ساتھ لے
جاتے ہو۔ جناب امام حسین علیہ السلام نے فرمایا۔ کہ مجھ سے میرے جدؐ بزرگوار نے
یہ بھی فرما دیا ہے کہ خدا تعالےٰ کی یہ مرضی ہے کہ ہماری عورتیں بھی اسیر ہوں۔ اور
لُوٹی جائیں۔ اور قیدیوں میں داخل ہوں۔ اور نا وقتیکہ میں زندہ ہوں۔ یہ مجھ سے
جدا نہ ہوں گی۔ یہ سُن کر پھر محمد بن حنفیہ زار و قطار روئے۔ اور فرمایا اے حسینؑ ابن
علیؑ! میں تم کو روانہ کرتا ہوں۔ اور اے بھائی! میں تم کو خدا کے سپرد کرتا ہوں"

(مقتل ابی مخنف اردو ص۴۳)

مندرجہ بالا عبارت طبری نے بھی مقتل حسین علیہ السلام میں تحریر کی ہے۔ اور علامہ مجلسیؒ نے
جلاء العیون فارسی ص۱۴۷ اور شیخ عباس قمی نے منتہی الآمال فارسی جلد اول ص۳۱۵ میں مفصل
اسے تحریر فرمایا ہے۔

بہر حال تحریر مذکورہ سے یہ امر تو پایۂ ثبوت کو پہنچ گیا ہے کہ شیعہ و سنی مورخین اس
پر متفق ہیں کہ حضرت امام علیہ السلام کا یزید کے خلاف اقدام کرنا خدا و رسول کی مرضی کے مطابق
تھا۔ اور یہ کہ پیغمبر اسلام اپنے بیٹے کو راہ خدا میں شہید دیکھنے اور اپنی تعذرات متمنیت

ہونے کے متمنی تھے۔ تو پھر ایسی حالت میں خواہ کوئی ہو۔ حضرت حسین علیہ السلام اس کا کہنا کس طرح تسلیم کر سکتے تھے۔ جبکہ اسرار خداوندی سے جناب امامؑ سب سے زیادہ واقف و دانا تھے۔ کچھ بنو ہاشم کو تو آنحضرتؑ نے اپنے ساتھ لیا۔ اور بعض بوجہ بیماری یا دیگر شرعی عذرات کے ساتھ جانے سے معذور رہتے۔ جیسا کہ حضرت عبداللہ بن جعفر طیار بیماری کی وجہ سے اس قابل نہ تھے۔ کہ وہ جہاد کر سکیں۔ حضرت ابن حنفیہؒ کو آنجنابؑ نے اپنا نائب اور وصی مقرر کر کے بقیہ بنو ہاشم کی حفاظت کے لئے مدینہ میں ہی رہنے کا حکم دیا۔ اور اگر بالفرض صحابہ میں سے یا بنو ہاشم کے کسی فرد نے دیدہ دانستہ جناب امام حسین علیہ السلام کا ساتھ نہیں دیا۔ تو یہ ساتھ نہ دینے والوں کی بزدلی اور کمزوری ہے۔ ان کے ساتھ نہ دینے سے حضرت سیدالشہداءؑ کے اقدام شرعی پر حرف نہیں آسکتا۔

حضرت عبداللہ بن جعفر اور حسین علیہ السلام

حضرت جعفر طیارؓ کے فرزند ارجمند جناب عبداللہ جو حضرت امام حسین علیہ السلام کے بہنوئی تھے۔ ان پر بھی محمود عباسی نے زبردست بہتان باندھا ہے۔ کہ یہ خود بھی امامؑ کے خروج کے خلاف تھے۔ اور اپنی زوجہ جناب زینب صلوٰۃ اللہ علیہا کو اپنے بھائی کے ساتھ جانے نہیں دیتے تھے۔ چنانچہ یہ رنجیدگی اس نوبت تک پہنچی کہ حضرت عبداللہ و جناب زینبؑ میں علیحدگی ہو گئی۔ لکھتے ہیں:۔

"دوسرے بزرگ حضرت حسین کے عبداللہ بن جعفر طیار جو اس خروج کے شدید مخالف تھے۔ یہ مخالفت اس بنا پر نہ تھی۔ کہ امیر المومنین یزید ان کے داماد تھے۔ بلکہ سیاسی و مذہبی حیثیت سے اس اقدام کو ناجائز سمجھتے تھے۔ اس سلسلہ میں ان کو سخت مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ ان کی زوجہ سیدہ زینب اپنے بھائی کی طرفدار تھیں۔ اور ان کی اولاد سے بڑی محبت کرتی تھیں۔ وہ ان کا ساتھ نہ چھوڑنا چاہتی تھیں۔ ان میاں بیوی دونوں میں اس سبب سے ناچاقی

پیدا ہو گئی۔ کہ نوبت علیحدگی تک پہنچ گئی۔ سیدہ زینب سے علیحدگی کے بعد عبد اللہ بن جعفر نے اپنی سالی سیدہ ام کلثوم سے جو اس وقت بیوہ تھیں نکاح کر لیا۔ (خلافت معاویہ ویزید ص۱۰۵)

دیدہ دہن عباسی کی شوخیاں اور گستاخیاں اہل بیتؑ کے حق میں اس قابل تو نہیں ہیں کہ ان کا جواب دیا جائے۔ مگر عوام کی تسکین کے لئے ہم لکھنے پر مجبور ہیں۔ یاد رہے کہ عباسی صاحب نے مندرجہ بالا اقتباس ابن حزم کی کتاب جمہرۃ الانساب ص۳۳ سے اخذ کیا ہے۔ ابن حزم اور ابن تیمیہ کے تشدد پسندانہ رویہ کے خلاف تمام ائمہ سنیہ نے سخت احتجاج کیا اور ان کی تالیفات کو گمراہ کن تحریر کیا ہے۔ جیسا کہ ہم ابتدا میں اس امر کو توضیح کے ساتھ لکھ چکے ہیں۔ لہٰذا ایسے دشمنانِ اہل بیت کی تحریروں پر مسلمان اعتماد نہیں کر سکتے۔ اور نہ ہی ہمارے لئے ایسی خرافات جن سے اہل بیتِ عظام کی معاشرت پر دھبہ لگے حجت ہو سکتی ہیں۔

حضرت عبد اللہ ابن جعفر طیار اس دوران میں خود بیمار تھے ان کی بھی یہی خواہش تھی۔ کہ حضرت امام حسین علیہ السلام سفر اختیار نہ کریں۔ اس غرض سے نہیں کہ یزید پلید خلیفۂ حق ہے۔ اور اس کے خلاف خروج جائز نہیں ہے۔ دیگر صحابہ و بنو ہاشم کی طرح ان کا بھی یہی خیال تھا۔ کہ لوگ بے وفا ہیں۔ وہ حضرت حسینؑ کا ساتھ نہیں دیں گے۔ اہل بیتؑ کا جانی نقصان ہو گا۔ جب حضرت عبد اللہ نے حضرت امام علیہ السلام کے ساتھ سفر کے معاملہ میں گفتگو کی تو حضرت امام حسین علیہ السلام یہی فرماتے رہے کہ اے بھائی میں نے اپنے جد امجد حضرت محمد مصطفےٰ کو خواب میں دیکھا ہے۔ انہوں نے مجھے ایک کام کے لئے مامور فرمایا ہے جس کی تعمیل میں کرنے والا ہوں۔ علامہ حسین دیار بکری نے تاریخ اور علامہ ابن اثیر جزری نے اسد الغابہ میں یہی تحریر کیا ہے۔ کہ حضرت امام علیہ السلام نے فرمایا۔ کہ آنحضرتؐ کو میں نے خواب میں دیکھا ہے۔ اور آنحضرتؐ نے ایک خاص امر کے لئے مجھے مامور کیا ہے۔ اور میں اس امر

کی تعمیل کرنے والا ہوں۔ حضرت ابن جعفر اور حضرت امام علیہ السلام کی مفصل گفتگو ہم شیعہ مورخ جناب علامہ مجلسی اور سنی مورخ علامہ ابن اثیر صاحب تاریخ کامل کے حوالہ سے نقل کرتے ہیں۔ ملاحظہ ہو۔

"جب عراق کی جانب حضرت امام علیہ السلام کے جانے کی خبر حضرت عبداللہ بن جعفر کو پہنچی تو حضرت عبداللہ نے اپنے دونوں بیٹوں عون و محمد علیہما السلام کو معہ ایک درخواست جناب امام کی خدمت میں روانہ کیا۔ اس درخواست میں التماس کیا گیا تھا۔ کہ آپ سفر میں جلدی نہ فرمائیں۔ کیونکہ موجودہ وقت میں مومنوں کی پشت و پناہ اور ہدایت پانے والوں کے لئے پیشوا آپ ہی ہیں۔ جب آپ چلے جائیں گے تو آپ کی اہل بیتؑ برباد ہو جائے گی میں اپنے دونوں بیٹوں کو خدمت میں بھیجتا ہوں اور خود بھی حاضر ہوتا ہوں۔ جب حضرت عبداللہ نے اپنے بیٹوں اور خط کو روانہ کیا تو خود عمر بن سعید والی مدینہ کے پاس گئے اور کہا کہ تم امان نامہ حضرت امام حسین علیہ السلام کے لئے لکھو۔ تاکہ وہ واپس آجائیں۔ والی مدینہ نے چٹھی لکھ کر اپنے بھائی یحییٰ کو حضرت عبداللہ کے ساتھ بھیجا۔ جب وہ دونوں حضرت امام حسین علیہ السلام کی خدمت میں پہنچے۔ ہر چند منت و سماجت کی۔ مگر آنحضرت نے انکار فرمایا۔ اور کہا کہ میں نے حضرت پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خواب میں دیکھا انہوں نے مجھے مامور فرمایا ہے۔ لہٰذا میں تعمیل حکم کے لئے جا رہا ہوں۔ حضرت عبداللہ نے عرض کیا کہ آپ نے کیا دیکھا؟ فرمایا اس کا اثر جلد ہی ظاہر ہو جائیگا چنانچہ حضرت عبداللہ مایوس ہو کر خود تو بحالت گریاں واپس ہوئے اور اپنے فرزندوں کو جہاد کی شمولیت کے لئے حضرت امام حسین علیہ السلام کے ہمراہ روانہ کر دیا۔" (تاریخ کامل ابن اثیر جلد سوم جز دہم ص۲۶۵ طبع بیروت)

(جلاء العیون فارسی ص۲۱۶ منتہی الآمال جلد ۱ ص۲۲۵)

تاریخ کی مندرجہ صراحت سے معلوم ہوا۔ کہ حضرت عبداللہ شرعی طور پر امام کے خلاف نہ تھے۔ بلکہ وہ بھی چاہتے تھے۔ کہ آں حضرت صحیح و سلامت رہیں۔ اور ان کی اہل بیت کو تکلیف نہ پہنچے۔ آخر کار جب حضرت امام علیہ السلام نے ماموریت من اللہ ہونے کا اظہار کیا۔ تو خاموش ہو گئے۔ آپ بوجہ بیماری یا کسی اور عذر کی وجہ سے ساتھ نہ جا سکے۔ تو اپنے دو بیٹوں جناب عون و محمد علیہما السلام کو ساتھ روانہ کر دیا۔ اور وہ کربلا میں اپنے سردار ماموں کے ہمرکاب ہو کر جام شہادت نوش فرما گئے۔ حضرت عبداللہ کے ان دو بیٹوں کا ساتھ جانا اور حضرت عبداللہ کا ان کو بھیجنا اور کربلا کے شہداء کی فہرست میں ان کا داخل ہونا تاریخ سے ثابت ہے۔ اطمینان کے لئے ملاحظہ ہو فتاوی عزیزی جلد اول ص۸۵ فارسی۔

اگر بقول عباسی حضرت عبداللہ خروج کے سخت مخالف تھے۔ تو اپنے دو بیٹوں کو ہمراہ نہ کرتے۔ کیونکہ وہ تو اُن کی اطاعت میں تھے۔ رہا جناب زینب صلوۃ اللہ علیہا کا قصہ کہ وہ بغیر اجازت شوہر اپنے بھائی کے ساتھ چلی گئیں۔ جس کی بنا پر بقول عباسی حضرت عبداللہ نے انہیں طلاق دیدی۔ یہ ابن حزم خارجی اور محمود عباسی کی بخیرہ چشمی ہے۔ ان دونوں کا محض یہ ذاتی خیال ہے۔ حالانکہ یہ امر کسی بھی تاریخ سے ثابت نہیں ہے۔

کیا فاطمۃ الزہرا صلوات اللہ علیہا کی دختر نیک اختر حقوق شوہر سے اتنی بھی واقف نہ تھی کہ خاوند کی اطاعت واجب ہوتی ہے۔ خود حضرت امام حسین علیہ السلام محافظ شریعت تھے۔ وہ یہ کیسے پسند کر سکتے تھے۔ کہ اپنی شادی شدہ بہن جو اطاعت کے لحاظ سے اپنے خاوند کی تابع ہے۔ اور شرعی حیثیت سے ان کا شوہر حضرت عبداللہ ہی ان کا وارث ہے بغیر اجازت شوہر اپنے ساتھ لے جاتے۔ ہرگز ایسا نہیں ہے۔ حضرت زینب صلوات اللہ علیہا اپنے خاوند کی اجازت سے اپنے بھائی کے ساتھ معہ اپنے دو فرزندوں کے تشریف لے گئیں۔ اگر خود حضرت عبداللہ بھی معذور نہ ہوتے۔ تو وہ بھی تشریف لے جاتے۔

اگر بقول عباسی حضرت عبد اللہ اتنے خفا ہوئے کہ نوبت طلاق تک پہنچی اور بعد میں حضرت ام کلثومؑ بنت علی علیہ السلام جو جناب زینبؑ کی ہی بہن تھیں سے عقد کر لیا تسلیم کر لیا جائے۔ تو یہ بات بھی روایات و درایت کے خلاف نظر آتی ہے۔ کیونکہ جب ایک بہن محض اسی جرم میں علیحدہ ہو رہی ہے۔ کہ وہ بغیر اجازت خاوند کے حضرت امام حسین علیہ السلام کے ساتھ خروج میں شامل ہو چکی ہے۔ تو دوسری بہن حضرت ام کلثوم جو خود بھی جناب زینب صلوات اللہ علیہا کے ساتھ خروج میں شریک ہے کیسے پسند کر سکتی ہے۔ کہ اپنی بہن کے مطلقہ ہونے پر حضرت عبد اللہ کے ساتھ عقد کرنا منظور کرے۔ یا خود حضرت عبد اللہ ہی ان کو اپنے نکاح میں لانا منظور کریں۔ حضرت ام کلثوم کا میدان کربلا میں جانا اور کوفہ و دمشق کے بازاروں میں خطبے پڑھنا اور واپس مدینہ پہنچنا مقتل کی تمام کتابوں میں صراحت کے ساتھ موجود ہے۔ دیکھو روضۃ الاحباب اور مقتل ابی مخنف اردو ص۱۷۶، ص۱۳۴

جب تاریخ سے یہ بات ثابت ہو چکی۔ کہ حضرت ام کلثومؑ کربلا میں موجود تھیں۔ تو حضرت عبد اللہ کے عقد کرنے کا من گھڑت قصہ جو جناب زینب علیہا السلام کی علیحدگی کے بعد تراشا گیا ہے۔ کہاں تک صحیح ہو سکتا ہے۔ یہ محض عباسی اور ابن حزم کا بغض اور ملحدانہ کارروائی ہے۔

صحابہ کرام کے بیانات اور برادران حسین علیہ السلام کے تلقینی موضوعات سے پتہ چل گیا۔ کہ یہ سب کے سب حضرت امام حسین علیہ السلام کے موقف کے ہم خیال تھے۔ وہ ظاہری حالات کا جائزہ لے کر نصیحتیں کرتے تھے۔ کہ ابھی وقت نہیں۔ کچھ دن اور انتظار کیا جائے۔

چونکہ امام حسین علیہ السلام مامور من اللہ امام تھے۔ انہیں اپنے خروج کے متعلقات کا اچھی طرح علم تھا۔ زبانِ وحی سے شہادت سن چکے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ اگر اب میں مدینہ یا مکہ میں قیام کروں تو بھی بنی امیہ مجھے قتل کرنے سے دریغ نہیں کریں گے۔ لہٰذا

بہتر یہی ہے۔ کہ خود بخود اپنے مقام شہادت پر حسب وعدہ پہنچ جاؤں۔ اگر امام حسین علیہ السلام کے نصیحت کرنے والوں کو اچھی طرح علم ہوتا۔ کہ امام علیہ السلام یقینی شہید ہو جائیں گے۔ تو وہ بھی ضرور ساتھ دیتے چنانچہ مولانا محمد سلامت اللہ سنی فرماتے ہیں۔

"عبداللہ بن عباس۔ عبداللہ بن جعفر۔ محمد حنفیہ وغیرہ صحابہ کبار و اقربائے نادار کا سامان سفر مہیا نہ تھا۔ نیز کوفیوں کے قول اقرار کا اعتبار بھی نہ تھا۔ علاوہ اس کے یہ یقین نہ تھا۔ کہ اسی سفر میں امام شہید ہوں گے۔ ورنہ کوئی بھی رفاقت سے محروم نہ رہتا۔

(سر شہادتین مترجم صفحہ ۴۰)

نیز عباسی نے یہ بھی تحریر کیا ہے کہ امام حسین علیہ السلام اپنے خروج کے معاملہ میں کچھ تو عزیزوں۔ ہمدردوں اور بزرگوں کی گفتگوؤں اور نصیحتوں کے اثر سے اور کچھ اپنے والد اور بھائی مرحوم کے واقعات سے تذبذب کی حالت میں تھے۔ مگر عباسی صاحب کا یہ مفروضہ بالکل غلط ہے۔ حضرت امام حسین علیہ السلام اپنے موقف میں پختہ ارادہ کر چکے تھے۔ جس نے بھی آکر کوئی بات کہی یا نصیحت کی تو اس کو یہی جواب دیا۔ کہ میں اپنے نانا کے حکم سے سفر کر رہا ہوں۔ خدا اور رسولؐ کی مرضی یہی ہے۔ کہ میں شہید ہو جاؤں۔ غرضیکہ آنحضرتؑ کے تمام سفر میں کوئی ایسا اقدام نظر نہیں آتا ہے۔ جس سے ان کے عزم میں لغزش یا موقف میں تذبذب کا عنصر کارفرما ہو۔ اسی عزم کی پختگی نے آخرکار آنحضرتؑ کو درجہ شہادت پر فائز کر دیا۔

کیا امام حسینؑ کا خروج خطاء اجتہادی تھا؟

شیعی مسلک کے مطابق تو اتنا ہی عرض کر دینا کافی ہے کہ یہ مکتبِ فکر جس انسان کامل
نبی یا امام تسلیم کرتا ہے۔ اس کے بارے میں اجتہاد کا دعویٰ تسلیم نہیں کرتا۔ اس فرقۂ ناجیہ
یہ اعتقاد ہے۔ کہ امام یا نبی مامور من اللہ اور منصوص ہوتا ہے۔ اور وہ اپنے افعال و اعمال
یں معصوم عن الخطا ہوا کرتا ہے۔ اس لئے امام یا نبی کا ہر فعل تابع مشیتِ ایزدی اور
طابق شریعت ہوتا ہے۔ اس لئے اس گروہ کا تو یہ سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ کہ امام حسین
لیہ السلام مجتہد تھے یا نہیں۔ یا یہ کہ انہوں نے اپنے اس اقدام خروج میں اجتہاد اُخطائے
جتہادی کی۔ یا ان کی رائے صواب پر مبنی تھی۔ بہر حال ان کا مسلک اعتدال واضح ہے۔
سواد اعظم کا مسلک و موقف تو اس کے بارے میں ہم مندرجہ بالا عنوان کے تحت علامہ
ام نگری کا حقیقت افروز بیان پیش کرتے ہیں۔

اب آیئے دیکھیں کہ کیا حضرت امام حسینؓ کا خروج خطائے اجتہادی تھا؛ اور یہ کہ جن
لماء نے آپ کے اقدامِ خروج کو خطائے اجتہادی کہا ہے اس کی حقیقت کیا ہے؛

حضرت امام کے اقدامِ خروج کے مسئلے پر غور کرنے سے پہلے ہمیں دیکھنا چاہئے۔ کہ اسلام کیا ہے
ور خدا نے وحی و رسالت کا سلسلہ کیوں جاری فرمایا؛ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی
بعثت کا کیا مقصد تھا؛ اور آپ نے دنیا کو کون سا نظامِ زندگی اور نظامِ حکومت دیا۔

ہمیں معلوم ہے کہ قرآنِ مجید کی توضیح و تصریح کے مطابق انسان اس دنیا میں مطلق العنان
یدا نہیں کیا گیا ہے۔ وہ خدا کا خلیفہ اور نائب ہے۔ اور اس کا مقصدِ تخلیق اور فرضِ حیات
یہ ہے۔ کہ وہ دنیا میں خدا کے احکام اور اوامر کا پابند ہو کر رہے۔ جو ایسا نہیں کرتا۔ وہ قرآن
مجید کی رُو سے خدا کا خلیفہ اور اس کا نائب نہیں بلکہ اس کا باغی ہے۔

وحی و رسالت کا سلسلہ اسی نظریۂ خلافت کی بنیاد پر جاری ہوا۔ اسلام کے معنی ہی اس نظامِ زندگی کے ہیں جو خدا کی بندگی اور اس کی کامل اطاعت و فرماں برداری پر مبنی ہو۔ حضراتِ انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام اسی مقصد کے ساتھ مبعوث ہوئے اور اپنی اپنی قوم کو اسی طریقۂ زندگی کی دعوت اور تعلیم دیتے رہے۔ اسی مقصد کے ساتھ خاتم الانبیاء حضرت محمد الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے۔ قرآن مجید کا نزول اسی غرض سے ہوا۔ حضورؐ نے بنی نوعِ انسان کو اسی کی دعوت و تعلیم دی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری مقدس زندگی اسی مقصد کی تکمیل کی جدوجہد میں گذری۔ حضور کی دعوت و تعلیم سے جو جماعت پیدا ہوئی۔ اس نے بھی حضورؐ نے اسی راہ میں جدوجہد کرنے کا کام کیا۔ ابتدائے دعوت سے لے کر آخر تک حضورؐ کی اور حضور کے صحابہ کی زندگی اسی مقصد کے لئے وقف رہی اور اس راہ میں وہ تمام قربانیاں کی گئیں جو کسی مقصد کے لئے کی جاسکتی تھیں۔ یہاں تک کہ وہ دستورِ حیات اور وہ نظامِ زندگی زمین پر قائم اور برپا ہو گیا۔ جو خدا کی طرف سے خدا کے آخری نبی حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا تھا۔ خلافتِ راشدہ اسی نظامِ حکومت کا عملی اور معیاری نمونہ تھی۔ اس لئے خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو "خلافت علیٰ منہاج النبوۃ" کے مقدس نام سے سرفراز فرمایا۔ اب اس کے بعد دنیائے اسلام میں کتنے ہی انقلابات و حوادث رونما ہوں۔ لیکن امتِ مسلمہ کے لئے نظامِ زندگی اور نظامِ حکومت کا معیار اور نمونہ خلافتِ راشدہ ہی رہے گی۔ اس کے علاوہ جو چیز بھی ہوگی۔ اس کے وجوہ و اسباب خواہ کچھ بھی ہوں۔ لیکن وہ خدا کی پسندیدہ نہ ہوگی۔ اور نہ امتِ مسلمہ کے لئے موجبِ فلاح و سعادت ہوگی۔ وہ اس لائق نہ ہوگی کہ برضا و رغبت اسے گوارا کیا جائے۔ وہ بدرجۂ مجبوری ہی برداشت کرنے کی چیز ہوسکتی ہے۔ وہ اس لائق ہوگی کہ قابو چلتے ہوئے اسے قائم اور برقرار رکھا جائے۔ اور خلافتِ راشدہ کے نمونے سے اسے بدلنے کی کوشش نہ کی جائے۔ جن حدیثوں میں خلافتِ راشدہ کے اختتام اور غیر صالح و فاسد حکومتوں کے قیام کی خبر دی گئی ہے

وہ اسلام کے اصول اور نظریہ پر اثر انداز نہ ہوں گی۔ اور نہ امت مسلمہ کے اس فریضہ پر کہ اس کا مقصد زندگی اسی صالح نظام زندگی کا قیام ہے۔ جس کا دراصل اسلام حامل ہے اس مسئلہ پر مفصل بحث حضرت مولانا اسمٰعیل شہیدؒ کی کتاب "منصب امامت" میں دیکھی جا سکتی ہے۔

اب آئیے ہم اس مسئلے پر اس طرح غور کریں کہ امتناع انکار اطاعت و ممانعت خروج کی حدیثیں ہمارے سامنے ہیں۔ اور صورت حال یہ ہے کہ ایک ظالم و جابر اور مفسد اقتدار ہم پر مسلط ہو گیا ہے۔ اس نے اسلام کے نظام حکومت کے بڑے بڑے آثار و علائم مٹا دیئے ہیں۔ جبر و استبداد ظلم و عدوان اور فسق و فجور کا دور دورہ ہے۔ لیکن نماز قائم ہے۔ تو ہم کیا کریں؟ ہمیشہ کے لئے اسی اقتدار کی اطاعت کے لئے موقف ہو جائیں؟ اگر کچھ کیا جائے تو زیادہ سے زیادہ اتنا کہ ہم میں کوئی صاحب عزم و حوصلہ ہو۔ تو وہ جان پر کھیل کر اس ظالم اقتدار کے سامنے کھڑا ہو۔ اور کسی مسئلے پر کلمۂ حق بلند کر کے اس کے مظالم کا تختۂ مشق بن جائے؟ کیا اس طرح کسی بھی ظالم و فاسد اقتدار کا صالح اور عادل بن جانا ممکن ہے؟ ہمیں تو کسی ایسے فاسد و ظالم نظام حکومت کا علم نہیں جو صرف کلمۂ حق کہہ دینے یا وعظ و پند کے ذریعہ صالح و عادل نظام حکومت سے بدل گیا ہو۔ مسلمانوں کے کتنے اقتدار وجود میں آئے اور مٹ گئے۔ ایک فاسد اقتدار ہٹا تو دوسرا فاسد ہی اقتدار اس کی جگہ قائم ہوا۔ خلافت راشدہ کے بعد بنی امیہ کا اقتدار قائم ہوا۔ اس کی جگہ عباسی حکومت نے لے لی۔ اس کے بعد کتنے ہی دوسرے اقتدار قائم اور برپا ہوئے۔ لیکن ان سب میں کوئی فرق نہ تھا۔ اس انقلاب و تغیر میں جو سب کچھ ہوا جو ایک فاسد اور ظالم اقتدار کو ہٹا کر اس کی جگہ صالح و عادل اقتدار قائم کرنے میں ہو سکتا تھا۔ بلکہ اس سے کہیں زیادہ ہوا۔ لیکن اس مقصد کے پیش نظر کوئی انقلابی جدوجہد نہ ہوئی۔ اس لئے جو اقتدار بھی قائم ہوا۔ وہ ظالم و فاسد ہی قائم ہوا۔ خواہ کچھ زیادہ

یا کم۔ لیکن ان میں خلافتِ راشدہ کا نمونہ کوئی نہ تھا۔ تو کیا حدیثوں کا یہ مطلب ہے کہ امت مسلمہ اس پر مامور ہے۔ کہ وہ ہمیشہ خاموشی کے ساتھ فاسد وظالم اقتداروں کی اطاعت کرے۔ صالح وعادل اقتدار کو بروئے کار لانے کا تصوّر بھی دل میں نہ لائے؟ اگر ایسا نہیں تو حدیثوں کا مقصد و مدعا کیا ہے؟

خلافتِ راشدہ وحکومتِ صالحہ کی اطاعت کا جو حکم دیا گیا ہے۔ وہ تو اس لئے کہ اس کی اطاعت ہی امتِ مسلمہ کی خیر و فلاح کی ضامن ہے۔ لیکن فاسد وظالم اقتدار کی اطاعت کا جو حکم دیا گیا ہے۔ وہ خیر و فلاح کے حصول کے لئے نہیں۔ بلکہ اس کے فتنہ و شر اور ظلم و جور سے بچنے کے لئے نیز اس لئے کہ نظمِ مملکت میں اختلال واقع ہونے سے اسلام کو مزید نقصان نہ پہنچے۔ تو یہ اقتدار بدرجۂ مجبوری انگیز کرنے کی چیز ہو۔ نہ کہ برضا و خوشی اطاعت کرنے کی اور نہ اسلام نے ایسے نظام کی تائید و تحسین کی ہے۔

جب دونوں طرح کی حدیثوں کا مقصد و مدعا کھل کر ہمارے سامنے آگیا۔ تو ہم حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے اقدامِ خروج کو خطائے اجتہادی کیوں مانیں؟ یہ تو کہا نہیں جا سکتا کہ انکارِ اطاعت و خروج کی حدیثوں سے حضرت امامؓ بے خبر تھے۔ پھر خود عباسی صاحب نے ہمیں یہ بتایا ہے کہ تابعینِ اقدام میں سے بعض حضرات نے ان حدیثوں کے پیشِ نظر حضرت امامؓ کو اقدامِ خروج سے منع کیا۔ پھر بھی حضرتِ امامؓ اقدام سے باز نہ آئے۔ تو کیا انہوں نے دانستہ حدیثوں کی خلاف ورزی کی؟ میرا خیال ہے عباسی صاحب کے سوا حضرت امامؓ عالی مقام کے متعلق کوئی یہ کہنے کی جرأت نہیں کر سکتا۔ حضرت امامؓ سے زیادہ کتاب و سنّت کی پابندی کا دعویٰ کون کر سکتا ہے؟

جن علماء و اکابر نے حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے اقدام کو خطائے اجتہادی قرار دیا ہے وہ صرف آپ کے اقدام کے نتیجے کی بنا پر اسے خطائے اجتہادی کہتے ہیں۔ اور یہ بنا محلِ نظر ہے۔ ہر انسانی اقدام کا نتیجہ پردۂ غیب میں مستور ہوتا ہے۔ خاصانِ خدا اور

علمبرداران حق نے ہمیشہ ظلم و فساد کے خلاف اقدام کئے ہیں۔ اور وہ کامیاب بھی ہوئے ہیں۔ اور ناکامیاب بھی وہ ادائے فرض کے جذبے سے اُٹھے اور نتیجہ خدا کے حوالے کر کے ادائے فرض کے لئے جانیں لڑا دیں۔ خدا کے مبعوث کردہ انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام تک حق کی راہ میں قتل بھی ہوئے۔ اور سولی پر بھی چڑھائے گئے۔ اور ان کے پیروؤں کے جسموں سے لوہے کی کنگھیوں سے گوشت کھینچ لئے گئے۔ پھر نتائج کے اعتبار سے حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے اقدام حق کو خطائے اجتہادی کیوں مانا جائے؛ سید احمد شہیدؒ اور شاہ اسمٰعیل شہیدؒ کی تحریک جہاد ابھی کل کی بات ہے۔ یہ صحیح ہے کہ وہ غیر مسلم اقتدار کے خلاف اٹھے تھے، لیکن جانی و مالی تباہیوں کے اعتبار سے دونوں اقداموں میں کیا فرق تھا، لیکن کیا یہ قربانیاں رائیگاں گئیں؛ نتیجے کی ایک مادی ہی صورت نہیں ہے اخلاقی اور روحانی صورت بھی ہے۔ ان شہدائے حق کی قربانیاں آج بھی مسلمانوں میں شہادتِ حق کا ولولہ پیدا کر رہی ہیں۔ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے شہادتِ حق کا وہ آتش کدہ روشن کر دیا ہے جو قیامت تک امتِ مسلمہ کے سینے کو گرم رکھے گا۔ اسلام کا سرمایۂ حیات یزیدیت نہیں شبیریت ہے ؎

زندہ حق از قوتِ شبیری است	باطل آخر داغِ حسرت میری است
چوں خلافت رشتہ از قرآں گسیخت	حریت را زہر اندر کام ریخت
خواست آں سر جلوۂ خیر الامم	چوں سحاب قبلہ باراں در قدم
بر زمینِ کربلا بارید و رفت	لالہ در ویرانہا کارید و رفت
تا قیامت قطع استبداد کرد	موجِ خونِ او چمن ایجاد کرد
ماسوا اللہ را مسلماں بندہ نیست	پیشِ فرعونے سرش افگندہ نیست
خونِ او تفسیر ایں اسرار کرد	ملتِ خوابیدہ را بیدار کرد
بہرِ حق در خاک و خوں غلطیدہ است	پس بنائے لاالٰہ گردیدہ است

رمزِ قرآں از حسین آموختیم — زآتشِ او شعلہ ہا اندوختیم

تار ہا از زخمہ اش لرزاں ہنوز

تازہ از تکبیر او ایماں ہنوز — (اقبالؒ)

حضرتِ امامِ عالی مقام رضی اللہ عنہ کے اجتہاد کے بارے میں جو بات ہم نے کہی ہے۔ وہی علامہ ابنِ خلدون نے اپنے انداز میں کہی ہے فرماتے ہیں :۔

"حضرت امامؓ سے معاملہ فہمی میں کچھ غلطی ہوئی۔ لیکن چونکہ یہ غلطی امورِ دنیاوی میں تھی۔ اس لئے یہ آپ کی عظمتِ شان پر اثر انداز نہ ہو سکی۔ رہا شرعی حکم۔ تو اس کے سمجھنے میں آپ نے ہرگز غلطی نہیں کی۔

(ترجمہ مقدمہ ابنِ خلدون ص۲۴۷)

ایک بار ایک مستفسر نے حضرت مولانا اسمٰعیل شہید کی کتاب "منصبِ امامت" کے مختلف مباحث کو لے کر علامہ ابوالاعلیٰ مودودی سے ایک طویل استفسار کیا تھا اسی میں ایک شق یہ تھی :۔

"یزید کی حکومت کے خلاف حضرت امام حسینؓ و حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے جو کوششیں کی تھیں کیا وہ ناجائز تھیں؟ کیا حضرت حسینؓ اس چیز میں مخطی تھے؟ ۔۔۔ اگر سلطنتِ جابرہ کے خلاف کوشش کرنا ضروری ہے تو دیگر صحابہ نے حضرت امام حسینؓ کا ساتھ کیوں نہیں دیا، بلکہ ان میں تو بعض اموی خلافت تک حیات رہے۔ انہوں نے کیوں کوئی جدوجہد نہ فرمائی؟"

اس سوال کے جواب میں حضرت علامہ مودودی لکھتے ہیں :۔

"مسلمانوں بگڑی حکومت کے معاملے میں احتیاط ضروری ہے تاکہ ایک خرابی کے مٹانے کی کوشش میں کوئی اس سے بڑی خرابی رونما نہ ہو جائے۔ اب رہا یہ امر کہ نصیحت اور تبلیغ و تلقین کے ذریعہ اصلاح کی کوشش کی جائے

تو اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ البتہ یہ امر کہ بگڑے ہوئے نظام کو بزور درست کرنے کی کوشش کی جائے۔ اس میں اختلاف رونما ہوا ہے میں جہاں تک سمجھ سکا ہوں۔ جو شخص یہ محسوس کرے۔ کہ وہ اس بگڑے ہوئے نظام کو بدل دینے کے لئے کافی قوت رکھتا ہے اور جس کی نیت اپنے لئے حکومت حاصل کرنا نہ ہو۔ بلکہ شریعت الٰہی کی حکومت کرنا ہو۔ اس کے لئے اٹھنا اور جدوجہد کرنا فرض ہے۔ نہ کریگا تو گنہگار ہوگا۔ اور جسے یہ اندیشہ ہو کہ وہ اصلاح حال کی قدرت نہیں رکھتا۔ اور ظالم حکومت کے مقابلے میں خروج کا نتیجہ فساد کے سوا اور کچھ نہ ہوگا۔ اس کے لئے خروج جائز نہیں۔

اس کی دلیل میں علامہ مودودی نے یہ حدیث نقل کی ہے:۔

مامن نبی بعثہ اللہ فی امتہ قبل الاکان من امتہ حواریون واصحاب یاخذون بسنتہ ویقتدون بامرہ ثم انہا تخلف من بعدھم خلوف یقولون مالا یفعلون ویفعلون مالا یومرون فمن جاھد بیدہ فھو مومن ومن جاھد بلسانہ فھو مومن ومن جاھد بقلبہ فھو مومن ولیس وراء ذلک من الایمان من خردل۔

(ترجمان القرآن جلد ۲۳ نمبر ۱،۲)

مجھ سے قبل جس نبی کو بھی خدا نے اس کی امت میں مبعوث کیا اس کا یہ حال رہا کہ ابتداءً اس کی امت میں ایسے حواری اور اصحاب ہوئے جو اس کی سنت پر چلے اور اس کے احکام کی پیروی کی۔ ان کے بعد ایسے ناخلف پیدا ہوئے جو کچھ کہتے تھے۔ اس کے مطابق عمل نہ کرتے تھے۔ اور کرتے وہ جس کا ان کو حکم نہیں دیا گیا تھا۔ تو ایسے لوگوں سے جو اپنے ہاتھ سے جہاد کرے وہ بھی مومن ہے۔ اور جو اُن کے ساتھ اپنی زبان سے جہاد کرے وہ بھی مومن ہے۔ اور جو ان کے ساتھ اپنے دل سے جہاد کرے وہ بھی مومن ہے۔ (یعنی اُن سے بیزار

اور اُن کے زوال کا آرزومند ہو) اور جو اس درجے سے بھی گذر گیا ہو۔ اس میں رائی برابر بھی ایمان نہیں ہے۔

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے کس حالت میں خروج کا فیصلہ کیا اس کی نسبت علامہ ابن خلدون لکھتے ہیں:۔

"اس کی حقیقت یہ ہے کہ جب یزید کا فسق وفجور تمام اہل مدینہ کے سامنے آشکارا ہو گیا۔ تو طرفداران اہل بیتؓ نے کوفہ سے حضرت امام حسینؓ کو بلوایا اور لکھا کہ آپ تشریف لائیں۔ ہم آپکی پُشت پناہی کے لئے تیار ہیں۔ حضرت امامؓ نے سوچا کہ یزید کی بدکرداریوں کی وجہ سے یزید کے خلاف اٹھنا تو ہے ہی، خصوصاً جبکہ اس پر قدرت بھی ہو۔ تو پھر تاخیر کیوں کی جائے۔ اور آپ نے اپنے میں اس کی اہلیت بھی پائی۔ اور شوکت بھی اہلبیت تو بہرحال آپ میں آپ کے خیال سے بھی زیادہ تھی۔ لیکن شوکت کے اندازہ میں آپ صحیح نقطۂ نظر پر نہ پہنچ سکے۔"

اس سلسلۂ بحث میں علامہ نے مزید لکھا ہے۔

"حضرت امام حسینؓ سے معاملہ فہمی میں کچھ غلطی ہوئی۔ لیکن چونکہ یہ غلطی امر دنیوی میں تھی۔ اس لئے یہ آپکی عظمت شان پر اثر انداز نہ ہو سکی۔ رہا حکم شرعی، تو اس کے سمجھنے میں آپ نے ہرگز غلطی نہیں کی۔ کیونکہ اس کا مدار آپ کے گمان پر تھا۔ اور آپکا گمان یہی تھا کہ آپ کو خروج پر قدرت حاصل ہے۔"

اوپر ہم نے جو دعویٰ کیا ہے کہ حضرت امام حسینؓ سے اجتہاد میں کوئی غلطی نہیں ہوئی۔ اپنے لفظوں میں علامہ ابن خلدون بھی وہی بات کہہ رہے ہیں۔ نہ آپنے حدیثوں کی خلاف ورزی کی نہ حکم شرع کے سمجھنے میں آپ سے کوئی غلطی ہوئی۔ ہوا صرف یہ کہ جس حالت کے پیش نظر آپنے خروج کا فیصلہ کیا تھا۔ وہ کوفہ کے نئے والی ابن زیاد کے بے پناہ تشدد سے اچانک بدل گئی۔ اور اسے حضرت امامؓ کے اجتہاد سے کوئی تعلق نہیں۔ اس کی مزید تفصیل عباسی صاحب کے ایک اور بحث کے سلسلے میں آگے آئے گی۔

حضرت امامؑ اور فریضۂ حج

محمود عباسی نے حضرت امام حسین علیہ السلام کے مکہ سے عراق کی جانب سفر کرنے کے سلسلے میں تمام مورخین اسلام کے خلاف ایک نئی بات پیش کی ہے۔ کہ حضرت امام حسین علیہ السلام ایام حج میں ۸ ذی الحجہ کے بجائے دسویں ذی الحجہ کو فریضۂ حج ادا کر کے عراق کی جانب روانہ ہوئے ہیں۔ لطف کی بات تو یہ ہے کہ خود اس بات کو تسلیم بھی کر لیا ہے کہ سوائے ابن کثیر کی ایک روایت کے باقی تمام مورخین اسلام نے آنحضرت کا یوم ترویہ یعنی ۸ ذی الحجہ کو عازم سفر ہونا لکھا ہے۔ چنانچہ لکھتے ہیں :-

"غرضیکہ تعجیل سفر کی جو وجہ ان راویوں نے بیان کی ہے کسی طرح بھی قابل پذیرائی نہیں۔ بلکہ قومی آثار سے واضح ہوتا ہے۔ کہ حضرت حسین اور ان کے ساتھی بعد ادائے حج کوفہ کو روانہ ہوئے۔" (خلافت معاویہ و یزید صفحہ ۱۱۶)

ایسے حالات میں جبکہ فریضۂ حج کی ادائیگی کے سلسلے میں تمام اسلامی دنیا ہر چہار جانب سے خانۂ خدا میں جمع ہو رہی تھی۔ اور مسلمان نہایت شوق سے خدا کے گھر کی زیارت کو آ رہے تھے۔ حضرت امام حسین علیہ السلام فرزند رسول کا فقط عمرۂ مفردہ پر اکتفا کرتے ہوئے احرام حج ترک کر دینا ضرور معنی خیز ہو سکتا ہے۔ اور اس بات پر پھر زیادہ تعجب ہوتا ہے۔ کہ جس شخص کو حج کرنے کا اتنا شوق دامن گیر ہو کہ اس نے اپنی عمر میں پچیس حج ادا کئے ہوں اور اب جبکہ حج میں صرف ایک دن باقی رہ گیا ہے۔ وہ کون سی مجبوری کے پیش نظر فریضہ حج کے ترک کرنے کا اقدام کر رہا ہے۔ چونکہ ہر ذہن میں یہ سوال کھٹکتا تھا۔ لہٰذا یزیدیت کے حامی محمود عباسی نے بھی غور کیا کہ اگر حضرت امام علیہ السلام کے ۸ ذی الحجہ کو سفر کرنے کی تاریخ کو مان لیا جائے۔ تو یقیناً یہ امر ثابت ہو جاتا ہے۔ کہ آنحضرت کو بنو امیہ کی طرف سے ضرور اس بات کا خوف تھا۔ کہ وہ حاجیوں کے لباس میں فرزند رسولؐ کو شہید کر دیں گے۔ اور حرمت خانۂ کعبہ ضائع ہو جائے گی۔ اور پھر جب یہ بات بنو امیہؓ کے کردار کے متعلق ثابت ہو جائے گی۔ تو میری ساری

کارروائی پر پانی پھر جائے گا۔ لہٰذا ابن کثیر جیسے متعصب مورخ کی محض ایک روایت کا س
اس واقعہ کو ہی سرے سے غلط قرار دے کر یہ لکھ دیا۔ کہ حضرت امام حسین یوم ترویہ کی
دسویں ذی الحجہ کو عازم سفر ہوئے۔ اگرچہ تمام مورخین نے حضرت امام حسین علیہ
کا حج سے پہلے سفر کرنا ہی تسلیم کیا ہے۔ مگر مزید تسلی کے لئے ہم محققِ زمان حضرت شا
دہلوی کا خیال پیش کرتے ہیں۔ جو انہوں نے سر الشہادتین میں نقل کیا ہے۔ لکھتے ہ
"کان خروجه یوم الترویه" حضرت امام حسین علیہ السلام مکہ سے یوم ترویہ
کی طرف روانہ ہوئے۔ (سر الشہادتین مترجم ص۱۶ و ابن اثیر ج ۳ ص ۳۸۱ طبع بیروت)

بعض مورخین نے حضرت امام علیہ السلام کے خروج کے متعلق تیسری ذی الحجہ
ہونا بھی تحریر کیا ہے۔ چنانچہ روضۃ الاحباب اور تحریر الشہادتین ص۱۶ میں ایک یہ روا
ہے۔ کہ جس روز حضرت امیر مسلم کوفہ میں شہید ہوئے۔ اسی دن حضرت امام حسین مکہ سے
ہوئے۔ اور حضرت مسلم کا تیسری ذوالحجہ کو شہید ہونا سر الشہادتین ص۱۶ میں لکھا ہے
حضرت کی روانگی تیسری ذوالحجہ ہو یا یوم ترویہ ہو بہرحال فریضۂ حج کی ادائیگی سے پہ
آنجناب کا سفر کرنا تاریخوں میں موجود ہے۔

تعجیل کی وجوہات

حضرت امام حسین علیہ السلام کے اتنے جلد ہی سفر کرنے کے
شاہ عبدالعزیز دہلوی تحریر فرماتے ہیں:۔

"وکان سبب خروجه ان مسلم بن عقیل کان قد کتب الیه
یلتمس قدومه ولما تجهز بالخروج منعه علی ذالك ابن عباس
وابن عمر وجابر وابو سعید خدری وابو واقد اللیثی فلم
یمتنع بمنعهم قال انی سمعت ابی یقول سمعت رسول الله
صلی الله علیه وسلم یقول ان کبشاً لیتحل به ملة فلا اکون
ان ذالك الکبش۔"

حضرت امام کے خروج کا سبب یہ تھا کہ حضرت امیر مسلم نے بذریعہ مکتوب آنحضرت کو کوفہ آنے کی ترغیب دے دی تھی۔ جب تیاری ہوئی تو ابن عمر، ابن عباس و جابر و ابوسعید خدری و ابو واقد نے (از راہ شفقت) آنحضرتؑ کو روکا کہ نہ جائیے مگر امام حسین علیہ السلام نہ رکے اور فرمایا کہ میں نے اپنے باپ سے حیاتِ رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا فرمان سنا ہے کہ مینڈھے کے سبب سے خانہ کعبہ کی بے حرمتی ہو گی۔ کہیں میں ہی وہ مینڈھا نہ ہوں"

(ابن اثیر جلد ۳ ص ۲۶۹ طبع بیروت - سر الشہادتین ص ۱۶)

حضرت امام حسین علیہ السلام تو بذریعہ وحی سن چکے تھے۔ کہ میری شہادت کربلا کی زمین ہوگی۔ مگر صحابہ کرام کو اطمینان دلانے کی غرض سے آنحضرت نے یہ بھی فرما دیا۔ کہ کہیں وہ مینڈھا میں نہ بن جاؤں۔ مگر بعد میں تاریخ نے ثابت کر دیا کہ وہ مینڈھا عبداللہ بن زبیر تھا۔

تعجیل سفر کی وجہ یہی تھی۔ جو تاریخوں نے لکھی ہے کہ حضرت امام حسین علیہ السلام کو اطلاعات کی اطلاع مل چکی تھی۔ کہ حاجیوں کے لباس میں تیس آدمی بنو امیہ نے مقرر کئے ہیں۔ وہ عین حج کے موقعہ پر فرزند رسولؐ کو قتل کر دیں۔ چنانچہ اس تعجیل سفر کی وجہ ہم تاریخ طبری سے نقل کرتے ہیں۔ ترجمہ ملاحظہ ہو:-

"فرزدق نے روایت کی ہے۔ کہ میں ۶۰ھ میں زمانہ حج اپنی ماں کے ساتھ مکہ میں داخل ہوا۔ تو امام حسین مع مسلح رفقا کے مکے سے باہر نکل رہے تھے میں نے دریافت کیا کہ یہ کس کا قافلہ ہے۔ لوگوں نے کہا حسین ابن علی کا ہے۔ میں نے ان کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا۔ کہ اے ابن رسول اللہ میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں۔ کس چیز نے آپ کو عجلت دلائی جو حج سے پہلے جا رہے ہیں امام حسین نے فرمایا۔ اے فرزدق! اگر میں جانے میں عجلت نہ کروں تو دشمن مجھے گرفتار کر لیے جائیں گے (تاریخ طبری، جلد ۶ صفحہ ۲۱۵)

اگر بقول عباسی اس بات کو مان لیا جائے کہ حضرت امام حسین علیہ السلام حکومت کے لئے یہ سب کچھ کر رہے تھے۔ تو پھر حصول مقصد کے لئے یہ موقع حضرت امام حسین علیہ السلام کے لئے غنیمت تھا۔ لاکھوں مسلمان اکٹھے ہوتے۔ آنحضرت بنو امیہ کے خلاف تقریریں کرتے اور یہیں سے علم بغاوت بلند کر کے یزید کی حکومت کا تختہ الٹ دیتے۔ ان کے لئے یہ بات بہ نسبت عراق جانے کے آسان تھی۔ مگر انہیں تو خانہ کعبہ کی حرمت مطلوب تھی۔ نہ یہ کہ عباسی کے پیشواؤں کی طرح حرمت بیت اللہ کو ضائع کر دینا ان کا خیال تھا۔

یہ ہیں وہ چند ایک تعجیل سفر کی وجوہات جن کی بنا پر امام نے فریضہ حج چھوڑ دیا اور عازم سفر ہو گئے۔ اگرچہ محمود عباسی نے اس بات کو غلط ثابت کرنے کے لئے بہت کچھ ہاتھ مارا۔ مگر ان کی کوششیں رائیگاں گئیں۔ کیونکہ مسلمان مورخ اس بات پر متفق ہیں کہ حضرت امام حسین علیہ السلام ادائیگی حج سے پہلے روانہ ہوئے۔ وہ بہ نسبت عباسی کے ان واقعات سے قریب العہد بھی تھے۔ اور جغرافیہ دان بھی یقیناً ان سے زیادہ تھے۔ ان ہی مورخین کے پیش کردہ تاریخی مواد سے مسلمان آج تک استفادہ کر رہے ہیں۔ اگر مشہور واقعات کے خلاف محض احتمال رکیکہ کی بنا پر جہاد شروع کر دیا جائے۔ تو میرے خیال میں اسلامی تاریخ کے سارے مشہور واقعات تسلیم کے قابل نہیں ہیں۔ کیونکہ ہر ایک واقعہ کے توڑنے کے متعلق روایات کو بھی تلاش کیا جا سکتا ہے۔ اور دیگر ہر قسم کے شکوک و شبہات کو وارد کیا جا سکتا ہے۔ مگر ہم علمائے مورخین کے بیانوں پر اعتماد کرتے ہوئے عباسی کی خرافات کو ہذیان پر محمول کرتے ہیں۔

عامل مکہ اور مزاحمت

جب تک امام حسین علیہ السلام مکہ معظمہ میں رہے۔ بنو امیہ کو ان کی طرف سے اتنا اندیشہ نہ تھا۔ مگر جب یکایک امام علیہ السلام سفر پر روانہ ہوئے تو فوراً عامل مکہ عمر بن سعید مزاحمت کے لئے تیار ہوا۔ اور اپنے بھائی کی سرکردگی میں امام حسین علیہ السلام کو روکنے کی کوشش کی۔ مگر کامیاب

نہ ہو سکا۔ چنانچہ مؤرخ طبری لکھتے ہیں:۔

"جب امام حسین علیہ السلام سفر کوفہ پر روانہ ہونے لگے تو عمر بن سعید عامل مکّہ نے انہیں روکنے کی کوشش کی۔ یحییٰ بن سعید کی سرکردگی میں ان کے پیچھے آدمی روانہ کئے۔ تاکہ ان کو روک لیا جائے۔ وہ لوگ جب امام علیہ السّلام کے پاس پہنچے تو واپس جانے کو کہا۔ مگر انہوں نے انکار کر دیا۔ فریقین میں کافی لے دے ہوئی۔ مگر بایں ہمہ حضرت حسین علیہ السلام جدھر جا رہے تھے چلے گئے۔" (تاریخ طبری جلد ۶ ص۲۱۷)

محمود عباسی مندرجہ بالا بیان پر تنقید کرتے ہوئے رقمطراز ہیں کہ:۔

"عامل مکّہ کی جانب سے مزاحمت کا جو حال مندرجہ بالا روایت میں بیان کیا گیا ہے۔ اس کے پیش نظر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب ان چار مہینوں میں حکومت کی جانب سے کوئی مزاحمت نہ ہوئی۔ تو لیکایک اب کیوں مزاحمت کی گئی۔ بعد ازاں اس اقدام حکومت کو جائز قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں کہ چونکہ یمنی قافلہ کو حضرت امام حسین علیہ السلام نے ماخوذ کر لیا تھا اس لئے حکومت کو مزاحمت کرنے کا حق حاصل ہو گیا۔"

(خلافت معاویہ و یزید ص۳۹)

ہم سابقہ اوراق میں ثابت کر چکے ہیں کہ بنو امیہ نے یہ پروگرام بنا رکھا تھا۔ کہ حضرت امام حسین علیہ السلام کو یہیں مکّہ میں شہید کر دیا جائے۔ پہلے چار مہینے تو حضور مکّہ میں مقیم رہے۔ اور مخالفین کو بھی اطمینان تھا۔ کہ اس جگہ پر ہم اپنی من مانی کارروائی کر لیں گے۔ مگر یک لخت جب انہیں حضرت امامؑ کے سفر عراق کا پتہ چلا تو اپنی امیدوں پر پانی پھرتا نظر آیا۔ فوراً مزاحمت کا اقدام کیا۔ جس میں کامیاب نہ ہو سکے۔ ناسخ التواریخ جلد ۲ کتاب دوم میں بنو امیہ کا تیس آدمیوں کو برائے قتل حسینؑ مقرر کرنا مرقوم ہے۔ یزید کے اس بند و بست

کے لئے قافلہ حجاج میں تیس آدمی پوشیدہ کر کے بھیج دیئے گئے تھے اور عمر بن سعید کو خاص اسی اہتمام کی خاطر امیر حج بنایا تھا۔ الغرض جب عامل مذکور نے مطلب فوت ہوتے دیکھا۔ تو مزاحمت کی۔ ہم اس واقعہ کو ناسخ التواریخ سے پیش کرتے ہیں۔

"اس وقت یزید کی طرف سے عامل مکہ عمر بن سعید ابن العاص تھا۔ اس نے پسند نہ کیا۔ کہ حسین علیہ السلام عراق کی طرف روانہ ہوں۔ ایسا نہ ہو۔ کہ لوگ حسینؑ پر اتفاق کر جائیں۔ اور جنگ کا آغاز ہو جائے۔ اور یزید کی سلطنت میں خلل واقع ہو جائے۔ پھر اپنے بھائی کو حسین کا قافلہ روکنے کے لئے بھیجا۔ انہوں نے حضرت امامؑ کو کہا کہ آپ نہ جائیں۔ مگر حضرت حسین علیہ السلام نے انکار فرما دیا۔ یہاں تک کہ لڑائی بھی ہوئی۔ مگر یحییٰ ناکام رہا۔ اور واپس جاتے ہوئے کہا۔ کہ اے حسینؓ اللہ سے ڈرو اور جماعت میں تفرقہ نہ ڈالو۔ جناب امام حسین علیہ السلام نے فرمایا۔ کہ میرا عمل میرے ساتھ ہے۔ اور تمہارا عمل تمہارے ساتھ ہے۔"

(ناسخ التواریخ مطبوعہ ایران جلد ۲ کتاب دوم)

تاریخ طبری اور ناسخ التواریخ کی عبارتوں سے صاف ظاہر ہے کہ پہلا اقدام بھی حکومتِ وقت کی طرف سے ہی ہوا تھا۔ حسین امن پسند تھے۔ انہوں نے ہر حالت میں ایسا کوئی اقدام نہیں کیا جس کی بنا پر حکومت ان کے خلاف تادیبی کارروائی کرنے میں حق بجانب ہوتی۔ یہ محض عباسی کی معاندانہ طرز فکر ہے۔ جو وہ اپنی خیرہ چشمی سے حضرت امام علیہ السلام کو ہی قصوروار ٹھہرا رہے ہیں۔ اور حکومت کو اس مزاحمت کے اقدام پر حق بجانب خیال کرتے ہیں۔ رہا مبینہ قافلہ کے لوٹ کر لینے کا سوال تو اس میں بھی حضرت امامؑ حق بجانب تھے ایک تو اس لئے کہ آپ معصوم اور مامور من اللہ تھے اور دوسرے حسب شرائط صلحنامہ حسنؑ معاویہ کے بعد حقیقتاً خلافت کے مالک بھی آپ ہی تھے اور مسلمانوں کے مال کے بحیثیت خلیفہ وحاکم آپ ہی مستحق تھے حضرت نے اپنی مغصوبہ چیز کو لے لیا تو کیا ہوا۔

کیا امام حسینؓ شہید نہیں ہیں

قرآن حکیم میں ارشاد ہوتا ہے:۔

(۱) ولا تقولوا لمن یقتل فی سبیل اللہ اموات بل احیاء ولکن لا تشعرون

(سورۃ البقرہ)

(خدا کی راہ میں قتل ہونے والوں کو مردہ نہ کہو۔ بلکہ وہ زندہ ہیں۔ لیکن تم ان کی زندگی کو سمجھ نہیں سکتے)

(۲) ولا تحسبن الذین قتلوا فی سبیل اللہ امواتاً (آل عمران)

(جو لوگ۔ اللہ کی راہ میں قتل ہوئے انہیں مردہ مت کہو)

مذکورہ بالا قرآن حکیم کی دو آیات سے واضح ہوتا ہے کہ خدا کی راہ میں قتل ہونے والے لوگ زندہ ہیں۔ انہیں عام لوگوں کی طرح مردہ نہیں کہا جا سکتا۔ ان خدا کی راہ میں قتل ہو جانے والوں کو زبانِ شریعت میں شہید کے لفظ سے یاد کیا جاتا ہے۔ چنانچہ مظاہر حق شرح مشکوٰۃ کتاب الجہاد جلد ۳ ص ۳۵۶ میں وارد ہے کہ "من مات فی سبیل اللہ فھو شھید" یعنی جو شخص اللہ کی راہ میں مر جائے وہ شہید ہوتا ہے۔

بظاہر تو شہید اُسے کہا جاتا ہے جو خدا کی راہ میں مارا جائے۔ جیسا کہ اُوپر کی نصوص سے ظاہر ہے۔ مگر درحقیقت شہادت کے درجہ پر فائز ہونا بہت بڑی بات ہے اپنی جان و مال، عزت، دنیاوی تعلقات اور رشتوں کی پرواہ نہ کرکے اپنا سر خدا کی رضا میں پیش کر دینا سمجھ کر پیش کرنا، موقع و محل کے مطابق پیش کرنا۔ دل اور خلوص سے پیش کرنا۔ یا امام کے حکم سے اور اجازت سے پیش کرنا۔ صرف خدا کی راہ پہ قدم اٹھانا اور آخری سانس تک اس کی رضا کا طالب رہتے ہوئے سر دے دینا شہادت عظمیٰ کے مقتضیات میں سے ہیں۔ بغیر

ان عنوانوں کے کسی قتل ہونے والے کو لفظ شہید سے تعبیر نہیں کیا جا سکتا۔
چنانچہ شاہ عبدالعزیز دہلوی اپنے رسالہ سر الشہادتین مترجم ص۳ مطبوعہ لاہور
میں کمال شہادت کے بارے میں ارشاد فرماتے ہیں:۔

"لان تمام الشهادة ان يقتل الرجل فى الغربة والكربة
وان يعقر جواده ويلقى جثته مطروحة ويقتل حوله جم كثير
من اعزة اصحابه واقاربه وان ينهب ماله وان تسبى نساؤه
وايتامه كل ذالك فى ذات الله"

(کمال شہادت اس چیز کا نام ہے کہ آدمی مسافری اور مشقت میں مارا جائے اور
اس کے گھوڑے کی کوچیں کاٹ دی جائیں۔ اس کی لاش میدان میں پڑی رہے
اور اس کے گرد اس کے با عزت اصحاب و اقارب کی لاشوں کے ڈھیر پڑے ہوں
اس کا مال لوٹ لیا جائے۔ اس کی عورتوں اور یتیم لڑکوں کو قید کر لیا جائے۔
اور یہ سب مصیبتیں محض رضائے حق کے لئے ہوں")

ساری تاریخ اسلام پر اگر نظر کی جائے تو مندرجہ بالا کمال شہادت کے درجہ پر سوائے
فرزند رسولؐ حضرت امام حسین علیہ السلام کے کوئی شخص فائز نہیں ہوا۔ حضرت امامؑ
عالم غربت میں مارے گئے۔ لاشیں میدان میں بے گور و کفن پڑی رہیں۔ اعزہ و اقارب
قتل ہوئے، عورتیں اور بچے سب قید کر لئے گئے۔ غرض کہ کوئی ایسا امر جو شہادت عظمیٰ سے
تعلق رکھتا ہو نہیں ہے۔ مگر یہ کہ "جناب سید الشہدا علیہ التحیۃ والثنا کی ذات والا صفات
میں جمع ہو گیا تھا"

عباسی کا موقف مگر اموی قیادت کے علمبردار جناب امام علیہ السلام کی دینی
عظمت کو گوارا نہیں کر سکتے۔ لہٰذا اپنی تالیف و تصنیف میں
یہ پروپیگنڈا کرتے ہیں۔ کہ حضرت امام حسین علیہ السلام نے خلیفہ وقت اولی الامر کے خلاف

نامناسب اقدام کر کے کوئی دینی خدمت سرانجام نہیں دی ہے۔ بلکہ شریعت مطہرہ کے مقررہ اصولوں کے خلاف ایک زبردست خطا ولغزش کر کے اپنے آپ کو موت کے منہ میں دے دیا۔ ایسے لوگوں میں سے محمود احمد عباسی بھی ہیں۔ جنہوں نے کتاب "خلافت معاویہ ویزید" کے صـ۷۶ پر آنحضرتؑ کے موقف کے متعلق یوں گوہر افشانی فرمائی ہے۔

"یہی کیفیت اخلاف کی حضرت حسینؓ کے متعلق ہے جو ان کو ایک ظالمانہ جرم کا کشتہ خیال کرتے ہیں۔ ایرانی شدید تعصب نے اس تصویر میں خدوخال بھرے۔ اور حضرت حسینؓ کو بجائے ایک معمولی قسمت آزما کے جو ایک انوکھی لغزش اور خطائے ذہنی اور قریب قریب غیر معقول حُبِّ جاہ کے کارن ہلاکت کی جانب تیز گامی سے رواں دواں ہوں۔ ولی اللہ کے روپ میں پیش کیا ہے۔ ان کے ہم عصروں میں اکثر و بیشتر انہیں ایک دوسری نظر سے دیکھتے ہیں۔ وہ انہیں عہد شکنی اور بغاوت کا قصور وار خیال کرتے ہیں۔ اس لئے کہ انہوں نے معاویہ کی زندگی میں یزید کی ولیعہدی کی بیعت کی تھی۔ اور اپنے حق یا دعویٰ خلافت کو ثابت نہ کرسکے تھے۔"

اموی ناصبین کے نزدیک چونکہ یزید کی بیعت خدا و رسولؐ کی بیعت ہے۔ اور وہ اس کو خلیفہ برحق جانتے ہیں۔ ان کے خیال کے مطابق حضرت امام علیہ السلام نے یزید کی بیعت بھی کرلی تھی۔ لہٰذا اس خیال کے مطابق حضرت حسین علیہ السلام کا اقدام نکث بیعت اور عہد شکنی پر مبنی تھا۔ جو یقیناً خدا اور رسولؐ کے نزدیک اچھا نہ تھا۔ ان کے اس مسلک کو اگر صحیح سمجھ لیا جائے۔ تو امام حسین علیہ السلام نے حقیقتاً کوئی دینی خدمت سرانجام نہیں دی۔ غیر معقول حب جاہ کی چاہت میں جو شخص بھی ایسا کرے گا۔ وہ شہید تصور نہیں کیا جاسکتا بلکہ اس کے اس قسم کے خروج کو ہلاکت سے تعبیر کیا جائے گا۔

واقعاتِ شہادت کی لسانِ وحی میں خبر

جیسا کہ ملتِ اسلامیہ کا اتفاق ہے کہ امام حسین علیہ السلام نے اپنی تمام قربانیاں محض دین کی خاطر پیش کی ہیں۔ اور یقیناً انہوں نے ایسا فریضہ انجام دیا ہے کہ تاریخی دنیا میں اس کی مثال ڈھونڈے سے نہیں ملتی۔ ایسی صورت میں قدرتی طور پر یہ خیال پیدا ہوتا ہے۔ کہ جب یہ حادثہ فاجعہ اتنا اہم اور دینی اعتبار سے بے پناہ عظمت کا حامل ہے لہٰذا خلاقِ عالم کی طرف سے اظہار اور مخبرِ صادقؐ کی پیشین گوئی میں اس کا تذکرہ اور نصرت کو اس غم میں سوگوار ہونا چاہیے تھا۔ اس حقیقت کی تلاش میں جب ہم اوراقِ تاریخ اور مجموعۂ احادیثِ نبویہؐ کا مطالعہ کرتے ہیں۔ تو ہمیں ثبوت مل جاتا ہے۔ چنانچہ مشکوٰۃ شریف میں اشعۃ اللمعات ص۶۰۹ مطبوعہ نولکشور میں ام الفضل بنتِ حارث زوجۂ عباس رضی اللہ عنہ سے ایک حدیث منقول ہے۔ حرف ترجمہ پیش کیا جاتا ہے:۔

"ام الفضل دخترِ حارث زوجۂ عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک روز وہ رسولؐ خدا کے پاس داخل ہوئیں اور کہا یا رسولؐ اللہ میں نے ایک بُرا خواب دیکھا ہے۔ آپ نے فرمایا وہ کیا ہے؟ کہا میں نے ایسا دیکھا۔ گویا آپ کے بدن کا ٹکڑا جدا کیا گیا ہے۔ اور میری گود میں رکھ دیا گیا ہے۔ آپؐ نے فرمایا۔ تم نے اچھا خواب دیکھا ہے۔ انشاء اللہ فاطمہؑ کے ایک لڑکا پیدا ہوگا۔ جو تمہاری گود میں رہے گا۔ ام الفضل کہتی ہیں کہ فاطمہؑ کے ہاں حسینؑ پیدا ہوئے اور میری گود میں رہے۔ پس میں نے ان کو قثم کا دودھ پلایا۔ ایک روز میں رسولؐ اللہ کے پاس گئی اور حسینؑ کو ان کی گود میں دے دیا پھر کیا دیکھا کہ حضرتؐ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہیں۔ میں نے کہا یا رسولؐ اللہ

میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں۔ آپ کو کیا ہوا۔ فرمایا میرے پاس جبریل آئے اور خبر دی کہ میری امت میرے اس فرزند کو قتل کرے گی۔ میں نے کہا۔ اسے فرمایا ہاں اور مجھے سُرخ مٹی دی۔"

"مسند احمد بن حنبل مطبوعہ مصر صفحہ ۲۸۳ جلد اوّل میں عبداللہ بن عباس سے روایت ہے۔ کہ میں نے دوپہر کے وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کہ آپ پراگندہ مو اور غبار آلودہ چہرہ۔ ایک شیشی جس کے اندر خون ہے۔ ہاتھوں میں لئے کھڑے دیکھا۔ میں نے کہا کہ میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں۔ یہ کیا چیز ہے۔ فرمایا کہ یہ حسینؑ اور اس کے ساتھیوں کا خون ہے۔"

"اس طرح ایک روایت اسی مسند امام احمد بن حنبل مطبوعہ مصر صفحہ ۸۵ جزو اوّل میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جناب امیرؑ نے فرمایا۔ کہ میں ایک روز آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہوئے۔ میں نے کہا یا رسولؐ اللہ! یہ کیا کسی نے آپکو غضبناک کیا ہے؟ آپ کیوں روتے ہیں۔ فرمایا۔ میرے پاس ابھی جبریل علیہ السلام آئے تھے۔ انہوں نے مجھ سے بیان کیا کہ حسینؑ فرات کے کنارے قتل کیا جائے گا پھر رسولؐ خدا نے فرمایا کہ میں تم کو اس کی مٹی سنگھاؤں۔ میں نے کہا ہاں۔ بس آپ نے اپنا ہاتھ دراز کیا۔ اور ایک مٹھی خاک لی۔ اور مجھے دی۔ پھر مجھ سے رونا ضبط نہ ہو سکا۔"

مندرجہ بالا ہر سہ روایات سے ظاہر ہے کہ خداوند عالم نے خاص اہتمام کے ساتھ اپنے قاصد کے ذریعہ شہادت حسین علیہ السلام کی خبر دردناک لہجہ میں اپنے پیغمبرؐ کو پہنچائی۔ جس کی بنا پر آنحضرت بہت ہی زیادہ آزردہ خاطر ہوئے۔ خود بھی روئے۔ دوسروں کو بھی رُلایا بیٹے کی شہادت کی خبر سن کر حال پریشان کیا۔ سر پر خاک ڈال۔ جو بھی سوگواری کے

نشانات تھے ان کو ظاہر کیا۔ کیا یہ اس بات کی دلیل نہیں ہے۔ کہ حضرت حسین کی شہادت دینِ رسول ہی کے لئے تھی۔ اگر بقول عباسی محض حبِ جاہ کے لئے یہ سارا اقدام تھا، تو آنحضرت اپنے بیٹے کو اپنی زندگی میں یا ان کے والدین کو اقدامِ خروج سے منع فرما دیتے۔ مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ایسا نہیں کہا۔

صاحبِ صواعقِ محرقہ ابنِ حجر مکی فقیہہ و محدث نے صواعقِ محرقہ مطبوعہ مصر ص۱۸۹ تا ص۱۹۱ میں شہادت امام حسینؑ کے واقعات کو تفصیل سے لکھا ہے۔ اس کتاب میں متعدد پیشین گوئیاں شہادت کے متعلق نقل کی گئی ہیں۔ علامہ ابنِ حجر اس قدر معتمد عالم ہیں کہ علمائے اہلِ سنت قدیم زمانہ سے صواعقِ محرقہ پر ایمان رکھتے ہیں۔ اور شاہ عبدالعزیز دہلوی وغیرہ مناظرینِ اہلِ سنت نے زیادہ تر اسی کتاب کو آج تک مدارِ استدلال ٹھہرایا ہے۔

شہادتِ حسینؑ پر آیاتِ الٰہی کا ظہور

چنانچہ اس کتاب میں ان تمام قدرتی آثار کو جو طور پر قتلِ حسینؑ کے موقعہ پر رونما ہوئے درج کیا گیا ہے۔ اور شاہ عبدالعزیزؒ دہلوی محدث نے بھی ان قدرتی آثار کو صواعقِ محرقہ سے اپنے رسالہ سر الشہادتین مترجم ص۲۲ تا ص۳۶ میں نقل کیا ہے۔ ملاحظہ ہوں۔

"لما قتل الحسین مطرت السماء دما فاصبحنا وحبابنا وجرادنا وکل شیئ لنا ملان دمًا واخرج البیهقی وابو نعیم عن الزهری قال بلغنی انه قتل الحسین لم یقلب حجرٌ من احجار بیت المقدس الا وجد تحته دمٌ عبیط واخرج البیهقی عن ام حبان قالت یوم قتل الحسینؑ اظلمت علینا ثلاثًا۔"

جب حسین علیہ السلام شہید ہوئے تو آسمان سے خون برسا۔ جب ہم صبح اٹھے تو ہمارے مٹکے، گھڑے اور برتن خون سے بھرے تھے۔ روایت کی بیہقی اور

ابو نعیم نے زہری سے کہ جس روز حسینؓ شہید ہوئے جو پتھر بیت المقدس سے اٹھایا جاتا تھا۔ اس کے نیچے سے تازہ خون نکلتا تھا۔ بیہقی نے ام حبان سے سے روایت کیا۔ کہ جب حسینؓ شہید ہوئے تو تین دن تک اندھیرا رہا۔

صواعق محرقہ صـ ۱۹۲ پر مرقوم ہے۔ کہ جو آیات قتل حسینؓ پر ظاہر ہوئیں ان میں سے یہ بھی ہے کہ اتنی تاریکی چھا گئی تھی۔ کہ دن کو تارے نظر آنے شروع ہو گئے تھے۔ سورج کو گہن لگ گیا۔ اور آسمان کے کناروں پر سرخی آ گئی۔ یہاں تک کہ لوگوں کو گمان ہوا۔ کہ قیامت قائم ہو گئی ہے۔

"اخرج عثمان بن ابی شیبہ ان السماء مکثت بعد قتلہ سبعۃ ایام ترئ علی الحیطان کانھا ملاحف معصفرۃ من شدۃ حمرتھا وضربت الکواکب بعضھا بعضاً"

عثمان ابن ابی شیبہ نے بیان کیا ہے کہ آسمان کی حالت سات دن تک ایسی رہی کہ دیواروں پر عکس اس کا مثل زعفرانی چادروں کے معلوم ہوتا تھا۔ بہ سبب سرخی کی زیادتی کے اور ستارے ایک دوسرے سے ٹکرا گئے)

ابن حجر نے تمام واقعات لکھنے کے بعد ان امور واقعہ کی حکمت ابن الجوزی کے حوالہ سے یوں نقل فرمائی ہے۔ کہ ان تمام آیات خداوندی کا ظاہر ہونا اس وجہ سے ہوا۔ کہ خداوند عالم کے غضب کا اثر ظاہر ہو۔ چونکہ خداوند عالم جسمیت سے منزہ ہے اس لئے اس نے اپنا غضب ان نشانیوں کے ذریعہ ظاہر فرمایا۔

براہین قاطعہ ترجمہ صواعق محرقہ صـ ۲۱۸ پر لکھا ہے کہ جس رات امام حسین علیہ السلام شہید ہو گئے۔ ہاتف نے غیب سے آواز دی ؎

ایھا القاتلون جھلاً حسینا	ابشروا بالعذاب والتنزیل
قد لعنتم علی لسان ابن داؤد	وموسی وحامل الانجیل

اے وہ لوگو جنہوں نے از روئے جہالت و عناد حسین کو قتل کیا ہے۔ تمہیں عذاب خداوندی کی خوشخبری دی جاتی ہے۔ تم ابن داؤد اور موسیٰ وعیسیٰ علیہم السلام کی زبان میں ملعون ہو گئے ہو۔

پھر اسی طرح اور ایک واقعہ ص۲۲ اور سرالشہادتین اردو ص۳۶ پر مرقوم ہے کہ جب قاتلانِ حسینؓ علیہ السلام سرہائے شہدا کو لے کر چلے تو پہلی منزل پر انہوں نے آرام کیا۔ قدرتی طور پر ایک قلم ظاہر ہوا۔ جس نے خونی الفاظ میں یہ شعر لکھ دیا ؎

اترجوا امۃ قتلت حسینا شفاعتہ جدہ یوم الحساب

کیا وہ امت جس نے حسینؓ کو قتل کیا ہے۔ قیامت کے روز ان کے جد اطہر سے شفاعت کی امید رکھتی ہے؟

شاہ عبد العزیز محدث دہلوی حضرت امام حسین علیہ السلام کے سر مبارک کا کلام کرنا تحریر فرماتے ہیں جو کہ ایک ولی اللہ کی شان کے ہی شایاں ہے۔ جو شخص باطل پر ہو اس سے کرامات اور معجزات کا ظہور نہیں ہو سکتا۔ ملاحظہ ہو۔

"جب حضرت امام حسین علیہ السلام کا سر مبارک بازار دمشق سے گزر رہا تھا۔ منہال بن عمر سے روایت ہے کہ خدا کی قسم میں نے دیکھا۔ کہ ایک شخص سورۂ کہف کی تلاوت کر رہا تھا۔ وہ جب اس آیت اَمْ حَسِبْتَ اَنَّ اَصْحٰبَ الْکَہْفِ وَالرَّقِیْمِ کَانُوْا مِنْ اٰیٰتِنَا عَجَبًا۔ پر پہنچا تو حضرت کے سر مبارک نے یہ کلام فرمایا۔ "اعجب من اصحٰب الکھف قتلی وحملی" کہ اصحاب کہف کے قصے سے میرا قصہ عجیب تر ہے۔ یعنی میرا قتل ہونا اور میرا اٹھائے پھرنا۔"

(سرالشہادتین ص۲۲)

اسی طرح صواعقِ محرقہ اور سرالشہادتین میں جنات کے نوحے بھی درج ہیں جنہوں نے قتلِ حسینؓ پر اظہارِ غم کیا۔ نیز سرالشہادتین اردو ص۳۱ پر ابن عباس سے روایت کیا گیا

خداوندکریم نے بذریعہ وحی اپنے رسولؐ کو آگاہ کیا۔ کہ میں نے یحییٰ بن زکریا کے قتل کے عوض ستر ہزار آدمیوں کو قتل کیا۔ اور تیری بیٹی کے فرزند کے قتل کے عوض ایک لاکھ چالیس ہزار آدمیوں کا قتل کروں گا۔"

مندرجہ بالا تمام واقعات و حادثات سے حسب ذیل چند ایک نتائج برآمد ہوتے ہیں۔

(۱) یہ کہ شہادت حسینؑ کی خبر بذریعہ وحی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پہلے ہی سے دے دی گئی تھی۔

(۲)۔ آنحضرتؐ نے خبر شہادت فرزند خود پر اظہار غم کیا۔ روئے اور سر میں خاک ڈالی۔

(۳) حضرت امیر علیہ السلام بھی اپنے بیٹے کے قتل پر روئے۔

(۴)۔ قتل حسینؑ کے موقعہ پر ایسی آیات خداوندی کا ظہور ہوا جن سے غضب خداوندی کے آثار ظاہر ہوتے ہیں۔

(۵)۔ حسین علیہ السلام کے قتل کرنے والوں کو عذاب کی بشارت دی گئی۔

(۶) قاتلان حسینؑ علیہ السلام شفاعت رسولؐ کے مستحق نہیں ہیں۔

(۷) یہ کہ قتل حسین علیہ السلام پر جنات نے نوحہ کیا۔

(۸) یہ کہ بعد قتل حسینؑ آں جناب کے سر مبارک سے کرامات کا ظہور ہوا۔

(۹) قاتلان حسینؑ پر انبیا کی زبان سے لعنت کی گئی۔

(۱۰)۔ یہ کہ خداوند عالم نے حضرت یحییٰؑ کے قتل کے بدلے ستر ہزار انسانوں کو قتل کیا اور امام حسین علیہ السلام کے قتل کے عوض ایک لاکھ چالیس ہزار انسانوں کو۔

ان دہ گانہ نتائج سے معلوم ہوتا ہے کہ حادثہ فاجعہ کربلا اور واقعہ شہادت عظمیٰ خدا و رسولؐ اور دیگر کائنات جمادات، نباتات اور حیوانات کے نزدیک ایک عظیم حادثہ تھا۔ تمام کائنات نے آنحضرتؐ کے غم میں سوگ منایا۔ اگر حضرت امام حسینؑ کا اقدام خروج بقول منکرین شہادت غلط اور خلاف شریعت تھا۔ تو ان حادثات کا ظہور کیونکر ہوا۔ منکرین کو چاہیئے تھا۔

کہ اس اقدام کے غلط ہونے پر قدرتی آیات پیش کرتے۔ مگر وہ کب حق و صداقت کے مقابلہ میں ایسا کر سکتے ہیں۔ اگر وہ ایک دوسرے کے مددگار ہی کیوں نہ ہوں۔

شہادت حسینؑ شہادت رسولؐ ہے

اس شہادت کو تو محققین اہل سنت نے حضرت حسین علیہ السلام کی بجائے خود پیغمبرؐ اسلام کی شہادت تصور کیا ہے۔ چنانچہ حضرت شاہ عبدالعزیزؒ دہلوی نے سر الشہادتین مترجم ص۲ میں فلسفۂ شہادت کو یوں بیان فرمایا ہے۔

"جاننے کہ جو کمالات اور خوبیاں جُدا جُدا پیغمبروں میں تھی، وہ تمام ہمارے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام میں یک جا جمع ہو گئیں۔ چنانچہ حضرت کو خلافت ملی۔ جیسے آدمؑ اور داؤدؑ کو۔ سلطنت ملی جیسے سلیمانؑ کو۔ حسن ملا یوسفؑ کی مانند۔ خلت نصیب ہوئی حضرت ابراہیمؑ کی طرح۔ خدا سے ہمکلام ہوئے۔ حضرت موسیٰؑ کی طرح۔ عابد تھے جیسے یونسؑ۔ شکر گذار تھے جیسے نوحؑ۔ بلکہ ان سے بھی زیادہ کمالات آنحضرتؐ کو نصیب ہوئے۔ خدا کی نزدیکی اور شفاعت کبریٰ کا مرتبہ حاصل ہوا۔ کافروں سے جہاد کرنا۔ علم و عرفان کے مراتب عُلیا قضیئے فیصل کرنا، منصب اجتہاد اور قرأت وغیرہ سب کچھ نصیب ہوا۔ لیکن آپ میں ایک کمال باقی رہ گیا تھا۔ جو حضرت کی ذات میں نہ تھا۔ یعنی مرتبۂ شہادت۔ جس کے حاصل نہ ہونے کا بظاہر یہ فلسفہ تھا۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جنگ میں شہید ہو جاتے۔ تو شوکت اسلام ختم ہو جاتی اور دین میں عوام کے نزدیک خلل واقع ہو جاتا۔ اور ناگہانی چھپکے چھپکے شہادت ہو جاتی، جیسا کہ آپ کے خلفا میں سے بعض کی ہوئی۔ تو یہ پوری شہادت ہی

نہ ہوتی۔ کیونکہ مکمل شہادت تو اس چیز کا نام ہے کہ انسان مسافری اور مشقت میں مارا جائے۔ اور گھوڑے کی کوچیں کاٹ دی جائیں۔ اس کے ساتھ اس کے باعزت اصحاب اور اقارب بھی قتل ہوں۔ اس کا مال لوٹا جائے۔ اس کی عورتیں اور یتیم بچے قید کر لئے جائیں۔ اور یہ سب مصائب وہ محض خدا کی رضا کے لئے برداشت کرے۔

لہٰذا خدا کی حکمت بالغہ نے تقاضا کیا۔ کہ آنحضرتؐ کو یہ کمال آپؐ کی وفات اور خلفاؓ کے بعد حاصل ہو۔ پس اللہ کی عنایت نے توجہ کی۔ ایام خلافت کے گذرنے کے بعد اس کمال شہادت کو آنحضرتؐ سے ملانے پر تو نائب بنایا حسنین علیہما السلام کو نانا کے مقام پران پر درود اور رحمتیں ہوں۔ اور ان دونوں کو یہ نور جمال محمدی کے دو آئینے بنائے۔

چونکہ شہادت دو قسم کی تھی۔ ایک شہادت پوشیدہ اور دوسری شہادت ظاہری مرتبۂ شہادت کو تقسیم کیا۔ پہلی شہادت سبط اکبر حضرت امام حسنؑ کے حصہ میں آئی اور چونکہ یہ شہادت مخفی تھی۔ لہٰذا جبرئیل علیہ السلام کو آگاہ نہ کیا حتیٰ کہ جب شہادت ہوئی۔ تب بھی شبہ ہی رہا۔ یہاں تک کہ یہ حرکت زوجۂ خاص سے واقع ہوئی۔ حالانکہ زوجہ کے تعلقات محبت پر مبنی ہوتے ہیں۔ بغیر کسی عداوت کے۔ اور یہ سب اس واسطے ہوا کہ اس شہادت کی بنا پوشیدگی پر تھی۔ اور اسی واسطے جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی خبر نہ دی۔ اور نہ ہی امیر المومنین علی علیہ السلام نے کبھی اس کا ذکر کیا۔ اور نہ کسی اور نے۔ اور دوسری قسم شہادت مخصوص ہوئی۔ چھوٹے صاحبزادے حضرت امام حسین علیہ السلام کے نام پر کہ جس کی بنا شہرت اور اعلان عام پر رکھی گئی تھی۔ پہلے پہلے اس کا ذکر بذریعہ وحی فرشتوں میں ہوا۔ پھر اس کے لئے مکان اور نام۔ زمانہ وغیرہ کا تعین کیا گیا۔ جو سنہ ۶۱ھ

مقرر ہوا۔ پھر اس کا شہرہ بہت ہوا۔ اور بارہا ذکر کیا حضرت امیر علیہ السلام نے جنگ صفین سے واپسی پر۔ پھر جب واقعہ شہادت رونما ہوا تو اس کا شہرہ اس طرح ہوا کہ مٹی خون ہو گئی۔ آسمان سے خون برسا۔ آواز غیبی سے مرثیے سنے گئے۔ جنوں کا نوحہ سنا گیا۔ یہاں تک کہ یہ شہادت اس قدر مشہور ہوئی۔ کہ عالم بالا، عالم خاک اور عالم غیب و شہود میں اس کے تذکرے ہونے لگے۔ (رسالہ سر الشہادتین مترجم صلا)

اوپر ذکر کیئے گئے اقتباس سے معلوم ہوا کہ حضرت امام حسین علیہ السلام کی شہادت حقیقت میں رسولِ خدا کی شہادت تھی۔ اگر یزید کے خلاف خروج کیا۔ تو خود جناب رسالتمآبؐ نے کیا۔ بقولِ منکرین اگر غلطی کی تو خود رسولؐ نے کی اور اگر شریعت کے مطابق یزید کے خلاف جہاد کیا تو خود سرورِ کائنات نے کیا۔

یہ ہیں محققین اہلِ سنت کے خیالات شہادتِ مظلوم کے بارے میں۔ بصیرت سے کور سے فلسفۂ شہادت کو کیا جانیں۔ چونکہ یہ شہادت اتنی عظیم تھی۔ لہٰذا اس کے غم میں سوگوار ہونا۔ رونا اور ذکر مصائب سید الشہداء کرنا اور جناب امام علیہ السلام کی خدمت میں خراجِ عقیدت پیش کرنا موجبِ ثواب اور علامت ایمان تھا۔ لہٰذا علماء اہلِ سنت بھی خاص طور پر مجالس کا انعقاد کرتے رہے۔

چونکہ خداوند عالم نے جناب سید الشہداء کی شہادت کی بنا بقول شاہ عبد العزیزؒ دہلوی شہرت پر رکھی تھی۔ اور اس شہادت کا شہرہ تا قائم قیامت باقی رکھنا منظور تھا اسی واسطے جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم نے سب سے پہلے حضرت امامؑ کی سوگواری شروع کی۔ بعد میں صحابہؓ و اہلِ بیتؑ عظام کا یہی طریقہ رہا۔ بقول علامہ تفتازانی یہ ایسے واقعات ہیں۔ جن پر جمادات و نباتات گواہی دیتے ہیں۔ اور وہ چھپانے سے چھپ نہیں سکتے غنیۃ الطالبین میں حضرت شیخ عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں۔ کہ

ستر ہزار فرشتے خداوند عالم نے قبر حسین علیہ السلام پر متعین فرمائے ہیں جو قیامت تک حسین علیہ السلام پر گریہ کرتے رہیں گے۔ لہٰذا خدا اور رسولؐ کی منشار کے مطابق ہر سال شیعہ حضرات جن کو اہل بیتؑ سے خصوصی عقیدت ہے۔ اور بعض علماء اہل سنت حضرت امامؑ کی عزاداری بپا کیا کرتے ہیں۔ اذکار مصائب و فضائل سے جلوسوں کو شہرت دی جاتی ہے تاکہ مظلوم کی مظلومیت اور ظالم کے مظالم ہر کہ و مہ کو پتہ چل جائیں۔ مگر وہ لوگ جنہیں وارثانِ شریعت سے عناد ہے۔ اور اموی تاجداروں سے انس و محبت ہے۔ وہ خلاف منشاء خدا و رسول صلعم اخفا کرنا چاہتے ہیں۔ ان کا یہ مقصد ہے کہ شہادت کی حقیقت کو دنیا کے سامنے مسخ کر کے پیش کیا جائے۔ اور عوام کو شریعت کے فتووں سے شہادت کے واقعات سننے سے ہی منع کر دیا جائے۔ چنانچہ اس سلسلہ میں امام غزالی کا فتویٰ علماء کی زبان پر مشتہر ہو چکا ہے اور موجودہ دور میں اس تحریک کے بانی مولوی محمود احمد عباسی اور بابائے اردو وغیرہ ہیں جو پاکستان جیسی اسلامی جمہوریہ حکومت میں کتابیں اور تبصرے لکھ رہے ہیں۔

موقف حسین علیہ السلام کا تاریخی محاکمہ

مولانا قاضی عبد النبی صاحب کوکب پروفیسر جامع اسلامیہ ہمارے ملک کے مشہور اہل قلم حضرات میں ہیں۔ موصوف مسلک اہل سنت والجماعت سے منسلک ہیں اور علمی دنیا میں کافی مشہور ہیں۔ انہوں نے حال ہی میں عباسی صاحب ایسے جدید مؤرخوں کی ہفوات سے متاثر ہو کر "یادِ شہید" کے عنوان سے جناب امام حسین علیہ السلام کی سیرت طیبہ پر ایک کتاب تحریر کی ہے۔ اس کتاب کی تالیف کا مقصد ان کی اپنی زبانی حضرت امام کے حالات زندگی، کربلا کی تاریخ اور مختلف مکاتب فکر کے خدشات و اعتراضات کا ازالہ کرنا ہے چنانچہ اس سلسلے میں انہوں نے شیعی مکتب فکر کی تردید بھی ساتھ ساتھ کی ہے۔ فاضل موصوف نے کتاب کے

چوتھے باب میں واقعہ کربلا پر ایک بسیط تاریخی محاکمہ پیش کیا ہے۔ جو لفظ بلفظ ذیل میں درج کیا جاتا ہے:۔

"سیدنا امام حسینؓ کے سفر عراق اور اسی سلسلے کے دیگر اقدامات کا مقصد کیا تھا؛ اس سوال کے مختلف جوابات دیئے گئے ہیں۔ کسی نے کہا یہ سفر محض جنگ اقتدار کا سفر تھا۔ کسی نے خیال کیا، کہ یہ آپ کی اجتہادی غلطی کا نتیجہ تھا۔ اور بعض نے سمجھا کہ آپ حصول خلافت کے لئے کوشاں تھے۔ اور بعض کی رائے ہوئی۔ کہ آپ محض کوفیوں کے بلانے پر چلے گئے تھے۔ اور کسی کا نظریہ ہے۔ کہ آپ کلمۂ حق بلند کرنا چاہتے تھے۔ غرض یہ ہے کہ کوئی آپ کے طرز عمل کو برحق سمجھتا ہے اور کوئی یزید کی حکومت کے اقدامات کو درست قرار دیتا ہے۔

اس مسئلے میں جو اختلاف نظر آرہا ہے وہ زیادہ تر ایک دوسرے سوال کے جواب سے پیدا ہوتا ہے۔ اور وہ سوال یہ ہے کہ حکومت وقت کے خلاف خروج البغاوت کے لئے نکلنا کب جائز، کب ناجائز اور کب ضروری ہوتا ہے۔ اس سوال کا جواب دیتے ہوئے یہ دیکھنا ہوتا ہے۔ کہ حکومت اسلامی ہے یا غیر اسلامی؟ اگر غیر اسلامی ہے۔ تو مسلم حکومت ہے یا غیر مسلم۔ اور مسلم ہے تو عادل حکومت ہے یا غیر عادل۔ اسی طرح خروج کے متعلق یہ اندازہ لگانا ضروری ہوتا ہے کہ آیا انقلاب کی کامیابی کے امکانات موجود ہیں یا نہیں۔ ظاہر ہے کہ ان مختلف صورتوں میں سوال کا جواب یقیناً مختلف ہو جائے گا۔ پھر یزید کی حکومت کس قسم کی تھی۔ اور اس وقت خروج کی فضا سازگار تھی یا نہ تھی؟ اس کے متعلق بھی مختلف اذہان میں الگ الگ رائیں پیدا ہوتی ہیں۔ اس کے ساتھ ہی بہت سے سوچنے والے عقیدت، عصبیت یا تعصب سے ہٹ کر نہیں سوچتے۔ لہٰذا صحیح اور واقعی جواب کا سامنے آنا ایک دشوار امر بن کر رہ جاتا ہے۔ مذکورہ تفصیل سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ اصل مسئلہ پر غور کرنے کے لئے دو چیزوں پر نظر رکھنا ضروری ہے۔ ایک یہ کہ یزید کی حکومت کیا تھی؟ اور دوسری یہ کہ سیدنا حسینؓ کا موقف کیا تھا؟

یزید کی حکومت

یزید کی حکومت سے بحث کرتے ہوئے مذکورہ تفصیل کے علاوہ پہلا سوال یہ ہوگا کہ آیا یہ حکومت شرعی حیثیت سے تسلیم شدہ تھی یا کہ نہیں؛ اس مسئلہ پر اس عہد میں دونوں رائیں موجود تھیں۔

(۱) کچھ لوگ اس طرح سوچتے تھے کہ چونکہ حضرت حسنؓ کی دستبرداری کے بعد حضرت امیر معاویہ متفقہ طور پر خلیفہ تھے لہٰذا ان کا مقرر کردہ جانشین یزید بھی مسلم حیثیت کا حکمران تھا۔ اور پھر اکثر مسلمانوں نے اس کی بیعت بھی کر لی تھی۔

(۲) اس کے برعکس اکثر اہلِ علم وفضل وہ تھے، جو یزید کے تقرر کو تسلیم نہ کرتے تھے، کیونکہ ان کی رائے میں اس کا تقرر اسلامی اصول کے مطابق نہ تھا۔ نیز اس کا فسق وفجور بھی معروف تھا اور اہلِ مدینہ، اہلِ مکہ اور اہلِ عراق کو اس کی بیعت سے بھی انکار تھا۔ صحابہ کرام اور اکثر اکابر امت درحقیقت یہی رائے رکھتے تھے۔

یزید کی حکومت کے بارے میں آخری رعایت ملحوظ رکھ لی جائے تو بھی صرف اتنا کہا جا سکتا ہے کہ اس کی حکومت ایک تسلیم شدہ حکومت تھی۔ تاہم اسے اسلامی حکومت ہرگز قرار نہیں دیا جا سکتا۔ صرف مسلم حکومت کہا جا سکتا ہے لیکن اس حقیقت سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا۔ کہ یزیدی حکومت بہر حال ایک غیر عادل اور غیر صالح حکومت تھی۔

یزید کی حکومت کی نوعیت معلوم کرنے کے بعد خروج کا مسئلہ بھی معلوم کر لینا چاہیے۔ جب حکومت مذکورہ نوعیت کی ہو (یعنی غیر عادل، غیر صالح، بلکہ فسق وفجور اور ظلم کی ترجمان ہو) تو دیکھا جائے گا کہ آیا ایک اچھے انقلاب کے پیدا ہونے کے امکانات ظاہر ہیں یا نہیں۔ اگر انقلاب کی کامیابی کے آثار واضح نظر آتے ہوں۔ تو فقہی نکتۂ نظر سے ایسی حکومت کے خلاف خروج کرنا ضروری ہو جاتا ہے لیکن اگر یہ امکانات دکھائی نہ دیتے ہوں تو پھر مذکورہ قسم کی حکومت کے بارے میں مختلف اجتہادی رائیں بیان کی گئی ہیں:۔

(۱) بعض نے کلمۂ حق کہہ دینا کافی سمجھا ہے۔

(۲) بعض نے عملی قدم اٹھانے یعنی خروج کرنے اور شہید ہو جانے کو ترجیح دی ہے۔
(۳) بعض نے اصلاح اور بہتری کی توقعات پر حکومت کے ساتھ مل کر کام کرنا اور تعاون کرنا مناسب قرار دیا ہے۔

سیدنا امام حسینؓ کا موقف

اب دیکھنا ضروری ہے کہ ۶۰ھ مطابق ۶۸۰ء کے سیاسی حالات میں سیدنا امام حسینؓ کا موقف کیا تھا، اس چیز کی وضاحت کے لئے تین باتیں معلوم کرنا ضروری ہیں:۔

(۱) یزید کی حکومت کے متعلق آپ کی کیا رائے تھی؟
(۲) آپ امت کے لئے کیسی حکومت چاہتے تھے؟
(۳) کیا آپؓ کے ذہن میں کوئی عملی پروگرام تھا؟ اگر تھا تو وہ کیا تھا؟

یزید کی حکومت کے متعلق آپ کی رائے وہی تھی، جو اس عہد کے دیگر اکابر ملت اور صحابہ کرام کی تھی۔ یعنی یہ اس شخص کی حکومت تھی جس کی اپنی زندگی بھی غیر اسلامی تھی۔ اور جس کی سلطنت میں بھی اسلامی اقدار پامال کی جا رہی تھیں۔ آپ نے اپنی یہ رائے مختلف مواقع پر ظاہر فرمادی تھی۔ سفر کوفہ کے دوران، مقام بیضہ پر اپنی تقریر میں آپ نے ارشاد فرمایا تھا۔

"ان ھؤلاء قد لزموا طاعۃ الشیطان وترکوا طاعۃ الرحمٰن واظھروا الفساد وعطلوا الحدود واستاثروا بالفیئ" (طبری ج ۶، ص ۲۲۹)

بے شک ان لوگوں نے شیطان کی پیروی قبول کر رکھی ہے اور رحمٰن کی اطاعت چھوڑ دی ہے۔ فتنہ و فساد پھیلا رکھا ہے۔ احکام الٰہی کو معطل کر دیا ہے۔ اور مال غنیمت میں ناجائز تصرف کرتے ہیں۔

اسی رائے کے پیش نظر مدینہ میں جب یزید کے عامل نے آپ سے بیعت کا مطالبہ کیا تو آپ نے انکار کر دیا تھا۔ اور آخر دم تک اسی رائے پر قائم رہے۔

(۲) جب آپ یزید کے طرز حکومت کو پسند نہیں کرتے تھے، تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ آپ امت مسلمہ

کے لئے کیسی حکومت چاہتے تھے؟ اس سوال کا جواب بھی آپ نے واضح فرما دیا تھا۔ کوفیوں نے آپ کو دعوت کے جو خطوط لکھے۔ ان میں یہ فقرہ بھی تھا۔

انہ لیس علینا امام فاقبل لعل اللہ ان یجمعنا بک علی الحق (کامل ابن اثیر ج ۴ ص)

حقیقت یہ ہے کہ ہم پر کوئی امام نہیں پس آپ تشریف لائیے۔ تاکہ اللہ آپ کے ذریعے ہمیں حق پر جمع کر دے۔"

چونکہ اس فقرے میں انقلاب حکومت کی طرف واضح اشارہ تھا۔ اس لئے اپنے جواب میں امامت اور حکومت کی وہ تشریح کر دی۔ جو آپ کے ذہن میں متعین تھی۔

اما بعد فقد فہمت کل الذی اقتصصتم فلعمری ما الامام الا العامل بالکتاب والقائم بالقسط والدائن بدین الحق والسلام (ابن اثیر ص)

حمد و صلوٰۃ کے بعد پس میں تمہاری تمام گفتگو کو سمجھ گیا ہوں۔ لیکن مجھے اپنی جان کی قسم، امام صرف وہی ہو سکتا ہے جو کتاب اللہ کے مطابق طرز عمل اختیار کرے، اور انصاف کو قائم کرے۔ اور دین حق کی اطاعت کرے فقط والسلام

یہ وضاحت آپ نے اس لئے ضروری سمجھی۔ تاکہ ان لوگوں پر انقلاب کا صحیح مفہوم ظاہر ہو جائے جو انقلاب کی خواہش میں آپ کو مراسلے لکھ رہے تھے۔ اور تاکہ وہ اس غلط فہمی میں نہ رہیں۔ کہ انقلاب کا مفہوم ایک خاندان کی جگہ دوسرے خاندان کا برسر اقتدار آ جانا ہے۔ اس خط سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے ذہن میں عراقی اور شامی یا اموی اور ہاشمی کا سوال نہ تھا۔ بلکہ اگر خیال تھا۔ تو کتاب و سنت کے احکام اور حدود الٰہی کے قیام کا خیال تھا۔ آپ نے اپنے یہ نظریات اپنے رفقاء پر بھی واضح فرما دیے ہوئے تھے۔ چنانچہ جب کوفہ میں ابن زیاد نے حضرت مسلم سے کہا۔ "کہ تم لوگوں میں تفریق پیدا کرنے کے لئے آئے ہو۔" تو آپ نے جواب دیا تھا:۔

اتیناھم لنامر بالعدل وندعو الی حکم الکتاب (طبری ج ۶ ص ۲۶۶)

ہم ان کے پاس اس لئے آئے ہیں کہ انہیں انصاف کا حکم دیں۔ اور ان کو قرآن کے

کے قانون کی طرف بلائیں "

ان باتوں سے طرزِ حکومت کے بارے میں وہ نظریہ جو امام حسین اپنے ذہن میں رکھتے تھے۔ بآسانی معلوم ہو جاتا ہے۔

(۳) اب تیسرا سوال سامنے آتا ہے کہ آیا آپ کے ذہن میں اپنے ان نظریات کو بروئے کار لانے کے لئے کوئی عملی پروگرام بھی تھا۔ اور کیا آپ اُسے اختیار کرنا چاہتے تھے یا کہ نہیں؟

اس سوال کا جواب معلوم کرنے کے لئے ہمیں اس بات پر غور کرنا چاہیئے۔ کہ یزید کی حکومت کے خلاف خروج کرنے کے لئے فقہی حکم کیا تھا جیسے کہ پیچھے گذرا ہے۔ اس معاملے کی دو شکلیں ہوتی ہیں۔ پہلی وہ ہے جب صالح انقلاب کے لئے کامیابی کے آثار نظر نہ آتے ہوں۔ اور اس میں تین طرح کے طرزِ عمل اختیار کئے جا سکتے ہیں۔ دوسری وہ ہے جب کامیابی کی توقعات بالکل عیاں ہوں اور اس صورت میں خروج ضروری ہوتا ہے۔ لیکن اس بات کا فیصلہ کرنے کے لئے، کہ اس عہد میں پہلی صورت کے حالات پائے جا رہے تھے۔ یا دوسری کے۔ گہرے غور و فکر اور ملکی سیاست کے محتاط مطالعے کی اشد ضرورت تھی۔ اور یہ کہ غور و مطالعہ دو چیزوں کے بغیر ممکن نہ تھا۔ پہلی چیز یہ کہ آپ کی زندگی اور آزادی خطرے سے باہر ہو، اور دوسری یہ کہ فراغت کا ایک عرصہ مہیا ہو۔ چنانچہ ان ہی دو چیزوں کی تلاش میں آپ نے اپنی محبوب بستی مدینۃ الرسول سے رخصت ہونا اختیار کیا۔ سیدی محمد بن حنفیہ کا مشورہ بھی اسی چیز پر مبنی تھا۔ مدینہ سے رخصت ہو کر سفرِ کوفہ تک سوا چار مہینے کا عرصہ آپ نے مکہ میں گذارا۔ اور حالات کا مطالعہ کرتے ہوئے گذارا۔ اس وقت اسلامی دنیا کے حالات نہایت ہی عجیب و غریب اور متضاد و متعارض واقع ہوئے تھے۔ بہت سی چیزیں ایسی تھیں جو انقلاب کی کامیابی کی توقع دلاتی تھیں۔ جو مندرجہ ذیل تھیں:-

۱۔ ملک میں ایک ایسا گروہ ان ممتاز اور اہلِ فضل لوگوں کا موجود تھا جنہوں نے نہ یزید کے تقرر کو تسلیم کیا۔ اور نہ اس کے حق میں بیعت کی تھی۔ اور ایسے لوگوں کی تو ایک

بڑی اکثریت موجود تھی، جنہوں نے گو بیعت کرلی تھی۔ مگر وقت سے حکومتِ وقت کو قطعاً پسند نہ کرتے تھے۔

۲۔ مکہ، مدینہ، کوفہ، بصرہ بلکہ پورے حجاز اور عراق، نیز یمن اور طائف کے علاقوں میں سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ کے حق میں گہری عقیدت اور محبت پائی جاتی تھی۔

۳۔ اہلِ عراق کی رائے کو ان حالات میں بہت بڑی سیاسی اہمیت حاصل تھی کیونکہ عراقیوں اور شامیوں میں زبردست کشیدگی پیدا ہو چکی تھی۔ یہ عراقی ہی تھے جو حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت میں شامی لشکروں کے خلاف نبرد آزما رہے تھے، عراق والوں میں خاندانِ علیؓ کی حمایت ایک مذہبی شعار کی سی حیثیت اختیار کر چکی تھی۔ اور وہ امویوں کی بالادستی کو کبھی بھی پسند نہ کرتے تھے۔ ان حالات میں کم از کم کوفہ میں بہت جلد ایک متوازی ریاست قائم ہو سکتی تھی۔ اور صرف اسی پر معاملہ رک نہ جاتا بلکہ شجرۂ اسلام کے مزید پھلنے پھولنے کے آثار بھی موجود ہو جاتے۔ کیونکہ اگر کوفیوں اور عراقیوں کو استقلال کی توفیق مل جاتی۔ اور وہ اپنے ارادوں اور وعدوں پر ڈٹ جاتے۔ تو بہت جلد بصرہ، مکہ، مدینہ، یمن اور طائف کے قبائل بھی بیدار ہو جاتے۔ یہ تو وہ حالات تھے جو انقلاب کے حق میں جاتے ہوئے نظر آ رہے تھے، لیکن معاملے کا ایک دوسرا پہلو بھی موجود تھا۔ جو اس وقت کے اہلِ نظر پر پوشیدہ نہ تھا۔ اور وہ یہ تھا کہ اگر کسی قسم کی عملی تحریک شروع ہونے کا وقت آتا تو اس کی ابتدا تین مقامات میں سے کسی ایک جگہ سے ہو سکتی تھی۔ (۱) مدینہ۔ (۲) مکہ (۳) کوفہ لیکن مدینہ منورہ اور مکہ معظمہ کے احترام کے پیشِ نظر یہاں سے خود سیدنا امام حسین انقلابی کام کا آغاز پسند نہ فرما سکتے تھے۔ اب لے دے کے کوفہ پر نظر اٹھتی تھی۔ اہلِ کوفہ گو حضرت علی مرتضیٰؓ کے بہی خواہ اور حامی چلے آئے تھے۔ حتیٰ کہ کوفہ کو عہدِ علوی میں دارالخلافہ بنا لیا گیا تھا تاہم ان کے حالات کچھ قابلِ اعتبار نظر نہ آتے تھے، اور حضرت امام اس بات کو یقیناً ذہن میں رکھتے تھے۔ اگر آپ کو اہلِ کوفہ پر کامل اعتماد ہوتا۔ تو ان کے سینکڑوں خطوط کے بعد حضرت مسلم کو حالات کی خبر لینے کے لئے روانہ کرنے کی ضرورت محسوس نہ فرماتے۔ حالات کے ان مختلف اور

متضاد پہلوؤں میں محض سطحیت اور جلد بازی سے کوئی فیصلہ کرنا نہایت خطرناک ثابت ہوتا کیونکہ غلط فیصلہ ساری اُمت کو جنگ کے میدانوں میں کھڑا کر دینے کا موجب بن جاتا۔ اور آپ تو ایک ایک مسلمان کی جان کو از حد عزیز رکھتے تھے۔ لہٰذا آپ نے حالات پر بار بار غور کیا۔ ایام حج تک مسلمانوں کے خیالات کا جائزہ لیا۔ اور وقت کی سیاست کے ہر گوشے کو بار بار پڑھا۔ اور بالآخر اس طویل اور گہرے غور و فکر کے بعد اور اوپر مذکور ہونے والے انقلابی امکانات کے باوجود بھی آپ کی رائے یہی قرار پائی۔ کہ ہم اس حالت میں نہیں جس میں خروج کرنا لازم اور ضروری ہوا کرتا ہے۔ مگر یہاں سوال اٹھے گا کہ اس بات کا کیا ثبوت ہے۔ کہ سیدنا امام حسینؓ کے نزدیک مذکورہ حالات میں خروج کے لازم ہونے کی صورت واقع نہ تھی۔ اور یہ کہ آپ نے حکومت وقت کے خلاف خروج ضروری نہیں سمجھا تھا۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اگر آپ خروج کے حق میں ہوتے یعنی خروج کو شرعی لحاظ سے فرض سمجھے ہوئے ہوتے تو رجب کی آخری تاریخوں سے لے کر ذی الحجہ کے پہلے ہفتے تک کی مدت میں اس کے لئے کوئی تیاری ضرور کرتے۔ کیونکہ جو چیز شرعی اور دینی لحاظ سے ضروری قرار پائے۔ اس کے مبادی (تیاری کے ابتدائی مرحلے) اور اسباب و وسائل مہیا کرنا بھی لازم اور ضروری قرار پاتے ہیں۔ اور اس مدت میں عسکری تیاریاں (گو خفیہ سہی) کی جا سکتی تھیں۔ مختلف علاقوں میں داعی بھیجے جا سکتے تھے۔ اور تحریک کے لئے رضاکار جمع کئے جا سکتے تھے۔ یا کم از کم ملک کے کونوں میں بسنے والے تمام مسلمانوں پر اپنا پروگرام تو واضح کیا جا سکتا تھا۔ لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ آپ نے ان امور میں سے کوئی امر بھی اختیار نہیں کیا۔ جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ آپ اپنے خروج کے لازم ہونے والی صورت میں نہیں دیکھ رہے تھے۔ اور نہ خروج کے متعلق آپ کوئی رائے رکھتے تھے۔

آپ کی بصیرت عدم خروج کے اس فیصلے سے جس طرح آپ کی اُمن پسندی اور امت کی عافیت خواہی کا پتہ چلتا ہے۔ اسی طرح سیاست اور ملکی معاملات میں آپ کی نہایت گہری بصیرت کا ثبوت بھی ملتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ آجکل کے سطحی اور عام سیاستدانوں

کی طرح کا کوئی شخص ان حالات میں ہوتا تو وہ یقیناً فضا کا ظاہری رخ دیکھ کر غلطی کھاتا۔ اور ملک میں پراپاگنڈہ کی لہریں دوڑا کر امت کو ایک خطرناک داخلی جنگ میں مبتلا کر دیتا۔ لیکن آپ نے پیش آمدہ مسائل میں اپنی راہ اس طرح سے متعین فرمائی۔ کہ گویا آپ حالات کے سینے میں اتر گئے تھے۔ اور وقت کی نبض آپ کی انگلیوں میں چل رہی تھی۔ اسی طرح اس فیصلے سے آپ کی شرعی بصیرت اور تفقہ و اجتہاد کا مقام بھی معلوم ہوتا ہے۔

اوپر کی سطور سے معلوم ہوا کہ سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ نے اپنے آپکو اس حالت میں نہ سمجھا تھا جس میں خروج ضروری ہوتا ہے۔ لہٰذا اب مسئلے کی دوسری صورت نظر آتی ہے۔ یعنی جس میں حکومت وقت غیر عادل اور غیر صالح ہوتی ہے لیکن اچھے انقلاب کے آثار بھی نمایاں نہیں ہوتے۔ اس صورت میں فقہی حکم تین طریقوں میں بیان کیا گیا ہے۔ (۱) کلمۂ حق کہنے پر کفایت کرنا۔ (۲) اصلاح کی توقع پر حکومت سے تعاون کرنا (۳) اسباب نہ ہونے کے باوجود خروج کرنا اور شہادت پانا۔

اب سوال یہ ہے کہ حضرت امام کے طرز عمل سے ثابت ہوتا ہے۔ کہ آپ پہلی صورت (خروج) کو ضروری سمجھنا) کے حق میں نہ تھے۔ تو یقیناً آپ کے نزدیک دوسری صورت متحقق ہوگی۔ لہٰذا مذکورہ تین راہوں میں آپ نے کون سی راہ اختیار کی۔ اس کا جواب یہ ہے کہ آپ نے پہلا طرز عمل یعنی باطل کے خلاف کلمۂ حق کہہ دینا اختیار فرمایا تھا۔ اور آپ کی طرف سے یہ فریضہ اسی وقت ادا ہو گیا تھا۔ جب آپ نے مدینہ میں بیعت سے انکار کیا۔ کیونکہ بیعت سے انکار کا مفہوم یہی یہ تھا۔ کہ آپ حکومت وقت کے اطوار کو پسند نہیں کرتے اور احتجاجاً بیعت سے انکار کر رہے ہیں۔ اس کے بعد جہاں کہیں ضرورت پیش آئی وہاں بھی آپ نے کلمۂ حق بلند کیا۔ جیسا کہ بیضہ کا خطبہ پیچھے گذرا۔ جس میں آپ نے فرما دیا تھا۔ کہ حکومت، کتاب اللہ کے قوانین اور حدود الٰہی کی خلاف ورزی کرتی ہے۔ اسی طرح آپ وقتاً فوقتاً یزیدی حکومت کے غیر اسلامی اطوار پر تنقید کر کے کلمۂ حق کہنے کا فریضہ ادا کرتے رہے۔ دوسرا طریق کار یعنی حکومت کے ساتھ تعاون کرنا، آپ کے

نزدیک درست نہیں تھا۔ کیونکہ اصلاح اور بہتری کی کوئی امید نظر نہیں آتی تھی۔ یزید کی سیرت اور اس کے طور طریقے ایسے نہ تھے۔ جن میں تبدیلی کی کوئی توقع کی جا سکتی تھی۔ لہٰذا بیعت سے انکار کر کے آپ نے عدم تعاون کا اعلان کر دیا۔ آپ کی اس رائے کی آنے والے وقت نے تصدیق کر دی۔ یعنی جن نیک اور ارباب فضل لوگوں نے اپنی دیانت دارانہ سمجھ کے مطابق اصلاح کی امیدوں سے حکومت کے ساتھ تعاون کیا تھا۔ ان کے اس طرز عمل کا کچھ نتیجہ نہ نکلا۔ اور حکومت کی بدعنوانیاں دن بدن بڑھتی چلی گئیں۔ یہاں تک کہ حرم خدا پر سنگباری کا زمانہ بھی مسلمانوں کو دیکھنا پڑا۔ باقی رہا تیسرا طرز عمل یعنی اسباب نہ ہونے کے باوجود خروج کرنا اور شہادت پانا سو اگرچہ یہ فضیلت کی بات تھی۔ کیونکہ اگر آپ ایسا کرتے۔ تو عزیمت پر عمل کرتے لیکن اس سے بھی زیادہ فضیلت اس بات میں تھی۔ کہ آپ ان نازک حالات میں اپنی زندگی کی حفاظت کرتے۔ تاکہ کسی بھی آڑے وقت میں امت کی قیادت کی علمبرداری کرنے کے لئے موجود ہوتے۔ بے شک خدا کی راہ میں جان دینا بہت بڑا مقام ہے۔ لیکن ایک قیمتی زندگی کو قوم کی رہنمائی کے لئے محفوظ رکھنا اس سے بھی بڑا مقام ہے۔ اسی لئے مسلمان کے واسطے اپنی جان کی حفاظت کرنا فرض قرار دیا گیا ہے۔ یہاں پر یہ حقیقت مدنظر رکھنی چاہیئے۔ کہ جب شہادت کے اسباب خود پیدا ہو جائیں۔ تو اس وقت بندۂ مومن پیچھے بھی نہیں ہٹتا۔ لیکن اگر اپنا اصول برقرار رکھنے کے باوجود جان بچانے کے امکانات موجود ہوں۔ تو بندۂ مومن خود بخود موت کی طرف بھی نہیں جاتا۔ اور سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ کے حالات ایسے ہی تھے۔ کیونکہ بیعت سے انکار کر کے اور حکومت وقت کی نااہلی کا اعلان کر کے آپ اپنا فرض منصبی تو ادا کر چکے تھے۔ اور ادا کر رہے تھے۔ اور اگر زندگی ساتھ دیتی تو ادا کرتے رہتے۔ لہٰذا اب آپ کو بغیر تیاری کے خروج کرنے اور اپنے آپ کو تلوار کے سپرد کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ خلاصہ یہ ہوا۔ کہ تین باتوں میں سے آپ نے نہ حکومت کے ساتھ تعاون کرنے کی راہ اختیار کی اور نہ ہی حکومت کے خلاف خروج کرنے کو پسند کیا۔ بلکہ کلمۂ حق کہا۔ اور پوری وضاحت کے ساتھ کہا۔ اور اسی پر کفایت کی۔

اگر ایک منصف مزاج اور سلیم العقل انسان اس عہد کے حالات پر پوری دیانت کے ساتھ غائرانہ نگاہ ڈالے تو وہ یقیناً اس نتیجے پر پہنچے گا کہ ایک ایسا شخص جو ایک طرف وقت کی ظالم و جابر حکومت کی آنکھ میں کھٹک رہا ہو۔ اور دوسری طرف اس کا مقام اور اس کا منصب اس پر ملّت کی رہنمائی کی ذمہ داری ڈال رہا ہو۔ اور وقت کا ہر آنے والا لمحہ اس کے وجود کو اقتدار باطل کے لئے ایک رکاوٹ ظاہر کرتا جا رہا ہو۔ اور ملّت کی خدمات کے لئے اس کی زندگی اور سلامتی کو ضروری سے ضروری قرار دے رہا ہو۔ سو اس کے لئے اس موقف سے زیادہ بہتر، زیادہ محتاط اور زیادہ ذمہ دارانہ موقف اور کوئی نہیں ہو سکتا۔ جو کہ اپنے ان حالات میں سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ نے اختیار کیا تھا۔ یہاں پھر ایک دفعہ ہم پر آپ کی خداداد بصیرت کا مقام بلند واضح ہوتا ہے۔

سفر کوفہ

آپ کے موقف کی وضاحت میں جو تشریح یہاں پیش کی گئی ہے۔ اُس کے دوران پڑھنے والے کو ایک چیز کھٹکتی ہے۔ اور وہ ہے سفر کوفہ کا معاملہ۔ یعنی جب حضرت امام رضؓ کے موقف میں نہ خروج فرض تھا۔ اور نہ قابلِ ترجیح۔ تو پھر آپ کوفہ کس مقصد کے لئے تشریف لے گئے۔ کیونکہ ہم دیکھتے ہیں۔ کہ خروج کا موقف نہ رکھنے کے باوجود بھی سفر آپ کی شہادت کا باعث بن گیا۔ اس لئے اب اس مسئلے کی توضیح کی جاتی ہے۔ یہ بات تعجب کی ہے۔ کہ سفر کوفہ کو عموماً سفر خروج سمجھا گیا ہے۔ حتیٰ کہ بعض معروف مؤلف بھی یہ بات لکھ گئے ہیں اور اکثر مورخ بھی یہی کچھ لکھتے چلے جاتے ہیں۔ لیکن حقیقت میں ایسا نہیں اور ایسا نہ ہونے کی مندرجہ ذیل وجوہات ہیں۔

(۱) جب آپ کی روانگی کوفہ کی خبر سنی گئی۔ تو حضرت عبداللہ بن عباس، عبداللہ بن عمر اور عبداللہ بن زبیر رضوان اللہ علیہم نے فوراً آپ کے پاس پہنچ کر آپ سے سوال کیا تھا کہ آپ کوفہ کیوں جا رہے ہیں؛ تو ان کے جواب میں آپ نے خروج کا موقف قطعاً نہیں بیان کیا۔ علاوہ ازیں راستے میں بھی کئی ممتاز لوگ آپ سے ملتے اور سفر کا مقصود پوچھتے رہے۔ مگر کہیں بھی آپ کا جواب یہ نہیں تھا۔ کہ میں نے خروج کیا ہے۔

(۲) مقام شراف پر جب حُر ایک ہزار کا لشکر لے کر آگیا۔ تو آپ نے ان کے سامنے تقریر کرتے ہوئے

فرمایا کہ میں کوفیوں کے خطوط اوران کے قاصدوں کی بنا پر آیا ہوں۔ اور اگر تم لوگ مجھے ناپسند کرتے ہو تو میں واپس جاتا ہوں۔ اصل عبارت کے یہ فقرے دیکھیے۔

وان لم تفعلوا او کنتم بمقدمی کارھین انصرفت عنکم الی المکان الذی اقبلت منه فسکتوا (ابن اثیر ج ۴ ص ۲۲)

اور اگر تم اپنا عہد پورا نہ کرو۔ یا میرے آنے کو پسند نہ کرتے ہو تو جس مقام سے آیا ہوں وہیں واپس چلا جاؤں۔ پس وہ خاموش رہے۔

اگر آپ مکّہ سے خروج کے ارادے سے چلے ہوتے۔ تو آپ کوفیوں کے خطوط اور قاصدوں کو اپنی آمد کا سبب نہ ٹھہراتے۔ بلکہ پھر تو جواب یہ ہوتا۔ کہ میں اپنے آپ آیا ہوں۔ اور خروج کے ارادے سے آیا ہوں۔

۳۔ اسی طرح دشمن کے سامنے اپنے شرائط کے طور پر تین باتیں پیش کرنا اور ان میں اس بات کا بھی شامل ہونا کہ مجھے حجاز واپس جانے دو۔ ارادۂ خروج کے منافی ہے خروج کا عزم لے کر چلنے کے بعد واپسی کی صورت پر غور کرنے کا سوال ہی پیدا نہ ہو سکتا تھا۔

۴۔ سب سے واضح بات یہ ہے کہ آپ کوفہ کے سفر پر خواتین اور بچوں کی معیّت میں روانہ ہوئے تھے۔ اگر آپ خروج کا موقف لے کر چلے ہوتے تو بچوں اور عورتوں کو ساتھ لے جانے کا کوئی موقعہ نہ تھا۔ بہرکیف ان امور سے معلوم ہو جاتا ہے کہ کوفہ کا سفر سفرِ خروج ہرگز نہ تھا۔ اب یہ بات باقی رہ جاتی ہے کہ آخر اس سفر کا مقصد کیا تھا؟

پیچھے یہ گذرا ہے کہ حضرت امامؑ نے حالات پر غور و فکر کرنے کے بعد حکومت باطلہ کے خلاف حق کا کلمہ کہنے کا مسلک اختیار کیا تھا۔ لیکن اس دور میں کلمۂ حق کہنے والے کی زندگی اور سلامتی خطرے میں پڑ جاتی تھی۔ لہٰذا آپ کو کسی ایسے محفوظ مقام پر مقیم ہونا چاہیے تھا۔ جہاں آپ اپنا یہ فریضہ جسے اس زمانے میں ادا کرنا صرف آپ ہی کا کام تھا۔ بلا خطر ادا کرتے رہتے۔ دوسری بات یہ تھی کہ کوفہ کی سیاست پر نظر ڈالنے کے بعد آپ نے یہی نتیجہ اخذ کیا تھا۔ کہ

انقلاب کی کامیابی کی چنداں توقعات نہیں ہیں۔ چنانچہ آپ نے انقلاب و خروج کے پروگرام کو اپنا موقف نہیں بنایا تھا۔ تاہم مسلمانوں کے خیالات اور جذبات اور جمہور امّت کے رجحانات سے باخبر رہنا آپ کے لئے نہایت ضروری تھا۔ کیونکہ حکومت بہرحال غیر نمائندہ اور غیر اسلامی نوعیت کی تھی۔ اور اس بات کے امکانات بعید نہ تھے۔ کہ عامۃ المسلمین کسی وقت بھی اس جابرانہ اقتدار کا جوا گلے سے اتار پھینکنے کیلئے تیار ہو جائیں۔ مختصر یہ کہ اگرچہ وقت کے بصیرت درانہ مطالعے سے آپ ایک پُرامن مؤقف پر چل رہے تھے۔ مگر دوسری طرف سے یہ اندیشہ ستاتا تھا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ امتِ مسلمہ مستقبل قریب یا بعید میں بااصول انقلاب کی خواہاں ہو۔ ان کی نگاہیں متبادل قیادت کی تلاش میں اٹھیں۔ لیکن وہ ملک میں صالح قیادت کا سُراغ نہ پانے پر مایوس ہو کر خموش ہو جائیں۔

ان ساری باتوں کا حل یہ تھا۔ کہ آپ کو ایک ایسی جگہ پر رہنا چاہیئے تھا۔ جہاں آپ محفوظ بھی رہیں۔ جہاں آپ کلمۂ حق بھی ادا کرتے رہیں۔ اور یہ ساری باتیں بیک وقت کوفہ میں پائی جاتی تھیں۔ کوفہ ہی وہ مقام تھا۔ جہاں آپ کی حمایت کے دعویدار سب علاقوں کی نسبت زیادہ تھے۔ لہٰذا آپ اپنے کو محفوظ بھی سمجھ سکتے تھے۔ اقتدار باطل کی بدعنوانیوں پر تنقید بھی کر سکتے تھے۔ اور چونکہ شامی مرکز کے خلاف مسلمانوں کی طرف سے اُٹھنے والی کوئی آواز سب سے پہلے عراق ہی میں پیدا ہو سکتی تھی۔ لہٰذا یہاں آپ ملک کے انقلابی آثار و رجحانات کا مطالعہ بھی آسانی سے کر سکتے تھے۔

کوفہ کی اس پوزیشن کے باوجود حضرت امام اپنی طرف سے کوفہ کی جانب قدم بڑھانا نہ چاہتے تھے۔ مگر جب کوفیوں کی طرف سے خطوط اور قاصدوں کا تانتا بندھ گیا۔ تو آپ کے لئے سفرِ کوفہ ضروری ہو گیا۔ اولاً اس لئے کہ کوفہ ہی میں آپ اپنی ان منصبی ذمہ داریوں سے عہدہ برا ہو سکتے تھے۔ جو آپ اُمّت کی طرف سے اپنے ذمے محسوس فرماتے تھے۔ اور ثانیاً اس لئے کہ کوفیوں کی دعوت ظالم کے خلاف مظلوم کی پکار کی حیثیت رکھتی تھی۔ اور انقلابی رجحانات کی طرف اشارہ کرنے والی پہلی چیز تھی لہٰذا

اسے مسترد کرنے کی کوئی وجہ موجود نہ تھی۔

اس ساری گفتگو کا خلاصہ یہ ہے کہ سفر کوفہ خروج کا سفر نہیں تھا بلکہ وہ مظلومیت کی فریاد کرنے والوں کا جواب تھا۔ اور امت کے جذبات و رجحانات معلوم کرنے کا ذریعہ تھا۔ اور آپ نے اپنے ان ہر دو مقاصد کو ظاہر بھی فرما دیا تھا۔ پہلی چیز کو آپ صاف الفاظ میں بیان فرماتے رہے۔ چنانچہ مکہ مکرمہ کے صحابہ کرام کے جواب میں آپ نے کوفیوں کی دعوت کا ذکر کیا۔ رستے میں عبداللہ بن مطیع کو بھی بتلایا اور دشمن کے سامنے تقریریں کرتے ہوئے بھی اس مقصد کا اعلان فرمایا دوسرے مقصد کو بھی آپ نے کہیں کہیں ظاہر فرمادیا تھا۔ لیکن اُسے کسی قدر اشارے میں بیان کیا۔ جب عبداللہ بن جعفر نے راستے میں آکر اصرار کیا۔ کہ آپ مدینہ چلیں تو آپ نے فرمایا تھا۔

"مجھے نانا جان نے خواب میں ایک حکم دیا ہے۔ میں اُسے پورا کروں گا۔ خواہ اس کا نتیجہ میرے موافق نکلے یا مخالف۔" (طبری ج ۷، ص ۲۸۱)

اس خواب کو شہادت کا اشارہ نہیں سمجھنا چاہئے۔ کیونکہ وہ ایک دوسرا خواب ہے۔ جو آپ نے آگے چل آخری راتوں میں دیکھا تھا۔ اس خواب کے الفاظ کسی ایسے حکم کا ذکر رہے ہیں جس کے انجام کے دو پہلو ہو سکتے ہیں۔ اور اس کا اشارہ یقیناً مسلمانوں کے حالات سے باخبر رہنے اور اپنی ذمہ داریوں کے احساس کی طرف ہے۔ کیونکہ اسی چیز کے دو نتیجے نکل سکتے تھے۔ اسی طرح مقام عقبہ پر ایک شخص نے بڑی عاجزی سے عرض کی:۔

"میں آپ کو خدا کا واسطہ دیتا ہوں۔ آپ لوٹ جائیے۔"

مگر آپ نے فرمایا۔

جو تم کہتے ہو میں بھی جانتا ہوں، لیکن خدا کے حکم کے خلاف نہیں کیا جا سکتا۔

(طبری ج ۷، ص ۲۹۵)

دراصل اس قسم کے فقرے اسی دوسرے مقصد کی طرف اشارہ کر رہے تھے۔

چند دیگر سوالات

۱- ایک سوال یہ ہے کہ آپ بیوی بچوں کو ساتھ کیوں لے گئے۔ اس کا جواب یہ ہے۔ کہ جب آپ اپنے لئے کوفہ میں مقیم ہونا ضروری سمجھتے تھے۔ تو اہل وعیال کو پیچھے کیسے چھوڑتے۔ اور اسی سفر میں ساتھ لے جانے کا مقصد دشمن پر یہ ظاہر کرنا تھا۔ کہ یہ کاروان پرامن مقاصد کے تحت سفر کر رہا ہے۔ لہٰذا ان سے کسی کو کوئی خطرہ محسوس نہیں کرنا چاہئے۔

۲- ایک دوسرا سوال یہ ہے کہ جب صحابہ کرام نے آکر مشورہ دیا۔ کہ کوفیوں پر اعتماد نہ کیجئے۔ اور بعض مخلصین نے حضورؐ کی وہ پیشگوئی بھی یاد دلائی تھی۔ جو آپ کی شہادت کے متعلق تھی۔ تو پھر آپ کوفہ جانا کیسے ضروری سمجھتے تھے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ شریعت کی بنیاد ظاہر پر ہے۔ صحابہ نے جو مشورہ دیا تھا۔ وہ ایک اندازہ تھا۔ مگر حضرت امام کے سامنے کوفیوں کے صدہا خطوط تھے۔ جو شرعی دعوت کے حامل تھے۔ اور شہادت کی پیشگوئی گو موجود تھی۔ مگر یہ سمجھنے کی کوئی وجہ نہ تھی کہ وہ واقعہ اسی سفر میں پیش آجائے گا۔

شہادت مسلمؓ کی خبر ملنے کے بعد

۳- تیسرا سوال یہ ہے کہ راستے میں آپ کو حضرت مسلمؓ کی شہادت کی خبر مل گئی تھی۔ ظاہر ہے کہ اس کے بعد کوفیوں کا طرز عمل واضح ہو چکا تھا۔ کہ وہ اپنے وعدوں کو بالائے طاق رکھ چکے تھے۔ مگر ہم دیکھتے ہیں کہ حضرت امام پھر بھی سلسلۂ سفر جاری رکھتے ہیں۔ یہ سوال اس بحث کا اہم ترین سوال ہے لہٰذا ہم اس پر کسی قدر تفصیل سے روشنی ڈالنا چاہتے ہیں۔

واقعہ یوں ہے کہ جب آپ ثعلبیہ کے مقام پر پہنچے۔ تو بنو اسد کے ایک شخص نے یہ خبر سنائی آپ نے انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھا۔ یہاں کچھ رفقا نے عرض کی کہ اب واپس چلنا چاہئے لیکن ساتھ ہی حضرت مسلمؓ کے بھائی اصرار کرنے لگے۔ کہ ہم تو واپس نہیں جائیں گے۔ یا بھائی کا انتقام لیں گے۔

اور یا پھر خود بھی شہید ہو جائیں گے۔" حضرت نے اس پر فرمایا تمہارے بعد ہماری زندگی میں کیا خیر ہو گی۔" (کامل ابن اثیر) اس کے ساتھ ہی بعض لوگوں نے کہا "واللہ آپ سے مسلم کا سا سلوک نہ کیا جائے گا۔ جو نہی آپ کوفہ پہنچیں گے۔ لوگ جوق در جوق آپ کی فوج میں آکر شامل ہو جائیں گے"

ان باتوں کے علاوہ، حضرت مسلم کی شہادت کی خبر جس نوعیت سے پہنچی تھی۔ وہ خود محل غور تھی۔ کیونکہ تاریخوں میں اس چیز کے متعلق اختلاف ہے کہ یہ خبر کہاں ملی تھی؟ پھر ایک مورخ لکھتا ہے۔ کہ صرف ایک آدمی خبر لایا تھا۔ علاوہ ازیں یہ خبر بھی یاد رکھنی چاہیے۔ کہ یہ بات بہت ہی بعید از گمان سمجھی جاتی تھی کہ خود حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کو بھی شہید کر دیا جائے گا۔ آپ کی ایک تقریر کے جواب میں حُر نے کہا "میں آپ کو حُر کی یاد دلاتا ہوں۔ اور گواہی دیتا ہوں۔ کہ اگر آپ نے جنگ کی، تو آپ قتل کر دیئے جائیں گے۔" اس پر آپ نے خود از راہ تعجب فرمایا تھا۔ تم مجھے موت سے ڈراتے ہو۔ کیا تمہاری شقاوت اس حد تک پہنچ جائے گی۔ کہ مجھے قتل کر دو گے۔" (ابن اثیر جلد ۴)

اور دراصل حُر کا بھی ذاتی خیال یہی تھا۔ کہ آپ کے قتل تک نوبت ہرگز نہ پہنچے گی۔ گو اس وقت اس نے حکومت کی پالیسی کے مطابق آپ کو دھمکی سنا دی تھی۔ کیونکہ دس محرم کو جب یہی حضرت حُر تائب ہونے کے لئے حاضر خدمت ہوئے تھے۔ تو خود انہوں نے کہا تھا۔ "میں ہی وہ بدنصیب ہوں جس نے آپ کو سب سے پہلے روکا۔ یہاں تک لانے کا باعث بھی میں ہی بنا۔ لیکن خدا کی قسم! یہ بات میرے گمان میں بھی نہ تھی۔ کہ ان لوگوں کا سلوک آپ سے اس حد تک پہنچ جائیگا

(طبری ج ۷، ص ۲۴۳ وابن اثیر ج ۴)

پھر جن راہوں میں سے آپ سفر کر رہے تھے۔ ان میں جا بجا ابن زیاد کی پولیس متعین تھی۔ اور جاسوس اپنے فرائض سرانجام دے رہے تھے۔ وہ آپ کے اور اہل کوفہ کے درمیان اس طرح حائل تھے کہ کوئی خبر یا کوئی پیغام ادھر سے اُدھر اُن کی نظروں سے بچ کر آجا نہیں سکتا تھا۔ حتّیٰ کہ حضرت امام نے حضرت مسلم کی طرف رستے سے جو دو قاصد روانہ کئے تھے۔ ان کو ابن زیاد کی اسی

پولیس نے گرفتار کرکے ابنِ زیاد کے پاس کوفہ بھیج دیا تھا۔ جہاں انہیں بے دردی کے ساتھ قتل کر دیا گیا۔ اب ظاہر ہے کہ ان حالات میں کسی خبر یا کسی پیغام پر کیا اعتماد کیا جا سکتا تھا۔ اور اس ناکہ بندی کی حالت میں ایک دو آدمیوں کی خبر پر آپ اپنا فیصلہ کس طرح بدل سکتے تھے۔

شہادت تک نوبت کیسے پہنچی؟

۴۔ چوتھا سوال یہ ہے کہ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے اپنے پر امن مؤقف اور اپنے بے ضرر طرزِ عمل کی اپنے اقوال اور افعال سے وضاحت کر دی تھی۔ آپ نے رستے کی منزلوں پر جگہ جگہ اپنی تقریروں میں آنے کی وجہ بیان کی تھی۔ پھر عملی طور پر بھی آپ نے امن کا طریق عمل پیش کیا تھا۔ جب آپکا قافلہ قصر بنی مقاتل سے آگے نکلا۔ تو حُر کو ابنِ زیاد کا حکم آیا "ان کو پانی سے دُور چٹیل میدان میں روک دو" حُر نے آپ کو اس حکم کی تعمیل کے لئے مجبور کرنا چاہا۔ اس موقعہ پر آپ کے ایک ساتھی زہیر بن قین نے عرض کی "اے فرزندِ رسولؐ! آئندہ جو وقت آئے گا وہ اس سے بھی زیادہ سخت آئے گا۔ ابھی لڑنا آسان ہے۔ اس دستے کے بعد جو فوجیں آئیں گی۔ ہم ان کا مقابلہ نہ کر سکیں گے" اس پر آپ کا جواب یہ تھا۔

"میں اپنی طرف سے لڑائی کی ابتداء نہ کروں گا"

(کامل ابن اثیر ج ۴ ص ۲۳ و ۲۴)

اسی طرح طرماح بن عدی نے کہا تھا۔

"آپ ہمارے ساتھ چل کر ہمارے پہاڑ کے دامن میں قیام کیجئے۔ خدا کی قسم یہ پہاڑ ایسا ہے کہ ہم نے نعمان بن منذر اور غسان و حمیر کے بادشاہوں کو اس کے ذریعے روکا ہے۔ اگر وہاں کوئی خطرہ پیش آیا۔ تو قبیلہ بنو طے کے بیس ہزار جوان آپ کے سامنے اپنی تلواروں کے جوہر دکھائیں گے"۔

آپ نے فرمایا:۔

"خدا تمہیں اور تمہاری قوم کو جزائے خیر دے۔ دراصل ہم میں اور ان لوگوں میں عہد ہو چکا ہے"

جس کی رُو سے ہم لوٹ نہیں سکتے اور ہم کو یہ بھی معلوم نہیں۔ کہ ہمارا اور ان کا معاملہ کیا صورت اختیار کرے گا۔" (ابن اثیر جلد ۴)

ان واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے اپنے قول اور فعل سے یہ بات بالکل واضح کردی تھی۔ کہ آپ کسی جنگی مقصد سے نہیں جا رہے۔ حتیٰ کہ دشمن آپ کو نرغے میں لیتا جا رہا تھا۔ اور آپ کی واپسی کی تمام راہیں بند کی جا رہی تھیں۔ تاہم آپ مدافعت کے لئے بھی کوئی قدم نہیں اُٹھاتے۔ اس سے بڑھ کر بے ضرر اور پرامن روش کیا ہو سکتی تھی؟ لیکن ہم پھر بھی دیکھتے ہیں۔ کہ آپ کے ساتھ حد درجہ کی ناانصافی کی گئی۔ معقولیت اور انسانیت کی تمام باتیں بھلا دی گئیں۔ آخر اس کا باعث کیا تھا؟ اور ان لوگوں کے دماغوں میں کیا بھرا ہوا تھا؟

اس کا مختصر جواب یہ ہے کہ یہ سب دنیا کی حرص اور اقتدار کے لالچ کے کرشمے تھے، اور مفصل جواب یہ ہے کہ یزید کے حالات پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ اس نے تخت پر قدم رکھتے ہی اپنے اقتدار کو مضبوط کرنے کی ایک سکیم بنائی۔ اور اس کو نافذ کرنے کے لئے ہر جائز و ناجائز قدم اٹھانے کا تہیہ کر لیا۔ اس نے نظر دوڑا کر دیکھا۔ کہ کون شخص اقتدار کی راہ میں رکاوٹ بن سکتا ہے۔ اس سلسلے میں اس کو حضرت امام کی ذات سب سے زیادہ کھٹکی۔ چنانچہ اس نے عامل مدینہ ولید کو لکھا۔

اما بعد فخذ حسیناً وعبد اللہ بن عمر وابن الزبیر بالبیعۃ اخذاً لیس فیہ رخصۃ والسلام (ابن اثیر ج ۴ ص ۶)

"تم حسین، عبد اللہ بن عمر اور ابن زبیر سے بیعت لو اور ایسی گرفت کرو۔ جس میں کوئی رعایت نہ ہو۔"

اس حکم نامے میں سرفہرست حضرت امام حسینؓ ہی کا نام ہے۔ حاکم مدینہ چونکہ بیعت لینے میں ناکام رہا اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ مکہ چلے آئے۔ اس لئے یزید نے اسے معزول کر دیا۔ پھر جب حضرت امامؓ کوفہ کی طرف متوجہ ہوئے تو یزید نے ابن زیاد کو لکھا۔

"قد بلغني ان الحسين توجہ نحو العراق فضع المراصد والمسالح واحترس واحبس على التهمة وخذ على الظن غيران لا تقتل الا من قاتلك"

(ابن اثیر ص ۱۸)

"مجھے خبر ملی ہے حسینؓ عراق کی طرف روانہ ہو چکے ہیں پس تم مورچے اور ہتھیار سنبھالو جاسوسوں کا سلسلہ قائم کرو۔ اور جس پر شک پڑے اسے گرفتار کرو۔ مگر یہ کہ قتال اسی سے کرنا جو تم سے قتال کرے۔"

ان حکمناموں سے یزید کی سخت روش کا اندازہ ہوتا ہے۔ یہاں پر یہ بات بھی قابلِ ذکر ہے کہ یزید ابن زیاد سے کچھ ناراض تھا لیکن حضرت حسینؓ کا معاملہ سامنے آیا۔ تو اس نے اپنی ناراضگی نظرانداز کرتے ہوئے اسی ابن زیاد کو بصرہ کے ساتھ کوفہ کا والی بھی مقرر کر دیا۔ کیونکہ یزید کے مشیروں نے اُسے مشورہ دیا تھا کہ ابن زیاد کے سوا اور کوئی شخص اس معاملے کو نپٹا نہیں سکے گا۔ یہاں تک وہ کردار ہے جو یزید نے ادا کیا اس کے بعد پھر جو کچھ ظہور میں آیا وہ ابن زیاد اور اس کے ماتحت حاکموں کا حصّہ تھا۔

ابن زیاد بڑا تند مزاج، بڑا عیار اور بڑا خوفناک و خونخوار قسم کا شخص تھا۔ جب وہ بصرہ سے روانہ ہونے لگا تو اچانک اُسے خبر ملی کہ بصرہ میں حضرت حسینؓ کا خط آیا ہوا ہے اور اس کا جواب لیکر ایک قاصد روانہ ہونے والا ہے۔ اس نے اس قاصد کو گرفتار کر کے سولی پر چڑھا دیا۔ اور بصرہ والوں کو گرج کر کہا "اگر تم نے حسین کی حمایت میں کوئی قدم اٹھایا۔ تو میں ہر ایسے شخص کو قتل کر دوں گا۔ اور اس کے محلے کے شیخ کو بھی قتل کر دوں گا۔" اس کے بعد وہ کوفہ چلا گیا۔ کوفہ میں ہزاروں آدمی حضرت مسلمؓ کے گرد جمع تھے۔ لیکن اس نے دھمکیوں اور رشوتوں سے حالات پر قابو پالیا۔ پھر اس نے حضرت مسلم اور ان کے پناہ دینے والوں کو بھی قتل کرا دیا۔ عبداللہ بن یقطر اور قیس بن مسہر وہ قاصد تھے جو حضرت امامؓ نے رستے سے حضرت مسلمؓ کی طرف بھیجے تھے۔ ابن زیاد نے انہیں بھی گرفتار کر کے محل کی چھت سے قتل کرا کے پھنکوا دیا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ شخص لوگوں کے قتل اور انسانی جانوں کے ضائع کرنے سے

خوش ہوتا تھا ــــــ یہ تھا اُس شخص کا مزاج جس کے ہاتھ میں سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ کا معاملہ تھا۔ ابن سعد اس قدر لالچی اور بتدریج دنیا تھا۔ کہ ابن زیاد نے اسے بلا کر کربلا کی کمان سنبھالنے کے لئے کہا۔ تو پہلے کہنے لگا "یا امیر یہ ابن رسولؐ کا معاملہ ہے کسی اور کے سپرد کیجئے"۔ لیکن جب ابن زیاد نے کہا۔ پھر رَیّ کی حکومت بھی چھوڑنا ہو گی۔ تو آمادہ ہو گیا۔ اور یہی وہ شقی تھا جس نے میدانِ کربلا میں پہلا تیر چلا کر کہا تھا "گواہ رہنا جنگ کا آغاز میں نے کیا ہے"۔ اور یہ نمائش بھی ابن زیاد کو خوش کرنے کے لئے تھی۔ یہ وہ شخص تھا جس کے ہاتھ میں کوفی فوجوں کی کمان تھی۔

تیسرا نام شمر کا ہے۔ اس کی سخت دلی کا یہ عالم تھا۔ کہ جب عمرو بن سعد نے ابن زیاد کو حضرت حسینؓ کی تین شرطیں لکھ بھیجیں۔ تو ابن زیاد کہنے لگا۔ "ہم ان کو قبول کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں دیکھتے"۔ لیکن یہ شمر تھا جس نے کہا۔

"اے امیر! حسین اس وقت قابو میں ہیں۔ اور چھٹکارا حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ اگر اب وہ نکل گئے تو پھر کبھی قابو نہ آئیں گے"۔

یہ بات ابن زیاد کے ذہن میں بیٹھ گئی۔ اور اس نے ابن زیاد کے نام نہایت سخت احکامات جاری کئے۔ یہ شمر میدانِ کربلا میں ایک فوجی جتھے کا نگران تھا۔ یہی وہ لوگ تھے۔ جو کربلا میں بربریت کا ڈرامہ کھیل رہے تھے۔

کوفی بھی اس کھیل میں برابر کے شریک ہو گئے تھے، اور ان کا رویہ نہایت تعجب ناک طریقے سے بدلا۔ چند دن پیشتر وہ سیدنا حسینؓ کی حمایت کی قسمیں کھاتے تھے۔ اپنے دستخط اور حلف ڈال ڈال کر ان کو خط لکھتے تھے، لیکن پھر ان ہی لوگوں کی تلواریں آلِ علیؓ کے خیموں کے آس پاس چمکتی نظر آئیں۔ پہلے وہ ہزار در ہزار جمع ہو کر حضرت مسلم کے ساتھ ابن زیاد کے محل کا محاصرہ کئے کھڑے تھے اور پھر چند لمحوں کے بعد وہ لوگ مسلم کو ان کی پناہ گاہ سے پکڑ کر قتل کے لئے ابنِ زیاد کے سپرد کر گئے۔ غدر و خیانت کی کیسی عجیب داستان ہے۔ کہ میدان میں شمشیر بکف کوفیوں کو سیدنا حسینؓ خطاب کرتے ہیں۔ اے شیث بن ربعی! اے حجار بن الجبر! اے قیس بن اشعث! اے یزید بن حارث! کیا تم نے مجھ کو نہیں لکھا تھا کہ پھل

پک چکے ہیں۔ کھجوریں سرسبز ہیں۔ دریا جوش پر ہیں۔ فوجیں تیار ہیں۔ تم فوراً آؤ۔"

لیکن وہ جواب دیتے ہیں: "ہم نے نہیں لکھا تھا۔" اس پر حضرت نے قسم کھائی۔ اور فرمایا: "خدا کی قسم! تم نے لکھا تھا۔" زہیر بن قین، ایک حسینی سپاہی نے ان کوفیوں کے سامنے تقریر کرتے ہوئے کہا "خدا نے ہم کو اور تم کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں آزمائش میں مبتلا کیا ہے۔ کہ ہم ان کے ساتھ کیا سلوک کرتے ہیں۔ میں تم کو ان کی امداد اور ابن زیاد کی رفاقت ترک کرنے کی دعوت دیتا ہوں؛" اس پر کوفیوں نے زہیر کو گالیاں دیں۔ اور ابنِ زیاد کی تعریف کے قصیدے پڑھے۔ اور پھر کہنے لگے "خدا کی قسم ہم حسین اور اُن کے ساتھیوں کو ضرور قتل یا انہیں گرفتار کرکے امیر ابن زیاد کے پاس پہنچائیں گے۔ اور اس کے بغیر ہم ٹل نہیں سکتے۔" ان باتوں سے کوفیوں کی غدارانہ سرشت کا بخوبی علم ہو جاتا ہے۔ اور یہ سب کچھ دھمکی اور لالچ کی کرشمہ سازی تھی۔ ابنِ زیاد سے لیکر ہر کوفی سپاہی تک سب کے سب انسانی کردار سے عاری اور شرافت و مروّت سے خالی دکھائی دے رہے تھے۔

ان لوگوں کو اس بات سے غرض نہ تھی۔ کہ حضرت حسینؑ اور ان کے ساتھی کس پوزیشن میں تھے۔ کن مقاصد کے ماتحت آئے تھے۔ اور وہ کیا چاہتے تھے، البتہ یہ لوگ اتنا جانتے تھے۔ کہ اب حسین گرفت میں ہے۔ ایسا نہ ہو کہ بچ کر نکل جائے۔" چنانچہ ان چند کارروائیوں کے لئے عراق کی تمام فوج اور پولیس حرکت میں آگئی تھی۔ ابن کثیر لکھتا ہے۔

"سیدنا حسینؑ کے مکہ سے کوچ کی خبریں سن کر ابن زیاد نے قادسیہ سے خفان اور خفان سے قطقطانہ اور وہاں سے جبل لعلع تک گھوڑا سوار مقرر کر دیئے۔"

ایک دوسرا مورخ بتلاتا ہے۔ قادسیہ سے عذیب تک سواروں کا جال بچھا دیا گیا تھا تاکہ حضرت حسینؑ بچ کر نہ جا سکیں۔ نیز کوفہ سے حجاز کی طرف جانے والے ہر راستے کی ناکہ بندی کر لی گئی تھی۔ حصین بن نمیر کوفی پولیس کا بڑا افسر، کو ان تمام انتظامات پر کڑی نگرانی رکھنے کا حکم دیا گیا تھا۔ اور حجاز و کوفہ کے درمیان حکومت کے جاسوس پھیل چکے تھے۔ ان انتظامات کا مقصد یہ تھا۔ کہ

حضرت حسینؓ کی کسی علاقہ سے ڈاک جاری نہ رہ سکے۔ اور نہ ہی قاصد آجا سکیں۔ چنانچہ آپ کے دو قاصد پکڑ کر قتل کر دیئے گئے تھے۔ اس ناکہ بندی کا دوسرا مقصد تھا کہ حضرت حسین نہ کوفہ پہنچ سکیں، واپس جا سکیں اور نہ کہیں ادھر ادھر بچ کر نکل سکیں۔ چنانچہ حضرت حُرؓ نے حضرت امام کی حمایت میں آنے کے بعد اپنی تقریر میں کہا تھا۔

"اے اہلِ کوفہ پہلے تم نے حسین کو بلایا۔ جب وہ آگئے۔ تو تم نے ان کا ساتھ چھوڑ دیا۔ پہلے یہ زعم رکھتے تھے کہ ان کی حمایت میں لڑو گے پھر ان کے مخالف ہو گئے۔ اور اب ان کے قتل کی فکر میں ہو۔ تم نے انہیں ہر طرف سے گھیر لیا ہے۔ اور خدا کی وسیع زمین میں کسی طرف ان کو جانے نہیں دیتے۔ کہ وہ اور ان کے اہلِ بیتؑ کسی پُرامن مقام پر چلے جائیں۔ اور اس وقت ان کی حالت بالکل قیدی کی سی ہو چکی ہے۔" (طبری و ابن اثیر)

حقیقت یہ ہے کہ یہ محاصرہ اور یہ ناکہ بندی، آپ کے مکہ سے روانہ ہونے سے چند دن بعد ہی عمل میں آچکی تھی۔ کیونکہ ابن زیاد یہ تہیہ کئے تھا۔ کہ اس موقع سے پورا فائدہ اٹھانا ہے۔ اور حسینؓ کو بچ کر نہیں جانا ہے۔

لہٰذا ان حالات میں یہ بات تلاش کرنا عبث ہے کہ آپ کے پُرامن طریق کار اور محتاط طرزِ عمل کے باوجود معاملہ کی نوبت شہادت تک کیسے پہنچ گئی۔ کیونکہ جب ڈاکوؤں کا ایک گروہ کسی قافلے کو غارت کرنے کا فیصلہ کر لے، تو قافلے والوں کی امن پسندی حملہ آور کی خونخواری میں فرق نہیں ڈال سکتی۔

پس اس عدیم النظیر تاریخی معرکے میں دیکھنے کی بات یہ نہیں کہ تلواریں تلواروں سے کس طرح کھٹکھٹائیں۔ اور تیر و تبر آپس میں کس طرح ٹکرائے بلکہ دیکھنے کی بات یہ ہے۔ کہ انسانیت اور حیوانیت کی اس کشمکش میں حیوانوں کے افعال کیا تھے اور انسانوں کا کردار کیا تھا۔

ہم فخر کے ساتھ کہتے ہیں۔ کہ اللہ تعالےٰ نے اپنے حبیب کے نواسے سیدنا حسینؓ کو عظیم جرأت، بلند ہمتی، عالی حوصلہ، حیرت انگیز استقلال اور بے نظیر صبر و ثبات کی صفاتِ عالیہ عطا کی تھی۔ ۲۷ رجب سے لے کر ۱۰ محرم تک آپ کا ہر قدم شریعت اور مومنانہ بصیرت کی حدود کے مطابق اٹھتا چلا آیا۔ لیکن جب اتمامِ حجت کی آخری سے آخری صورت پر عمل کرنے کے باوجود مخالفت کی بدبختی میں فرق نہ آیا۔ اور اس وقت بھی کسی نے پکار کر بتلایا۔ کہ نجات کی راہ صرف اور صرف یزید کی بیعت ہے۔ مگر آپ کا قال و حال بلکہ روح کی گہرائیاں جواب دے رہی تھیں۔ کہ اس ذلت کی توقع ہم سے نہ رکھو۔ پھر اس جواب کی جو سزا وقت کے جھوٹے والی دے سکے، دیتے رہے۔ اور وقت کا سچا شہنشاہ اسے برداشت کرتا رہا۔ یہاں تک کہ اس نے فرات کے کنارے پر، دریا کے پانی کی بجائے چشمۂ شہادت کا پانی پی لیا ؎

درجہاں نتواں اگر مردانہ زیست
ہمچو مرداں جاں سپردن زندگیست

(ٹیپو)

سیدنا حسینؓ کے صبر و ثبات، اور ان کے نانا صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت و عظمت پر ابد الآباد تک بے حد و حساب درود و سلام ہوں۔ اور ہمیں ان کی سچی پیروی کی سعادتیں نصیب ہوں۔ آمین یا رب العٰلمین

(یادِ شہید ص ۱۰۴ تا ۱۰۵)

حضرت امام حسینؑ کے جہاد کی قانونی حیثیت

مولانا امین احسن اصلاحی پاکستان میں سواد اعظم کے معروف علماء میں سے ہیں۔ فاضل موصوف جماعت اسلامی سے بھی منسلک رہ چکے ہیں۔ فاضل موصوف نے گذشتہ محرم کے موقعہ پر روزنامہ آفاق میں ایک تحقیقی مقالہ سپرد قلم فرمایا ہے۔ اس فاضلانہ تحقیق میں سنی نقطۂ نظر سے حضرت امام حسین علیہ السلام کے جہاد کو اسلامی قانون کی حیثیت سے دیکھا گیا ہے۔ اور ثابت کیا گیا ہے۔ کہ حضرت امام حسین علیہ السلام کا موقف و اقدام ہر لحاظ سے مبنی برحق تھا۔ اس بصیرت افروز مضمون کو ذیل میں فاضل مقالہ نگار کی اپنی لفظوں میں ملاحظہ فرمائیے ۔

حکومت کی طرف سے کفر صریح صادر ہونے کی صورت میں اسلام نے اس کے خلاف تلوار اٹھانے اور اس کی اطاعت سے دست کش ہونے کی اجازت جو دی ہے تو اس کے یہ معنی نہیں۔ کہ جونہی حکومت کی طرف سے کسی کفر کا صدور ہو۔ ہر مسلمان اس کے خلاف تلوار سونت کر کھڑا ہو جائے۔ اور حکومت کے خلاف بغاوت کا اعلان کر دے۔ بلکہ اس کے معنی یہ ہیں۔ کہ اس صورت کے پیدا ہو جانے کے بعد حکومت کی اطاعت و وفاداری کی وہ شرعی ذمہ داری جو اسلام نے ایک اسلامی حکومت کے لئے اس کے ہر شہری پر عائد کی ہے ختم ہو گئی۔ اب اس کو شریعت کی طرف سے اس بات کی اجازت ہے۔ کہ وہ سارے حالات کا جائزہ لے کر اسلام کی بتائی ہوئی مختلف راہوں سے پہلے کسی ایک کو اختیار کرے۔

اسلام نے ایسی صورت میں تین راہوں کی نشاندہی کی ہے۔

(۱) ایک راہ یہ ہے کہ ان ارباب اقتدار سے بزورِ شمشیر اقتدار چھین لیا جائے جس کی طرف سے کفرِ صریح کا ظہور ہوا ہے۔ اور ملک کے نظام کو از سر نو اسلام کی بنیادوں پر قائم کر دیا جائے۔

(۲) دوسری راہ یہ ہے کہ صالحین وہاں سے ہجرت کر جائیں۔

(۳) اور تیسری راہ یہ ہے کہ جس جگہ ہے اسی جگہ جوا رہے۔ اور جس طرح انبیائے کرام ایک دار الکفر میں اپنے مشن کی تبلیغ کرتے ہیں۔ اسی طرح وہ دار الکفر کو دار السلام میں ڈھالنے کی جدوجہد میں لگ جائے۔

بعض لوگوں کے ذہن میں یہ شبہ پیدا ہو سکتا ہے۔ کہ اگر اسلامی حکومت کی اطاعت عدم اطاعت کا معاملہ اتنا اہم کہ اس سے آدمی کے کفر و اسلام کا سوال پیدا ہو جاتا ہے۔ اور جب تک حکومت کی طرف سے کسی کفر صریح کا صدور نہ ہو اس کی وفاداری واجب اور اس کی اطاعت سے انحراف ہے تو آخر حضرت امام حسین علیہ السلام نے یزید کی خلافت کے خلاف کیوں تلوار اٹھائی۔ درآنحالیکہ یزید پر زیادہ سے زیادہ فسق کا الزام تھا نہ کہ کفر کا۔ یزید نے تو کسی کفر صریح کا اظہار نہیں کیا تھا۔ اور نہ حضرت امام حسینؓ اور اس کے عہد کے دوسرے صحابہؓ نے اس کی حکومت کے کافر کا فتویٰ دیا تھا۔

یہ شبہ تاریخ کے ناقص مطالعہ کا نتیجہ ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ حضرت امام حسین علیہ السلام کا خروج یزید کی حکومت کے خلاف سرے سے تھا ہی نہیں۔ اس وقت یزید کی خلافت ہی نہیں منعقد ہوئی تھی۔ کہ خروج کا سوال ہی پیدا ہو۔ نہ حجاز کے مرکزی شہروں نے اس کی خلافت تسلیم کی تھی۔ اور نہ عراقیوں نے اس کے ہاتھ پر بیعت کی تھی۔ صرف شام نے اس کی خلافت کو تسلیم کیا تھا لیکن مکہ، مدینہ اور کوفہ جیسی مرکزی اسلامی منظوری کے بغیر اہل شام کو مسئلہ خلافت طے کرنے کا حق نہ تھا۔ اس وقت تک تو عام مسلمان درکنار امیر معاویہ کے مقرر کردہ امرا بھی آئندہ خلیفہ کے بارے میں ابھی یکسو نہیں ہوئے تھے۔

اہل کوفہ نے حضرت امام حسین علیہ السلام کو جو خط لکھا تھا۔ اس میں واضح کر دیا تھا کہ:۔

"اس وقت ہمارے اوپر کوئی امیر نہیں۔ آپ تشریف لائیے۔ شاید اللہ تعالےٰ آپ کے ذریعہ سے ہم کو ہدایت پر مجتمع کر دے۔ قصر امارت میں نعمان بن بشیر ضرور موجود ہے لیکن ہم نہ تو اس کے پیچھے جمعہ پڑھتے ہیں۔ اور نہ عیدین۔ اگر ہم کو آپ کی آمادگی کا علم ہو جائے۔ تو ہم اس کو

کوفہ سے نکال باہر کریں۔

خود یہ نعمان بن بشیر جو کوفہ کا امیر تھا۔ یزید کی نسبت جو رائے رکھتا تھا۔ اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ جب اسے معلوم ہوا کہ امام حسین علیہ السلام کوفہ تشریف لا رہے ہیں۔ تو اس نے صاف صاف کہہ دیا:۔

"رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا نواسہ مجھ کو ابن بحول (یزید) سے زیادہ عزیز ہے"

چنانچہ اسی وجہ سے یزید نے اس کی جگہ عبید اللہ ابن زیاد کو وہاں کا امیر بنا کر بھیجا لیکن اس کے پہنچنے سے پہلے مسلم بن عقیلؓ کے ہاتھ پر امام حسینؓ کے لئے تیس ہزار سے زائد آدمیوں نے بیعت کرلی۔ کم وبیش یہی حال حجاز کی مرکزی آبادیوں کا تھا۔ نہ صرف یہ کہ یزید کی بیعت کہیں منعقد نہیں ہوئی تھی۔ بلکہ ہر جگہ اس کے خلاف مخفی اور ظاہر دونوں قسم کی نفرت موجود تھی۔ ان حالات کے اندر حضرت امام حسین علیہ السلام کا اُٹھنا کسی ایسی حکومت کے خلاف اٹھنا نہیں تھا۔ جس کو خلافت راشدہ از روئے قانونِ اسلامی ہونے کی حیثیت حاصل ہو۔ اور جس کے خلاف خروج اس کے ارباب اقتدار کے فسق کے باوجود ناجائز ہو۔ بلکہ اس وقت ملک میں ایک سیاسی خلا کی حالت تھی۔ اور یہ خلا اپنے بھرنے کے لئے ابھی رائے عامہ کے فیصلہ کا انتظار کر رہا تھا۔

ایسے حالات کے اندر امام حسین علیہ السلام کو شریعت کی رُو سے نہ صرف اس بات کا حق حاصل تھا۔ کہ وہ رسم ولی عہدی کی عجمی بدعت کے خلاف جہاد کے لئے اٹھیں۔ بلکہ ان کے علم وفضل اور ان کے دینی مرتبہ کی وجہ سے ان پر اس جہاد کی ذمہ داری عاید ہوتی تھی۔ بالخصوص جب کہ ہر طرف سے مسلمانوں کی نگاہیں ان کی طرف رہنمائی کی توقع کے ساتھ اُٹھ رہی تھیں۔ اور ان سے ذمہ داری قبول کرنے کی درخواستیں کی جا رہی تھیں۔

اسی وجہ سے یہ خیال کرنا کہ حضرت امام حسین علیہ السلام کا یہ اقدام یزید کی خلافت کے خلاف خروج کے حکم میں آتا ہے۔ بالکل غلط ہے۔ یزید کی خلافت تو ابھی منعقد ہی نہیں ہوئی تھی۔ اس وقت زیادہ سے زیادہ اس سلسلہ میں اگر کوئی چیز لوگوں کے سامنے تھی۔ تو وہ اس کی ولی عہدی کی بیعت تھی۔ جو امیر معاویہ نے اپنی

زندگی میں لینے کی کوشش کی تھی۔ لیکن اس میں بھی ان کو پوری کامیابی نہ ہوئی تھی۔

لہٰذا اس میں تو ذرا بھی شک کی گنجائش نہیں۔ کہ حضرت امام حسین علیہ السلام مکہ سے روانہ ہوتے وقت اپنے اقدام کے لئے شرعاً مجاز تھے۔ لیکن کوفہ پہنچنے سے پہلے ہی حالات نے اتنی تیزی سے پلٹا کھایا کہ معاملہ کی شرعی نوعیت بالکل بدل گئی۔ ایک طرف اہل کوفہ مسلم بن عقیل سے غداری کر کے ابن زیاد سے یزید کے حق میں طوعاً و کرہاً بیعت حاصل کر لی گئی۔

حضرت امام حسین علیہ السلام نے تازہ صورت حال کے پیش نظر فوراً واپسی کا ارادہ کیا اور ابن زیاد کی فوج کے افسر کے سامنے تین متبادل تجاویز پیش کیں۔

ایک یہ کہ مجھے واپس چلے جانے دو۔ دوسری یہ کہ مجھے ترکوں کی سرحدوں کی طرف نکل جانے دو۔ تاکہ بقیہ زندگی ان کے ساتھ جہاد میں بسر کر دوں۔ تیسری یہ کہ مجھے یزید کے پاس لے چلو۔ میں اپنے آپ کو اس کے حوالے کر دوں گا۔

یہ تجاویز ابن زیاد کے پاس بھیجیں تو اس نے انہیں ٹھکرا دیا اور اصرار کیا کہ حضرت امام حسینؓ اپنے آپ کو اس کے حوالے کریں۔ اور اس کا فیصلہ قبول کریں۔ ظاہر ہے کہ اب یہاں دین و شریعت کے تقاضوں اور حکومت کی اطاعت کا کوئی سوال باقی نہیں رہا تھا۔ بلکہ سرتاسر چند خود غرض لوگوں کی کینہ توزی اور خباثت نفس تھی جس کا نہایت برسرِ طریقہ سے مظاہرہ کیا جا رہا تھا۔ امام حسین علیہ السلام اس بات کے لئے تو پابند تھے۔ کہ اگر شریعت کے قوانین ان سے مطالبہ کریں۔ تو وہ یزید جیسے فاسق کی اطاعت سے انکار نہ کریں۔ لیکن وہ اس بات کے لئے شریعت کی طرف سے ہرگز پابند نہیں تھے۔ کہ وہ ابن جوشن اور ابن زیاد جیسے کینہ توزوں کے رحم و کرم پر اپنے آپ کو چھوڑ دیں۔ اور پورے کنبہ سمیت اپنے آپ کو خود ہی ذبح کئے جانے کے لئے ان کے حوالے کر دیں۔

چنانچہ ان لوگوں کے اس ظلم کے آگے سر جھکانے اور ان کے ہاتھوں اس ذلت کی موت پر از خود راضی ہونے سے امام حسین علیہ السلام نے انکار کر دیا۔ جس کا نتیجہ بالآخر کربلا کے حادثے کی شکل میں ظاہر ہوا۔

اُسوۂ حسینیؓ پر مشاہیرِ اسلام کے

چند تبصرے

حافظ علی بہادر خان کا خیال :-

مولینا حافظ علی بہادر خان مشہور اہلِ قلم جو عہد حاضر میں بہترین محقق مانے گئے ہیں۔ اور جن کی جوابی تالیفات نے سوادِ اعظم کے مسلک کی ترجمانی کرتے ہوئے عباسی صاحب کی تلبیسات کو طشت از بام کر دیا ہے۔ وہ اپنی تالیف "یزید بن معاویہ" میں اقدامِ امامؓ پر تبصرہ کرتے ہوئے خلیفہ کے خلاف خروج یا بغاوت کے عنوان کے تحت اپنی ساری بحث کا خلاصہ اس طرح پیش فرماتے ہیں :-

امام حسینؓ کا خروج اسلامی اصول کے خلاف نہیں تھا۔ اُن کے پیشِ نظر حسبِ ذیل امور تھے :-

۱:- امام حسنؓ کے ساتھ جو معاویہؓ نے عہد کیا تھا۔ اُس کی ایک شرط یہ تھی کہ کسی کو جانشین نامزد نہیں کیا جائے گا۔ اور اسلام کے مسلمہ اصول لا ایمان لمن لا عھد لہٗ (جس میں عہد پروری نہیں اُس کا ایمان نہیں) کی روشنی میں یزید کی ولی عہدی ناجائز تھی۔

۲- یزید جبر و مکر اور زور و زر کی مدد سے ولیعہد اور پھر خلیفہ ہُوا۔ ایسے خلیفہ کو تسلیم کرنا اسلامی اصول کے مطابق نہیں۔

۳- یزید فاسق و فاجر تھا۔ وہ اسلامی احکام کے نفاذ کی صلاحیت نہیں رکھتا تھا۔

۴- امام حسینؓ کو اہلِ کوفہ سے کافی امداد کی توقعات تھیں۔ اگرچہ یہ توقعات چند در چند وجوہ سے پوری نہیں ہوئیں لیکن ظاہر حالات میں امام حسینؓ کا اعتماد غلط نہیں تھا۔

۵۔ امام حسینؑ کے سامنے یہ حقیقت تھی۔ کہ نظامِ ملت کو اسوۂ حسنہ رسول پر واپس لانے کا بالکل آخری موقع تھا۔ اگر کامیابی کا کوئی موقع تھا تو اسی وقت تھا۔ اُس کے بعد ملت اُسوۂ رسولؐ سے اتنی دُور جا پڑے گی کہ بازگشت کا کوئی امکان نہ رہے گا۔

یہ صحیح ہے کہ اس آخری مقصد میں امام حسینؑ کامیاب نہیں ہوئے۔ لیکن اُن کی شہادت نے یہ اثر ضرور پیدا کیا۔ کہ آج تیرہ صدیوں کے بعد بھی اہل فکر یہ سمجھتے ہیں کہ باطل کے نظام کو بدلنے کے لئے یہ جانِ عزیز قربان ہوئی۔ اور جب کبھی بھی مسلمان اپنے اجتماعی نظام کو اسوۂ اسلامی پر لانا چاہیں گے۔ تو حسینؑ کی سنت پر عمل کرنا پڑے گا۔ کیونکہ یزیدیت کا غلبہ صرف اسی طرح ختم کیا جا سکتا ہے۔ احیائے اسلام کا واحد ذریعہ حسینؑ کے متبعین کی بغاوت ہے۔ اُن یزیدیوں کے خلاف جو نظامِ اسلام کو مسخ کئے ہوئے ہیں۔

شریعت میں امیر کے خلاف جس خروج کی مخالفت ہے۔ اُس کی مثال حضرت ابوذرؓ کے واقعہ سے ملتی ہے۔ جنہوں نے ربذہ میں نظر بندی قبول کی۔ مگر حضرت عثمان کے خلاف خروج پسند نہیں کیا۔

امام حسینؑ کے پاس معاویہ کے زمانے میں جو خطوط آتے تھے۔ یا زبانی مشوروں میں اُن کے حامی معاویہ کے خلاف خروج کی ترغیب دیتے تھے۔ تو وہ ایک ہی جواب دیتے تھے۔ کہ معاویہ کی زندگی تک انتظار کرو۔ کیونکہ معاویہ کی گرفت نہایت مضبوط تھی۔ یہ مشیت ایزدی تھی۔ کہ معاویہ کا عہد طویل ہو گیا۔ اور اسلامی قدریں برباد ہو گئیں۔ معاویہ کو اتنی فرصت ملی۔ کہ اُس نے یزید کی ولیعہدی کو بھی پختہ کر لیا۔

امام حسینؑ کے سامنے معاویہ کی موت کے وقت یہ حالات ضرور تھے۔ لیکن وہ یہ بھی محسوس کرتے تھے۔ کہ اسلامی نظام کو واپس لانے کا بالکل آخری موقع تھا۔ اب یا کبھی نہیں۔ اُن کا فیصلہ تھا۔ کوفہ والوں نے ہمت بڑھائی۔ تو انہوں نے قدم بڑھا دیا۔ یہ غلط ہے کہ اہلِ کوفہ دھوکہ دے رہے تھے۔ ہاں یہ سچ ہے کہ آزمائش زیادہ سخت ہو گئی۔ تو انہوں نے ساتھ چھوڑ دیا۔

اُن کے جذبات وہی تھے جو خطوط میں لکھتے تھے۔ اور جن پر مسلمؓ بن عقیل نے بھی صاد کیا تھا۔ مگر جان و مال خطرہ میں نظر آئے۔ تو اپنے دلی جذبات کے خلاف انہوں نے مکر و جبر کے سامنے ہتھیار ڈال دیئے۔ یہ بحث شرح و بسط کے ساتھ آگے آئے گی۔ یہاں صرف یہ دکھانا مقصود ہے کہ خلافت و امامت کے مسئلہ کو منہاج نبوت کے مطابق طے کرنے کے لئے امام حسینؓ نے خروج کیا تھا۔ یہ خروج کسی مستند و باقاعدہ امام، خلیفہ یا امیر کے خلاف نہیں تھا۔ بلکہ اصلاح امت کی ایک کوشش تھی۔ اس کوشش میں جان گئی اور یزید کے تخت اقتدار کو نہیں اُلٹا جا سکا۔ مگر اتنی کامیابی ضرور ہوئی کہ حقیقی اسلامی نظام کا تصور زندہ رہ گیا۔ مولانا محمد علی مرحوم نے اسی تصوّر کی طرف اپنے مشہور مصرعہ میں اشارہ کیا ہے ؏

اسلام زندہ ہوتا ہے ہر کربلا کے بعد

امام حسینؓ کا خروج صرف اقتدار کے لئے نہیں تھا۔ بلکہ گروپ بندی اور تلوار کی جگہ اسلام کو فیصلہ کن طاقت بنانے کے لئے تھا۔

نہ صرف اس لئے امام حسینؓ کا خروج جائز تھا کہ یزید خلافت کے قابل نہیں تھا۔ بلکہ اس لئے بھی کہ اُس نے خلیفہ ہوتے ہی مسلمانوں کو خلافِ اسلام حرکات کے لئے مجبور کرنا شروع کر دیا تھا۔ اگر برائے بحث یہ تسلیم بھی کر لیا جائے۔ کہ یزید کی بیعت ہو چکی تھی۔ تو اسلامی اصول کے مطابق ایسے امیر کے خلاف خروج جائز ہے۔ جو اللہ اور رسولؐ کے احکام کے خلاف احکام صادر کرتا ہو۔ جن احادیث میں بیعت کے بعد امیر کے خلاف خروج کی ممانعت ہے۔ اُن میں امیر یا امام کے ایسے اعمال سئیہ کو برداشت کرنے کا حکم ہے جن کا اثر سوسائٹی پر نہ پڑے۔ بلکہ خلیفہ کی ذات تک محدود رہے۔ مثلاً اگر یزید میں اس قسم کے عیب ہوتے۔ جن کا اثر اسلامی معاشرہ پر نہ پڑتا۔ تو بیعت کے بعد خروج ناجائز ہوتا۔ لیکن یہاں نہ اسلامی طریقہ پر بیعت ہوئی تھی۔ اور نہ یزید کے کیرکٹر میں صرف ایسے نقائص تھے۔ جن کا اثر اسلامی نظام پر نہ پڑتا۔ اور اس کی ذات تک محدود رہتا۔ اس کیرکٹر میں تو ایسے نقائص تھے۔ جو تمام اسلامی معاشرہ اور نظام کو تباہ کرنیوالے

گئے لہٰذا وہ احادیث جن میں بیعت کے بعد خروج کی ممانعت ہے۔ اس موقع پر چسپاں نہیں ہوتیں۔ اسی لئے مدینہ کے انصار و مہاجرین نے بیعت توڑ دینے میں ذرا لیں و پیش نہیں کیا سینکڑوں صحابہ کے مقابلہ میں ایک عبد اللہ بن عمر کی رائے کوئی قیمت نہیں رکھتی۔ یزید جیسے خلیفہ کے خلاف خروج یقیناً جائز تھا۔ (یزید بن معاویہ ص۱۳۲، ۲۳، ۱۴۱ تا ۱۴۴)

۲۔ ابو الکلام آزاد کیا فرماتے ہیں؟

ہندوستان بلکہ تمام دنیا اسلام میں مولانا ابو الکلام مرحوم کی شخصیت علمی حلقوں میں مسلّم و متعارف ہے۔ مرحوم عام مسلمانوں کے مکتب فکر میں اسلام و اسلامیات کے بہت بڑے عالم اور عظیم شخصیت کے حامل تھے۔ فاضل مرحوم نے شہادت حسینؑ کے موضوع پر ایک مستقل رسالہ تحریر کیا ہے۔ اس رسالہ میں موصوف نے واقعات کربلا کے علل و اسباب نہایت اختصار کے ساتھ تاریخی واقعات کی روشنی میں پیش فرمائے ہیں۔ اور آخر میں سیرت و کردار حسینی پر تبصرہ کرتے ہوئے یہ لکھا ہے کہ حسین کی قربانی فی الحقیقت حق و صداقت، آزادی و حریت اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر کی ایک عظیم الشان انسانی قربانی تھی۔ جو صرف اس لئے ہوئی تاکہ پیروانِ اسلام کے لئے ایک اسوۂ حسنہ پیش کرے اور اس طرح جہاد حق و عدالت اور اثبات و استقامت کی ہمیشہ کے لئے ایک کامل ترین مثال قائم کر دے۔ ہم فاضل علامہ کے تبصرہ کے مختصر چند ٹکڑے ذیل میں پیش کر کے ان کے مؤقف و مسلک کی وضاحت کرنا ضروری خیال کرتے ہیں۔ اس لئے کہ موصوف مسلمانوں کی محبوب شخصیت تھی۔ اور عام طور پر ہند و پاک کے مسلمان ان کی تحقیقات کو بطور سند تسلیم کرتے ہیں!۔

سب سے پہلا نمونہ جو یہ حادثہ عظیمہ ہمارے سامنے پیش کرتا ہے۔ دعوت الی الحق اور حق و حریت کی راہ میں اپنے تئیں قربان کرنا ہے۔

بنی امیہ کی حکومت ایک غیر شرعی حکومت تھی۔ کوئی حکومت جس کی بنیاد جبر و شخصیت پر ہو، کبھی بھی اسلامی حکومت نہیں ہو سکتی۔ انہوں نے اسلام کی روح حریت و جمہوریت کو غارت

گیا۔ اور مشورہ و اجتماع امت کی جگہ محض غلبہ جابرانہ اور مکر و خدع پر اپنی شخصی حکومت کی بنیاد رکھی۔ ان کا نظام حکومت شریعت الٰہیہ نہ تھا۔ بلکہ محض اغراض نفسانیہ و مقاصد سیاسیہ ایسی حالت میں ضرور تھا۔ کہ ظلم و جبر کے مقابلہ کی ایک مثال قائم کی جاتی۔ اور حق و حریت کی راہ میں جہاد کیا جاتا۔

حضرت سید الشہداء نے اپنی قربانی کی مثال قائم کر کے مظالم بنی امیہ کے خلاف جہاد حق کی بنیاد رکھی۔ اور جس حکومت کی بنیاد ظلم و جبر پر تھی۔ اس کی اطاعت و وفاداری سے انکار کر دیا۔

پس یہ نمونہ تعلیم کرتا ہے کہ ہر ظالمانہ و جابرانہ حکومت کا علانیہ مقابلہ کرو۔ اور کسی ایسی حکومت سے اطاعت و وفاداری کی بیعت نہ کرو۔ جو خدا کی بخشی ہوئی انسانی حریت و حقوق کی غارت گر ہو۔ اور جس کے احکام مستبدہ و جابرہ کی بنیاد صداقت و عدالت کی جگہ جبر و ظلم ہو۔ مقابلہ کے لئے یہ ضروری نہیں کہ تمہارے پاس قوت و شوکت مادی کا وہ تمام ساز و سامان بھی موجود ہو۔ جو ظالموں کے پاس ہے۔ کیونکہ حسینؓ ابن علیؓ کے ساتھ چند ضعفاء و مساکین کی جمعیت قلیلہ کے سوا اور کچھ نہ تھا۔ حق و صداقت کی راہ نتائج کے فکر سے بے پرواہ ہے نتائج کا مرتب کرنا تمہارا کام نہیں ہے۔ یہ اس قوت قاہرہ عادلۂ الٰہیہ کا کام ہے۔ جو حق کو باوجود ضعف و فقدان انصار کے کامیاب و فتح مند کرتی۔ اور ظلم کو باوجود جمعیت و عظمت دنیوی کے نامراد و نگوں سار کرتی ہے۔

کم من فئۃ قلیلۃ غلبت فئۃ کثیرۃ	کتنی ہی چھوٹی جماعتیں ہیں جو بڑی جماعتوں پر
باذن اللہ (۲-۲۴۹)	حکم الٰہی سے غالب آگئیں۔

ایسے موقعوں پر ہمیشہ مصلحت اندیشیوں کا عیال دامنگیر ہوتا ہے۔ جو فی نفسہٖ اگرچہ عقل و دانائی کا ایک فرشتہ ہے۔ لیکن کبھی کبھی شیطان رجیم بھی اس کے بھیس میں آکر کام کرنے لگتا ہے نفس خادع حیلہ تراشیاں کرتا ہے۔ کہ صرف اپنے تئیں کٹوا دینے اور چند انسانوں کا خون بہا دینے سے

کیا حاصل ہے؟ توپ و تفنگ اور سلطنت کا مقابلہ کس نے کیا ہے کہ ہم کریں۔

آخری سوال کا جواب میں دے سکتا ہوں۔ تاریخ عالم کی صدہا امثال مقدسہ و محترمہ جہاد سے قطع نظر تمہارے سامنے خود مظلوم کربلا کی مثال موجود ہے۔ تم کہتے ہو۔ کہ چند انسانوں نے حکومتوں کی قوتوں اور ساز و سامان کا مقابلہ کب کیا ہے۔ کہ کبھی کبھی کیا جائے؟ میں کہتا ہوں کہ حسین ابن علیؑ نے صرف بہتر (۷۲) یا باسٹھ (۶۲) بھوکے انسانوں کے ساتھ اس عظیم الشان حکومت قاہر و جابر کا مقابلہ کیا جس کے حدودِ سلطنت ملتان اور سرحد فرانس تک پھیلنے والے تھے۔

اور اگر یہ سچ ہے کہ اُس نے اپنی آنکھوں کے سامنے اپنے دل کے ٹکڑوں کو بھوک اور پیاس کی شدت سے تڑپتے دیکھا۔ اور پھر ایک ایک کر کے ان میں سے ہر وجود مقدس خاک و خون میں تڑپا اور جان بحق تسلیم ہوا۔

اور یہ بھی سچ ہے۔ کہ وہ دشمنوں سے نہ تو پینے کے لئے پانی چھین سکا اور نہ زندہ رہنے کے لئے اپنی غذا حاصل سکا۔ اور اس میں بھی شک نہیں کہ بالآخر سر سے لیکر پیر تک وہ زخموں سے چور تھا۔ اور اس خلعتِ شہادتِ لالہ گوں سے آراستہ ہو کر تیار ہوا۔ تا کہ اس کرشمہ ساز محبوب کے حریم وصال میں پہنچے۔ جو دوستوں کو خاک و خون میں تڑپاتا اور دشمنوں کو مہلت دیتا ہے۔

اہدیل وصلالہ وہجرہ بدختلی!

تاہم فتح اُس کی تھی اور فیروز مندی و کامرانی کا تاج صرف اسی کے زخم خوردہ سر پر رکھا جا چکا تھا۔ وہ تڑپا اور خاک و خون میں لوٹا۔ پر اپنے اس خون کے ایک ایک قطرے سے جو عالم اضطراب میں اس کے زخموں سے ریگ و سنگ پر بہتا تھا۔ انقلاب و تغیرات کے وہ سیلاب ہائے آتشیں پیدا کر دیئے جن کو نہ تو مسلم بن عقبہ کی خون آشامی روک سکی، نہ حجاج کی بے امان خونخواری اور نہ عبد الملک کی تدبیر و سیاست، وہ بڑھتے اور بھڑکتے ہی رہے۔ ظلم و جبر کا پانی تیل بن کر ان کے شعلوں کی پرورش کرتا رہا۔ اور حکومت و تسلط کا غرور ہوا بن کر

ان کی ایک چنگاری کو آتش کدۂ سوزاں بناتا رہا۔ یہاں تک کہ آخری وقت آگیا۔ اور جو کچھ سنہ ۶۰ھ میں کربلا کے اندر ہوا تھا۔ وہ سب کچھ سنہ ۱۳۲ھ میں نہ صرف دمشق بلکہ تمام عالم اسلام کے اندر ہوا۔ صاحبان تاج و تخت خاک و خون میں تڑپے۔ ان کی لاشیں گھوڑوں کے سموں سے پامال کی گئیں۔ فتح مندوں نے قبریں تک اکھاڑ ڈالیں۔ اور مردوں کی ہڈیوں تک کو ذلت و حقارت سے محفوظ نہ چھوڑا۔ اور اس طرح وسیعلم الذین ظلموا ای منقلب ینقلبون۔ (۲۶: ۲۲۷) بہت جلد ظالم لوگ اس بات کو جان لیں گے کہ کس جگہ وہ لوٹائے جائیں گے۔ کا پورا ظہور ہوا۔

پھر کیا یہ سب کچھ جو ہوا۔ وہ محض ابراہیم عباسی کی دعوت اور ابو مسلم خراسانی کی خفیہ ریشہ دوانیوں ہی کا نتیجہ تھا۔ کیا یہ اسی خون کا اعجاز نہ تھا۔ جو فرات کے کنارے بہایا گیا تھا۔ پھر اس فتحمندی کا سبب تو ظاہر ہے۔ جس کے نتائج کے لئے ایک صدی کا انتظار کرنا پڑا۔ ورنہ فی الحقیقت مظلومیت کا خون جس وقت بہتا ہے۔ اسی وقت اپنی معنوی فتح مندی حاصل کر لیتا ہے۔

بہرحال یہ تو حق و صداقت کی قربانیوں کے نتائج ہیں۔ جو کبھی ظاہر ہوئے بغیر نہیں رہتے۔ لیکن حضرت سید الشہداء کا اسوۂ حسنہ بتاتا ہے۔ کہ تم ان نتائج کی ذرا پرواہ نہ کرو۔ اگر ظالم اور جابرانہ حکومت کا وجود ہے۔ تو اس کے لئے حق کی قربانی ناگزیر ہے۔ اور اسے ہونا ہی چاہئے۔ تعداد کی قلت و کثرت یا سامان و وسائل کا فقدان اس پر مؤثر نہیں ہو سکتا۔ اور ظلم کا صاحب شوکت و عظمت ہونا اس کے لئے کوئی الٰہی سند نہیں ہے۔ کہ اس کی اطاعت ہی کر لی جائے۔ ظلم خواہ ضعیف ہو خواہ قوی ہر حال میں اس کا مقابلہ کرنا چاہئے۔ کیونکہ وہ ظلم ہے۔ اور حق و صداقت ہر حال میں یکساں اور غیر متزلزل ہے۔

حق و عدالت کی رفاقت کی آزمائشیں زہرہ گداز اور شکیب ربا ہیں۔ قدم قدم پر حفظ جان و ناموس اور محبت فرزند و عیال کے کانٹے دامن کھینچتے ہیں۔ لیکن یہ اسوۂ حسنہ مومنین مخلصین کو

درس دیتا ہے کہ اس راہ میں قدم رکھنے سے پہلے اپنی طلب و ہمت کو اچھی طرح آزمالیں۔ ایسا نہ ہو۔ کہ چند قدموں کے بعد ہی ٹھوکر لگے۔

جرم را اینجا عقوبت ہست واستغفار نیست

اس قتیلِ جادۂ حق و صداقت کے چاروں طرف جو کچھ تھا۔ اس کا اعادہ ضروری نہیں۔ کہ سب کو معلوم ہے۔ خدا تعالیٰ نے اپنی آزمائشوں کے متعدد درجے بیان کئے ہیں:۔

وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ وَالثَّمَرَاتِ وَبَشِّرِ الصّٰبِرِيْنَ الَّذِيْنَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌ قَالُوْٓا اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ۔

(۲) (۵۵-۵۶) اللہ تعالیٰ تمہیں آزمائشوں میں ڈالے گا۔ وہ حالتِ خوف و ہراس، بھوک اور پیاس، نقصان مال و جان اور ہلاکت اولاد و اقارب میں مبتلا کرکے تمہارے صبر و استقامت کو آزمائے گا۔ پس اللہ کی طرف سے بشارت ہے۔ ان کے لئے جن کے ثبات و استقامت کا یہ حال ہے۔ کہ جب مصائب میں مبتلا ہوتے ہیں تو اپنے تمام معاملات کو یہ کہہ کر اللہ کے سپرد کر دیتے ہیں۔ کہ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ

خوف و ہراس، بھوک اور پیاس، نقصانِ مال و متاع، قتل نفس و اولاد، یہی چیزیں انسان کے لئے اس دنیا میں انتہائی مصیبتیں ہو سکتی ہیں۔ اس لئے ان ہی چیزوں کو راہ الٰہی کے لئے آزمائش قرار دیا گیا ہے۔

لیکن مظلوم کربلا کے سامنے یہ تمام مرحلے ایک ایک کرکے موجود تھے۔ وہ ان تمام مصائب سے ایک لمحہ کے اندر نجات پاکر آرام و راحت اور شوکت و عظمت حاصل کر سکتا تھا۔ اگر حکومتِ ظالمہ کی وفاداری و اطاعت کا عہد کر لیتا۔ اور حق و صداقت سے روگردانی کے لئے مصلحتِ وقت کی تاویل پر عمل کرتا۔ پر اس نے خدا کی مرضی کو اپنے نفس کی مرضی پر ترجیح دی اور حق کا عشق زندگی اور زندگی کی محبتوں پر غالب آگیا۔ اس نے اپنا سر دے دیا۔ کہ انسان کے پاس حق کے لئے یہی ایک آخری متاع ہے۔ پر اطاعت و اقرار وفاداری کا ہاتھ نہ دیا۔ جو صرف حق و عدالت ہی کے آگے بڑھ سکتا تھا۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْرِيْ نَفْسَهُ ابْتِغَاءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ رَءُوْفٌ بِالْعِبَادِ (۲: ۲۰۷) اور جو لوگ اللہ کی خوشنودی کی طلب میں جانیں تک فروخت کر دیتے ہیں اور اللہ بھی اپنے بندوں کے لئے شفقت و مہربانی کرنے والا ہے۔

سب سے بڑا اسوۂ حسنہ کو اس حادثۂ عظیمہ کی لسانِ حال اس کی رہنمائی کرتی ہے۔ راہِ مصائب و جہادِ حق میں صبر و استقامت اور عزم و ثبات ہے کہ:۔

اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا (۴۱: ۳۰) بلا شبہ جن لوگوں نے کہا کہ ہمارا پروردگار اللہ ہی ہے اور پھر اس بات پر قائم رہے۔

دوسری جگہ کہا:۔

فَاسْتَقِمْ كَمَا أُمِرْتَ (۱۱: ۱۱۲) پس چاہئے کہ جس طرح تمہیں حکم دیا گیا ہے (اے نبی) قائم ہیں (اپنی راہ میں) استوار ہو جاؤ۔

ولِلّٰہِ درما قال

روئے کشادہ باید و پیشانیٔ فراخ
آنجا کہ تیغ ہائے ید اللہ مے زنند

فی الحقیقت اس شہادتِ عظیمہ کی سب سے بڑی مزیت و خصوصیت یہ ہے کہ اپنے عزیز و اقارب اہل و عیال اور فرزند و احباب کے ساتھ دشتِ غربت و مصائب میں محصورِ اعدا ہونا اپنی آنکھوں کے سامنے اپنے جگر گوشوں کو شدتِ عطش و جوع سے آہ و فغان کرتے ہوئے دیکھنا۔ پھر ان میں سے ایک ایک کی خون آلود لاش کو اپنے ہاتھوں سے اٹھانا حتٰی کہ اپنے طفلِ شیر خوار کا بھی تیرِ ظلم و بربریت سے نخچیر ہونا۔ مگر بایں ہمہ راہِ حق و صداقت میں جو پیمانِ صبر و استقامت باندھا تھا۔ اس کا ایک لمحہ بلکہ ایک عشیر دقیقہ کے لئے بھی متزلزل نہ ہونا اور حق کی راہ میں جس قدر مصائب و اندوہ پیش آئیں۔ سب کو شکر و منت کے ساتھ برداشت کرنا کہ

رضینا بقضاء اللہ و صبرنا علی بلائہ (شہادت حسین ص۵۵ تا ۶۲)

مفکر اسلام مولینا مودودی کا مؤقف:۔

حضرت مولانا ابوالاعلیٰ مودودی عہد حاضر میں مسلمانانِ عالم کی جانی پہچانی شخصیت ہیں اور اس دور میں ان کی علمی کاوشیں یقیناً مسلمانوں کے لیے مشعل راہ ہیں فاضل موصوف کے فکر و نظر کی بلندی اور اسلامی اصول و مبادیات میں ان کی مجتہدانہ بصیرت علامہ موصوف کی بے شمار تالیفات سے ظاہر ہے۔

فاضل مذکور اپنے رسالہ "ترجمان القرآن" میں شہادت حسین علیہ السلام کے متعلق یوں فرماتے ہیں:۔

"کوئی شخص بھی جو امام حسینؓ کے گھرانے کی بلند اخلاقی سیرت کو جانتا ہے یہ بدگمانی نہیں کرسکتا۔ کہ یہ لوگ اپنی ذات کے لئے اقتدار حاصل کرنے کی خاطر مسلمانوں میں خونریزی کرسکتے تھے۔ ۔ ۔ ۔ کسی کا جی چاہے تو اسے حقارت کے ساتھ ایک سیاسی کام کہہ دے۔ مگر حسینؓ ابن علیؓ کی نگاہ میں تو یہ سراسر ایک دینی کام تھا۔ اسی لئے انہوں نے اس کام میں جان دینے کو شہادت سمجھ کر جان دی" (ترجمان القرآن جولائی ۱۹۶۰ء صفحہ ۳/۱۴)

چند غیر مسلم مفکرین کے تاثرات:۔

ہم نے سابقہ اوراق میں اسلام کے جلیل القدر مورخین مفکرین کے بیانات کی روشنی میں اس امر کو وضاحت سے بیان کیا ہے۔ کہ قطع نظر شیعہ سنی اختلاف آراء کے امام حسین علیہ السلام کا باطل کے مقابلہ میں محض اسلام اور حفاظت دین کی خاطر جان دینا اور شہادتِ عظمیٰ کے بلند مرتبہ پر فائز ہونا صدر اول سے لے کر آج تک تاریخ اور علم کلام کا مسلمہ اجماعی مسئلہ ہے۔

قرآن و حدیث اس واقعہ کی صداقت پر شاہد ہیں۔ اور اسلامی مورخین نے متفقہ طور پر اس حادثہ کبریٰ پر غم کے آنسو بہائے ہیں۔ ہم نے بطور نمونہ چند ایک مسلم اسلامی شخصیتوں

کے اقتباس ناظرین کی تسلّی کے لئے پیش کئے ہیں۔ ان پر مزید ضرورت تو اس بات کی نہیں رہی کہ حسینیتؑ کے تعارف کے سلسلہ میں بطور تائید کچھ اور پیش کیا جائے۔ .... مگر کیا کیا جائے۔ ہمارے مخاطب عباسی صاحب نے یزیدیت کی حمایت میں چند غیر مسلم مفکرین کے غیر سنجیدہ بیانات کو بھی اپنے موقف کی تائید میں پیش کیا ہے۔ اس لئے ہم یہ ضروری خیال کرتے ہیں۔ کہ ترکی بہ ترکی جواب دینے کے لئے مشہور اور مسلّم غیر مسلم مفکرین کے حسینیتؑ کے اقدام کے متعلق قابلِ قدر تاثرات کو بھی اپنے قارئین کرام کی خدمت میں پیش کیا جائے تاکہ اس حقیقت کا بھی انکشاف ہو جائے کہ اسوۂ حسینیؑ تمام عالمِ انسانیت کی نظر میں صراطِ مستقیم اور انسانی زندگی کی تاریک منزلوں میں بطور مشعلِ راہ ہے۔

ذیل میں ہم ان مندرجات کو شہیدِ انسانیتؑ کے فاضل مؤلف کے اعتماد و حوالہ سے پیش کرتے ہیں:۔

یورپ کی متمدن دنیا کے مصنفین اور ایشیا کے اہلِ قلم اور بڑے آدمیوں نے متفقہ طور پر اپنی عقیدت کا خراج حسینؑ کی بارگاہ میں پیش کیا ہے۔ اُن تصانیف میں جو تاریخِ اسلام یا تاریخِ عالم یا کسی ایسے موضوع پر لکھی ہیں جس کا کسی حیثیت سے واقعہ کربلا کے ساتھ لگاؤ پیدا ہوتا ہے۔ یا اُن تقریروں میں جہاں حسینی کارنامہ کا تذکرہ آیا ہے۔ یا ان پیغاموں میں جو محرم کے موقع پر نشر کئے گئے ہیں۔ بلکہ ڈاکٹر سر سید سلطان احمد کی لفظوں میں "اس حادثہ پر مؤرخین کا قلم خون کے آنسو روتا رہا ہے"۔

مشہور مورخ گبن اپنی تاریخ "زوالِ سلطنتِ روم" میں لکھتا ہے۔

"بعید ترین زمانوں اور بعید ترین اقلیموں میں بھی حسینؑ کی موت کے اندوہناک مناظر ٹھنڈی سے ٹھنڈی طبیعت کے آدمی بھی ہمدردی کے شعلے پیدا کئے بغیر نہیں رہ سکتے"۔

مسٹر براؤن اپنی مشہور کتاب "تاریخ ادبیات ایران" میں لکھتے ہیں کہ:۔

"حسینؑ کا قتل، مدینہ کی تاراجی، اور مکہ کا محاصرہ ان تین تاریخی چیرہ دستیوں میں پہلی چیرہ دستی ایسی تھی جس نے تمام اسلامی دنیا کو لرزہ براندام کر دیا۔ اور ایک شخص بھی جس کے سینہ میں جذبات تھے اس دردناک کہانی کو سُن کر بے چین ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔"

مسٹر جان پوئنگ چار سو شعر میں حسینؑ مظلوم کا دردناک مرثیہ لکھتے ہیں۔ اور کربلا کا خونیں منظر دکھلا کر آخر میں حسینؑ کی تعریف کرتے ہوئے اپنی رائے ظاہر کرتے ہیں کہ حسینؑ دبندۂ خدا پرست۔ فروتن، خلیق اور بے مثل بہادر تھے۔ حسینؑ سلطنت و حکومت کے لئے نہیں لڑے بلکہ خدا پرستی کے جوش میں" (رسالہ نظام المشائخ دہلی محرم ۱۳۲۹ھ)

مہاتما گاندھی۔ شہادت حسینؑ کی عظیم الشان نوعیت کا اعتراف ۸ر اپریل ۱۹۲۴ء میں یوں کرتے ہیں۔ کہ "میں نے کربلا کی المناک داستان اُس وقت پڑھی جبکہ میں نوجوان ہی تھا۔ اس نے مجھ کو دم بخود اور مسحور کر دیا۔"

ہز ایکسیلنسی سر کشن پرشاد فرماتے ہیں: "نہ فقط دنیائے اسلام بلکہ از آغاز تا انجام کوئی مثال دنیا میں واقعہ روح فرسائے ارض نینوا کے مثل ڈھونڈھنے سے بھی نہ ملے گی۔ یہ سانحہ اپنی نوعیت اور اہمیت کے لحاظ سے اپنی مثال خود ہی ہو سکتا ہے واقعہ کربلا ہی ایک ایسا واقعہ ہے کہ اس کے جزئیات پر نظر ڈالنے سے انسان کو تہذیب اخلاق کا پورا پورا میدان ہاتھ آتا ہے۔ مظلوم حسینؑ نے جس استقلال اور مضبوط ارادہ کے ساتھ دنیا میں صداقت اور حق کا علم گاڑا۔ وہ صرف اسی کی ذات سے ہو سکتا تھا۔ جس کو خدا نے ایسا بہادر دل دیا تھا۔"

سوامی شنکر آچاریہ فرماتے ہیں "میں نے حسینؑ سے بڑھ کر کوئی شہید نہ دیکھا اور حسینؑ کی شہادت کے اثر سے زیادہ کسی شہید کی قربانی کا اثر نہ ہوا۔"

پریم چند کی رائے ہے "معرکۂ کربلا دنیا کی تاریخ میں پہلی آواز ہے۔ اور شاید آخری بھی جو مظلوموں کی حمایت میں بلند ہوئی۔ اور جس کی صدا آج تک فضائے عالم میں

گونج رہی ہے؛"

پنڈت جواہر لال نہرو فرماتے ہیں "کسی کارنمایاں کی قدر و قیمت کا صحیح اندازہ اس سے کرنا چاہیئے۔ کہ اس کا دوسروں پر کتنا اثر مترتب ہوتا ہے۔ کس قدر وہ انہیں ابھار رہا ہے۔ کس قدر ان کو طاقتور بنا رہا ہے۔ اور کتنی شرافت و تہذیب ان میں پیدا کر رہا ہے۔ یہ حقیقت کہ لاتعداد نسلیں کربلا کی اس قربانی اور عظیم سانحے سے زبردست طریقہ پر اثر پذیر ہوتی آئی ہیں۔ خود اس بات کا ثبوت ہے۔ کہ یہ قربانی کس قدر لازوال قیمت رکھتی ہے؛"

دوسرے پیغام میں جو آپ نے اسی ۱۳۶۱ھ میں "حسین ڈے کمیٹی بمبئی"، کو بھیجا ہے۔ لکھا ہے:۔

"اس شہادت میں ایک عالمگیر پیغام ہے۔ حضرت حسین علیہ السلام نے اپنا سب کچھ قربان کر دیا۔ مگر ایک ظالم حکومت کے سامنے سر نہیں جھکایا۔ انہوں نے یہ خیال نہیں کیا۔ کہ ہماری مادی قوت دشمنوں کی مادی قوت کے مقابلہ میں کم ہے۔ ایمان کی قوت ان کے نزدیک سب سے بڑی قوت تھی۔ جو ہر مادی قوت کو ہیچ سمجھتی ہے۔ ہر فرقہ اور قوم کے لئے یہ قربانی شمع راہ ہدایت ہے؛"

ہز ہائی نس مہاراجہ جیواجی راؤ سندھیا گوالیار محرم ۱۳۶۱ھ کے پیغام میں فرماتے ہیں "رسول اسلام کے پیارے نواسے حضرت امام حسین نے ظالم کے مقابلہ کا پختہ ارادہ کر لیا تھا۔ وہ جور و تعدی کے سامنے سر جھکانے پر تیار نہیں تھے۔ ان میں عقیدہ اور ضمیر کی پختگی تھی۔ اعلیٰ ترین مقاصد اور بلند ترین نصب العین اُن کے سامنے تھے۔ اس لئے انہوں نے ایک بڑی اور طاقتور فوج کا دندان شکن مقابلہ کیا۔ وہ اور اُن کے ساتھی اس جنگ میں مارے گئے۔ دشمن کے ظلم و تعدی کا مقابلہ آپ نے خدا کے انصاف پر اعتماد رکھتے ہوئے اپنے اٹل ارادہ، اپنی بلند ہمت اور اس مستحکم عقیدہ سے کیا۔ کہ چاہے اس وقت جو کچھ

بھی ہو۔ مگر آخر میں حق اور صداقت ہی کو فتح نصیب ہوگی۔ تاریخ اسلام کا یہ یادگار واقعہ عقائد کے اختلاف اور نسل، رنگ اور مذہب کے تنگ نظریات سے بالاتر ہے۔ اور اس قابل ہے کہ نسلِ انسانی اس کو اپنے دلوں میں جاگزیں کرلے۔ اور قربانیوں کی پرواہ کیئے بغیر ادائے فرض کی اہمیت کو سمجھ لے۔"

سر ہائی نس نواب صاحب خیرپور اس موقع پر اپنے پیغام میں لکھتے ہیں: "انسانی تاریخ کوئی ایسی مثال پیش نہیں کر سکتی جبکہ اتنے مصائب کے مقابلہ میں حقانیت اور مذہب کی خاطر ایسی پرخلوص قربانی پیش کی گئی ہو۔ بہت سے بلند پایہ مصنفین نے اس بے مثال قربانی کی عظمت اور اس کے فلسفہ پر روشنی ڈالی ہے مگر پھر بھی ابھی بہت کچھ باقی ہے۔"

۱۳۶۱ھ کے موقع پر بمبئی کے عظیم الشان بین الاقوامی جلسہ میں سر بہرام جی جیجی بھائی نے بحیثیت صدر یوم الحسین کمیٹی تقریر فرماتے ہیں کہ "یہ ایک غیر معمولی واقعہ ہے کہ ایک خالص اسلامی جلسہ کی صدارت ایک ہندو کرے۔ اور اس کا استقبال ایک پارسی کے سپرد کیا جائے۔ مگر ہمیں تعجب نہ کرنا چاہیئے۔ کیونکہ یہ جلسہ اس مجسمۂ ایثار و قربانی کی یادگار منانے کے لیئے منعقد کیا گیا ہے۔ جس نے اپنی بے نظیر قربانی اور ایثار سے دنیائے انسانیت پر زبردست احسان کیا ہے۔"

بنارس ہندو یونیورسٹی کے وائس چانسلر سر رادھا کرشنن نے اس جلسہ کی صدارت فرماتے ہوئے اپنی تقریر میں ارشاد فرمایا کہ امام حسینؑ نے اپنی قربانیوں اور ایثار سے دنیا پر یہ ثابت کردیا۔ کہ دنیا میں حق و صداقت کو زندہ اور پائندہ رکھنے کے لیئے ہتھیاروں اور فوجوں کی بجائے جانوں کی قربانی پیش کرکے کامیابی حاصل ہو سکتی ہے۔ انہوں نے دنیا کے سامنے ایک بے مثال نظیر پیش کی ہے۔ آج ہم اس بہادر جان فدا کرنے والے اور انسانیت کو زندہ کرنے والے عظیم الشان انسان کی یادگار مناتے ہوئے اپنے دلوں میں فخر و مباہات کا جذبہ محسوس کرتے ہیں۔ امام حسینؑ نے ہمیں بتادیا ہے۔ کہ حق و صداقت

کے لئے اپنا سب کچھ قربان کیا جا سکتا ہے؛؛

بمبئی کے سابق وزیر اعظم مسٹر بی جی کھیر نے تقریر فرماتے ہوئے کہا کہ امام حسینؑ نے ہمیں جو سبق سکھایا ہے۔ وہ ہماری زندگی کے لئے چراغ کا کام دیتا ہے۔ یہ آسان بات ہے کہ حق اور سچائی کے لئے اپنی جان دیدی جائے۔ مگر یہ کام مشکل ہے کہ ہزاروں دشمنوں کے مقابلے میں چند گنے چنے ساتھیوں اور رشتہ داروں کو لے کر ان کا مقابلہ کیا جائے۔ اور یکے بعد دیگرے اپنی آنکھوں کے سامنے اپنے دوستوں اور رشتہ داروں کو قتل ہوتا ہوا اور گھروں کو لٹتا اور برباد ہوتا دیکھیں۔ انہوں نے تیرہ سو سال قبل جو سکھایا تھا۔ وہ آج تک ہم سیکھنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ امام حسینؑ صرف مسلمانوں ہی کے نہیں۔ بلکہ ہندوؤں کے بھی ہیں۔ اور ہندو مسلمان ان کے نقش قدم پر چل کر ظلم و ستم کے خلاف سینہ سپر ہو سکتے ہیں؛؛

بلبل ہند مسز سروجنی نائیڈو نے تقریر کرتے ہوئے کہا کہ حضرت امام حسینؑ نے آج سے تیرہ سو سال قبل دنیا کے سامنے جو پیغام اور اصول پیش کیا تھا۔ وہ اتنا بے نظیر اور مکمل تھا۔ کہ آج ہم اس کی یادگار منا رہے ہیں۔ میرے پاس ایسے کوئی الفاظ نہیں اور نہ دنیا کی کوئی ایسی فصیح و بلیغ زبان ہے۔ کہ جس کے ذریعہ میں ان جذبات عقیدت کو بیان کر سکوں۔ جو اس شہید اعظم کے لئے میرے دل میں ہیں۔ حضرت امام حسینؑ صرف مسلمانوں کے نہیں۔ بلکہ رب العالمین کے سارے بندوں کے لئے ہیں۔ میں مسلمانوں کو مبارکباد دیتی ہوں۔ کہ ان میں ایک ایسا بلند انسان گذرا ہے جسے دنیا کی ہر قوم یکساں طریقے سے مانتی ہے۔ اور اُن کی عزت کرتی ہے؛؛

آپ نے حسین ڈے کمیٹی بمبئی کے نام اپنے پیغام میں بھی کہا ہے: کربلا کا دردناک سانحہ آج بھی ویسا ہی تازہ، ویسا ہی دردانگیز اور ویسا ہی اثر خیز ہے۔ جیسا کہ اس روز تھا۔ جب اسلام کا یہ بہترین رہبر شہید کیا گیا تھا۔ تیرہ سو سال کے بعد بھی امام حسینؑ کی مثال حق و حریت کی تلاش رکھنے والوں کی رہنمائی کے لئے روشنی کا منارہ بنی ہوئی ہے۔ ان کی

ذات تمام اختلافات سے بالاتر ہے۔ وقت اور زمانہ کی قید سے آزاد ہے۔ اور برائیوں کے مقابلہ میں صداقت کی فتح کا لاثانی نشان ہے۔"

حیدرآباد دکن کے اجلاس یادگار حسینی کے موقع پر جو پیغام بھیجا ہے۔ وہ حسب ذیل ہے:۔

"اکثر جب لوگ مرتے ہیں۔ تو ان کی یاد بھی موسم خزاں میں پتوں کی طرح غائب ہو جاتی اور ختم ہو جاتی ہے۔ لیکن حضرت امام حسین علیہ السلام قسمت انسانی کی ان نادر اور منتخبہ ہستیوں میں سے ہیں جن کے نام افق تاریخ پر ایک روشن ستارہ کی طرح جگمگا رہے ہیں۔ شاید ہی کسی ہستی کو اسلام کے اس ہردلعزیز رہنما کی طرح ایسی غیر فانی شوکت اور حسن نصیب ہوا ہو۔ شاید ہی کوئی قصہ اتنا المناک اور دلدوز ہو۔ جتنا کہ قصہ کربلا ہے۔ جو آج تیرہ صدیوں کے بعد بھی لاکھوں کروڑوں انسانوں کو خون کے آنسو رلانے کی قابلیت رکھتا ہے۔ تیرہ صدیوں کے بعد بھی اس مقدس شہادت کی عظمت و شوکت ظلم اور باطل کے خلاف کشمکش کی اعلیٰ ترین نشانی ہے۔ اور انسانی آزادی اور حق پرستی کی راہ میں سب سے بڑھی ہوئی انسانی قربانی تھی۔"

ریورینڈ فادر پیلا تنس۔ ایس۔ جے۔ پی۔ ایچ۔ ڈی، ڈی عالم متبحر و سابق پرنسپل سینٹ ایکسویرس کالج بمبئی نے لکھا ہے: "امام حسین کی قربانی یقیناً تاریخ کا ایک عظیم الشان واقعہ ہے جس نے صداقت کو کذب پر فتح حاصل کرنے میں مدد پہنچائی ہے۔"

بابو راجندر پرشاد ایم۔ اے۔ ایل۔ ایل۔ ڈی سابق صدر نیشنل کانگریس لکھتے ہیں:۔

"کربلا کا واقعہ شہادت انسانی تاریخ کا وہ واقعہ ہے۔ جسے کبھی فراموش نہیں کیا جا سکتا اور جو دنیا کے کروڑوں مردوں اور عورتوں کی زندگی پر اثر ڈالتا رہے گا۔ ہندوستان میں اس واقعہ کی یادگار بڑی سنجیدگی سے منائی جاتی ہے۔ جس میں نہ صرف مسلمان حصہ لیتے ہیں بلکہ غیر مسلم افراد بھی مساویانہ دلچسپی کا اظہار کرتے ہیں۔

پروفیسر رگھوپتی سہائے فراق گورکھپوری (الہ آباد یونیورسٹی) لکھتے ہیں۔

حسین کا نام اس وسیع دنیا کے کروڑوں انسانوں کے لئے آبِ حیات ہے اس نام نے میری آنکھیں ہمیشہ اشک آلود کردی ہیں۔ حسین کی بلند اور پاکیزہ سیرت محسوس کئے جانے کی چیز ہے۔ ایسے الفاظ کا پانا آسان نہیں۔ جو اُن کے کردار کی عظمت کے مکمل مظہر ہوں۔ یوں تو ان کی سیرت۔ روحانیت اور آنسوؤں کی سب سے زیادہ تابناک روشنی میں کربلا (کرب و بلا) کے اندر چمک دکھاتی ہے۔ لیکن جو لوگ حسین کی زندگی سے کربلا میں شہادت واقع ہونے سے پہلے سے واقف ہیں۔ اُن کے لئے اس زندگی کی بے داغ اور استوار پاکیزگی، اس کی بشریت اس کا خلوص اور وقار، سچ کی عجیب اور سخت امتحان کے مقابلہ کی طاقت۔ یہ باتیں اتنی نمایاں ہیں۔ کہ بلا لحاظ مذہب و ملت ہر فرد سے بخوشی خراجِ عقیدت حاصل کرنے کا مطالبہ کرتی ہیں۔ ایسے ہیرو روز نہیں پیدا ہوا کرتے۔

کیا صرف مسلمان کے پیارے ہیں حسینؑ   چرخِ نوعِ بشر کے تارے ہیں حسینؑ
انسان کو بیدار تو ہو لینے دو   ہر قوم پکارے گی ہمارے ہیں حسینؑ

وہ دنیا کے بڑے سے بڑے خدا رسیدہ رشیوں اور شہیدوں کے ہم پلہ ہیں۔ اُن کا نام اور اُن کا کام۔ اُن کی زندگی اور موت کے واقعات اُن نسلوں کی روحیں پیدا کریں گے جو ابھی پیدا نہیں ہوئیں۔

دستور کیخسرو مہیار کتور پیشوائے اعظم فرقہ پارسی بمبئی فرماتے ہیں:-

"اگر شہدائے اعظم کی قربانیاں نہ ہوتیں تو دنیا اخلاق، مذہب اور صداقت سے ناآشنا رہتی دنیا ان شہدا کی ممنون ہے۔ جنہوں نے موت کو ذلت پر ترجیح دی۔ امام حسین ان شہدا میں ہیں جنہوں نے انسانیت کی خدمت کے لئے جان دی۔ ہم کو ان کی یاد اپنے عمل سے منانا چاہئے۔ اور ان کی قربانیوں سے سبق لینا چاہئے۔"

کیپٹن۔ ایل۔ ایچ نیتنٹ جے۔ پی۔ ڈپٹی کلکٹر ممالک متحدہ نے ایک کتاب سنہ ۱۹۳۰ء میں لکھی تھی۔ اس میں شاہانِ اودھ کے حالات، ہندوستان کے خاص خاص مذہبی

تہواروں کا ذکر اور بعض دوسری حکایتیں ہیں۔ منجملہ ان کے ایک مضمون "محرم اور تعزیہ داری" پر ہے۔ اُس میں تعزیہ داری کی کیفیت کا ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں۔ اسی طرح دنیائے اسلام اس واقعہ کی یاد مناتی ہے جو نہایت ہی دردناک تھا۔ اور تاریخ میں بے نظیر۔ خصوصاً اس وجہ سے کہ جام شہادت پی کر آپ نے اسلام کو صفحۂ ہستی سے محو ہونے سے بچالیا۔ (اس کے بعد آپ نے مؤثر طور پر واقعہ کربلا کا مختصر حال تحریر کیا ہے۔

مسٹر کے۔ ایل رلیا رام ہندوستانی عیسائیوں کے بہت بڑے لیڈر ہیں آپ نے ملتان میں حسینی جلسہ کے خطبۂ صدارت میں فرمایا: "اور اُس شخص کی زندگی پر کیا لکھوں۔ جو روئے زمین پر حق و صداقت کا علم بلند کرنے والا پہلا فرد ہے۔ امام حسین کی شہادت کا واقعہ کسی ایک قوم سے متعلق نہیں ہے۔ امام اس وقت اپنی بلند سیرت کا اظہار فرما کر آنے والی قوموں کے سامنے ثبات و استقلال، صبر و سکون اور حق پسندی کا ایک کامل نمونہ رکھ گئے ہیں۔ تاکہ اُن کی قربانی کو سامنے رکھ کر ظالموں اور جفاکاروں کے سامنے سرِ تسلیم خم نہ کریں۔ کربلا کے میدان میں امام حسینؑ کی سیرت کے وہ وہ جوہر کھلے ہیں۔ جن پر غور کر کے انسان انگشت بدنداں رہ جاتا ہے۔ اس چودھویں صدی میں جبکہ دنیا انسانیت اور صداقت سے سیکڑوں کوس دُور ہٹ گئی ہے۔ آپ کی بلند سیرت قوموں کے لئے شعلِ ہدایت کا کام دے سکتی ہے۔ امام نے چونکہ حق و صداقت کے ایک عام اصول کے لئے جان دی۔ اس لئے ہر قوم و مذہب کے لوگ آپکی مظلومیت اور فداکاری پر آنسو بہاتے ہیں۔ دُنیا سے سینکڑوں سلطنتیں مٹ گئیں۔ ہزاروں بڑے بڑے انسان پیوند زمین ہو گئے۔ کہ آج کوئی اُن کا نام بھی نہیں لیتا لیکن امام نے اپنی قربانی سے تاریخ پر ایسا نقش چھوڑا ہے۔ جو اپنی پائداری سے جریدۂ عالم پر ہمیشہ کے لئے ثبت ہو گیا ہے۔ دنیا بدل جائے گی۔ عالم ظاہر کے آب و رنگ میں تغیر آجائے گا لیکن ظالم اور مظلوم باقی رہیں گے۔ اور جہاں بھی حق و صداقت جبر اور ظلم سے برسرپیکار

ہو گی۔ وہاں حسینؑ اور یزید کو یاد کیا جائے گا۔ ہر دور میں یزید پیدا ہوتے رہیں گے لیکن حسینؑ جیسا صداقت پسند، بلند سیرت، کا انسان اب پیدا نہ ہو گا۔ امام حسین کے اصول کی ہمہ گیری ایک ایسا واقعہ ہے جس پر تمام قوموں کے اتحاد کی بنیاد رکھی جا سکتی ہے۔

اندور میں حسین ڈے کا نفرنس ہوئی۔ ہز ہائی نس مہاراجہ ہُلکر آف اندور نے پیغام بھیجا جس میں فرماتے ہیں "آج اس جلسہ کو تمام اقوام و مذاہب کے لوگ مشترکہ طریقہ سے کر رہے ہیں۔ جس میں امام حسینؑ کے اس کارنامہ سے سبق حاصل کریں گے۔ جو آپ نے آزادی کے لئے وحشیانہ طاقت کا مقابلہ کرتے ہوئے اپنی جان کی بازی لگا کر وہ عظیم الشان قربانی دکھائی جس سے حق اور انصاف کو دنیا میں قائم کر دیا۔ اگر تمام ملک میں اس قسم کے جلسے ہونے لگیں۔ تو مجھے یقین ہے کہ تمام قوموں اور مذہبوں میں اتحاد و اتفاق ہو جائے۔

فریڈرک جے گولڈ نے لکھا ہے کہ اگر میں نوجوانانِ ایشیا۔ افریقہ۔ آسٹریلیا۔ امریکہ اور یورپ کو عراق کے میدان میں جمع کر سکوں۔ اور اگر میں حسینؑ اور عباسؑ کے روضوں کے درمیان کربلا میں کھڑا ہو سکوں۔ اور اگر میری زبان اور لب و لہجہ سب لوگ سمجھ سکیں۔ تو میں حسینؑ کی زندگی اور موت کے اندرونی اور روحانی پیغام کے متعلق گفتگو کرونگا حسین انسانیت کاملہ کا بہترین نمونہ تھے۔ جبکہ وہ ریگستانوں میں، دریاؤں میں، نفرت اور بیرحمی کی تاریک گھاٹیوں میں امن اور ہمدردی کی دعوت دے رہے تھے۔ اُن کی عملی زندگی میرے نزدیک ایسی ضرب المثل ہے۔ جو عالمگیر معنی رکھتی ہے"۔

یہ ہیں وہ حسین علیہ السلام۔ جن کو ساری دنیا کے مسلمان اور غیر مسلمان خراج عقیدت پیش کر رہے ہیں۔ مگر اسلام کے دشمن اسلامی لبادوں میں ہی اللہ کے نور کو بجھانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ لیکن انہیں یاد رکھنا چاہئے ؎

فانوس بن کے جس کی حفاظت ہوا کرے
وہ شمع کیوں بجھے جسے روشن خدا کرے

امیر شام معاویہ بن ابو سفیان
کی
سیرت و کردار

بنو امیہ کے خاندانی حالات اور ان کی سیرت و کردار کے متعلق ہم اس کتاب کے پہلے حصہ میں تفصیل سے گفتگو کر چکے ہیں۔ اور اسی ضمن میں چشم و چراغ دودمانِ اموی امیر شام معاویہ بن ابو سفیان کے جستہ جستہ حالات اور اس کی سیرت و کردار کے متعلق بھی تھوڑا بہت لکھا جا چکا ہے۔ لیکن اس کے مخصوص اور انفرادی حالات نیز اس کے فضائل اور اولیات و بدعات اور اہل بیتؑ کرام و صحابہ و تابعین کے ساتھ برتاؤ کے متعلقہ واقعات و حقائق کو بھی بحوالہ کتب اہل سنت ہم پیش کرنا ضروری خیال کرتے ہیں۔ نیز اس کی صحابیت اجتہاد اور کتابت وحی اور اس کی سیاست پر بھی چند اہل علم کی آراء کو بطور شہادت قلمبند کرنا چاہتے ہیں۔ اس سلسلے میں سب سے پہلے یہ ضروری ہے۔ کہ ہم امیر شام کے نام و نسب کے متعلق بھی اپنے ناظرین کو آگاہ کرتے چلیں۔ علامہ زمخشری کے حوالہ سے ڈاکٹر نوری جعفر بغداد لکھتے ہیں۔

علامہ زمخشری نے بیان کیا ہے۔ کہ معاویہ کی ولادت مشکوک ہے۔ چار شخصوں کی طرف منسوب کئے جاتے ہیں۔ مسافر بن عمر، عمارہ بن ولید بن مغیرہ۔ عباس بن عبد المطلب عمارہ بن ولید کا مغنی صباح۔ صباح جو ابو سفیان کا نوکر تھا۔ بہت خوبصورت جوان تھا ہندؔ نے اس کو ورغلایا۔ اور اس نے اس کے ساتھ منہ کالا کیا۔ ابو سفیان پستہ قد اور بدصورت تھا۔ کہا جاتا ہے کہ عتبہ بن ابی سفیان بھی صباح کے نطفہ سے ہے۔ مشہور ہے کہ ہند کو گوارا

نہ ہوا کہ اپنے گھر میں بچہ جنے، پہاڑوں کی طرف نکل کر اس نے وضع حمل کیا۔ جس زمانہ میں اسلام لانے والے مہاجرین اور مشرکین کے درمیان ایک دوسرے کی ہجو ہو رہی تھی۔ تو حسان بن ثابت نے فتح مکہ کے سال پیغمبر کی زندگی میں یہ اشعار کہے:۔

لمن الصبی بجانب البطحاء — فی التراب ملقی غیر ذی مہد

نجلت بہ بیضاء آنسۃ — من عبد شمس صلتۃ الخد

وادی بطحا کے پہلو میں یہ بچہ کس کا ہے۔ جو خاک پر پڑا ہوا ہے اور دودھ پلانے والا کوئی نہیں۔

اس بچہ کو ایک خوبصورت سخت رخسار والی عورت نے جنم دیا ہے جو عبد شمس کی نسل سے ہے۔

علامہ ابن حجر عسقلانی نے اصابہ جلد ۳ ص ۴۱۲ میں بیان کیا ہے۔ کہ معاویہ لانبے قد اور گورے رنگ کے تھے۔ (بنی امیہ اور ان کی جنگ اسلام سے ص ۱۵۵، ۱۵۶)

امیر شام معاویہ بن ابو سفیان کے نسب کے سلسلہ میں جیسا کہ ہم ذکر کر چکے ہیں۔ چار آدمیوں کا نام لیا جاتا ہے۔ اور ان چاروں میں سب سے زیادہ معاویہ کے نطفہ کی نسبت جس شخص کی طرف دی جاتی ہے۔ وہ عباس بن عبد المطلب ہیں۔ خود معاویہ کے سامنے لوگ برملا کہہ دیا کرتے تھے۔ اور امیر شام بکمال حلم و بردباری سماعت فرما لیا کرتے تھے۔ تاریخ میں ایک واقعہ ایسا بھی پایا جاتا ہے جس میں معاویہ نے خود بھی یہ اعتراف کر لیا تھا کہ بعض قریش مجھے عباس زادہ ہی تصور کرتے ہیں۔ جیسا کہ ذیل کے واقعہ سے ظاہر ہے:۔

ایک دفعہ یزید بن معاویہ اور اسحاق بن طابہ کے درمیان معاویہ کے سامنے ہی کچھ ترش کلامی واقع ہو گئی۔ یزید نے طعنہ مارتے ہوئے اسحٰق کو کہا کہ تمہارے اس سے بڑھ کر اور کیا وجہ مسرت ہو سکتی ہے۔ کہ تمہارے ساتھ بنی حرب سب کے سب جنت میں چلے جائیں گے (یزید کا یہ بات کہنے سے یہ اشارہ تھا کہ اسحاق کی ماں نو حرب کے ساتھ تہتم تھی)

اس پر اسحٰق نے جواب دیا۔ اے یزید تیرے لئے یہ خوبی ہے کہ سب بنی عباس تیرے ساتھ جنت میں چلے جائیں گے۔ یزید تو نہ سمجھ سکا۔ مگر امیر معاویہ بھانپ گئے۔ اسحٰق کے چلے جانے کے بعد معاویہ نے یزید کے سامنے اس مسئلہ کو حل کیا۔ اور کہا کہ تم لوگوں کو کیسے برا بھلا کہتے ہو جبکہ تمہیں اپنے متعلق بھی علم نہیں۔ یزید نے کہا کہ میں تو اسحٰق کو ذلیل کرنا چاہتا تھا۔ معاویہ نے کہا اور تجھے اس نے ذلیل کر دیا۔ یزید نے کہا کہ وہ کیسے۔ معاویہ کہنے لگے۔ افا علمت ان بعض قریش فی الجاهلیة یزعم انی للعباس۔ کیا تمہیں علم نہیں کہ بعض قریشی زمانہ جاہلیت میں یہ خیال کرتے تھے کہ میں عباس بن عبدالمطلب کے نطفہ سے پیدا ہوا ہوں۔"

(تذکرہ خواص الامۃ ص۲۱۳ مطبوعہ عراق)

غالباً انہی حقائق کے پیش نظر حضرت پیغمبرؐ خدا کو بھی معاویہ کی ماں اور اپنے چچا عباس کے خفیہ یا علانیہ تعلقات کا علم تھا۔ چنانچہ مادر معاویہ ہندہ جب پیغمبرؐ اسلام کی خدمت میں بیعت کے لئے حاضر ہوئی اور شرائط اسلام اس کے سامنے پیش کئے گئے۔ اس نے انہیں قبول کیا منجملہ دیگر باتوں کے جو اس میں اور پیغمبرؐ میں ہوئیں۔ یہ بھی ہے کہ پیغمبرؐ نے فرمایا۔ تم میری بیعت کرو اس امر پر کہ تم اپنی اولاد کو قتل نہ کرو گی۔ دوسری شرط یہ ہے کہ تم زنا نہ کرو گی۔ ہندہ نے کہا کہ ہم نے تو اپنی اولاد کو بچپن میں کلیجہ سے لگا کر پالا۔ وہ جب بڑے ہوئے۔ تو آپ نے بدر میں انہیں تہ تیغ کر دیا۔ دوسری شرط کے جواب میں ہندہ نے کہا کہ کیا شریف عورت بھی زنا کرتی ہے۔ اس پر رسول اللہؐ نے اپنے چچا عباس کی طرف مڑ کر دیکھا اور مسکرا دیئے

(تاریخ الخضری مطبوعہ مصر ص۷۶)

کسی انسان کی سیرت نگاری اور اس کے کردار کے متعلق تحقیق کرنے کے لئے یہ ضروری ہوتا ہے کہ اس کے خاندان پر نگاہ ڈالی جائے۔ اور یہ بھی دیکھا جائے کہ اس نے کس ماحول میں پرورش پائی تھی۔ چنانچہ جب ہم امیر شام کے خاندانی حالات پر نگاہ ڈالتے ہیں۔ تو پتہ چلتا ہے۔ کہ زمانہ جاہلیت کے عرب معاشرہ میں خاندان بنو امیہ ذلیل ترین خاندان تھا کوئی

بھی باعظمت گھرانہ ان کو اپنے میں شریک کرنا پسند نہیں کرتا تھا۔ اخلاق و کردار کے لحاظ سے بھی یہ سب مرد و زن وحشی تریں اور بد فطرت قسم کے لوگ تھے۔ اس سلسلہ کا مشہور فرد ابوسفیان تاریخ میں اپنی بدکرداری کے لحاظ سے بہت ہی مشہور ہے۔ اور ساتھ ہی اسکی رفیقۂ حیات مادر معاویہ ہند جو ذوات الاعلام میں سے تھی بھی اپنے مخصوص کردار کے لحاظ سے تاریخ کی اہم شخصیت ہے امیر شام معاویہ بن ابوسفیان جس کے حالات کو ہم لکھ رہے ہیں انہی دو شخصیتوں کے اخلاق سوز ماحول میں تربیت پذیر ہو کر جوان ہوا۔ اور تمام عادات و خصائل کو بطور ورثہ حاصل کر کے اپنے ماں باپ کے دوش بدوش اسلام کے خلاف ہمیشہ ہی برسر پیکار رہا۔ یہی وجہ تھی کہ معاویہ کے دل میں اسلام کی کوئی وقعت نہ تھی۔ مکاری، چالاکی، اور ابن الوقتی گویا اسے تربیت کے طور پر دی گئی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ یہ ہوشیار ولائق فرزند اپنے والدین کے خوابوں کی مکمل تعبیر ثابت ہوا۔ یہ ابوسفیان جیسے باپ اور ہند جیسی ماں کی نگرانی اور ان کی آغوشِ تربیت کا ہی اثر تھا۔ کہ معاویہ میں سوائے کینہ وحسد وبغض وفساد کے اور کچھ نہ ہو سکا۔ دنیا میں آنکھ کھولتے ہی باپ کو اسلام کا جانی دشمن پایا۔ اور اپنی ماں کو اسلام کے خلاف جنگوں میں شریک ہوتے دیکھا۔

ابوسفیان اور ہند اور لائق وہونہار فرزند معاویہ کی قیادت میں تمام بنوامیہ پیغمبرؐ اور اسلام کے خلاف نت نئے محاذ بناتے رہے۔ بنو امیہ نے نورِ اسلام کو بجھانے میں اپنی پوری قوت صرف کر دی۔ جناب ختمی مرتبتؐ کو نشانہ بنا کر طرح طرح کی تکلیفیں پہنچائیں۔ ان تکلیف پہنچانے والوں میں جو لوگ بھی تھے۔ ان سب کی کمان اور قیادت ابوسفیان اور ہندہ کے ہاتھ میں تھی۔ اور معاویہ اپنے والدین کے دوش بدوش خلاف اسلام تحریکات میں برابر کا حصہ دار رہا۔ اس بے دین خاندان نے پیغمبرؐ اور اصحاب پیغمبرؐ کے ساتھ جو کچھ کیا اور ابوسفیان واس کی بیوی ہندہ کی قیادت میں جو جو ایذا رسانیاں خدا کے برگزیدہ نبیؐ کو پہنچیں۔ ان کا مختصر سا خاکہ چند سطور میں درج ذیل ہے۔

قیادتِ ابوسفیان وہند

اور

ایذارسانی پیغمبرؐ

بنی امیہ اور انہی جیسے مشرکین نے پیغمبرؐ کو اذیت دینے کے نت نئے اور ذلیل سے ذلیل طریقے جو ایجاد کئے انہوں نے نضر بن حرث اور عقبہ بن ابی معیط کو احبار یہود کے پاس بھیجا کہ وہ مجتمع ہو کر آئیں اور پیغمبرؐ کے دعوئے نبوت کو غلط ثابت کریں۔ عبداللہ بن ابی ربیعہ عمرو بن عاص کو حبشہ کی طرف روانہ کیا۔ کہ نجاشی سے کہہ سُن کر ان مسلمانوں کو جو مشرکین کی اذیتوں سے تنگ آکر ہجرت کر کے حبشہ چلے گئے تھے۔ وہاں سے نکلوا دیں جو بے کس و بے یار مسلمان تھے انہیں جانکاہ اذیتیں پہنچائیں۔ جیسے بلال بن رباح مؤذن رسولؐ۔ عمار بن یاسر اور ان کے والدین خباب بن ارت، صہیب بن سنان رومی، عامر بن فہیرہ، ابی فکیہہ، لبیبہ کنیز بنی نوفل بن حبیب بن عدی بن کعب، زنیرہ۔ نہدیہ۔ ام عبیس اور دیگر صحابہ وصحابیات۔

اسلام لانے والوں کو مبتلائے عذاب کرنا۔ یہ بھی پیغمبر کو اذیت پہنچانے کا ایک طریقہ تھا۔ جب بنی امیہ نے اندازہ کیا کہ مسلمانوں کو جتنی بھی اذیتیں پہنچائی جاتی ہیں۔ وہ اسلام میں اور راسخ ہوتے جا رہے ہیں۔ اور پیغمبرؐ اپنے مشن کی تبلیغ میں اسی طرح سرگرم ہیں۔ تو ان کے سرداروں نے سوچا کہ پیغمبر کی سرگرمیاں دوسرے طریقوں سے روکی جائیں۔ چنانچہ عتبہ و شیبہ فرزندانِ ربیعہ بن عبدالشمس ابوسفیان بن حرب بن امیہ پر مشتمل ایک وفد ابوطالب کے پاس آیا۔ اور ان سے درخواست کی۔ کہ آپ اپنے بھتیجے کو ہمارے معبودوں کو بُرا کہنے سے روک دیں۔ مگر ابوطالب نے ان کی شکایتوں پر کوئی توجہ دی۔ بلکہ اپنے بھتیجے کا دل

اور قوی کر دیا۔ فریضۂ رسالت کی ادائیگی پر اور ان کی ہمت افزائی کی۔

اس تدبیر کی ناکامی پر بنی امیہ نے ایذا رسانی رسولؐ کی ایک نئی تدبیر سوچی پیغمبرؐ کی خدمت میں آنے جانے والوں سے کہنے لگے۔ کہ رسول اللہ جادوگر ہیں۔ دیوانے ہیں۔ غرض یہ تھی کہ اس طرح دائرۂ ایمان وسیع نہ ہونے پائے۔ مگر اس سے بھی کوئی فائدہ نہ ہوا۔ اب وہ دشمنی و عداوت پر بالکل ہی تل گئے اور ایک جماعت مرتب ہوئی۔ کہ کھلم کھلا پیغمبرؐ کو اذیتیں پہنچائی جائیں پیش پیش ان میں ربیعہ کے دونوں فرزند عتبہ و شیبہ اور عقبہ بن ابی معیط، ابوسفیان حکم بن ابی العاص، عاص بن وائل سہمی وغیرہ تھے۔ یہ لوگ پیغمبرؐ کا مذاق اڑاتے تحقیر کرتے سخت سست سناتے اور نت نئی تکلیفیں پہنچاتے۔ مروان کا باپ حکم بن ابی العاص سب سے زیادہ پیغمبرؐ کو اذیتیں پہنچاتا۔ اور آپ کا مذاق اڑاتا۔ ہر طرح کی زیادتی کرتا۔ رحمۃ للعالمین پیغمبرؐ اور خلق عظیم پر فائز رسولؐ کو اس کی ایذا رسانیوں سے اتنی ہی تکلیف ہوئی تھی کہ آپ نے اقتدار قائم ہونے پر اس حکم کو اہل و عیال سمیت طائف کی طرف نکال باہر کیا تھا۔ اور مدینہ آنے کی اجازت نہ تھی۔

بنی امیہ کی ایذا رسانی صرف مردوں ہی تک محدود نہ رہی۔ بلکہ ان کی عورتیں بھی اس معاملے میں ان کے دوش بدوش تھیں۔ سب میں آگے ام جمیل تھی جسے قرآن نے حمالۃ الحطب کے لفظ سے ذکر کیا ہے۔ مگر ان تمام کارستانیوں سے بنی امیہ کو کچھ بھی فائدہ نہیں پہنچا۔ اسلام دن دونی، رات چوگنی ترقی کرتا ہی گیا۔ اب انہوں نے بنی ہاشم کا مقاطعہ کر دیا۔ جس کی وجہ سے بنی ہاشم کو تین سال تک فقر و فاقہ کی زندگی بسر کرنی پڑی۔ آخری تدبیر بنی امیہ اور ان کے پیرودں نے یہ نکالی۔ کہ پیغمبرؐ کو دھوکے سے رات کو قتل کر ڈالا جائے۔ مگر یہ چال بھی ناکام رہی پیغمبرؐ مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت کر گئے۔ اور علیؑ کو اپنے بستر پر سوتا چھوڑ گئے۔ جب آنحضرتؐ مدینہ میں منتقل ہو گئے۔ تو بنی امیہ نے اپنی طاقت اکھٹا کی۔ مشرکین قریش اور ان کے حلیف یہودیوں کو ساتھ لے کر کھلے ہوئے میدانِ جنگ میں پیغمبرِ اسلام سے مقابلہ کی ٹھانی لشکر

کی قیادت عقبہ بن ربیعہ معاویہ کے نانا ابوسفیان اور حکم بن ابی العاص کے ہاتھوں میں تھی۔ بدر کی گھمسان لڑائی ہوئی۔ بنی امیہ کے نامی افراد عتبہ۔ شیبہ۔ ابن عقبہ، عقبہ بن ابی معیط قتل ہوئے۔ ابو العاص بن الربیع۔ عمرو بن ابوسفیان اسیر ہوئے معاویہ قتل اور گرفتاری دونوں سے بچ گئے۔ کیونکہ وہ میدان جنگ ہی سے بھاگ نکلے تھے۔

اب ابوسفیان کے کینہ و عداوت کی کیا انتہا ہو سکتی تھی۔ بدر کی لڑائی نے شرک کی وہ عمارت متزلزل کر دی۔ جس کے سایہ میں ابوسفیان کے دن بسر ہوئے تھے۔ اس نے ہر ممکن طریقے سے مشرکین کے دلوں میں پیغمبرؐ کی عداوت پیدا کی۔ مشرکین کو منع کر دیا۔ کہ اپنے مقتولین پر رویئیں نہیں۔ شعرا کو روک دیا کہ مقتولین کا مرثیہ نہ کہیں نہ ان کا تذکرہ کریں۔ جن جن مشرکین کے اعزہ مقتول ہوئے۔ انہیں اس کی تاکید کی کہ صبر و ضبط سے کام لو۔ غرض یہ تھی کہ رو دھو کر اُن کا غم و غصہ فرو نہ ہو جائے۔ بلکہ جذبۂ انتقام کی آگ اُن کے دلوں میں بھڑکتی رہے۔ اس نے مشرکین سے کہا تھا "فانتم اذا عحتم علیھم و یکیتوھم بالشعر اذھب ذالک غیظکم فالعلکم عن عداوۃ محمدؐ و اصحابہ (واقدی، مغازی رسول صفحہ ۹۵ و ۹۶) جب تم ان پر نوحہ کرو گے تو تمہارا صدمہ زائل ہو جائے گا۔ انتقام کی آگ ٹھنڈی ہو جائے گی۔ محمدؐ اور اُن کے اصحاب کی دشمنی سے تم بیٹھ رہو گے۔ مزید برآں اگر محمدؐ اور اُن کے اصحاب کو تمہارے رونے پیٹنے کی خبر ملے گی تو وہ خوش ہوں گے۔ اور ان کی خوشی سب سے بڑی مصیبت ہے۔ قوی امید ہے کہ تم اپنا انتقام لے لو آج سے سر میں تیل لگانا۔ عورت کے پاس جانا حرام ہے میرے لئے جب تک میں محمدؐ سے جنگ نہ کروں۔

لطف کی بات یہ کہ ایک شخص کے تین فرزند جنگ بدر میں مقتول ہوئے۔ اور وہ اپنے لڑکوں پر رونا چاہتا تھا۔ لیکن وہ ابوسفیان کے ڈر سے نہیں رو پاتا۔ وہ اسی کشمکش میں تھا۔ کہ ایک عورت کے چیخیں مار مار کر رونے کی آواز کان میں آئی۔ اس نے اپنے غلام کو بھیجا۔ کہ جا کر پتہ چلاؤ کیا قریش اپنے مقتولین پر رو رہے ہیں۔ شاید ہمیں بھی رونے کا موقع مل جائے۔ میرے سینے میں

آگ لگی ہوئی ہے۔ غلام گیا۔ اور خبر لایا۔ کہ ایک عورت کا اونٹ کھو گیا ہے۔ اس پر رو رہی ہے
اس شخص نے اپنے سر کو حرکت دی اور یہ شعر پڑھے ؎

اتبکی ان یضل لہا بعیر ۔۔۔ ویمنعہا من النوم السہود
ولا تبکی علی بدر ولکن ۔۔۔ علی بدر تقاصرت الجدود

"اونٹ کے گم ہو جانے پر وہ عورت گریہ و فغاں کر رہی ہے۔ اور اس کی آنکھوں کی نیند اڑ گئی ہے۔ اور میں بدر کے اپنے مقتولین پر نہ روؤں۔ حالانکہ اسی بدر میں رخسارے خاک میں مل گئے ہیں"

غرضیکہ بدر کے بعد جو جنگ واقع ہوئی وہ تمام تر ابوسفیان کی کوششوں سے ہی اس کا سرغنہ تھا۔ اسی نے مشرکین کو برانگیختہ کر کے پیغمبرؐ کے خلاف اکٹھا کیا تھا۔ حد یہ ہے کہ اس جنگ احد میں وہ عورتوں کو بھی گھروں سے نکال کر لے گیا۔ خود ابوسفیان کی دو بیویاں تھیں ایک ہندہ جگر خوارہ اور دوسری کوئی اور صفوان بن امیہ بھی اپنی دو عورتوں کو لے گیا۔ طلحہ اور حارث۔ ابن ہشام اپنی اپنی بیویوں کو لے کر گئے۔ حارث بن سفیان اپنی بیوی کو لے گیا۔ کنان، سفیان بن عویف اپنی بیوی کو۔ نعمان اور جابر اپنی اپنی ماؤں کو لے گئے۔ خناس بنت مالک اپنے بیٹے کے ساتھ گئی۔

احد کی طرف جاتے ہوئے راستہ میں مقام ابوا پڑا۔ جہاں حضرت رسالتمآبؐ کی مادر گرامی جناب آمنہ کی قبر تھی۔ ابوسفیان نے مشرکین کے سامنے تجویز رکھی کہ مادر رسولؐ کی قبر کھود کر ان کی ہڈیاں نکال لی جائیں۔ اگر محمدؐ نے تمہاری عورتوں کو گرفتار کر لیا۔ تو یہی ہڈیاں نکال کر پیش کر دی جائیں گی۔ کہ دیکھو یہ تمہاری ماں کی ہڈیاں ہیں۔ اگر وہ اپنی ماں سے سچی محبت کرتے ایسے ہیں۔ تو ان ہڈیوں کو لے کر ہماری عورتوں کو واپس کر دیں گے۔ اور اگر وہ ہماری کسی عورت کو گرفتار نہ کر سکے تو ان ہڈیوں کے بدلہ میں مال کثیر ان سے وصول کیا جا سکے گا۔ ابوسفیان نے بہت چاہا۔ کہ معززین قریش اس پر حامی بھریں۔ مگر ان لوگوں نے سختی سے انکار کر دیا اور کہا۔

اس کا ذکر بھی نہ کرو۔ (واقدی کی مغازی رسولؐ ص۱۵۵ تا ۱۶۰)

جنگ احد کے واقعات مشہور عالم ہیں۔ ابوسفیان نے اس جنگ میں جو رول ادا کیا ہے۔ اس کے تذکرہ کی حاجت نہیں۔ مختصر یہ کہ وہ قریش کے تمام مشرکین کو محاذ جنگ پر کھینچ لایا تھا۔ اور لشکر کی ترتیب اس انداز سے کی۔ کہ مسلمانوں کو آسانی سے شکست دے دی جائے زمانہ جاہلیت میں رایت لشکر بنی عبدالدار کے لئے مخصوص ہوا کرتا تھا۔ وہی علمدار لشکر ہوتے اس نے میمنہ لشکر پر خالد بن ولید کو رکھا۔ میسرہ پر عکرمہ بن ابی جہل کو اور سواروں پر عمرو بن عاص کو مقرر کیا۔ اور بنی عبدالدار سے کہا۔ ہم اچھی طرح جانتے ہیں۔ کہ علم لشکر کے اٹھانے کے تمہیں لوگ ہم سے زیادہ حقدار ہو۔ مگر تم لوگ آج کے دن علم لشکر کی حفاظت کر سکو تو علم اٹھاؤ۔ ورنہ پھر ہمارے لئے چھوڑ دو۔ بنی عبدالدار بگڑ گئے کہ واہ ہم اپنا علم دوسرے کو دیدیں؟ یہ ہرگز نہ ہوگا۔ وہ نیزے تانے ہوئے آگے بڑھے۔ اور علم کو انہوں نے اپنے حلقے میں لے لیا۔ یہ چال اسی لئے چلی گئی تھی۔ کہ بنی عبدالدار علم کی حفاظت کے لئے جان کی بازی لگادیں۔ اور جب علم بلند رہے گا۔ قریش کے دل مضبوط رہیں گے۔ ابوسفیان کی بیوی ہندہ بھی اپنے شوہر سے کم مشرکین کو برانگیختہ کرنے والی نہیں تھی۔ اسی نے وحشی کو جناب حمزہؓ کے قتل پر ابھارا تھا۔

یہ تو ایک پہلو تھا دین الہٰی سے بنی امیہ کی عداوت کا۔ انہوں نے وہ خونریز جنگ پیغمبرؐ سے چھیڑی۔ کہ پیغمبر کو یکسوئی خاطر نصیب نہ ہوئی۔ جنگ بدر ہی پر انہوں نے اکتفا نہ کی بلکہ اس سے فارغ ہو کر دوسری جنگ کی بنیاد ڈال دی۔ بدر کے بعد ہی اُحد کی لڑائی واقع ہوئی۔ اس جنگ میں پیغمبر کے چچا جناب حمزہ شہید ہوئے۔ بنی امیہ نے اُن کی لاش کے ساتھ وہ بدترین سلوک کیا۔ جو ہمیشہ اُن کے ماتھے پر کلنک کا ٹیکہ رہے گا۔ قریب تھا کہ بنی امیہ اور ان کے حلیف کفار مشرکین چراغ نبوت کو خاموش کر دیں اور اپنے خیال میں وہ پیغمبر کو موت کے گھاٹ اتار ہی چکے تھے۔ اگر انہیں یہ یقین نہ ہوتا کہ پیغمبرؐ مارے جا چکے ہیں۔ تو وہ میدان جنگ سے ہٹتے ہی نہیں۔ بعد میں جب انہیں معلوم ہوا کہ پیغمبرؐ زندہ وسلامت ہیں۔ تو انہوں نے طے کیا کہ پھر پلٹ کر حملہ آور ہوں۔ مگر

معبد خزاعی نے روک دیا۔

اُحد کی خونریز لڑائی کے بعد بھی ابوسفیان کا کلیجہ ٹھنڈا نہ ہُوا بلکہ نئی جنگ کی تیاریوں میں اس کی سرگرمیاں اسی طرح جاری رہیں۔ خندق اور بعد کی لڑائیوں میں اس نے تمام مشرکین کو پیغمبر کے خلاف لا کھڑا کیا تھا۔ اور ظاہری طور پر اس وقت تک اسلام نہیں لایا۔ جب تک اسے یہ یقین نہ ہو گیا۔ کہ اب مسلمان بن کر ہی اسلام کو نقصان پہنچانا ممکن ہے۔ تاریخ کے صفحات اس کے شاہد ہیں۔ اور ہر مرد و زن اس سے واقف ہے۔

جب بنی امیہ نے یہ دیکھا کہ ہمیں ہر قدم پر پے در پے شکست ہی نصیب ہو رہی ہے اور اسلام برابر ترقی ہی کرتا جاتا ہے۔ تو انہوں نے اسلام کو تباہ و برباد کرنے کی ایک نئی راہ نکالی۔ یہ تدبیر فی الواقع بڑی کامیاب ثابت ہوئی۔ وہ یہ کہ اموی سرداروں نے اسلام کا لبادہ اوڑھ لیا۔ کہ باہر رہ کر اسلام کو نقصان پہنچانا ممکن نہ ہُوا تو اب اندر داخل ہو کر تباہ و برباد کریں۔ چنانچہ فتح مکہ کے بعد ابوسفیان مسلمان ہو گیا۔ مسلمانوں سے جان بچاتا پھرتا تھا۔ کہیں پناہ نہ ملتی تھی۔ حضرت عباسؓ عمّ پیغمبرؐ کی آ کر پناہ لی اور اُن سے درخواست کی۔ کہ مجھے پیغمبر کے پاس لے چلو۔ جب عباس اسے لیکر حضرت پیغمبرؐ میں پہنچے۔ تو آنحضرتؐ نے فرمایا "کیا ابھی تمہارے سمجھنے کا وقت نہیں آیا۔ کہ خداوند عالم وحدہٗ لاشریک ہے" ابوسفیان نے عرض کی۔ میرے ماں باپ آپ پر قربان آپ کتنے بڑے حلیم اور کتنے بڑے کریم اور صلہ رحم کرنے والے ہیں۔ خدا کی قسم میں جانتا ہوں۔ کہ اگر خدائے وحدہٗ لاشریک کے علاوہ کوئی دوسرا معبود ہوتا تو وہ ضرور ہماری مدد کرتا۔ پیغمبرؐ نے فرمایا۔ کیا اب بھی تمہیں یقین نہیں آتا۔ کہ میں خدا کا رسولؐ ہوں۔ ابوسفیان نے کہا میرے ماں باپ آپ پر نثار اس بات میں البتہ ذرا جی کو بے اطمینانی ہے۔ عباس نے کہا کمبخت مسلمان ہو جاتا۔ کہیں گردن نہ تیری ماری جائے۔ (تاریخ ابن خلدون جلد ۲ ص ۲۲۴)

ابوسفیان جو کافر پیدا ہُوا۔ اور کفر جس کے رگ و پے میں سرایت کئے ہوئے تھا۔ موقع کی نزاکت مجبور ہو کر بظاہر مسلمان ہو گیا۔ دیکھنے میں اس نے بت پرستی ترک کر دی۔ اور نئے

مذہب کا اقرار بھی کر لیا۔ پھر بھی دل کی بات اکثر زبان پر آ ہی جاتی تھی۔ اور اس کی حرکتوں سے اکثر اس کے اسلام کا پردہ چاک ہو جاتا تھا۔ مثال کے طور پر وہ واقعہ غور کے قابل ہے۔ جسے ابن ہشام نے اپنی سیرت جلد ۲ ص ۲۳ میں لکھا ہے۔

"فتح مکہ کے بعد حرث بن ہشام نے اذان کی آواز سن کر ابو سفیان سے کہا۔ کہ خدا کی قسم اگر مجھے یہ معلوم ہوتا کہ محمدؐ نبی ہیں تو میں ضرور ان کی پیروی کرتا۔ ابو سفیان نے کہا۔ میں کچھ بول نہیں سکتا" دیوار ہم گوش دارد"

اگر ابو سفیان واقعاً مسلمان ہوتا تو اس مشرک کی بات کو رد کرنے کی کوشش کرتا۔ مگر اس نے حرث کی کوئی تردید نہیں کی۔ بلکہ ضمنی حیثیت سے اس کی رائے پر صاد کیا۔ جیسا کہ اس کے فقرے سے معلوم ہوتا ہے۔ خبر ہو جانے کے ڈر سے کچھ نہیں کہہ سکتا۔ اس کا مطلب یہی تو ہے۔ کہ اگر ڈر نہ ہوتا تو میں بھی تمہاری تصدیق کرتا۔

ابو سفیان کی بیوی ہندہ بھی بے بس و مجبور ہو کر مسلمان ہوئی۔

معاویہ نے بھی اس موقعہ پر باپ کے ساتھ اسلام اختیار کیا۔ اگرچہ بعض روایات کی بنا پر کہنے والے کہتے ہیں۔ کہ معاویہ پہلے مسلمان ہو چکا تھا۔ اور احتیاطاً ظاہر نہیں کرتا تھا۔ یہ روایات کمزور ہیں۔ اور حقیقت سے بہت دُور۔ اور اگر درست بھی تسلیم کر لیں۔ تو اس سے معاویہ کے کیریکٹر کی خوبی ظاہر نہیں ہوتی۔ بہر حال ہم ان کے تفصیلی حالات میں یہ ثابت کر چکے ہیں۔ کہ معاویہ اور اس کے خاندان کے دوسرے تمام لوگ دل سے مسلمان نہیں ہوئے تھے۔ بلکہ اسلام کی ظاہری شوکت نے انہیں مجبور کر دیا تھا۔ کہ وہ حلقہ بگوشِ اسلام ہو جائیں۔ معاویہ کی آئندہ عملی زندگی اس بات کی گواہ ہے کہ اسے کسی وقت بھی اسلام اور اہلِ اسلام کے ساتھ محبت نہیں ہو سکی۔

معاویہ حدیث کی روشنی میں

عبد اللہ بن عمر سے روایت ہے قال خرج رسول اللہ من فج فنظر الی ابی سفیان وھو راکب ومعاویۃ

واخوہ احدھما قائد والاخر سائق ۔ فلما نظر الیھم رسول اللہ قال اللھم العن القائل والسائق والراکب۔

حضرت سرور کائنات ایک گھاٹی سے برآمد ہوئے۔ آپ کی نظر ابوسفیان پر پڑی جو مرکب پر سوار تھا۔ اور معاویہ اور اس کا بھائی سواری کو آگے پیچھے سے ہانک رہے تھے۔ جب آنحضرتؐ کی نظر ان پر پڑی۔ تو آپؐ نے فرمایا لعنت ہو قائد و سائق اور راکب تینوں پر۔

(کتاب الصفین نصر بن مزاحم طبع مصر ص۲۴۷)

تاریخ طبری میں ہے کہ پیغمبرؐ نے ابوسفیان کو ایک گدھے پر سوار آتے دیکھا۔ اس گدھے کو آگے سے معاویہ کھینچ رہا تھا۔ پیچھے سے یزید بن ابی سفیان ہانک رہا تھا۔ آنحضرت نے یہ منظر دیکھ کر فرمایا لعن اللہ القائل والراکب والسائق خداوند عالم اس قائد اور سائق اور راکب تینوں پر لعنت کرے۔ (تاریخ طبری جلد ۱۱ ص۳۵۷)

اسی حدیث کی طرف امام حسنؑ نے معاویہ سے گفتگو میں اشارہ کرتے ہوئے فرمایا تھا۔ میں تم کو خدا کی قسم دیتا ہوں۔ معاویہ وہ دن یاد ہے جبکہ تمہارے باپ سُرخ رنگ کے اُونٹ پر آتے تھے تم اس اُونٹ کو پیچھے سے ہانک رہے تھے۔ اور تمہارا بھائی یزید آگے سے کھینچ رہا تھا۔ تم لوگوں کو رسالتمآبؐ نے دیکھ کر فرمایا تھا۔ اللھم العن الراکب والقائل والسائق۔

محمد بن ابی بکر نے بھی اس حدیث کی طرف اشارہ کرتے ہوئے معاویہ کے خط میں لکھا تھا۔ انت اللعین ابن اللعین۔ تم لعین ہو اور لعین کے بیٹے۔

(۲) براء بن عازب سے منقول ہے۔ کہ ابوسفیان آتا ہوا نظر پڑا۔ اس کے ساتھ معاویہ بھی تھا رسالتمآب نے دیکھ کر فرمایا اللھم العن التابع والمتبوع خداوندا تابع اور متبوع دونوں پر لعنت فرما۔ اللھم علیک بالاقیعس۔ خداوندا اقیعس کی تو خبر لے۔ براء کے لڑکے نے اپنے باپ سے پوچھا۔ یہ اقیعس کون۔ کہا معاویہ (کتاب الصفین ص۲۴۲)

(۳) امام احمد نے مسند جلد ۴ ص۴۲۱ میں ابویعلی نے اپنے مسند میں۔ نصر بن مزاحم نے کتاب صفین ص۲۴۶

طبع مصر میں ابوبرزہ اسلمی کے واسطہ سے اور طبرانی نے معجم کبیر بن عبداللہ بن عباس سے روایت کی ہے کہ ہم لوگ ایک سفر میں رسول اللہ کے ہمرکاب تھے۔ آپ نے دو آدمیوں کو گاتے ہوئے سنا۔ آپؐ نے فرمایا دیکھو تو کون ہے۔ لوگوں نے کہا معاویہ او عمرو بن عاص۔ رسولؐ نے آسمان کی طرف سر اٹھا کر کہا۔ اللّٰھم ارکسھما رکسا ودعھما الی النار دعًا خدا وندا انہیں ذلیل و خوار کر۔ اور جہنّم میں ڈال۔ (لسان العرب جلد ۷، صـ۴۰۷ اور جلد ۹ صـ۴۳۹ میں بھی اس حدیث کی طرف اشارہ ہے۔)

(۴) حضرت سرور کائنات نے ارشاد فرمایا ہے۔ یطلع من ھذا الفج رجل من امتی یحشر علی غیر ملتی فطلع معاویۃ

اس گھاٹی سے میری اُمّت کا ایک ایسا شخص برآمد ہوگا۔ جو میری ملّت کے علاوہ دوسری ملّت پر محشور ہوگا بس معاویہ برآمد ہوئے (تاریخ طبری جلد ۱۱ صـ۳۵۷)

نصر بن مزاحم کی لفظوں میں یہ حدیث یوں ہے۔

یطلع علیکم من ھذا الفج رجل یموت حین یموت علی غیر سنتی۔ اس گھاٹی سے ایسا شخص برآمد ہوگا۔ جو میرے مسلک کے علاوہ کسی اور مسلک پر مریگا۔ جب بھی مرے۔ (کتاب صفین صـ۲۴۷)

(۵) مشہور حدیث مرفوع میں ہے کہ پیغمبر خدا نے ارشاد فرمایا۔ ان معاویہ فی تابوت من نار فی اسفل درك منها ینادی یاحنان یامنان الان وقد عصیت من قبل و کنت من المفسدین۔ معاویہ جہنّم کے سب سے نچلے طبقہ میں آگ کے تابوت کے اندر ہوں گے۔ وہ پکاریں گے یاحنان یامنان۔ جواب ملے گا اب؟ حالانکہ تم نے اس سے پہلے نافرمانیاں ہی کیں۔ اور تم مفسدین میں سے تھے۔

(تاریخ طبری جلد ۱۱ صـ۳۵۷ کتاب صفین صـ۲۴۳)

(۶) حضرت ابوذر غفاری نے معاویہ سے کہا۔ تم ایک مرتبہ گزر رہے تھے۔ میں نے رسول اللہ کو

کہتے سنا اللھم العنہ ولا تشبعہ الا بالتراب خداوندا اس پر لعنت فرما اور خاک سے اس کا پیٹ بھر (الغدیر جلد ۸ صفحہ ۳۱۲)

(۷) نصر بن مزاحم نے کتاب صفین میں اور ابن عدی عقیلی خطیب اور مناوی نے ابو سعید خدری اور عبداللہ بن مسعود کے واسطوں سے مرفوعاً روایت کی ہے۔ اذا رأیتم معاویہ علی منبری فاقتلوہ۔ جب تم معاویہ کو میرے منبر پر دیکھنا۔ تو اُسے قتل کر ڈالنا۔ اذا رأیتم معاویہ یخطب علی منبری فاقتلوہ۔ جب تم لوگ معاویہ کو میرے منبر پر خطبہ پڑھتے دیکھنا۔ تو اُسے قتل کر ڈالنا۔

ابو سعید بیان کرتے ہیں فلم نفعل ولم نفلح ہم نے ایسا نہیں کیا۔ ہماری فلاح بھی نہ ہوئی۔ حسن بصری کہتے تھے۔ فما فعلوا ولا افلحوا۔ نہ لوگوں نے ایسا کیا۔ نہ اُن کی فلاح ہوئی۔ (کتاب صفین طبع مصر صفحہ ۲۴۳ تاریخ طبری جلد ۱۱ صفحہ ۳۵۷ تاریخ خطیب جلد ۱۲ صفحہ ۱۸۱ شرح ابن ابی الحدید جلد ۱ صفحہ ۳۴۸ کنوز الدقائق مناوی صفحہ ۱ تہذیب التہذیب جلد ۲ صفحہ ۴۲۸)

(۸) زید بن ارقم اور عبادہ بن صامت سے مرفوعاً مروی ہے۔ اذا رأیتم معاویۃ و عمرو بن العاص ففرقوا بینھما فانھما لن یجتمعا علی خیر۔ جب تم معاویہ اور عمرو عاص کو اکٹھے دیکھو۔ تو دونوں کو الگ الگ کر دو۔ کیونکہ وہ کبھی بھلائی کے کام میں اکٹھے نہیں ہوں گے۔
(کتاب صفین نصر بن مزاحم صفحہ ۱۱۲ عقد الفرید جلد ۲ صفحہ ۲۹) (ماخوذ از اموی دور خلافت)

اکابرین اسلام اور امیر شام

زیر نظر تالیف کی پہلی جلد میں ہم قرآن و حدیث کی روشنی میں بنو امیہ کے پورے خاندان کا کیریکٹر اور ان کی سیرت و کردار کو وضاحت کے ساتھ قلم بند کر چکے ہیں۔ اور اسی ذیل میں دودمانِ اموی کے چشم و چراغ امیر شام کے جستہ جستہ حالات ضمناً نقل ہو چکے

ہیں۔ حدیث نبویؐ کی روشنی میں جو کچھ معتبر و مستند ذخیرۂ حدیث کے ماخذوں سے ہمیں امیر معاویہ کے بارے میں دستیاب ہو چکا۔ اسے بھی ہم سابق صفحات میں بقید صفحہ پیش کر چکے ہیں۔ مزید برآں ہم چند ایک اکابرین اسلام کے خیالات کو بھی بطور شہادت پیش کرنا ضروری خیال کرتے ہیں۔ تاکہ تفصیلاً اس بات کا علم ہو جائے۔ کہ صدر اول سے لے کر آج تک قریب قریب تمام جلیل القدر مسلمان معاویہ کی دنائت فطرت اور اس کی اسلام دشمنی نیز اس کی سیرت و کردار کے متعلق متحد و متفق ہیں۔ پیغمبر اسلام کے خیالات جو کچھ ہم اوپر درج کر آئے ہیں کے بعد ہم حضرت امیر المومنین علی ابن ابی طالب علیہ السلام کے چند ایک مکتوبات و خطبات کے کچھ حصے ذیل میں درج کرتے ہیں۔ اس لئے کہ یہ جلیل القدر امام امیر شام کا معاصر اور اس کے مخصوص حالات سے کماحقہ واقف ہے۔

اس سلسلہ میں ہم جناب امیر علیہ السلام کے خیالات کے علاوہ دیگر اہل بیت عظام صلوات اللہ علیہم و بعض اکابر صحابہ کرام و چند علماء اسلام کے بھی معاویہ کے بارے میں عقائد و آراء کو اپنے فاضل ہم عصر حضرت مولانا مفتی طیب آغا صاحب الجزائری کے حوالہ سے درج کریں گے۔ تاکہ یہ بات اظہر من الشمس ہو جائے کہ اموی خاندان کے اولین تاجدار کے اخلاق و اطوار کی برائی پر اکابرین اسلام کی بھاری جمعیت متفق ہے۔

فاضل جزائری اپنی تازہ تالیف "آفتاب شہادت" میں لکھتے ہیں:۔

حضرت امیر علیہ السلام

(۱) حضرت امیر علیہ السلام نہج البلاغہ میں ارشاد فرماتے ہیں: منا النبی و منکم المکذب و منا اسد اللہ و منکم اسد الاحلاف و منا سید اشباب اہل الجنۃ و منکم صبیۃ النار و منا خیر نساء العالمین و منکم حمالۃ الحطب" ہم میں سے نبیؐ ہیں اور تم میں ان کے جھٹلانے والے۔ ہم میں اللہ کے شیر ہیں اور تم میں اسد احلاف ہم میں جنت کے جوانوں کے سردار اور تم میں جہنمی اولاد۔ ہم میں جہان کی عورتوں کی سردار (فاطمہؑ) اور تم میں ایندھن اٹھانے والی

(ام جمیل)

نہج البلاغہ میں ایک اور مقام پر فرماتے ہیں :۔

(۲) فانہ لا سواء امام الھدی و امام الردی وولی النبی وعدو النبی۔ ہدایت کا امام اور پیشوا ئے ہلاکت برابر نہیں ہیں۔ نبی کا دوست اور اس کا دشمن برابر نہیں ہو سکتے۔

شارح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید لکھتا ہے۔

کہ حضرت امیر علیہ السلام نے امام ہدیٰ سے خود کو مراد لیا ہے۔ اور امام ہلاکت سے معاویہ اور اس کو اس طرح امام کہا ہے۔ جس طرح اللہ نے اہل ضلالت کو اس آیت میں امام کی لفظ سے یاد کیا (وجعلناھم ائمۃ یدعون الی النار)

(شرح ابن ابی الحدید جلد ۳ ص ۲۶۲)

(۳) حضرت ایک دوسری جگہ فرماتے ہیں :۔

اے صخر کے فرزند۔ اے ملعون کے بیٹے تیرا یہ خیال باطل ہے۔ کہ تیرا علم پہاڑوں سے تولے جانے کے برابر ہے۔ اور اہل شک سے تیرا علم زیادہ ہے۔ دراں حالیکہ تو جفا کار و منافق ہے۔ جس کے قلب پر پردے پڑے ہوئے ہیں۔ تو عقل کا کھوٹا بزدل اور رذیل ہے۔

(شرح نہج البلاغہ جلد ۳ ص ۳۱۱ جلد ۴ ص ۵۱)

(۴) جب معاویہ نے آپ کو قرآن سے فیصلہ کرنے کے لئے کہا۔ تو فرمایا۔

"انک دعوتنی الی حکم القرآن ولقد علمت انک لست من اھل القرآن"

تو نے مجھے قرآن کے فیصلہ کی طرف دعوت دی۔ حالانکہ میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ تو اس قرآن میں سے نہیں ہے۔"

(کتاب صفین ص ۵۵۶ نہج البلاغہ جلد ۲ ص ۵۶)

(۵) حضرت امیر المومنین علیہ السلام نے ایک اور مقام پر معاویہ کے ایک خط کا جواب دیتے ہوئے بنو امیہ کے پورے خاندان کے مشہور افراد کی سیرت پر روشنی ڈالی ہے۔ اردو میں حضرت کے

الفاظ کا ترجمہ یہ ہے:-

"تیرا یہ کہنا کہ ہم سب عبد مناف کی اولاد ہیں۔ اور ایک کو دوسرے پر کوئی فضیلت حاصل نہیں ہے۔ تو یہ غلط ہے۔ کیونکہ اپنی جان کی قسم اگرچہ ہم (بنا بر مشہور) ایک ہی دادا کی اولاد ہیں۔ لیکن امیہ مثل ہاشم کے نہ تھا۔ نہ حرب عبد المطلب کا ہمسر۔ نہ ابو سفیان اور ابو طالب کی برابری ہو سکتی ہے۔ اور نہ آزاد شدہ مہاجر کی مثل ہو سکتا ہے۔ اور نہ الگ سے نتھی کیا ہوا خالص نسب والے کے برابر ہو سکتا ہے۔ نہ باطل پرست حق شعار کی مانند ہو سکتا ہے۔ نہ منافق مومن کے ہم رتبہ بن سکتا ہے۔ اور کتنی ہی بری نسل ہے جو اپنے جہنمی اسلاف کے قدم بقدم چلتی ہے۔ (نہج البلاغۃ جلد ۲ صفحہ ۲۱ طبع مصر)

(۶) آپ نے ایک مکتوب زیاد بن ابیہ کے نام تحریر فرمایا جس میں معاویہ کو مثل شیطان کے قرار دیا۔ حضرت امیر علیہ السلام کے الفاظ اس طرح ہیں۔

"ان معاویہ کالشیطٰن الرجیم یاتی المرء من بین یدیہ ومن خلفہ وعن یمینہ وعن شمالہ فاحذرہ ثم احذرہ ثم احذرہ والسلام"

(شرح ابن ابی الحدید جلد ۴ صفحہ ۶۵ طبع مصر)

تحقیق معاویہ مثل شیطان رجیم کے ہے جو انسان کے آگے پیچھے اور دائیں بائیں رہتا ہے۔ لہٰذا اس سے ڈرو۔ اس سے ڈرو۔ اس سے ڈرو۔

(۷) جب معاویہ سے حضرت امیر علیہ السلام کی ظاہری صلح ہو گئی۔ تو کسی نے آپ سے پوچھا کہ کیا معاویہ اور اس کی جماعت والے مومن و مسلمان ہیں۔ آپ نے فرمایا۔ ما اقر لمعاویہ ولا صحابہ انہم مومنون ولا مسلمون۔ میں معاویہ اور اس کے اصحاب کو نہ مومن جانتا ہوں اور نہ مسلمان۔

(شرح نہج البلاغہ جلد ۱ صفحہ ۱۹۱۔ کتاب صفین صفحہ ۵۸۴)

(۸) مندرجہ بالا الفاظ خطبہ کی مزید تشریح کرتے ہوئے آپ نے ایک معرکۃ الآرا خطبہ

میں یوں ارشاد فرمایا۔

"معاویہ و عمرو بن عاص و ابنِ معیط کسی دین پر بھی نہیں ہیں۔ نہ قرآن پر ان کا ایمان ہے۔ میں ان کو تم سے بہتر طور پر جانتا ہوں۔ میں بچپن اور جوانی میں ان کے ساتھ رہا ہوں۔ بچپن میں یہ بدترین خلائق تھے۔ اور جوانی میں بھی"

(کتاب صفین ص۵۶ طبری ج ۶ ص۲۷۔ کامل ابن اثیر ج ۳ ص۱۳۶ مطبوعہ مصر)

حضرت امام حسن و حسین علیہما السلام

امام حسن علیہ السلام بھی امیر شام کے ہم عصر تھے۔ معاویہ ہی نے آپ کو زہر سے شہید کروایا۔ آپ نے جن الفاظ سے معاویہ کو یاد کیا ہے وہ حسب ذیل ہیں:۔

اے معاویہ! آج تعجب کرنے والے کو تیری اس بات پر حیران ہونا چاہئے۔ کہ تو ایک ایسے منصب پر چڑھ بیٹھا ہے۔ جس کا تو اہل نہیں ہے۔ نہ تو تجھ میں کوئی دین کی خوبی ہے اور نہ اسلام میں تو نے کوئی اچھا اثر چھوڑا ہے۔ اور تو رسول اللہ اور قرآن کے دشمن ترین انسان کا فرزند ہے۔ اللہ ہی تیری بازپرس کرے گا۔ جس وقت تو اس کی بارگاہ میں جائے گا۔ انجام کا تجھے اس وقت ہی علم ہوگا۔

(شرح ابن ابی الحدید جلد ۴ ص۱۲)

معاویہ جس وقت مدینہ آئے۔ تو منبر پر چڑھ کر حضرت حسن علیہ السلام کے متعلق توہین آمیز کلمات کہے۔ یہ سن کر حضرت حسن علیہ السلام اٹھ کھڑے ہوئے۔ اور حمد و ثنا کے بعد فرمایا:۔

اللہ نے کبھی کسی نبی کو مبعوث نہیں کیا۔ مگر یہ کہ اس کا ایک دشمن مجرمین میں سے قرار دیا۔ میں علیؑ کا فرزند ہوں۔ اور تو صخر کا بیٹا ہے۔ تیری ماں ہند ہے۔ اور میری ماں فاطمۃ الزہراؑ تیری دادی قتیلہ اور میری دادی خدیجہ۔ پس اللہ کی لعنت ہو اس پر جو حسب کے اعتبار سے زیادہ لئیم۔ ذکر کے اعتبار سے زیادہ گم نام۔ کافر ترین۔ منافق ترین ہو۔ یہ سن کر تمام اہل مسجد

نے آمین کہا۔ اور معاویہ خطبہ چھوڑ کر گھر چلے گئے۔"

(المستطرف جلد ۱ ص ۱۵۷)

اسی طرح حضرت امام حسین علیہ السلام معاویہ کو ایک خط کے جواب میں ارشاد فرماتے ہیں۔ امامۃ والسیاستہ کے جلیل القدر مؤلف نے حضرت کے اس خط کو مکمل نقل کیا ہے۔ جس کا کچھ حصہ درج ذیل ہے:۔

ما اردت حربا ولا خلافا انی لاخشی اللّٰہ فی ترک ذالک منک ومن حزبک القاسطین المحلین حزب الظالم واعوان الشیطٰن الرجیم۔ الست قاتل حجر واصحابه العابدین المجتنبین الذین کانوا یستفظعون البدع ویامرون بالمعروف وینھون عن المنکر فقلتھم ظلما وعدوانا من بعد ما اعطیتھم المواثیق الغلیظۃ والعھود المؤکدۃ جرأنا علی اللّٰہ واستخفافا بعھدہ اولست بقاتل عمرو بن الحمق الذی اخلقت وابلت وجھه العبادۃ فقتلته من بعد ما اعطیته من العھود مالو فھمته العصم نزلت من سقف الجبال (الامامۃ والسیاستہ جلد ۱ ص ۱۳۱ جمہرۃ الرسائل جلد ۲ ص ۶۶)

میں نہ تو کسی سے جنگ کا ارادہ رکھتا ہوں۔ نہ کسی مخالفت کا۔ البتہ تجھ کو اور تیرے گروہ کو جو قاسطین اور محرمات کا حلال کرنے والا اور ظالم گروہ ہے اور جو شیطان رجیم کا ناصر و مددگار ہے۔ کو اپنے حال پر چھوڑ دینے سے اللہ سے ڈرتا ہوں۔ بتلا! کیا تو حجر اور ان کے عابد و زاہد ساتھیوں کا قاتل نہیں ہے؟ یہ لوگ وہ تھے جو امر بالمعروف و نہی عن المنکر کرتے تھے۔ پس تو نے ان کو از روئے ظلم و جور تہ تیغ کر دیا۔ درانحالیکہ ان کو بڑے عہد و پیمان دیئے

تھے۔ اور یہ تیری اللہ کے خلاف کھلی ہوئی جرأت ہے اور اس کے عہد کی شدید توہین ہے۔ اور کیا تو نے عمرو بن حمق کو قتل نہیں کیا۔ وہ عمرو جن کے چہرے کو کثرت عبادت نے نڈھال کر رکھا تھا۔ ان کو بھی وعدۂ امان دینے کے بعد تو نے قتل کروا دیا۔ اگر تجھے کو اس وعدہ شکنی کا کچھ احساس و خیال ہو تو اس پہاڑ جیسی بلندی سے اتر تا جس پر تو قدم جمائے ہوئے ہے۔"

معاویہ صحابۂ رسولؐ کی نظر میں

حضرت ابن عباسؓ ترجمان القرآن

سابقہ صفحات میں ہم نے خاندان نبوت کے خیالات اور عقائد کو پیش کیا۔ کہ وہ معاویہ اور دیگر بنو امیہ کے متعلق ایسا ایسا فرمایا کرتے۔ ممکن ہے کہ کوئی شخص یہ کہدے کہ اہل بیت کے خیالات کو بنو امیہ کے بارے میں بطور حجت پیش نہیں کیا جا سکتا۔ اس لئے کہ یہ تو امویوں کے ابتدا سے ہی مخالف تھے۔ اور اہل بیت نبوت کے جذبات و احساسات تو ضروری طور پر آل امیہ سے مخالف ہو سکتے ہیں۔ اس لئے ہم چند ایک صحابہ کرام کے جذبات اور عقائد و خیالات کو پیش کرتے ہیں۔ ہو سکتا ہے۔ کہ معترض کے لئے ان بزرگوں کے اقوال حجت ہو سکیں۔ حضرت عبداللہ بن عباس جو صحابہ ہیں ترجمان القرآن اور اسلام میں حبر الامتہ مشہور ہیں نے تقریر کرتے ہوئے بصرہ میں فرمایا:۔

اے لوگو! اپنے امام کے پاس چلنے کے لئے تیار ہو جاؤ اور خدا کی راہ میں کوچ کرو۔ کیونکہ تم ایسے گروہ سے جہاد کرنے جا رہے ہو جو حرام رسولؐ کو حلال کرنے والا اور اس گروہ کے لوگ فاسطین (ظالمین) ہیں۔ یہ نہ قرآن پڑھتے ہیں اور نہ کتاب خدا کو جانتے ہیں۔ اور نہ دین حق پر ہیں۔

(کتاب صفین صفحہ ۱۳۰)

حضرت عمار یاسر

حضرت عمار یاسرؓ جن کا شمار رسول کے بلند ترین صحابیوں میں ہوتا ہے۔ معاویہ کے متعلق فرماتے ہیں:۔

یا اهل الاسلام اتریدون ان تنظروا الی من عادی الله ورسوله وجاهدهما و بغی علی المسلمین وظاهر المشرکین فلما اراد الله ان یظهر دینه وینصر رسوله صلی الله علیه اتی النبیؐ وهو والله فیما یری راهب غیر راغب وقبض الله رسولهٗ وانا والله لنعرفه بعداوة المسلم ومودة المجرم الا وانه معاویة فالعنوه لعنة الله وقاتلوه فانه ممن یطفی نور الله (دیکھو کتاب صفین ص۲۲۰ تاریخ طبری جلد ۶ ص۷ تاریخ کامل ابن اثیر جلد ۳ ص۱۲۶) ترجمہ اے مسلمانو! کیا تم دشمنِ خدا و رسولؐ کو دیکھنا چاہتے ہو جس نے مسلمانوں سے بغاوت کی اور مشرکوں کی حمایت کی ہے۔ پس جب اللہ نے چاہا۔ کہ اپنے دین کو ظاہر کرے اور اپنے رسول کی نصرت کرے۔ تو یہ شخص نبیؐ کے پاس آیا۔ اس وقت وہ خدا کی قسم خوفزدہ ہو کر آیا تھا۔ اس کو اسلام کی طرف کوئی رغبت نہ تھی۔ اور جب آنحضرتؐ کی وفات ہوگئی تو اب ہم اس کو خدا کی قسم! مسلم کا دشمن مجرم کا دوست پاتے ہیں۔ آگاہ ہو جاؤ۔ کہ وہ شخص معاویہ کے علاوہ کوئی اور نہیں ہے۔ لہٰذا تم (مسلمانو) اس پر لعنت کرو۔ کیونکہ وہ خدا کے نور کو بجھانا چاہتا ہے۔

حضرت ابو ایوب انصاریؓ

معاویہ نے جب ابو ایوبؓ انصاری کو خط لکھا تو انہوں نے اس کی بابت حضرت علیؑ کو بایں الفاظ اطلاع دی۔

یا امیرالمومنین! ان معاویة کهف المنافقین کتب الیّ بکتاب

(شرح ابن ابی الحدید جلد ۲ ص۲۸۰)

اے امیرالمومنین! بتحقیق معاویہ جو منافقوں کی جائے پناہ ہے اس نے مجھ کو ایک خط لکھا ہے۔

معن بن یزید

حضرت معن بن یزید بن اخنس سلمی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اجلہ اصحاب میں سے ہیں۔ جنگ بدر میں بھی شرکت کر چکے ہیں۔ آپ معاویہ

کے متعلق فرماتے ہیں ما ولدت قرشیۃ من قرشی شرا منک (الاصابہ فی معرفۃ الصحابہ جلد ۳ ص ۴۵۰) اے معاویہ کسی قرشی عورت نے تجھ سے بدتر قرشی نہیں جنا۔

قیس بن سعد حضرت قیس بن سعد بن عبادہ امیر قبیلہ خزرج نے معاویہ سے یوں خطاب کیا۔ انما انت وثن بن وثن دخلت فی الاسلام کرھا وخرجت منہ طوعا (کامل مبرد جلد ۱ ص ۳۰۹) تو وثن بن وثن (صنم) ہے بہ کراہت اسلام میں داخل ہوا اور خوشی سے اس سے نکل گیا۔

حضرت محمد بن ابی بکر حضرت محمد بن ابی بکر ان الفاظ کے ساتھ معاویہ سے مخاطب فرماتے ہیں۔ "من محمد بن ابی بکر الی الغاوی معاویہ بن صخر" یہ خط ہے محمد بن ابی بکر کی طرف سے گمراہ معاویہ بن صخر کی طرف۔ کبھی فرماتے تھے۔ انت اللعین لم تزل انت وابوک تبغیان الغوائل لدین اللہ وتجھد ان لاطفاء نور اللہ۔ تو ملعون بن ملعون ہے ہمیشہ سے تو اور تیرا باپ (ابوسفیان) اللہ کے دین کے خلاف خطرناک منصوبے بناتے رہے۔ اور نور الہٰی کے خاموش کرنے کی کوشش میں مصروف رہے۔ (مروج الذہب ج ۲ ص ۵۹)

حضرت عمر بن خطاب حضرت عمر امیر معاویہ کے متعلق فرمایا کرتے تھے۔ یتذکرون کسریٰ وقیصر ودھاتھما وعندکم معاویۃ تم لوگ کسریٰ وقیصر کی مکاری کا ذکر کرتے ہو۔ حالانکہ تمہارے پاس معاویہ موجود ہے (طبری جلد ۴ ص ۲۴۴)

حضرت ام المومنین عائشہ جب سے امیر معاویہ نے انتہائی قبیح و وحشت ناک طریقہ سے حضرت محمد بن ابی بکر کو شہید کروایا۔ اور گدھے کے مردار کے اندر سی کر جلوایا۔ اس وقت سے حضرت عائشہ کی بے قراری کا پوچھنا ہی کیا۔ یہ واقعہ وہ ہے جس سے ایک غیر شخص کے بھی رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ چہ جائیکہ بہن۔ چنانچہ تاریخوں میں ملتا ہے۔ کہ جب آپ کو اس سانحہ کی اطلاع ملی۔ تو با آواز بلند روئیں۔ اور ہمیشہ

بعد نماز معاویہ اور عمرو عاص کے لئے بد دعا کرتی رہیں۔ اور مرتے دم تک بھنا ہُوا گوشت نہیں کھایا (طبری جلد ۶ ص۶۰ نصائح کافیہ ص۶۲)

۲۔ اسود بن یزید کہتے ہیں۔ کہ میں نے ام المومنین عائشہ سے کہا۔ کہ آپ کو تعجب نہیں ہوتا۔ کہ ایک آزاد کردہ شخص (معاویہ) اصحاب رسولؐ سے خلافت کے معاملے میں نزاع کر رہا ہے۔ یہ سُن کر انہوں نے جواب دیا۔ وما تعجب من ذالك هو سلطان الله يؤتيه البر والفاجر وقد ملك فرعون اهل مصر اربعمائة سنة وكذالك غيره من الكفار (تاریخ ابن کثیر جلد ۸ ص۱۳۱) اس میں تعجب کی کونسی بات ہے۔ اللہ جس کو چاہتا ہے حکومت دیتا ہے۔ وہ چاہے نیک کو دے یا فاجر کو دے۔ فرعون نے تو چار سو سال تک اہلِ مصر پر حکومت کی تھی۔ اسی طرح دوسرے کفار نے بھی اس دنیا میں بہت حکومتیں کی ہیں۔

۳۔ ایک دن امیر معاویہ حضرت عائشہ کے مکان میں تشریف لے گئے۔ تو ام المومنین نے فرمایا "کیا تم کو ڈر نہیں معلوم ہُوا۔ کہ میں کسی کو پسِ پردہ قتل کر دانے کے لئے بٹھا دوں"! معاویہ نے جواب دیا۔ نہیں آپ ایسا نہیں کر سکتیں۔ کیونکہ میں امان کے گھر میں آیا ہوں۔ اور میں نے رسول اللہ سے سنا ہے کہ آپ نے ارشاد فرمایا "الايمان قيد الفتك" جس کے پیر میں ایمان کی بیڑی پڑی ہو۔ وہ کسی کو دھوکہ نہیں دے سکتا"۔

(مسند احمد بن حنبل ج ۴ ص ۹۲)

(ماخوذ از آفتاب شہادت ص۱۹۷ تا ص۲۰۳)

دیگر مشاہیرِ اسلام کے خیالات

حضرت حسن بصری کا قول ہے کہ چار باتیں معاویہ کی ایسی ہیں۔ کہ اگر ان میں سے ایک بھی ہوتی تو ان کی ہلاکت کے لئے کافی تھی۔ زبردستی خلافت پر قابض ہونا۔ بغیر مسلمانوں کے مشورہ

کے اپنے بعد اپنے شراب خوار بیٹے کو خلیفہ بنایا۔ جو ریشم پہنتا گانا بجاتا تھا۔ اور زیاد کو اپنا بھائی بنانا حالانکہ پیغمبر نے فرمایا الولد للفراش ..... الخ اور حجر بن عدی کا قتل کرنا ہلاکت ہو ان کی حجر اور اصحاب حجر کی وجہ سے۔ یہ جملہ انہوں نے دو مرتبہ کہا۔ (ابن عساکر جلد ۲ صفحہ ۳۸۱۔ طبری ج ۶ صفحہ ۱۵۷۔ کامل ابن اثیر ج ۴ صفحہ ۲۰۹)

شعیب بن مسیب کہا کرتے تھے۔ کہ پہلا فیصلہ جس نے رسول اللہ کے فیصلے کے خلاف کیا۔ وہ معاویہ کا زیاد کو اپنا بھائی بنانا تھا۔ اسی طرح ابن یحییٰ کبھی یہی کہا کرتے تھے۔ ابن نعجہ کہا کرتے تھے پہلی بیماری جو عرب میں داخل ہوئی۔ وہ حسن مجتبیٰؑ کا قتل اور زیاد کا استلحاق ہے (تاریخ ابن عساکر ج ۵ صفحہ ۴۱۲)

اتنے احادیث وارشادات کے بعد اب کوئی ضرورت اس امر کی باقی نہیں رہ جاتی۔ کہ دیگر اکابر ملت کے اقوال بھی امیر معاویہ کے متعلق پیش کئے جائیں۔ جناب رسالتمآبؐ حضرت علیؑ حضرت امام حسنؑ حضرت امام حسینؑ ابن عباس و دیگر صحابہ کرام کے بعد دیگر افراد کی خاص اہمیت نہیں۔ تاہم ان میں سے ہم چند ایک قول ہدیہ ناظرین کرتے ہیں:۔

۱۔ سعید بن جمہان کہتے ہیں کہ میں نے امام سفینہ سے پوچھا! کہ بنی امیہ کا یہ گمان ہے۔ کہ خلافت ان میں ہے۔ انہوں نے جواب دیا۔ کذب بنو الزرقاء بل هم ملوک من اشد الملوک و اول الملوک معاویة یہ اولاد زرقا جھوٹے ہیں۔ بلکہ یہ بادشاہوں میں سے ہیں وہ بھی سخت ترین بادشاہ لیکن (تاریخ الخلفاء صفحہ ۱۵۲)

۲۔ بیہقی اور ابن عساکر نے ابراہیم بن سوید سے نقل کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں۔ میں نے امام احمد بن حنبل سے پوچھا کہ خلفا کون کون ہیں۔ انہوں نے جواب دیا۔ ابوبکر و عمر و عثمان و علیؑ میں نے کہا اور معاویہ؟ تو انہوں نے کہا۔ لم یکن احد احق بالخلافة فی زمان علی من علی علی کے زمانہ میں علی کے سوا کوئی دوسرا خلافت کا حقدار نہ تھا۔

(تاریخ الخلفاء سیوطی صفحہ ۱۵۲)

۳۔ سلفی نے طیوریات میں نقل کیا ہے۔ کہ عبداللہ بن احمد بن حنبل بیان کرتے ہیں۔ کہ میں نے اپنے والد (احمد بن حنبل) سے علیؑ اور معاویہ کے بارے میں دریافت کیا۔ تو انہوں نے کہا:۔

ان علیا کان کثیر الاعداء ففتش له اعداؤه عیبا فلم یجدوا فجاء والی رجل قد حاربه وقاتله فاطروه کیاداً منهم له علی کے بہت سے دشمن تھے۔ پہلے تو انہوں نے علیؑ میں عیب تلاش کئے۔ جب ڈھونڈنے پر بھی کوئی عیب نہ ملا تو ایک ایسے شخص پر آ جمے۔ جس نے ان سے جنگ کی تھی۔ اور از روئے کید و مکاری اس کی مدح وستائش کرنا شروع کر دی۔ (تاریخ الخلفاء سیوطی ص۱۵۲ کراچی)

۴۔ عبدالشکور سالمی کتاب تمہید فی بیان التوحید میں لکھتے ہیں، قال اهل السنة والجماعة بان معویة فی حال حیوة علی ومن تابعه کانوا مخطئین فی دعوی الامارة والبیعة باغین فی المقاتلہ مع علی یعنی اہل سنت والجماعۃ کہتے ہیں کہ امیر معاویہ اور ان کے پیرو جناب علیؑ کی زندگی میں امارت اور بیعت کے دعوے میں خطا کار تھے۔ اور حضرت علیؑ سے جنگ کرنے میں باغی تھے۔ (ارجح المطالب ص۶۰)

۵۔ علامہ سبط ابن جوزی فرماتے ہیں کہ معاویہ اور ان کا باپ دونوں فتح مکہ کے روز مسلمان ہوئے۔ اسی لئے معاویہ کو "طلیق بن طلیق" کہا جاتا ہے۔ اور جو اس روز مسلمان ہوا۔ اور اس نے ہجرت اختیار نہیں کی۔ اس کا بھی یہی لقب ہے۔ حضرت علی علیہ السلام اپنی ابتدائے عمر سے وفاتِ رسولؐ تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہے۔ اور ہر جنگ میں ان کے ساتھ شریک رہے۔ لیکن معاویہ اور ان کا باپ رسول اللہ کے ساتھ ایک جنگ میں بھی شریک نہ ہوئے۔"

اس کے بعد سبط ابن جوزی کہتے ہیں کہ کسی نے میرے دادا "ابوالفرج" سے سوال کیا۔ کہ کیا معاویہ کو جنگ بدر میں شرکت کی سعادت حاصل ہوئی تھی؟ انہوں نے جواب دیا کیں

نہیں! رسولؐ کی طرف سے نہیں کفار کی جانب سے ضرور شریک ہوئے تھے۔
(تذکرہ خواص ص۱۱۷ طبع عراق)

علی مرتضیٰ علیہ السلام پر سب وشتم

امام مسلم و ترمذی نے عامر بن سعد بن ابی وقاص کے واسطہ سے روایت کی ہے کہ معاویہ نے سعد بن ابی وقاص کو حکم دیا۔ کہ علیؑ پر سب وشتم کریں۔ اور کہا علیؑ کو گالیاں دینے سے تمہیں کیا چیز مانع ہے۔ سعد نے کہا جب تک مجھے پیغمبرؐ کی وہ تین باتیں یاد رہیں گی۔ جو آپؐ نے علیؑ کے متعلق ارشاد فرمائی تھیں۔ میں ہرگز انہیں بُرا نہیں کہہ سکتا۔ اگر ان تینوں میں سے ایک بات بھی مجھے حاصل ہوتی تو سُرخ اُونٹوں سے زیادہ محبوب ہوتی۔ معاویہ کے دریافت کرنے پر سعد نے حدیث منزلت، حدیث رایت اور حدیث مباہلہ بیان کی۔
(صحیح مسلم جلد ۲ ص۱۲۰ جامع ترمذی جلد ۱۳ ص۱۷۱)

۲۔ معاویہ ایک مرتبہ اپنے حاشیہ نشینوں کے مجمع میں بیٹھے ہوئے تھے۔ انہیں میں احنف بن قیس بھی تھے۔ کہ اتنے میں ایک شامی آیا اور کھڑے ہو کر تقریر کرنے لگا۔ اور تقریر کے آخر میں اس نے علیؑ پر سب وشتم کی۔ احنف نے کہا حضور! اگر اس شخص کو معلوم ہو جائے کہ انبیاء و مرسلین پر لعنت کرنے میں آپ کی خوشی ہے۔ تو یہ شخص ان پر بھی لعنت کرنے سے باز نہ رہے۔ خدا سے ڈریئے۔ علیؑ کی جان چھوڑیئے۔ وہ اپنے پروردگار سے ملاقی ہوتے اپنی قبر میں تنہا ہیں۔ بس وہ ہیں اور ان کے اعمال۔ خدا کی قسم ان کی تلوار بڑی پاکیزہ تھی۔ ان کا لباس بہت طاہر تھا۔ ان کی مصیبت بہت عظیم ہے۔ معاویہ نے کہا۔ احنف تم نے ہماری آنکھ میں دھول بھر دی۔ اور جو جی میں آیا کہہ گئے۔ خدا کی قسم تمہیں منبر پر جانا پڑے گا۔ اور خوشی خاطر یا جبراً قہراً بہر حال علیؑ پر لعنت کرنی پڑے گی۔ احنف نے کہا اگر آپ مجھے

معاف کر دیجئے تو آپ ہی کے لئے بہتر ہے۔ اگر مجبور کیجئے۔ تو بہر حال میرے لب و دہن پر ایسے الفاظ ہرگز نہ آئیں گے۔ معاویہ نے کہا چلو اٹھو منبر پر جاؤ۔ احنف نے کہا میں منبر پر جا کر انصاف ہی سے کام لوں گا۔ معاویہ نے کہا اگر تم نے انصاف سے کام لیا۔ تو کیا کہو گے۔ احنف نے کہا میں جا کر منبر پر حمد و ثنائے الہٰی کے بعد کہوں گا۔ لوگو! معاویہ نے مجھے حکم دیا ہے۔ کہ میں علی پر لعنت کروں۔ بلا شبہ علیؑ و معاویہ نے نزاع کی۔ اور ایک دوسرے سے لڑے۔ ان میں سے ہر شخص اس کا مدعی تھا۔ کہ اس پر اور اس کی جماعت پر زیادتی کی گئی ہے۔ لہٰذا جب میں دعا کروں تو تم لوگ آمین کہنا۔ پھر میں کہوں گا۔ خداوندا! ان دونوں میں سے جو بھی باغی ہو۔ تو اس پر لعنت کر۔ تیرے ملائکہ اور انبیاء و مرسلین لعنت کریں۔ اور تمام خلائق لعنت کرے۔ خداوندا باغی جماعت پر لعنت کر۔ بہت بہت لعنت۔ لوگو آمین کہو۔ معاویہ میں اس سے زیادہ ایک لفظ کہوں گا نہ ایک کم۔ چاہے اس میں میری جان چلی جائے۔" معاویہ نے کہا تب میں تمہیں معاف کرتا ہوں۔

(عقد فرید جلد ۲ صفحہ ۱۴۴ استطرف جلد ۱ صفحہ ۵۴)

معاویہ اور ان کے عمال نے امیر المومنینؑ پر سب و شتم کرنے میں اتنا اہتمام کیا کہ اسی حالت میں بچے جوان ہوئے۔ بڑے مرنے کے قریب پہنچے۔ شروع شروع میں تو کسی نے اتنی ہمت سے کام بھی لیا۔ کہ معاویہ کے اصرار کے باوجود تعمیل نہ کی۔ مگر کب تک؛ جب حکومت اپنی پوری سطوت و دبدبہ سمیت اس رسم قبیح کو جاری کرنے پر تلی ہوئی ہو تو کب تک جان بچائی جا سکتی ہے۔ حکومت کی پوری طاقت صرف کر دی گئی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ۸۰ برس تک جب تک عمر بن عبد العزیز خلیفہ نہ ہوئے۔ ہر شہر میں منبر پر شام سے لے کر رے، رے سے کوفہ، کوفہ سے بصرہ، بصرہ سے مدینہ، مدینہ سے مکہ معظمہ تک مختصر یہ کہ بقول یاقوت حموی مؤلف معجم البلدان مشرق و مغرب میں کوئی جگہ نہ بچی۔ جہاں مجمع عام میں منبروں پر پابندی سے یہ رسم نہ ادا کی جاتی ہو۔ اموی حکومت میں یہ دستور بن گیا تھا۔ اور ستر ہزار منبروں

پر لعنت ہوتی رہی۔ یہاں تک کہ عمر بن عبد العزیز خلیفہ ہوئے۔ اور انہوں نے کسی حکمت عملی کی بنا پر یا وقتی سیاست کے تقاضے سے مجبور ہو کر اس سے ممانعت کر دی۔

مسعودی، یعقوبی، ابن اثیر اور سیوطی وغیرہ کی عبارتوں سے پتہ چلتا ہے۔ کہ عمر بن عبد العزیز نے صرف منبر پر لعنت کرنے سے ممانعت کی تھی۔ اور اپنے عمال کے نام فرمان جاری کیا تھا۔ کہ لعن کے بجائے یہ کہا جائے۔ ربنا اغفرلنا والاخواننا الذین سبقوا بالایمان۔ بعض لوگوں نے کہا ہے کہ بجائے لعن ان اللہ یامر بالعدل والاحسان کہنے کا حکم دیا۔ بعض کہتے ہیں کہ دونوں فقرے کہنے کا حکم جاری کیا۔

(مروج الذہب جلد ۲ ص۱۶۷ تاریخ یعقوبی جلد ۳ ص۴۸ کامل جلد ۷ ص ۱۷ تاریخ الخلفاء ص۱۶۱)

لیکن یہ کہ انہوں نے مطلقاً ممانعت کی ہو۔ یا سب وشتم کرنے والے کو گرفتار کرنے اور اُسے سزا دینے کا حکم جاری کیا ہو۔ اس کا ہمیں کوئی پتہ نہیں۔ ہمیں تاریخ کے صفحات پر یہ ملتا ہے۔ کہ معاویہ یا عثمان کے سب وشتم کرنے والے کو عمر بن عبد العزیز کوڑوں سے مارتے تھے۔ لیکن کہیں نہیں ملتا کہ اگر کسی نے علیؑ کو سب وشتم کیا ہو۔ تو اُسے بھی اُنہوں نے یہی سزا دی ہو۔ (اموی دور خلافت ص۳۵۰ تا ص۳۵۳)

حافظ علی بہادر خان صاحب تبرے کی بنیاد کے عنوان پر اس ذیل میں لکھتے ہیں:۔
معاویہ نے تاریخ اسلام میں تبرے کی بنیاد قائم کی۔ ایک زمانہ کے بعد اس کا ردعمل شیعانِ علیؑ نے ایسا قبول کیا۔ کہ جواب میں اصحاب رسول پر تبرا شروع کیا۔ معاویہ کا جاری کردہ تبرا عمر بن عبد العزیز نے ختم کرا دیا۔ مگر جوابی ردعمل کا سلسلہ کم وبیش ابھی تک جاری ہے۔

اہل بیت اطہار جن کی شان میں قرآن کی آیہ تطہیر نازل ہوئی۔ اور جن پر دن میں پانچ وقت کی نمازوں میں ہر مسلمان درود بھیجتا ہے۔ معاویہ کے تبرے کا نشانہ بنے اگر معاویہ ویزید کو خاندانِ رسولؐ سے ذاتی دشمنی یا رقابت تھی تو وہ یہ بدعتِ شنیعہ اپنی نجی صحبتوں میں کرتے۔ لیکن

ستم بالائے ستم یہ کیا کہ جمعہ کے خطبے میں انہوں نے تبرا شروع کیا۔ اور زور زور کے استعمال سے دوسروں کو مجبور کیا۔ کہ وہ بھی اسلام آزار حرکت کریں بعض لوگوں نے یہ شعار بنا لیا ہے کہ وہ معاویہ کے متعلق ان بدعات کے تذکروں کو مخالفین کا پروپگنڈا اور غالی رافضیوں کے اتہامات کہہ کر ختم کر دیں۔ لیکن تاریخی حقائق پر اس طرح پردہ نہیں ڈالا جا سکتا۔ بے شک طرفین نے تاریخ کو جھوٹے افسانوں سے مسخ کرنے کی کوشش کی ہے۔ لیکن اہل علم کے نزدیک اتنی حقیقت ناقابلِ انکار قرار پائی ہے۔ کہ معاویہ نے اہل بیت اطہار کے خلاف خطبہ جمعہ میں اور دوسرے موقع پر تبرا کہا اور کہلوایا۔

عمر بن عبد العزیز جب مسند خلافت پر آئے تو انہوں نے اس سلسلہ کو بند کیا آج دنیائے اسلام کے فرقۂ اہل سنت کے خطیب خطبۂ جمعہ میں جہاں یہ آیت پڑھتے ہیں ان اللّٰہ یامر بالعدل والاحسان وایتاء ذی القربیٰ وینھیٰ عن الفحشاء والمنکر والبغی یعظکم لعلکم تذکرون۔ وہاں معاویہ و یزید کے زمانے میں اہل بیتؑ پر سب و شتم ہوا کرتا تھا۔

اس میں شک نہیں کہ معاویہ و یزید کو بعض تابعین نے اس حرکت پر سخت سرزنش کی اور جب ان کو تبرے پر مجبور کیا گیا۔ تو انہوں نے صاف انکار کیا۔ اور وہ احادیث نبوی اور آیات قرآنیہ پیش کیں۔ جن میں حضرت علیؑ سے محبت کا حکم تھا۔ لیکن معاویہ حکمتِ عملی کے بادشاہ تھے۔ انہوں نے ایسی مخالفتوں کی پرواہ نہیں کی۔ ان میں سے بعض مسلمین کو تہ تیغ کرا دیا۔ بعض کو سیم و زر سے خرید لیا۔ بعض کو مصلحتاً برداشت کیا۔ یا نظر انداز کر دیا۔

بہر کیف یہ بدعتِ تشنیعہ معاویہ کے نامۂ اعمال میں نمایاں ہے۔ اور من سن سنتا سیئتہ کی بھیانک مثال ہے۔ (معاویہ و یزید ص۶۰ تا ص۶۲)

پھر کتاب کے آخر میں سب و شتم کی روایات پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں :۔

"بعض لوگوں کا خیال ہے کہ حضرت علیؑ پر سب و شتم کی یہ روایات اہلِ تشیع نے وضع

کرلی ہیں۔ اور یہ واقعہ کے خلاف ہیں۔ بعض یہاں تک کہتے ہیں۔ کہ مورخین اہل سنت نے بھی بغیر تحقیق کے یہ روایات اپنی کتابوں میں شامل کرلی ہیں۔ اگر ان لوگوں کے خیال کی تصدیق کی جائے تو پھر اہل سنت کی کوئی کتاب بھی قابل اعتبار نہیں رہے گی۔ جو اہل سنت کی سب سے معتبر کتابیں دو سمجھی جاتی ہیں۔ وہ بخاری اور مسلم ہیں۔ ان کے متعلق دعویٰ یہ ہے۔ کہ ان دونوں میں سے ہر ایک اصح الکتاب بعد کتاب اللہ ہے۔ مسلم کی حدیث تو پیش کی جاچکی ہے۔ جس میں سعد بن ابی وقاص سے معاویہ جواب طلب کرتے ہیں۔ کہ تم علیؑ پر سب وشتم کیوں نہیں کرتے۔ جس سے ضمناً یہ ثابت ہوتا ہے۔ کہ امام مسلم معاویہ کی اس حرکت کو تاریخی واقعہ سمجھتے تھے۔ اگر یہ کسی شیعہ کی اختراع ہوتا۔ تو اہل سنت کے یہ ممتاز امام و محدث ہرگز اس حدیث کو صحیح قرار دے کر اپنی کتاب میں شامل نہ کرتے۔ اب امام بخاری کی ایک حدیث پر غور کیجئے۔ جس سے ثابت ہوتا ہے کہ معاویہ کے زمانے میں خطبہ میں حضرت علیؑ اور اولاد رسولؐ پر سب وشتم ہوتا تھا۔ معاویہ نے مروان کو حاکم کردیا تھا۔ وہ چونکہ خطبہ میں یہ حرکت کرتا تھا۔ اس لئے اس کے جمعہ کے خطبے میں بہت لوگ عین جماعت کھڑی ہونے کے وقت مسجد میں آتے تھے۔ اور عید کے خطبے میں نماز پڑھتے ہی خطبہ سے پہلے چلے جاتے تھے۔ چنانچہ امام حسنؑ سے ایک بار باز پرس بھی کی گئی۔ تو انہوں نے یہی سبب خطبے کے بعد آنے کا بتایا تھا۔ یہ واضح رہے۔ کہ حضرت امام حسنؑ سے جو صلح نامہ ہوا تھا۔ اس میں یہ شرط تھی۔ کہ معاویہ اہل بیت پر سب و شتم ترک کردے گا۔ عہد پروری کا سبق معاویہ نے نہیں سیکھا تھا۔ بہرکیف یہ مطلب ہے۔ کہ لوگ مدینہ میں اس وجہ سے مروان کا خطبہ سننے سے پرہیز کرتے تھے۔ صحیح بخاری کی حسب ذیل حدیث سے ثابت ہے جو کتاب العیدین سے نقل کی جاتی ہے۔

"ابو سعید خدری کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم عید الفطر و عید الاضحیٰ کے دن عیدگاہ تشریف لے جاتے تھے۔ تو سب سے پہلی چیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں نماز تھی۔ بعد ختم ہو جانے کے آپ لوگوں کے مقابل

کھڑے ہو جاتے اور لوگ اپنی صفوں میں بیٹھے رہتے۔ پس آپ انہیں پند و نصائح فرماتے۔ اور احکام دیتے۔ بعد ازاں اگر آپ چاہتے۔ کہ کوئی لشکر فراہم کریں۔ تو اس کو فراہم کر لیتے۔ یا کسی دیگر کام کا حکم کرنا چاہتے۔ حکم فرما دیتے۔ پھر آپ واپس ہو جاتے۔ آئندہ لوگ اسی دستور پر رہے۔ یہاں تک کہ میں مروان کے ساتھ عید الفطر یا عید الاضحیٰ میں نکلا۔ اور وہ اس وقت مدینہ کا حاکم تھا۔ پس ہم جب عید گاہ پہنچے۔ تو ایک منبر وہاں رکھا ہوا تھا۔ جسے کثیر بن صلت نے تیار کیا تھا۔ اور یکایک مروان کے یہ چاہتے ہی کہ نماز سے پہلے اس پر چڑھے۔ میں نے اس کا کپڑا پکڑ لیا۔ اس نے مجھ سے چھڑا لیا۔ اور چڑھ گیا۔ نماز سے پہلے خطبہ دیا۔ میں نے اس سے کہا خدا کی قسم تم نے سنّت نبوی کو بدل دیا۔ اس پر اس نے جواب دیا۔ اے ابو سعید وہ بات جاتی رہی۔ جو تم جانتے ہو۔ میں نے کہا۔ خدا کی قسم جو میں جانتا ہوں وہ اس سے بہتر ہے جو میں نہیں جانتا۔ تب انہوں نے کہا کہ لوگ ہمارے لئے نماز کے بعد بیٹھتے نہ تھے۔ اس لئے میں نے خطبے کو نماز سے پہلے کر دیا۔

ابن حجر عسقلانی نے فتح الباری میں اس حدیث کی شرح میں لکھا ہے۔ کہ مروان کے لئے یہ صورتِ حال کہ لوگ خطبہ سننے کے لئے نہیں بیٹھتے تھے۔ اس لئے پیدا ہوئی کہ:۔ لما فیھا من سب من لا یستحق السب والافراط فی مدح بعض الناس فعلی ھذا انما داعی مصلحۃ نفسہ (وہ خطبہ میں ان کو برا کہتے تھے۔ جو اس کے مستحق نہیں تھے۔ اور بعض کی مدح میں افراط کرتے تھے۔ اور یہ فعل ان کا ذاتی مصلحت کے لئے تھا۔

آخری فقرہ کی ضرورت اس لئے پڑی۔ کہ ایک روایت ایسی بھی ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عثمان نے بھی اپنے عہد خلافت کے آخری حصہ میں عید کا خطبہ نماز سے پہلے اس لئے دینا شروع کیا۔ کہ بعض لوگوں کی نماز ذرا دیر ہو جانے کی وجہ سے ضائع

ہو جاتی تھی۔ تاکہ ان لوگوں کو نماز مل جائے۔ انہوں نے خطبہ پہلے دے دیا۔ تو ابن حجر نے یہ لکھا ہے۔ کہ اگر حضرت عثمان نے ایسا کیا۔ تو وہ لوگوں کی نماز کی خاطر کیا تھا۔ تاکہ وہ ضائع نہ ہو جائے۔ مگر مروان نے اغراض نفس کے لئے یہ حرکت کی۔ مطلب یہ کہ وہ چاہتا تھا۔ کہ لوگ اہل بیتؑ پر سب وشتم سنیں۔

مزید یہ کہ حضرت عثمان کے آخری دور والی روایت سے اکثر محدثین نے انکار کیا ہے۔ اور امام شافعی نے صاف لکھا ہے۔ کہ یہ بدعت معاویہ کے زمانہ میں شروع ہوئی اور فرمایا۔

حتی قدم معاویہ فقدم الخطبة فهذا يشير الى ان مروان انما فعل ذالك تبعا لمعاوية من جهته۔ وروى عبد الرزاق عن ابن جريج عن الزهري قال اول من احدث الخطبة قبل الصلوٰة في العيد معاوية وروى ابن المنذر عن ابن سيرين ان اول من فعل ذالك زياد بالبصرة قال عياض ومخالفته بين هذين الاثرين واثر مروان لان كلا من مروان وزياد كان عاملا لمعاوية فيحمل على انه ابتدأ ذالك وتبعه عماله

یہاں تک کہ معاویہ نے اپنے زمانہ میں خطبہ نماز سے پہلے کر دیا۔ پس یہ روایت دلالت کرتی ہے کہ مروان نے یہ سب معاویہ کی اطاعت میں کیا۔ اور وہ اس کی طرف سے مدینہ کا عامل تھا۔ اور عبدالرزاق نے ابن جریج سے انہوں نے زہری سے روایت کیا ہے۔ کہ جس نے عید کی نماز سے پہلے خطبے کی بدعت شروع کی وہ معاویہ تھا۔ اور ابن المنذر نے ابن سیرین سے روایت کی۔ کہ جس نے پہلے یہ بدعت شروع کی۔ وہ زیاد تھا۔ بصرہ میں عیاض نے اس پر کہا ہے۔ کہ ان دونوں اثر اور اثر مروان کے درمیان تضاد نہیں ہے۔ اس لئے کہ مروان و زیاد معاویہ کے عامل تھے پس مطلب یہ ہے کہ معاویہ نے یہ بدعت شروع کی۔ اور اس کے عمال نے مطابقت کی۔ (فتح الباری)

اسی مطلب کی ایک روایت صحیح مسلم میں ہے۔ جس میں ابوسعید خدری فرماتے ہیں کہ :-

میرے اور مروان کے درمیان کش مکش شروع ہوئی۔ گویا وہ مجھے منبر کی طرف کھینچ رہا تھا۔

اور میں اس کو نماز کی طرف۔ میں نے جب اس کشمکش کو دیکھا۔ تو مروان سے کہا۔ نماز سے ابتدا کرنے کا مسنون طریقہ کیا ہوا۔ مروان نے کہا جس طریقہ سے تم واقف ہو۔ اس کو اب ترک کر دیا گیا ہے۔ میں نے کہا نہیں۔ ایسا نہیں ہو سکتا قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے۔ جو طریقہ مجھ کو معلوم ہے۔ تم اس سے بہتر طریقہ نہیں پیش کر سکتے تین مرتبہ اسی طرح ہوا۔ آخر مروان منبر کی طرف سے نماز کی جانب لوٹ پڑا۔

امام نووی اس کی تشریح میں فرماتے ہیں۔ کہ معاویہ نے یہ بات پہلی مرتبہ جاری کی۔ اور اسی کے زمانے میں مدینہ میں مروان نے اور بصرہ میں زیاد نے اسے جاری کیا۔

معاویہ صرف اس بنیاد پر اپنے عاملوں کو تبدیل کر دیتا تھا۔ کہ وہ حضرت علیؑ پر سب و شتم کرنے میں تساہل کرتا۔ مدینہ پر اول مروان کو عامل مقرر کیا تھا۔ جو اہل بیت کا بڑا دشمن تھا۔ اس کے بعد سعید بن العاص کو مقرر کیا تھا۔ مگر چونکہ سعید اس عداوت کے مظاہرے میں تساہل کرتا تھا۔ اس لئے اسے برطرف کر کے پھر مروان کو عامل مقرر کر دیا۔ جس نے یہ شیطانی سرگرمیاں پھر تیز کر دیں۔ خصوصاً امام حسنؑ کے ساتھ بے ادبی کرتا تھا۔ وہ جمعہ کی نماز میں ٹھیک اس وقت آتے تھے۔ جبکہ سب و شتم ہو چکتا تھا۔ مروان نے ان سے باز پرس کی۔ اور ان کے جواب سے مطمئن نہ ہو کر ایسی ایسی باتیں کہلا بھیجتا تھا۔ کہ ان کا اعادہ بھی یہاں مشکل ہے۔ مثلاً اس نے کہلا کر بھیجا۔ کہ تمہاری مثال اس خچر کی سی ہے جس سے پوچھا کہ تیرا باپ کون ہے۔ تو اس نے کہا میری ماں گھوڑی ہے۔ (ابن حجر مکی)

معاویہ کے زمانے میں ابن عباس ایک جماعت سے ملے جو حضرت علیؑ پر سب و شتم کرتے تھے۔ ابن عباس نے ان سے کہا۔ کہ تم میں سے کون اللہ پر سب و شتم کرنے کے لئے تیار ہے۔ وہ کہنے لگے نعوذ باللہ ہم اللہ کے ساتھ ایسی بے ادبی کر سکتے ہیں۔ پھر ابن عباس نے کہا کہ اچھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر کون سب و شتم کرے گا۔ انہوں نے کہا کہ نعوذ باللہ ہم رسول اللہ کے ساتھ ایسا کر سکتے ہیں۔ پھر ابن عباس نے پوچھا کہ ابن ابی طالب پر کون سب و شتم کرے گا۔ اس پر انہوں نے توجہ کی۔ تو ابن عباس

نے کہا۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ جس نے مجھ کو سب وشتم کیا۔ اس نے اللہ کو سب وشتم کیا۔ اور جس نے علی ابن ابی طالب پر سب وشتم کیا۔ اس پر انہوں نے اپنی اصلاح کر لی۔

معاویہ کے عمال اسے خوش کرنے کے لئے ایک دوسرے پر سب وشتم میں سبقت لے جانے کی کوشش کرتے تھے۔ زیاد، مروان، بسر بن ارطاۃ۔ مغیرہ بن شعبہ۔ شرجیل بن سمط، سمرہ بن جندب اور عبد اللہ بن زیاد نے اس بارے میں بڑے شیطانی ریکارڈ قائم کئے ہیں۔

زیاد نے صیفی بن فسیل الشیبانی کے متعلق حکم دیا۔ کہ اسے حاضر کیا جائے کیونکہ وہ حضرت علی پر سب وشتم کرنے کی بجائے ان کی تعریف کرتا تھا۔ وہ آئے تو ان سے پوچھا۔ کہ علی کی بابت کیا رائے ہے۔ انہوں نے کہا کہ اچھی رائے ہے۔ حکم دیا کہ اسے خوب پیٹو۔ اتنا پیٹا گیا۔ کہ وہ زمین پر لوٹنے لگے۔ پھر پوچھا کہ اب بتاؤ علی کی بابت کیا رائے ہے۔ انہوں نے کہا۔ واللہ اگر تم میرے جسم کے ٹکڑے کر دو۔ تو بھی میں وہی کہتا رہوں گا۔ جو کہہ چکا۔ زیاد نے کہا یا تو علیؑ پر لعنت کر۔ ورنہ تیری گردن مار دوں گا۔ انہوں نے انکار کیا۔ تو ان کو زنجیروں میں جکڑ کر قید میں ڈال دیا۔

حافظ ذہبی نے لکھا ہے کہ رشید الہجری کو علی کی حمایت کرنے کے جرم میں نہایت سخت سزا دی۔ یہاں تک کہ زبان کاٹ دی۔ اور جسم کے ٹکڑے کر دیئے (تذکرہ)

شعبی کی یہ روایت بھی موجود ہے۔ کہ میں اس وقت زیاد کے پاس تھا جبکہ رشید الہجری کو لائے۔ وہ علی علیہ السلام کے ساتھیوں میں سے تھا۔ زیاد نے اس سے پوچھا کہ تمہارے دوست (یعنی علیؑ) نے کیا خیال ظاہر کیا تھا۔ کہ میں تمہارے ساتھ کیا سلوک کروں گا۔ رشید الہجری نے جواب دیا۔ کہ انہوں نے کہا تھا وہ تمہارے ہاتھ پاؤں کاٹ ڈالے گا اور تمہیں سولی پر چڑھاوے گا۔ زیاد نے کہا۔ واللہ! میں تمہارے دوست کو جھوٹا ثابت کروں گا۔ اس طرح کہ تمہیں چھوڑ دیتا ہوں۔ اور حکم دیا کہ اسے چھوڑ دو۔ جب وہ جانے لگا تو زیاد نے پھر کچھ سوچ کر حکم دیا۔ کہ اسے واپس بلاؤ۔ اور کہنے لگا۔ تمہارے

دوست نے جو کچھ کہا تھا۔ وہی تمہارے لئے موزوں ترین ہے۔ کیونکہ تو باقی رہ گیا تو بغاوت
ہی کرتا رہے گا۔ اور حکم دیا کہ اس کے ہاتھ پاؤں کاٹ ڈالو۔ مگر رشید الہجر بات کرتے رہے۔
تو حکم دیا کہ اسے گردن سے پکڑ کر لٹکا دو۔ رشید نے کہا ابھی میرے پاس ایک چیز رہ گئی ہے۔
زیاد نے حکم دیا۔ کہ اس کی زبان کاٹ ڈالو۔ جب اس کی زبان کاٹنے کے لئے لوگ آگے بڑھے۔
تو اس نے کہا۔ ایک آخری بات اور کہہ لینے دو اس وقت رشید نے کہا۔ واللہ امیر المومنینؑ
نے جو پوری بات کہی تھی۔ اس کی میں تصدیق کرتا ہوں۔ انہوں نے یہ بھی فرمایا تھا۔ کہ زیاد تیری
زبان بھی کٹوا دے گا۔ چنانچہ رشید الہجر کی زبان کاٹ دی گئی۔ اور اسے سولی پر لٹکا دیا گیا۔
یہ آخری روایت اگرچہ سند کے لحاظ سے کافی مضبوط نہیں ہے۔ مگر قرینہ یہی ہے کہ یہ صحیح
ہوگی۔ واضح رہے کہ روایت و درایت کا یہ مستند اصول ہے کہ واقعہ کی بنیاد صحیح روایات
سے ثابت ہو۔ تو اس کی بعض تفصیلات کے لئے ایسی ضعیف روایات بھی قبول کی جا سکتی
ہیں۔ جن کا ضعف بہت زیادہ نہ ہو۔

حافظ سیوطی نے لکھا ہے کہ ستر ہزار سے زیادہ منبروں سے بنی امیہ علیؑ بن ابی طالب پر لعنت
کراتے تھے۔ علامہ احمد الحفظی الشافعی نے اس واقعہ پر باتیں اشعار لکھے ہیں جن میں سے ایک یہ ہے ا۔

سبعون الف منبر و عشرۃ   من فوقھن یلعنون حیدرۃ

(ستر ہزار دس منبروں سے حیدرؑ پر لعنت کرتے تھے۔)

اس نظم میں وہ فرماتے ہیں کہ ایسے شخص کی نسبت کیسے ضبط کیا جائے۔ جبکہ ام سلمہ کی حدیث
ہے کہ رسول اللہؐ نے فرمایا۔ جس نے علی سے دشمنی کی اس نے محمدؐ سے دشمنی کی۔

یہ تو معاویہ کے دور کی لعنت ہے وہ تو بنی امیہ کے دور میں ایک عرصہ تک یہ سلسلہ جاری رہا۔ اور
اس فعل قبیح کی عجیب عجیب مثالیں تاریخوں میں پائی جاتی ہیں۔ مثلاً المبرد نے الکامل میں لکھا ہے۔ کہ
خالد بن عبداللہ القسری امیر عراق علیؑ پر برسر منبر لعنت ان الفاظ میں کیا کرتا تھا: اے اللہ لعنت
کر علی ابن ابی طالب بن عبدالمطلب بن ہاشم رسول اللہؐ کی بیٹی کے شوہر حسنؑ حسینؑ کے باپ پر۔ یہ

کہہ کر لوگوں سے پوچھتا تھا۔ کہ میں نے پہچان ٹھیک بتائی ہے نا۔ (معاویہ و یزید ص۲۶۱ تا ص۲۶۸)

بہر حال تاریخ کے متفقہ بیان سے یہ امر ثابت ہے کہ پیغمبر اسلام کے ابن عم اور داماد اور نفس رسالت پر سب وشتم کے احکامات معاویہ نے جاری کئے۔ اور سترہ ہزار منابر اسلامیہ پر ہر روز اس فعل شنیع کا ارتکاب مسلمانوں کی زبان سے کروایا۔ اور پیغمبرؐ کی حدیث من سب علیاً فقد سبنی۔ (جس نے علی کو گالیاں دیں اس نے مجھے گالیاں دیں) کے مطابق پیغمبر اسلام کو گالیاں دے کر جو کچھ حاصل کیا۔ کر لیا۔ اہل خبر حضرات سے یہ بات مخفی نہیں ہے۔ سوال پیدا ہوتا ہے۔ کہ آخر اس نے ایسے اسلام سوز فعل کا کیوں ارتکاب کیا۔ جبکہ اس کی سیاسی تقویت کے لئے اور بہت سے غیر دینی امور اور ذرائع موجود تھے۔ تاریخ سے ہی یہ بات بھی ہم کو معلوم ہوتی ہے۔ اور خود حضرت عمر بن عبد العزیزؒ ایسے انصاف پسند خلیفہ کی زبانی اس کا علم ہوتا ہے۔

ابن اثیر صاحب تاریخ کامل اور علامہ ابن ابی الحدید معتزلی لکھتے ہیں۔

"عمر بن عبد العزیز بیان کرتے ہیں کہ میرا باپ جب خطبہ پڑھتا تھا۔ اور علی پر سب وشتم کرتے ہوئے اس کی زبان میں لکنت واقع ہوتی تھی۔ اور اس کا چہرہ متغیر ہو جاتا تھا۔ جب میں نے اس کی حقیقت پوچھی۔ تو کہا کہ تم نے اس چیز کو محسوس کر لیا ہے۔ میں نے جواب دیا۔ ہاں۔ اس وقت میرے باپ نے کہا۔ کہ اگر ہماری رعایا علیؑ کے فضائل کو جان لے۔ جو ہم جانتے ہیں۔ وہ اولاد علیؑ کی اطاعت اختیار کرے گی۔ لہٰذا ان کے فضائل کو چھپانا اور عیوب کو ان کی طرف منسوب کرنا ہماری سلطنت کی مضبوطی کا واحد ذریعہ ہے۔"

(تاریخ کامل ج ۵ ص۱۶ شرح ابن ابی الحدید ج ۳ ص۲۵۵)

یہ ہے وہ اموی سیاست اور حرف آخر جو دشمن کی زبان پر ہی جاری ہو گیا۔ حقیقت وہی ہے جسے دشمن تسلیم کرے فضیلت وہی ہے جس کو مخالف مانے۔ بنو امیہ کی حکومت نے سارے ہتھکنڈے اور ذلیل ترین حربے استعمال کئے۔ کہ اموی سامراج زندہ رہے۔ اور

آلِ محمدؐ کے دین اور مشن کو نیست و نابود کیا جائے۔ مگر ان کی حکومت مٹ گئی اقتدار ختم ہو گیا نہ تو بنو امیہ کا ڈنکا بج رہا ہے۔ اور نہ ہی بنی عباس قصرِ امارت میں دادِ عیش لے رہے ہیں۔ مگر زندہ ہے تو وہی اسلام جس کو مٹانے کی کوشش کی گئی۔ اور باقی ہے تو محمد و آلِ محمد علیہم السلام کا ہی مشن جس کو بنو امیہ نے حرفِ غلط قرار دینے کی کوششیں کیں۔ امیر شام خود تو اپنے کئے کی سزا میں رہن ہو چکے ہیں۔ عصرِ حاضر میں ان کے خصوصی وکیل جناب عباسی صاحب آئیں اور دیکھیں کہ تمام ممالک اسلامیہ میں ہر روز علیؑ اور اولادِ علیؑ کے نام کا خطبہ پڑھا جاتا ہے۔ ان کے ہی فضائل و مناقب منبروں پر بیان کئے جاتے ہیں۔ کیا یہ معجزہ نہیں؟

یریدون لیطفؤا نور اللہ بافواھھم واللہ متم نورہ

امیر شام کی اوّلیات و بدعات

جہاں تک ملکی سیاست فتوحات۔ انتظامات اور تدوین دفاتر کا تعلق ہے معاویہ اور ان کے جانشینوں کے متعلق بعض مورخین کا اچھا خیال ہے۔ لیکن جہاں تک دینِ اسلام اور اس کے اوامر و نواہی کا تعلق ہے۔ معاویہ کے دورِ حکومت کی تصویر نہایت تاریک اور قابلِ افسوس ہے۔ کتاب و سنت پر قائم شدہ اسلامی خصوصیات کو ایسا منہدم کیا۔ کہ آج تک اسلام کا درد رکھنے والے خون کے آنسو رو رہے ہیں۔ اسلام کی متواتر اور مشہور سنتوں کے خلاف معاویہ کی جاری کردہ بدعات۔ و اولیات پر جتنا بھی ماتم کیا جائے کم ہے۔ افسوس کہ ہم ذیل میں ایک ناگوار فریضہ کی سرانجام دہی کر رہے ہیں۔ کیا ہی اچھا ہوتا۔ کہ ہم معاویہ کے دفترِ اعمال سے چند ایک حسنات بھی پیش کر سکتے۔ مگر حسرت کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ تاریخ اسلام کا طویل و عریض صفحہ حسنات معاویہ سے خالی نظر آتا

ہے۔ اس لئے بجائے حسنات کے ہم اس کے اختراعات و بدعات کا ذیل میں مختصر ا
تذکرہ کرتے ہیں:۔

۱۔ معاویہ نے خطبہ بیٹھ کر پڑھنا جاری کیا حالانکہ رسول صلعم کھڑے ہو کر ارشاد
فرمایا کرتے تھے۔ (تاریخ الخلفاء سیوطی صـ۱۵۴)

۲۔ خطبۂ عید کو نماز پر مقدم کیا۔ اور سنت رسول اللہ اس کے برعکس ہے۔
(تاریخ الخلفاء صـ۱۵۴)

۳۔ عید کے روز قبل نماز اذان مقرر کی۔ (تاریخ الخلفاء صـ۱۵۴)

۴۔ تکبیر کو نماز سے کم کر دیا (تاریخ الخلفاء صـ۱۵۴)

۵۔ اپنی خاص خدمات کے لئے خواجہ سراؤں کو مقرر کیا۔ (تاریخ مذکور صـ۱۵۴)

۶۔ مسجد میں امام کے لئے چھوٹا حجرہ بنوایا (تاریخ الخلفاء صـ۱۵۵)

۷۔ خانہ کعبہ کو پوشش ڈالتے وقت برہنہ کرنے کی اجازت دیدی حالانکہ اس
سے قبل ایسا نہیں ہوتا تھا۔ (تاریخ الخلفاء صـ۱۵۵)

۸۔ بیعت لیتے وقت حلف لینا جاری کیا۔ (تاریخ الخلفاء صـ۱۵۵)

۹۔ اپنی اولاد کو خلیفہ بنایا (تاریخ الخلفاء صـ۱۵۵)

۱۰۔ روز عرفہ کے تلبیہ کو علیؑ کی مخالفت کی وجہ سے موقوف کیا۔
(محلی ابن حزم ج ۷ صـ۱۳۶)

۱۱۔ آپ وہ پہلے شخص ہیں جن کو وقت نماز یہ کہکر پکارا جاتا تھا۔ "السلام علیک
یا امیر المومنین الصلوٰۃ یرحمک اللہ" (تاریخ الخلفاء صـ۱۵۵)

۱۲۔ آپ ہی وہ پہلے اور آخری شخص ہیں۔ جس نے بدھ کے روز نماز جمعہ پڑھائی۔
(مروج الذہب ج ۳ صـ۴۱)

۱۳۔ آپ ہی وہ پہلے شخص ہیں کہ رسول خدا اور خلفاء کے طرز عمل کے خلاف نماز عید

میں بھی اذان کہلوائی (کتاب الام الشافعی ج ۱ صـ۹۰)

۱۴- آپ ہی نے تکبیراتِ مسنونہ کو نماز سے باہر نکال دیا۔

(نیل الاوطار ج ۲ صـ۲۹۶)

۱۵- آپ ہی سب سے پہلے صفا و مروہ پر سوار ہوئے (اوائل سیوطی)

۱۶- آپ ہی نے نبیذ شراب پی۔ اور سب سے پہلے غنا یعنی موسیقی کو علانیہ ظاہر کیا۔ (اوائل سیوطی)

۱۷- آپ ہی نے سب سے پہلے مٹی کھائی۔

۱۸- معاویہ نے زیاد بن سمیہ کی ولدیت کو اپنے باپ کی طرف منسوب کیا۔ اور رسول اللہ کے فیصلے "الولد للفراش وللعاھر حجر" کو بدل ڈالا (استیعاب ج ۱ صـ۱۹۵)

۱۹- آپ نے سب سے پہلے سونا پہنا، ریشم کے کپڑے پہنے۔ اور درندوں کی کھال کو استعمال کیا۔ حالانکہ پیغمبرِ اسلام نے ان باتوں سے منع کیا تھا۔

(مسند احمد جلد ۴ صـ۱۳۲)

۲۰- زکوٰۃ اسلامی کا نظام یکسر بدل ڈالا۔ (معاویہ و یزید صـ۶۵)

۲۱- آپ ہی وہ شخص ہیں۔ جس نے دیت پر ذاتی قبضہ کر لیا۔ (معاویہ و یزید صـ۶۹)

۲۲- معاویہ ہی نے سب سے پہلے اپنے مخالفین کو قتل کر کے انہیں زندہ دفن کرایا۔

(معاویہ و یزید صـ۷۲)

۲۳- آپ ہی نے سب سے پہلے علیؑ اور اولاد علیؑ پر سب و شتم کی قبیح رسم جاری کی۔ (صحیح مسلم جلد ۲ صـ۱۲۰)

یہ ہیں چند ایک اولیات اور امیر شام کی بدعات جو اس نے اپنے استبدادی دورِ حکومت میں خلافِ اسلام جاری کیں۔ اور اپنی حکومت اور اقتدار کے زور سے اسلامی لٹریچر میں ان کو ضبط بھی کروا دیا۔ یہی وجہ ہے کہ بعض فقہائے اسلام نے اسلام کے تحقیقی

خدوخال اور اصول وفروع کے ساتھ ان بدعات و اولیات کو بھی ساتھ ساتھ زیر بحث لاکر سنت کے بالمقابل لاکھڑا کیا ہے۔ اور اسلام کے امور متحد ہونے کے بجائے اختلاف کا شکار ہو چکے ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ بعض افاضلِ اسلام نے حقیقت پسندانہ روش میں بدعت وسنت اور حق وباطل کو علیحدہ علیحدہ پیش کرکے بڑی ہی جرأت سے کام لیا ہے۔ مگر پھر بھی اسی پرانی روش پر قدامت پسند لوگ انہی اولیات و بدعات پر عمل پیرا نظر آتے ہیں۔

ان اولیات اور بدعات کے سلسلہ میں جس اجمالی خاکہ کو ہم نے پیش کیا ہے۔ امید ہے کہ ہمارے قارئین نے اندازہ لگا لیا ہوگا۔ کہ کس طرح پہلی صدی اسلام میں ہی قرآن وحدیث کے خلاف بدعات وشنیات کا رواج دے کر شریعتِ اسلامیہ کا مذاق اڑایا گیا۔ اب ذیل میں ہم اس اجمال کی تفصیل بھی اپنے ناظرین کے اطمینان کے لئے پیش کرنا چاہتے ہیں۔

معاویہ اور شراب

(۱) امام احمد نے عبداللہ بن بریدہ کے واسطہ سے روایت کی ہے۔ عبداللہ کا بیان ہے۔ کہ ہم اپنے باپ بریدہ کے ہمراہ معاویہ کے پاس گئے۔ معاویہ نے ہم لوگوں کو فرش پر بٹھایا۔ پھر کھانا آیا۔ ہم سب نے کھایا۔ پھر شراب آئی۔ معاویہ نے خود بھی پی۔ اور میرے باپ کو بھی دی۔ میرے باپ نے کہا۔ جس دن سے رسول اللہ نے اسے حرام کیا ہے ہم نے نہیں پی (مسند احمد جلد ۵ ص ۳۴۷)

۲۔ علامہ ابنِ عساکر نے اپنی تاریخ جلد ۷ ص ۲۱۱ میں عمیر بن رفاعہ کے واسطہ سے روایت کی ہے۔ کہ عبادہ بن صامت صحابی پیغمبرؐ شام میں تھے۔ ان کی طرف سے اونٹوں کی قطار گذری جن پر شراب لدی ہوئی تھی۔ عبادہ نے پوچھا یہ کیا ہے۔ زیتون تو نہیں۔ لوگوں نے کہا نہیں بلکہ شراب ہے جو دوسروں کے ہاتھ بیچی جاتی ہے۔ عبادہ نے ایک چھری لے کر ہر مشک چاک کر دی۔ ابوہریرہ بھی شام ہی میں تھے۔ معاویہ نے ان کے پاس کہلا بھیجا۔ کہ اپنے

عبادہ کو روک سکتے نہیں۔ وہ ہر صبح بازار میں پہنچ جاتے ہیں۔ اور ذمی تاجروں کی دوکانداری غارت کر دیتے ہیں۔ اور ہر شام مسجد میں بیٹھتے ہیں۔ اور سوائے ہمیں بُرا بھلا کہنے اور عیب لگانے کے کوئی دوسرا کام نہیں کرتے۔ ابو ہریرہ نے عبادہ سے کہا۔ تمہیں معاویہ سے کیا سروکار جو کرتے ہیں کرنے دو۔ خداوند عالم فرماتا ہے تلك امة قد خلت لها ما كسبت ولكم ما كسبتم عبادہ نے جواب دیا۔ ابو ہریرہ! تم اس وقت ہمارے ساتھ نہیں تھے۔ جبکہ ہم نے رسولؐ خدا کی بیعت کی تھی۔ ہم نے ان باتوں پر بیعت کی تھی۔ کہ پیغمبرؐ کا حکم سنیں گے ہر حال میں اطاعت کریں گے۔ تنگ حالی اور فراخی دونوں حالتوں میں راہ خدا میں خرچ کریں گے۔ اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کریں گے۔ خدا کے معاملہ میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کی پرواہ نہ کریں گے۔

(۲) ابن عساکر وغیرہ نے روایت کی ہے کہ عبدالرحمن بن سہیل انصاری عہد عثمان میں شام میں تھے۔ شراب کے مشکیزے ان کی طرف سے گذرے جو معاویہ کے لئے جا رہے تھے۔ وہ اپنا نیزہ لے کر اٹھ کھڑے ہوئے اور ہر مشک پھاڑ ڈالی۔ غلاموں نے عبدالرحمن کو پکڑ لیا۔ جب معاویہ کو اس واقعہ کی خبر ملی۔ تو کہا انہیں چھوڑ دو۔ وہ بوڑھے ہیں۔ اور ان کی عقل جاتی رہی ہے۔ عبدالرحمن نے کہا۔ خدا کی قسم میری عقل نہیں گئی۔ لیکن رسولؐ اللہ نے ہمیں منع کیا ہے۔ کہ نہ ہمارے شکموں میں شراب داخل ہو۔ نہ ہمارے مشکیزوں میں۔ میں خدا کی قسم کھاتا ہوں۔ اگر میں زندہ رہا اور میں نے معاویہ میں وہ باتیں دیکھیں جنہیں میں رسولؐ اللہ سے سن چکا ہوں۔ تو میں اس کا پیٹ پھاڑ دوں گا۔ (الغدیر جلد ۱۰ ص ۴۰۔ تہذیب التہذیب جلد ۶ ص ۱۹۲ و استیعاب جلد ۲ ص ۴۰۰ اسد الغابہ جلد ۳ ص ۲۹۹)

اب تک یہی مشہور تھا کہ شراب نوشی کا سلسلہ یزید سے شروع ہوا مگر یہ روایتیں بتاتی ہیں۔ کہ یہ سلسلہ بہت پہلے شروع ہو چکا تھا۔ اور یزید نے میراث میں یہ عادت پائی تھی۔

بدھ کے دن جمعہ کی نماز

کوفہ کا ایک شخص اونٹ پر سوار دمشق میں آیا۔ دمشق کا ایک شخص اس کے پیچھے پڑ گیا۔ اور کہنے لگا یہ اونٹنی میری ہے۔ تم نے صفین

میں مجھ سے چھین لی تھی۔ معاملہ معاویہ کے پاس پہنچا۔ دمشقی شخص نے پچاس آدمیوں سے گواہی دلوادی کہ یہ اونٹنی میری ہے۔ معاویہ نے کوفی کے خلاف فیصلہ دیدیا۔ اور اُسے حکم دیا۔ کہ یہ اونٹنی اس کے حوالہ کردو۔ کوفی نے کہا خدا آپ کا بھلا کرے پہلے یہ تو دیکھو۔ کہ اونٹ ہے یا اونٹنی۔ معاویہ نے کہا۔ اب تو جو فیصلہ ہونا تھا ہو چکا۔ اس کے بعد معاویہ نے پوشیدہ طریقہ سے اس کو بلا بھیجا۔ اور پوچھا تمہارا اونٹ کتنے داموں کا تھا۔ اس نے قیمت بتادی معاویہ نے دوگنی قیمت دلوادی۔ اور اس کے علاوہ مزید انعام واکرام دیا۔ اور کہا علیؑ سے جاکر کہہ دینا۔ کہ میں ایک لاکھ ایسے آدمی لے کر آپ کا مقابلہ کروں گا۔ جو اونٹ اور اونٹنی میں تمیز نہیں کرتے اور اطاعت اتنی بڑھی ہوئی ہے۔ کہ صفین جاتے ہوئے بدھ کے دن جمعہ کی نماز پڑھادی۔ اور کوئی معترض نہ ہوا۔) ان لوگوں نے اپنا سر عاریت دیدیا ہے۔ اور عمرو عاص کی اس بات کو گرہ میں باندھ لیا ہے۔ کہ علیؑ نے عمار یاسر کو قتل کیا۔ کیونکہ وہی ان کو اپنی مدد کے لئے لائے تھے۔ پھر شام والوں کی اطاعت اتنی بڑھی۔ کہ انہوں نے علیؑ پر تبرا کرنے کو اپنی سنت بنالیا ہے۔ اسی پر بچے تربیت پارہے ہیں۔ اور اسی پر بوڑھے ہوکر مرے گئے۔

(مروج الذہب جلد ۲ ص۷۲)

معاویہ اور استعمال محرمات

امام ابوداؤدؒ نے روایت کی ہے کہ مقدام بن معدیکرب اور عمرو بن اسود اسدی معاویہ کے پاس آئے۔ معاویہ نے مقدام سے کہا۔ تمہیں معلوم نہیں ہے حسنؑ بن علیؑ انتقال کر گئے۔ مقدام نے انا للہ وانا الیہ راجعون کہا۔ اس پر ایک شخص نے کہا (امام احمد کی روایت میں ہے۔ کہ خود معاویہ نے کہا) کیا تم اسے مصیبت سمجھتے ہو۔ مقدام نے کہا میں کیوں نہ مصیبت سمجھوں پیغمبرؐ نے انہیں اپنی گود میں لے کر کہا تھا۔ یہ حسنؑ مجھ سے ہے اور حسینؑ علیؑ سے۔ اس پر اسدی شخص نے کہا۔ ایک چنگاری تھی۔ جسے خدا نے بجھا دیا۔ مقدام نے کہا۔ معاویہ آج میں اس وقت تک نہ ٹلوں گا۔ جب تک تمہیں غضبناک نہ کرلوں۔ اور ایسی باتیں نہ سنالوں۔ جو تمہیں ناگوار گذریں پھر

کہا۔ معاویہ اگر میں سچ بولوں تو تم میری تصدیق کرنا۔ اور اگر جھوٹ بولوں تو مجھے جھٹلا دینا

معاویہ نے کہا کہو۔

مقدام۔ تمہیں معلوم ہے کہ رسولؐ اللہ نے ریشم پہننے کو منع کیا ہے؟

معاویہ۔ ہاں۔

مقدام۔ تم نے رسول اللہ سے سُنا ہے کہ آپ نے سونا پہننے سے منع کیا؟

معاویہ۔ ہاں۔

مقدام۔ تم یہ بھی جانتے ہو کہ پیغمبرؐ نے درندوں کی کھال پہننے اور درندوں پر سواری کرنے سے منع کیا؟

معاویہ۔ ہاں۔

مقدام۔ تو خدا کی قسم یہ سب باتیں تمہارے گھر میں دیکھیں۔

معاویہ۔ میں پہلے ہی جانتا تھا۔ کہ تم سے میری جان نہ بچ سکے گی۔

(مسند احمد جلد ۴ صفحہ ۱۳۰ سنن ابی داؤد جلد ۲ صفحہ ۱۸۶)

زیاد بن سمیہ کو بھائی بنانا

منجملہ ضروریاتِ دینِ اسلام پیغمبر خدا کا یہ ارشاد گرامی بھی ہے الولد للفراش وللعاہر الحجر" لڑکا شوہر کا ہے۔ اور زناکار کے لئے سنگساری ہے یہ حدیث صحاح ستہ اور حدیث کی ہر چھوٹی بڑی کتاب میں موجود ہے۔ اور مسلمانوں نے اسے نسب کے معاملہ میں بنیادی پتھر قرار دیا ہے۔

پیغمبرؐ خدا نے یہ بھی ارشاد فرمایا ہے۔ من ادعی ابا فی الاسلام غیر ابیہ فالجنۃ علیہ الحرام مسلمان ہو کر اگر کوئی شخص اپنے باپ کے علاوہ کسی دوسرے کو اپنا باپ بنائے اس پر جنت حرام ہے۔ اسی قسم کی اور سینکڑوں مسلم الثبوت حدیثیں ہیں۔ مگر معاویہ نے زیاد بن سمیہ کو سیاسی مصالح کی بنا پر بھائی بنا کر کھلم کھلا ان تمام ارشادات پیغمبرؐ کی مخالفت کی اور قانونی باپ کو محروم کرکے سارے حقوق زناکرنے والے کو دلا دیئے۔

زیاد قبیلۂ ثقیف کے غلام عبید کا لڑکا تھا۔ پہلے یہ زیاد بن عبید کے نام سے پکارا جاتا تھا جب معاویہ نے اس کو بھائی بنا لیا۔ تو زیاد بن ابی سفیان کے نام سے پکارا جانے لگا۔ اور جب اموی سلطنت ملیامیٹ ہو گئی تو زیاد بن ابیہ، زیاد بن امہ، اور زیاد بن سمیہ کے نام سے یاد کیا جانے لگا۔

خود معاویہ نے بھائی بنانے کے پہلے اُسے ایک خط میں لکھا تھا من امیر المومنین معاویہ بن ابی سفیان الی زیاد بن عبید فانک عبد کفرت النعمۃ واستدعیت النقمۃ معاویہ بن ابی سفیان کی طرف سے زیاد بن عبید کے نام تم ایک غلام تھے جس نے کفرانِ نعمت کیا اور بربادی و ہلاکت کی خواستگاری کی (شرح ابن ابی الحدید جلد ۴ ص۶۸)

زیاد کی ماں سمیہ ایران کے کسی کسان کی کنیز تھی۔ وہ کسان ایک مرتبہ بیمار ہوا علاج کے لئے حارث بن کلدہ طبیب ثقفی کو بلایا۔ جب اس کے علاج سے اسے صحت ہوئی۔ تو اس نے اظہارِ شکر گزاری کے طور پر اپنی کنیز سمیہ اُسے عطا کی۔ حارث نے اپنے رومی غلام عبید سے اُسے بیاہ دیا۔ عبید ہی کی زوجیت میں سمیہ کے بطن سے زیاد پیدا ہوا جب زیاد بڑا ہوا تو اُس نے اپنے باپ کو ایک ہزار درہم میں خرید کر آزاد کر دیا۔ اس زیاد کی ماں سمیہ مشہور بدکار اور بیسوا عورت تھی۔

علامہ ابو عمرو اور ابن عساکر نے روایت کی ہے کہ حضرت عمر نے اپنے عہد حکومت میں زیاد کو یمن بھیجا۔ وہاں کے حالات درست کرنے کے لئے وہاں سے واپس آ کر اُس نے ایک تقریر کی جو بہت پسند کی گئی۔ عمرو عاص نے کہا اگر یہ نوجوان قریشی ہوتا۔ تو سارے عرب کو اپنی لاٹھی سے ہانکتا۔ ابو سفیان نے کہا میں اسے اچھی طرح جانتا ہوں جس نے اس زیاد کو اس کی ماں سمیہ کے پیٹ میں رکھا علی ابن ابی طالب نے پوچھا۔ ابو سفیان وہ کون ہے۔ ابو سفیان نے کہا میں یا علی نے کہا چپکے ہی رہو۔

ابن عساکر کی لفظیں یہ ہیں کہ عمرو عاص نے کہا ابو سفیان خاموش رہو۔ اگر عمر نے یہ بات سن لی تو تمہاری گت بنا دیں گے۔ اس پر ابو سفیان نے چند شعر پڑھے جن کا مطلب یہ تھا۔ کہ اگر کسی کا خوف نہ ہوتا۔ تو میں اصل واقعہ کو ظاہر کر دیتا۔ میں نے بنی ثقیف سے بہت دنوں در گذر کی۔ اور ان میں اپنے میوۂ دل کو چھوڑ رکھا۔

اسی واقعہ نے معاویہ کو آمادہ کیا اس پر کہ زیاد کو بھائی بنالے۔

(استیعاب جلد ا صفحہ ۱۹۵ تاریخ ابن عساکر جلد ۵ صفحہ ۴۱۰)

کون پوچھے اور کس سے پوچھا جائے کہ اگر صرف اتنی سی بات پر معاویہ نے زیاد کو بھائی بنا لیا تو اس سے زیادہ ضروری عمرو بن عاص کو بھائی بنانا تھا۔ کیونکہ عمرو عاص کی پیدائش کے دن علی الاعلان ابوسفیان نے اس کا دعویٰ کیا تھا۔ کہ میں نے اس کو اس کی ماں کے رحم میں رکھا ہے۔ اس پر عاص سے اس کا جھگڑا ہوا۔ مگر نابغہ (عمرو عاص کی ماں) نے عاص کا ساتھ دیا۔ کیونکہ ابوسفیان بخیل تھا۔ اس سے زیادہ پیسے ملنے کی امید نہ تھی۔

زیاد کے مادری بھائی ابوبکرہ کو جب اس کی خبر ملی۔ کہ معاویہ نے زیاد کو بھائی بنالیا ہے۔ اور زیاد اس پر راضی بھی ہے۔ تو انہوں نے قسم کھائی تھی۔ کہ ہم اس سے کبھی نہیں بولیں گے۔ ابوبکرہ نے کہا۔ زیاد نے اپنے باپ عبید کے ولدیت سے انکار کر کے جیسے خود اپنی ماں سے زنا کیا۔ خدا کی قسم میرا یقین تو یہ ہے کہ سمیہ نے کبھی ابوسفیان کی شکل بھی نہ دیکھی ہوگی۔ ستیاناس ہو اس کا۔ یہ ام حبیبہ (معاویہ کی بہن اور پیغمبر کی بیوی) کے ساتھ کس طرح پیش آئے گا۔ کیا وہ ام حبیبہ کو دیکھنا چاہتا ہے۔ اگر ام حبیبہ نے اس سے پردہ کیا تو زیادہ ذلیل ہو جائے گا۔ اور بھائی بننے کا پول کھل جائے گا۔ اور اگر ام حبیبہ سامنے ہوئیں۔ تو بڑی بھاری معصیت اور پیغمبر کی زبردست ہتک حرمت ہوگی۔ معاویہ کے زمانہ میں زیاد نے حج کیا۔ حج سے فارغ ہو کر مدینہ آیا۔ چاہا کہ ام حبیبہ کے پاس بھی جائے۔ مگر پھر ابوبکرہ کا قول یاد آ گیا۔ اس لئے پلٹ آیا یہ بھی کہا جاتا ہے۔ کہ خود ام حبیبہ نے سامنے آنے کی اجازت نہ دی۔

طبری نے ابواسحاق سے روایت کی ہے۔ کہ زیاد حبیب کوفہ آیا۔ تو اس نے لوگوں سے کہا "میں تمہارے پاس ایک ایسی غرض سے آیا ہوں جس کا فائدہ تمہیں کو ہوگا۔ لوگوں نے کہا فرمایئے زیاد نے کہا۔ تم میرا نسب معاویہ سے ملا دو۔ لوگوں نے کہا جھوٹی گواہی سے تو ہم الگ ہی رہیں۔ وہاں سے وہ چل کر بصرہ آیا۔ جہاں ایک شخص ایسا مل گیا جس نے گواہی

دے دی۔ (طبری جلد ۶ صفحہ ۱۲۳)

ابن عساکر و ابن اثیر لکھتے ہیں کہ ابوسفیان طائف گیا تھا۔ وہاں ایک شراب بیچنے والے کے یہاں ٹھہرا جس کا نام ابومریم سلولی تھا۔ یہ ابومریم بعد میں مسلمان بھی ہوا۔ وہ پیغمبرؐ کی صحبت سے بھی شرفیاب ہوا۔ ابوسفیان نے شراب پینے کے بعد ابومریم سے عورت کی خواہش ظاہر کی۔ ابومریم نے کہا۔ حارث بن کلدہ کی کنیز اور عبید کی بیوی سمیہ موجود ہے۔ کہو تو بلا دوں۔ ابوسفیان نے کہا۔ اُسی کو بلا دو۔ اگرچہ اس کے پستان بہت بڑے اور اُس کی بغل بڑی بدبودار ہے۔ ابومریم بلا لایا ابوسفیان نے اس سے منہ کالا کیا۔ اس سے زیاد پیدا ہوا۔ جسے بعد میں معاویہ نے اپنا بھائی بنا لیا۔

ابن عساکر نے یہ بھی روایت کی ہے کہ زیاد نے اپنے مادری بھائی ابوبکرہ سے کہا امیرالمومنین معاویہ مجھے اپنا بھائی بنانا چاہتے ہیں۔ حالانکہ میں عبید سے پیدا ہوا اور اسی کے مشابہ بھی ہوں۔ میں یہ بھی جانتا ہوں۔ کہ پیغمبر خداؐ نے ارشاد فرمایا ہے۔ جو شخص اپنے باپ کو چھوڑ کر کسی دوسرے کو باپ بنائے اس کا ٹھکانہ جہنم میں ہے۔" پھر اگلے سال جب زیاد ابوبکرہ سے ملنے آیا۔ تو اس وقت معاویہ کا بھائی بن چکا تھا۔

(عقد فرید جلد ۳ صفحہ ۳۔ تاریخ ابن عساکر جلد ۵ صفحہ ۴۰۹۔ تاریخ کامل جلد ۳ صفحہ ۱۹۱)

جب معاویہ کی بیعت ہوئی۔ تو زیاد اس کے پاس آیا۔ اور دو لاکھ روپے پر آپس میں مصالحت ہو گئی۔ انہیں دنوں زیاد کی ملاقات مصقلہ بن ہبیرہ شیبانی سے ہوئی۔ زیاد نے وعدہ کیا۔ میں ۲۰ ہزار درہم تمہیں دونگا۔ اگر تم معاویہ سے جا کر یہ کہو کہ زیاد نے فارس کی خشکی اور تری دونوں ہڑپ کر لی۔ پھر دو لاکھ درہم پر آپ سے معاملہ بھی طے ہو گیا۔ میرا تو خیال ہے کہ جو کچھ کہا جا رہا ہے۔ وہ سچ ہی ہے" اور جب معاویہ تم سے پوچھے کہ کیا کہا جا رہا ہے۔ تو تم کہنا یہی کہ زیاد ابوسفیان کا فرزند ہے"۔ مصقلہ نے ایسا ہی کیا۔ معاویہ نے بھی مناسب سمجھا کہ زیاد کو بلائے۔ اور اپنا بھائی بنا کر اس کی سچی نصیحت حاصل کرے۔ دونوں اس پر متفق ہو گئے۔ گواہ بلائے گئے۔ جنہوں نے اس کی گواہی بھی دے دی۔ منجملہ اور گواہوں کے ابومریم سلولی تھا۔ معاویہ نے پوچھا۔ تم کیا گواہی دیتے ہو۔

ابو مریم نے کہا میں یہ گواہی دیتا ہوں۔ کہ ابو سفیان میرے پاس آیا اور مجھ سے بدکار عورت طلب کی۔ میں نے کہا میرے پاس صرف سمیہ ہے۔ ابو سفیان نے کہا اسی کو لے آؤ۔ اگرچہ وہ بڑی گندی اور وا ہیات ہے۔ میں بلا لایا۔ ابو سفیان نے اس سے منہ کالا کیا۔ اور سمیہ اس کے پاس سے اس حال میں رخصت ہوئی کہ اس کے سرین کے درمیان سے منی کے قطرے ٹپک رہے تھے۔ زیاد نے ابو مریم سے کہا ذرا سنبھل کے تمہیں گواہی دینے کے لئے بلایا گیا ہے نہ کہ گالیاں دینے کے لئے۔ اس کے بعد معاویہ نے اس کے بھائی ہونے کا اعلان کر دیا (تاریخ یعقوبی جلد ۲ ص ۱۹۴ مروج الذہب جلد ۲ ص ۵۶ تاریخ ابن عساکر جلد ۵ ص ۴۰۹ تاریخ کامل جلد ۳ ص ۹۲ اتحاف شبرادی ص ۲۲)

(اموی دور خلافت ص ۲۳۲ تا ص ۲۳۳)

نظام زکوٰۃ میں تبدیلی

حافظ علی بہادر خان بی۔ ایس سی علیگ کا تبصرہ و تنقید کتنا ہی حقیقت پر مشتمل ہے۔ فاضل موصوف نے نہایت واشگاف الفاظ میں اولیات و بدعات معاویہ کو ایک ایک کر کے تحریر کیا ہے، اور ثابت کیا ہے۔ کہ امیر معاویہ نے اسلامی خصائص کی بنیادوں کو جو کتاب و سنت پر قائم تھیں۔ ایسا منہدم کیا۔ کہ آج تک اس کی از سر نو تعمیر نہیں ہو سکی۔ وہ لکھتے ہیں:-

معاویہ کی اولیات میں ایک ایسا فعل بھی ہے جس نے اسلام کے اقتصادی نظام کو تہ و بالا کر دیا۔ یہ ایسی ضرب کاری تھی۔ کہ آج تک اس کے نتائج سے اسلام تباہ ہے۔ انہوں نے بیت المال کا نظام بدل دیا۔ زکوٰۃ جو مسلمانوں کا ایک مستند فریضہ تھا۔ اس کا مقررہ طریقہ یہ تھا۔ کہ وہ بیت المال میں ادا کیا جاتا تھا۔ اور پھر قرآن کے مقررہ مدات میں اسے خود خلیفہ صرف کرتا تھا۔ قرآن کی آیت اِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسَاكِينِ وَالْعَامِلِينَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوبُهُم وَفِي الرِّقَابِ وَالْغَارِمِينَ وَفِي سَبِيلِ اللّٰهِ وَابْنِ السَّبِيلِ تمام مفسرین کے نزدیک زکوٰۃ کے مصارف پیش کرتی ہے۔ اس آیت میں "وَالْعَامِلِينَ عَلَيْهَا" کا ٹکڑا ثابت کرتا ہے کہ زکوٰۃ کا تعلق بیت المال اور نظام حکومت سے ہے۔ جس کے کارکنوں کا بھی اس میں حصہ ہے۔ فی زمانہ جو طریقہ زکوٰۃ رائج ہے۔ کہ زکوٰۃ دینے والا خود ہی کسی محتاج کو منتخب کر کے دے دیتا ہے۔ اور جو لوگ اپنے مال

کی زکوٰۃ نہیں دینا چاہتے۔ اُن کا معاملہ صرف خدا پر چھوڑ دیا جاتا ہے۔ زکوٰۃ کا یہ تصوّر اسلامی نہیں ہے بلکہ دورِ بنی امیہ کی بدعات کی یادگار ہے۔ اسلامی تصوّر یہ تھا۔ کہ اسلامی سوسائٹی بغیر امیر یا امام کے نہ رہے۔ اور زکوٰۃ صرف امام کو دی جائے۔ جو بیت المال میں داخل کرے۔ اور خاص قواعد کے تحت وہاں سے بذریعہ امیر خرچ کی جائے۔ معاویہ خود غصب کرتے اور اپنی ذات پر خرچ کرتے تھے۔

یہ طریق کار اتنا اہم سمجھا گیا تھا۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد جب بعض مسلمانوں نے بیت المال میں زکوٰۃ دینے سے انکار کیا۔ تو حضرت ابوبکر صدیق نے اُن کے خلاف جہاد کرا دیا۔ اور اعلان کر دیا کہ عہدِ رسالت میں جو لوگ بیت المال میں ایک رسّی بھی دیتے تھے تو اب بھی ان کو دینی پڑے گی۔ چنانچہ مالک بن نویرہ کے قتل کا واقعہ تاریخوں میں تفصیل کے ساتھ موجود ہے۔ ان کے قبیلے بنی یربوع نے زکوٰۃ سے انکار نہیں کیا تھا۔ بلکہ یہ کہا تھا کہ ہم مسلمان ہیں۔ اور نماز پڑھیں گے لیکن زکوٰۃ ہم بیت المال میں نہ دیں گے بلکہ رسول اللہ کے ارشاد "توخذ من الاغنیاء و ترد علی الفقراء" مال داروں سے لے کر فقراء کو دیں گے۔ حضرت خالد نے جو اس لشکر کے سردار تھے۔ قتال کیا اور مالک بن نویرہ کو قتل کر ڈالا۔ چونکہ مالک پھر دارالخلافہ میں آنے اور خلیفہ سے گفتگو کرنے کو تیار ہو گیا تھا اس لئے اس کے قتل پر حضرت عمرؓ کو غصہ آیا تھا۔ اور انہوں نے حضرت ابوبکرؓ سے خالد کو قصاص قتل کرنے یا کم از کم معزول کرنے کا مطالبہ کیا تھا۔ جسے حضرت ابوبکرؓ نے رد کر دیا تھا۔ اسی واقعہ کا شاخسانہ تھا۔ کہ حضرت عمرؓ نے خلیفہ ہونے کے بعد خالد کو شام کے لشکر کی قیادت سے معزول کر کے ابوعبیدہ کو ان کی جگہ مقرر کر دیا تھا۔

مختصر یہ ہے کہ زکوٰۃ کو بیت المال میں نہ دینے سے حضرت ابوبکر صدیقؓ نے جہاد کیا تھا کیونکہ اُسے اسلام کا بنیادی مسئلہ سمجھا گیا تھا لیکن معاویہ نے اس نظام کو ختم کر دیا۔ اور بیت المال کو اپنا شاہی خزانہ بنا کر اُس کو زکوٰۃ کے علاوہ دوسری آمدنیوں سے بھرنا اور من مانے طریقہ پر خرچ کرنا

کرنا شروع کر دیا۔ حضرت عمرؓ اپنے زمانہ میں فرمایا کرتے تھے۔ کہ معاویہ اسلامی سوسائٹی میں قیصر و کسریٰ کی سی طبیعت رکھتے ہیں۔ معاویہ کے بعض حامیوں نے اس کے یہ معنی پہنائے ہیں کہ جس طرح کسریٰ و قیصر بڑی بڑی مملکتوں کا بندوبست کرتے تھے اور بڑے مدبر تھے۔ اسی طرح معاویہ بھی بڑے مدبر ہیں۔ لیکن تمام اہل علم نے تو اس کا مطلب یہی لیا ہے۔ کہ اس تشبیہ سے معاویہ کے شاہانہ رجحانات مراد ہیں اور واقعہ یہ ہے کہ حضرت عمر کے زمانہ میں قیصر و کسریٰ دونوں تدبر کے لحاظ سے دیوالیئے اور فضول خرچی اور عیاشی کے اعتبار سے مشہور تھے۔ اور معاویہ کے لئے تشبیہ صرف شاہانہ مزاج کے لئے تھی۔ بیت المال سے لکھو کھا دینار بے محابہ دے ڈالتے تھے۔ اور عموماً بڑی بڑی رقمیں ایسے کاموں کے لئے دیتے تھے۔ جو شریعتِ اسلامیہ کے منافی تھے مثلاً وہ رشوتیں جو بنی ہاشم کے اقتدار کو ختم کرنے کے لئے دی جاتی تھیں۔

نہ صرف بیت المال شاہانہ طریقہ سے اڑاتے تھے۔ بلکہ اسی سلسلہ میں انہوں نے بعض اور مدمات بھی جاری کر دی تھیں۔ مثلاً دیت وخون بہا، کی جو رقم آتی تھی۔ اس میں سے صرف نصف بیت المال میں داخل کرتے تھے اور نصف اپنی ذات کیلئے لے لیتے تھے۔ ذیل میں ایک واقعہ روایات الاغانی سے دیا جاتا ہے۔ اگرچہ مستند تاریخوں میں بھی ملتا ہے۔ اس واقعہ میں بیت المال کے متعلق جو ضمنی تصریح ہے وہ صحیح ہے واقعہ کی دیگر تفصیلات بھی گو معاویہ کے کیریکٹر اور یزید و لی عہدی پر روشنی ڈالتی ہیں۔ مگر روایت کی صحت کے اعتبار سے قابلِ تحقیق ہیں۔

عربی کا یہ ترجمہ انجمن ترقی اردو ہند کی شائع کردہ کتاب "حکایات آغانی" سے نقل کیا جا رہا ہے۔

دیت پر ذاتی قبضہ

"ابو سہیل بیان کرتے ہیں۔ معاویہ نے یزید کے لئے بیعت کا خیال ظاہر کیا۔ تو اہل شام سے کہا کہ "امیر المومنین بوڑھے ہو گئے۔ ان کی ہڈیاں بوسیدہ ہو گئیں۔

ان کا وقت وفات قریب آگیا۔ ان کا ارادہ ہے کہ اپنا جانشین مقرر کریں۔ تمہاری رائے میں کون مناسب ہے۔ جواب ملا۔ عبدالرحمٰن بن خالد۔ بات اپنے دل میں رکھ لی۔ ابن آثال کو جو طبیب تھا۔ اشارہ کیا۔ اُس نے عبدالرحمٰن کو زہر پلا دیا۔ وہ وفات پا گئے۔ یہ بات ان کے بھتیجے خالد بن مہاجر بن خالد بن ولید کو معلوم ہوئی وہ اس وقت مکے میں تھے۔ وہ اپنے چچا کے متعلق بہت بری رائے رکھتے تھے۔ اس لئے کہ ان کے والد جنگ صفین حضرت علی علیہ السلام کے ساتھ تھے۔ اور عبدالرحمٰن بن خالد بن ولید معاویہ کے ساتھ خالد بن مہاجر اپنے والد کے مسلک کے مطابق "ہاشمی المذہب" تھے وہ بنو ہاشم کے ایک محلے میں گئے ابن زبیر ان سے خفا تھے انہوں نے شراب کی مشک ان پر ڈال دی۔ اس کا کچھ حصہ ان پر گر پڑا۔ انہوں نے الزام لگایا۔ کہ خالد نشے میں تھے۔ اس پر انہیں سزا ملی۔ جب اُن کے چچا عبدالرحمٰن قتل کئے گئے۔ اور وہ ابن زبیر اُن کے پاس سے گذرے انہوں نے کہا کیا تم اجازت دوگے۔ کہ ابن اثال تمہارے چچا کی ہڈیوں کو شام میں خاک کر دے۔ اور تم مکے میں اپنا تہمد جھٹکارتے ہوئے گھومو اور اسی بے فکری میں مگن رہو" یہ سن کر خالد کی رگِ حمیت جوش میں آئی۔ انہوں نے اپنے غلام نافع کو بلایا۔ اسے واقعہ بتایا اور کہا۔ "ابن اثال کا قتل بہت ضروری ہے" نافع ہٹا کٹا آدمی تھا۔ دونوں مکہ سے روانہ ہوئے اور دمشق پہنچے۔ ابنِ اثال معاویہ کے پاس رہتا تھا۔ خالد دمشق کی مسجد میں ابنِ اثال کی تاک میں ستون سے ٹیک لگا کر بیٹھ گئے۔ ان کا غلام نافع ایک دوسرے ستون سے لگ کر بیٹھ گیا۔ یہاں تک کہ ابن اثال نکلا۔ خالد نے نافع سے کہا۔ خبردار تم اس سے تعرض کرنا۔ میں اسے ماروں گا۔ لیکن تم پشت کی طرف سے میری حفاظت کرو۔ اگر پیچھے سے مجھ پر وار ہو تو تم جانو۔"

جب ابن اثال خالد کے سامنے آیا۔ خالد نے اچک کر اس پر حملہ کیا۔ اور اُسے قتل کر دیا۔ خالد پر اس کے ساتھیوں نے حملہ کر دیا۔ نافع نے انہیں للکارا۔ وہ نکل پڑے۔ لیکن خالد اور نافع دونوں بھاگ نکلے۔ ابنِ اثال کے ساتھیوں نے ان کا تعاقب کیا۔ جب ان دونوں کو انہوں نے آگھیرا۔

تو ان دونوں نے ان پر حملہ کر دیا۔ آخر وہ چھٹک گئے۔ خالد اور نافع ایک تنگ گلی میں داخل ہو گئے۔ اور انہیں بھلاوے میں ڈال دیا۔

یہ خبر معاویہ کو پہنچی انہوں نے کہا "یہ کام خالد بن مہاجر کا ہے۔ جس گلی میں وہ داخل ہوا ہے۔ اسے تہ و بالا کرو۔ آخر بڑی تگ و دو کے بعد خالد گرفتار کر لئے گئے۔ معاویہ کے سامنے لائے گئے۔ انہوں نے کہا خدا تجھے سمجھے۔ تو زائر ہے؟ تو نے میرے طبیب کو قتل کر دیا۔" خالد سے کہا "تجھ پر خدا کی پھٹکار۔ خدا کی قسم اگر اس نے ایک بار بھی کلمہ پڑھا ہوتا۔ تو میں اس کے قصاص میں تجھے قتل کر دیتا۔ تیرے ساتھ نافع بھی تھا۔"؟

"نہیں"

"وہ ضرور تھا۔ وہ نہ ہوتا۔ تو بہ خدا تو یہ جرأت نہ کرتا۔"

معاویہ نے نافع کو بلوایا۔ وہ ڈھونڈھ کر لایا گیا۔ اسے معاویہ نے سو کوڑے لگوائے۔ اور خالد کو صرف یہ سزا دی کہ اسے قید کر دیا اور قبیلہ بنی مخزوم پر بارہ ہزار درہم ابن اثال کی دیت (خون بہا) عاید کر دی جس میں سے چھ ہزار بیت المال میں داخل کر دیئے گئے۔ اور چھ ہزار خود لے لئے۔ معاہد کے بارے میں معاویہ نے یہی اصول جاری کر رکھا تھا۔ کہ دیت کی رقم نصف اپنے لئے اور نصف بیت المال کے لئے۔ یہاں تک کہ حضرت عمر بن عبد العزیز مسند خلافت پر متمکن ہوئے۔ انہوں نے یہ رسم مٹا دی کہ خون بہا کی قسم میں سے قربان روا ئے وقت کچھ بھی نہ ا۔ اور یہ اصول بنا دیا۔ کہ ساری رقم بیت المال میں داخل کر دی جائے۔

جب معاویہ نے خالد بن مہاجر کو جیل بھیج دیا تو اس نے کہا تھا۔

میرے قدم آہستہ اٹھتے ہیں جیل میں رہنے والے قیدی کی طرح۔

میں کس چیز کے ساتھ ان وادیوں میں چلوں۔ میرے نشان قدم کے پیچھے میرا اتہام بھی چلتا ہے۔

ان سب باتوں کو چھوڑ، کیا تو اس آگ کو دیکھتا ہے، جو قبر والے پر بھڑک رہی ہے۔

یہ آگ سردی سے بچنے کے لئے نہیں جلائی گئی ہے۔ نہ اس سے کوئی تاپتا ہے نہ اس سے

بھاپ اٹھتی ہے۔

کیا ہے تمہاری رات کا حال، جس طرح دن ختم ہوتا ہے، وہ کیوں ختم نہیں ہوتی؟
کیا دن چھوٹے ہو جائیں گے، یا قیدی، قید و بند سے توقف زدہ رکھا جائے گا؟

یہ اشعار معاویہ تک پہنچے، انہوں نے اُسے رہا کر دیا۔ خالد رہا ہو کر مکے آئے۔ وہاں ابنِ زبیر سے ملاقات ہوئی۔ خالد نے کہا۔

ابنِ اثال کو تو میں نے قتل کر دیا۔ لیکن ابھی جرموز باقی ہے۔ جو بصرہ میں ابن زبیر کی ہڈیوں کو خاک میں ملا رہا ہے۔ اگر تجھ میں بدلہ لینے کی طاقت ہے تو اسے قتل کر۔ عروہ نے اس کی شکایت ابوبکر بن عبدالرحمٰن بن حارث بن ہشام سے کی۔ انہوں نے خالد کو قسم دی۔ کہ وہ ایسی باتیں نہ کیا کرے۔ وہ باز آ گیا۔

یہ واقعہ اپنی اکثر تفصیلات کے ساتھ ابن اثیر نے بھی تاریخ الکامل میں دیا ہے اور اس سے اندازہ ہوتا ہے۔ کہ معاویہ کا اخلاقی، سیاسی اور دینی طریق رسولؐ اللہ اور خلفائے راشدین سے بالکل جُدا تھا۔ اور واقعی کسریٰ و قیصر کی سنّت پر مبنی تھا۔ بیت المال گویا ان کی ذاتی ملکیت تھی۔ اپنا اقتدار مضبوط کرنے کے لئے وہ بے حساب خرچ کرتے تھے۔ ایک بار شمالی افریقہ کی فتوحات سے جو غنیمت کا روپیہ وصول ہوا۔ وہ سب عبداللہ ابن ابی سرح گورنر کو بخش دیا۔ اور ایک بار مصریوں کو یہ پیش کش کر دی کہ ایک سال کا خراج معاف کر دیا جائے گا بشرطیکہ وہ حضرت علی کے مقرر کردہ عامل مصر کو قتل کر دیں۔

زندہ دفن کرنے کی بدعت

معاویہ نے رسولؐ اللہ کے صحابی حجر بن عدی اور اُن کے ساتھیوں کے ساتھ جو برتاؤ کیا وہ بھی معاویہ کی اولیات میں نہایت ہی المناک واقعہ ہے۔ کہا جاتا ہے کہ اسلام میں ایک مومن کو ایسے ظلم و ستم کے ساتھ قتل کرنے کی پہلی مثال تھی۔ حجر اور اُن کے ساتھیوں کا گناہ یہ تھا۔ کہ وہ حضرت علیؑ پر لعنت کرنے کے مطالبہ کو پورا کرنے پر راضی نہیں ہوئے۔ آخر وقت میں اُن کے سامنے جان بچانے کی یہ صورت

پیش کی گئی۔ بعض نے جان بچالی۔ لیکن آٹھ آدمیوں نے جان قربان کر دی۔ مگر حضرت علیؑ پر لعنت کر کے اپنا ایمان خراب نہیں کیا۔ ان میں سے اکثر کو پابہ زنجیر کر کے بڑی اذیت کے ساتھ قتل کیا گیا۔ اور عبدالرحمٰن بن حسان نے سخت جواب دیئے تو اُسے زندہ دفن کر دیا گیا۔

ابن عبدالبر نے استیعاب میں لکھا ہے کہ حجر بہت فاضل صحابہ میں سے تھے۔

انہوں نے موت سے پہلے وصیت کی کہ میرے جسم سے آہنی قید مت دُور کرنا۔ اور خون مت دھو دینا کیونکہ میں ایسی عالت میں قیامت کے دن معاویہ کے خلاف استغاثہ کروں گا۔

بی بی عائشہ کو جب اس واقعہ کی خبر پہنچی تو انہوں نے فرمایا۔ کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے۔ کہ عذرا کے مقام پر مومنین کا ایک گروہ قتل ہو گا۔ یہ ایسا واقعہ ہو گا جس پر اللہ تعالےٰ غضب ناک ہو گا۔ یہ روایت یعقوب بن سفیان اور ابن عساکر کی ہے۔ اور اس کے اسناد مضبوط نہیں ہیں۔ تاہم اس حقیقت کی تائید دوسرے ذرائع سے بھی ہوتی ہے۔ کہ بی بی عائشہ کو اس واقعہ کا بڑا صدمہ ہوا تھا۔ دراصل انہوں نے جب حجر کی گرفتاری کی خبر سنی تھی۔ تو معاویہ کو ایک پیام بھی بھیجا تھا۔ لیکن پیامبر کے پہنچنے سے پہلے ہی قتل ہو چکا تھا۔ پھر جب معاویہ حج کے لئے آئے اور بی بی عائشہ کے پاس گئے۔ تو انہوں نے اس حرکت پر سخت تنبیہ کی تھی۔ اور اُن کو رسول اللہ کی حدیث سنائی تھی۔

ابن ابی شیبہ روایت کرتے ہیں۔ کہ عبداللہ ابن عمر بازار میں جا رہے تھے۔ کہ یہ قتل کی خبر ان کو پہنچی۔ وہ چیخ اُٹھے اور اُن کے ہاتھ سے چیزیں گر گئیں۔

ابن سیرین سے روایت ہے کہ خود معاویہ پر مرتے وقت اس واقعہ کا یہ اثر تھا۔ کہ وہ کہہ اُٹھے۔ کہ اے حجر میں نے تیرے ساتھ جو کیا۔ وہ اب بہت سخت گذر رہا ہے۔

ربیع بن زیاد الحارثی معاویہ کے عامل خراساں میں تھے۔ اور بہت بڑے عالم تھے انہوں نے جب خبر سُنی تو بہت رنج کیا۔ اور کہنے لگے۔ اللہ تو مجھے اس دنیا سے اُٹھا لے۔ یہ عرب میں پہلا واقعہ ہے کہ اس طرح ایک مومن کو قتل کیا گیا۔

واضح رہے کہ حجر بن عدی صفین اور نہروان کی جنگوں میں حضرت علیؑ کے ساتھ نمایاں خدمات انجام دے چکے تھے۔ مگر حضرت علیؑ کی شہادت کے بعد وہ معاویہ کی خلافت پر راضی ہو گئے تھے۔ مگر جب کوفہ میں زیاد نے نماز جمعہ میں حضرت علیؑ پر لعنت کرنی شروع کی تو انہوں نے احتجاج کیا۔ اور اسی پر جھگڑا بڑھ گیا۔ تو انہوں نے صرف زیاد کی اطاعت سے انکار کیا۔ معاویہ کی خلافت سے انکار نہیں کیا تھا مگر کسی طرح حضرت علیؑ پر تبرا کہنے پر راضی نہ ہوئے۔

دنیائے اسلام میں قتل کے نئے طریقے

محدثین و ائمہ نے حجر بن عدی کے بہیمانہ قتل پر معاویہ کی ستم ایجادی کا ماتم کیا ہے۔ لیکن ان کے زمانہ میں ان کے حکم سے اور بھی ایسے قتل ہوئے جن کو ایک بانیٔ ظلم و ستم کی ایجاد کہا جا سکتا ہے۔ حجر بن عدی کے ساتھیوں میں سے عبد الرحمن بن حسان کو زندہ دفن کیا گیا۔ لیکن اس سے بھی بڑھ کر وحشیانہ قتل محمد بن ابوبکر صدیق کا ہوا۔ وہ حضرت علیؑ کی طرف سے مصر کے گورنر مقرر ہوئے تھے۔ ان کے خلاف معاویہ نے عمرو بن العاص اور معاویہ بن خدیج کو بھیجا۔ جب یہ محمد بن ابوبکر صدیق کو گرفتار کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ تو ان کو بھوکا پیاسا رکھا۔ اور پھر گدھے کی کھال میں بند کر کے جلا دیا۔ ایسی حرکات رسولؐ اللہ کے صحابیوں کے ساتھ کی گئیں۔ کہ جن کے تذکرے سے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ ابن اثیر اور دوسری تاریخوں میں اس قتل کی تفصیلات موجود ہیں۔ یہ بھی مذکور ہے کہ معاویہ نے اس واقعہ پر خوشی منائی۔ اور حضرت علیؑ نے اتنا ہی غم کیا۔ اور یہ بھی ہے کہ بی بی عائشہؓ کو جب اس کی اطلاع ملی۔ تو ان کو بھائی کی اس قسم کی موت کا ایسا صدمہ ہوا۔ کہ انہوں نے نہ صرف اس وقت معاویہ کے حق میں بددعا کی۔ بلکہ مدت العمر نماز کے بعد معاویہ کے لئے بددعا کرتی رہیں۔ اور وفات تک اندیشہ چیزیں حتیٰ کہ گوشت نہیں کھایا۔ سوال یہ ہے کہ آخر کہاں تک تاریخوں کے فیصلہ کو یہ کہہ کر جھٹلایا جائے۔ کہ یہ دشمنوں کے گھڑے ہوئے افسانے ہیں۔ کسی واقعہ کو صرف اسی حالت میں جھٹلایا جا سکتا ہے۔ جبکہ اس کے معقول قرائن و وجوہ ہوں۔ معاویہ کا کیرکٹر حضرت عمرؓ

کی وفات کے بعد ایسی بہت سی مثالیں پیش کرتا ہے کہ وہ اقتدار کی خاطر پست ترین طریقے استعمال کرنے میں ذرا بھی باک نہیں کرتے تھے۔ اور اسلامی اصول کی اُن کے نزدیک کوئی وقعت نہیں تھی۔ بڑے بڑے جلیل القدر صحابہ بھی اُن کی فریب کاریوں سے محفوظ نہیں تھے۔ عمار بن یاسر جیسے صحابی کے قتل پر انہوں نے خوشی منائی۔ مالک الاشتر کو جب زہر دلا کر ختم کر دیا تو انہوں نے بڑے فخر سے کہا۔ کہ علیؑ کے دو ہاتھ تھے۔ عمار بن یاسر اور مالک الاشتر اب یہ دونوں ہاتھ کٹ گئے۔ معاویہ کا یہ تبصرہ اُس عمار بن یاسر کے متعلق ہے جس نے کی زندگی میں بلال کی طرح کفار کے ظلم سہے اور پھر قرآن کی آیۂ والسّٰبقون الاوّلون من المہاجرین والانصار کے مطابق اوّلین مہاجرین میں سے تھا۔ اور جس نے جنگ بدر میں اور اس کے بعد کے غزوات میں شرکت کی جس کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مختلف طریقوں سے مختلف اوقات میں جذبات محبت کا اظہار کر چکے تھے۔ اور جس کی شہادت کے متعلق اٹھائیس صحابہ نے رسول اللہ کا یہ فرمان روایت کیا ہے۔ کہ وہ ایسی حالت میں باغی گروہ کے ہاتھوں شہید ہو گا جبکہ وہ جنت کی طرف دعوت دے رہا ہو گا۔

ایسی شخصیت کے متعلق معاویہ کا یہ کہہ کر خوشی کرنا کہ وہ علیؑ کا ہاتھ تھا جو کٹ گیا۔ کس ذہن کا ثبوت دیتا ہے؟

مالک الاشتر کو زہر دینے کا واقعہ بھی تاریخوں میں (اہل تشیع کی تاریخوں ہی نہیں بلکہ اہل تسنن کی تاریخوں میں) اسلامی اصول کو اُلٹی چھری سے ذبح کرنے کی مثال ہے۔ واقعہ یوں ہے کہ حضرت علیؑ نے مالک الاشتر کو مصر کا گورنر بنا کے بھیجا۔ معاویہ اس پر بہت چراغ پا ہوئے۔ اور انہوں نے مالک الاشتر کو ختم کرنے کے لئے سازش کا جال پھیلا دیا۔ ابن اثیر کا بیان ہے کہ معاویہ نے خراج وصول کرنے والوں کو لکھا۔ کہ اگر مالک الاشتر کو ختم کر دو۔ تو سال کا جو خراج باقی ہے۔ وہ نہیں وصول کیا جائے گا۔ ان لوگوں نے معاویہ کا خط

وصول کرنے کے بعد بحر قلزم پر مالک الاشتر کا پرجوش استقبال ظاہر میں کیا۔ اور وہ پیاسے تھے۔ تو ان کو زہر آلودہ شہد پیش کیا۔ جس سے اُن کی موت واقع ہوئی۔

اس سے قبل عبد الرحمٰن بن خالد کو زہر دے کر مار دینے کا واقعہ گزر چکا ہے۔ حالانکہ وہ معاویہ کا ساتھ دے چکا تھا۔ مگر معاویہ کو خطرہ تھا۔ کہ اُن کے باپ خالد کی وجہ سے شام میں عبد الرحمٰن کا بہت اثر ہے اور کسی وقت بھی وہ خطرناک ثابت ہو سکتا ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ ایسے مظالم صحابہ و تابعین پر معاویہ اور ان کے اعمال نے کئے ہیں کہ قلم اُن کے بیان سے عاجز ہے۔ خلفاء راشدین کے زمانہ میں کوئی ان کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا تھا۔ مثلاً رشید الهجری کو زیاد نے مجبور کیا کہ وہ حضرت علی پر سب و شتم کرے۔ اُن کے انکار پر زبان کاٹ ڈالی اور سولی پر چڑھا دیا۔ صیفی بن فسیل الشیبانی کو زیاد نے مجبور کیا۔ کہ حضرت علیؑ کو گالیاں دے۔ وہ جتنا منع کرتے تھے۔ اتنا ہی ان کو لٹا لٹا کر مارا جاتا تھا۔ آخر میں اُن کو مار پیٹ کر زنجیروں سے باندھ کر قید میں ڈال دیا۔

ارشادات نبویہ کی توہین

اولیات معاویہ میں سے یہ بھی ہے۔ کہ پہلی بار دنیائے اسلام میں ایک مسلم فرمانروا نے کھلم کھلا ارشادات نبویہ کی توہین کی ایسے زمانہ میں یہ بہت تعجب خیز جبکہ صحابہ کرام کافی تعداد میں موجود تھے۔ انہوں نے احتجاج ضرور کیا لیکن حاکمانہ اقتدار کی گرفت اتنی مضبوط تھی۔ کہ اُن کی چل نہ سکی۔

ابن تیمیہ نے اپنی کتاب الصارم المسلول فی شاتم الرسول میں قتل کعب بن الاشرف کے طویل بیان میں ایک واقعہ معاویہ کے دربار کا لکھا ہے۔ محمد بن مسلمہ معاویہ کے پاس بیٹھے تھے۔ کہ کعب بن الاشرف بنو نضیر یہودی کے سردار کے قتل کا ذکر آ گیا۔ ابن یامین نے معاویہ سے کہا کہ کعب کا قتل غدر ومکر کے طریقہ سے کیا گیا تھا۔ اس تبصرہ پر محمد بن مسلمہ کو غصہ آ گیا۔ اور انہوں نے معاویہ سے غضب ناک ہو کر کہا کہ تمہارے نزدیک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غدر کے مرتکب ہوئے تھے۔ محمد بن مسلمہ کا مطلب یہ تھا کہ کعب کا قتل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے ہوا

تھا۔ اور طریق قتل میں بھی حضورؐ کی اجازت حاصل کر لی گئی تھی محمد بن مسلمہ ہی نے حضورؐ کے حکم سے قتل کیا تھا۔ اور یہ بھی اجازت لے لی تھی۔ کہ وہ اس کو باتوں میں لگا کر قتل کریں گے۔ سبب قتل یہ تھا۔ کہ کعب بن الاشرف نے عہد شکنی کر کے مخالفین اسلام سے سازش کر لی تھی۔ نیز وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو شاعروں اور غیر شاعروں سے گالیاں دلایا کرتا تھا۔ یہ امر بھی قابلِ ذکر ہے کہ انصار میں محمد بن مسلمہ ہی تنہا ایسے صحابی تھے۔ جو معاویہ کے ساتھ تھے۔ بعض روایتوں میں دو کا بھی ذکر آتا ہے۔ ورنہ عموماً انصار حضرت علیؑ کے ساتھ تھے۔ اور معاویہ اسی لئے بھی انصار سے عاجز تھے۔ کہ وہ رشوت لے کر ایمان نہیں بیچتے تھے۔ اور اس کا تذکرہ معاویہ نے مختلف مواقع پر کیا ہے۔ مثلاً جب وہ یزید کی بیعت کی کوشش میں مدینہ پہنچے اور سیم و زر کی بارش شروع کی۔ تو انصار کو رشوت دینے کی کوشش نہیں کی اور صاف کہ دیا۔ اُن کو بذریعہ مال و زر متاثر کرنے کی کوشش بے کار ہے۔

معاویہ انصار کی عام مخالفت اور اُن کے ساتھ اپنی دشمنی پر کبھی احادیث رسولؐ کی روشنی میں نظر نہیں ڈالتے تھے۔ حضورؐ کا ارشاد ہے استوصوابا لانصار خیرا۔ نیز یہ کہ حب الانصار ایمان و بغضھم نفاق مزید صحیح بخاری کی حدیث میں ہے لا یحبھم الا مومن ولا یبغضھم الا منافق یہ ظاہر ہے کہ انصار بنی ہاشم میں سے نہیں تھے۔ پھر بھی حضرت علیؑ کا انہوں نے ساتھ دیا۔ تو اس سے یہ ثابت ہے کہ معاویہ باطل پر تھے۔

عید کا خطبہ نماز سے پہلے

عہد رسالتؐ و عہد خلافتِ راشدہ کی سنت کے خلاف معاویہ نے پہلی بار عید کا خطبہ نماز سے پہلے دینا شروع کیا۔ نیز اُن کے عاملوں نے بھی یہی بدعت شروع کر دی۔ اس کا سبب یہ تھا۔ کہ لوگ ان سے متنفر ہونے کے باعث نہیں چاہتے تھے کہ ان کا خطبہ سنیں۔ خصوصاً جبکہ اس میں حضرت علیؑ پر تبرا ہوتا تھا۔ نماز سے فراغت کے بعد اکثر مسلمانوں کا رخصت ہو جانا معاویہ اور اُن کے عاملوں کی توہین کا باعث ہوتا تھا۔ لہٰذا یہ تدبیر اختیار کی گئی کہ نماز سے پہلے خطبہ دے دیا جائے تاکہ

مجبوراً نماز کی خاطر بیٹھیں۔ معاویہ کو اس کی چنداں پروا نہیں تھی کہ سنت کا طریقہ کیا ہے۔

بیٹھ کر خطبہ دینا

معاویہ کے اولیات میں سے یہ بدعت بھی ہے کہ انہوں نے بیٹھ کر خطبہ دینا شروع کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے خلفائے راشدین ہمیشہ کھڑے ہو کر خطبہ دیتے تھے۔ صحیح مسلم کی حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے (جمعہ میں) دو خطبے ہوتے تھے۔ جن کے درمیان ذرا دیر کو بیٹھ جاتے تھے۔

معاویہ کی ان بدعات پر ان کو ٹوکنے والے صحابہ میں ضرور نکلتے تھے۔ لیکن اس سے زیادہ اور کچھ نہیں کر سکتے تھے کہ اعتراض کر دیں۔

سونے چاندی کے برتن اور ریشم

معاویہ کے اولیات میں یہ بدعت بھی ہے کہ انہوں نے سونے چاندی کے برتنوں کا استعمال شروع کیا اور پہلے مسلم حکمران تھے۔ جس نے ریشمی کپڑے استعمال کئے۔

ان کے متعلق قیصر و کسریٰ کی عادات اختیار کرنے کی پیشین گوئی صحیح ثابت ہوئی ہر لحاظ سے بادشاہ تھے۔ جو اسلامی اصول کو خاطر میں نہ لاتے تھے۔ انہوں نے حضرت عمرؓ کے زمانہ میں بھی بال و پر نکالے تھے۔ لیکن حضرت عمرؓ کے رعب و داب کے باعث انہیں کھل کر کھیلنے کا موقعہ نہیں ملا۔

حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں اطوار اور زیادہ بدلنے لگے تھے۔ مگر چونکہ حضرت عثمانؓ بھی شریعت کے پابند تھے زیادہ موقع نہیں ملا۔ مگر جتنا فائدہ ان کی کمزوری سے اٹھایا جا سکا وہ ضرور اٹھایا گیا۔ حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں ہی شاہانہ آمد و خرچ کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا۔ حضرت علیؓ کے زمانہ میں وہ باغی بھی رہے اور خود برسر حکومت آئے تو سارا نقشہ ہی بدل ڈالا۔

مقصورہ و محافظین

معاویہ نے مسجد میں اپنے لئے مقصورہ تیار کرایا اور نماز کے وقت محافظین مقرر کئے محافظین کا تقرر اس لئے تھا کہ عین نماز میں کوئی حملہ نہ کر دے۔ حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ کی شہادت اس لئے حیلہ بن گئی۔ لیکن اس حیلہ کو ائمۂ اسلام

نے قبول نہیں کیا ہے اور اس فعل کو معاویہ کی جاری کردہ بدعات میں شمار کرتے ہیں۔ نماز کی اسپرٹ کے یہ بات خلاف ہے کہ امام کی حفاظت کے لئے محافظین ہوں۔

لیکن یہ حیلہ بھی صرف محافظین کے لئے پیش کیا جا سکتا ہے۔ مقصورہ بنانے پر تو صرف یہی کہا جا سکتا ہے۔ کہ ذہن قیصر و کسریٰ کا سا تھا۔ ایک مسلم امام کے ذہن سے بالکل مختلف تھا۔ (معاویہ و یزید ص ۶۵ تا ص ۸۱)

کتابتِ وحی اور معاویہ

معاویہ کے حمایت کرنے والوں کو جب کوئی اور حدیث یا روایت فضائل معاویہ میں دستیاب نہیں ہوتی۔ تو وہ کتابت وحی اور صحابیت کا سہارا لے کر قصر حمایت معاویہ کی بنیادوں کو استوار کرنا شروع کرتے ہیں۔ افسوس کہ ان کے اس سلسلہ میں کوئی ایسی مستند چیز نہیں ہے۔ جس کی بنا پر وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہوں۔ اگر اس کی کچھ اصلیت ہوتی تو صحاح ستہ میں نہیں تو کہیں اس کا ذکر ضرور ہوتا اور اسلام کے جلیل القدر علماء باوجودیکہ وہ اس بات کے خواہش مند بھی تھے۔ کہ فضائل معاویہ میں کچھ نہ کچھ مل جائے۔ تو بہتر ہی ہے مگر مجبوراً ان کو ہر جگہ یہی اقرار کرنا پڑا الم یصح فی فضائلہ شئی۔ علماء اہل سنت میں سے علامہ سید محمد بن عقیل فرماتے ہیں۔

> "کتابت وحی کی حدیث معاویہ کے بارے میں صحیح نہیں ہے"
>
> (نصائح کافیہ ص ۱۷۱)

معاویہ کے کاتب وحی ہونے میں علماء نے شدید اختلاف کا اظہار کیا ہے۔ ارباب سیر کا بیان ہے کہ کتابتِ وحی کے عہدہ پر حضرت علیؑ۔ زید بن ثابت۔ زید بن ارقم وغیرہ مامور تھے۔ معاویہ اور حنظلہ ابن ربیع وغیرہ صرف بادشاہوں اور رؤسا کی طرف خطوط لکھا کرتے

تھے۔ (ابن ابی الحدید جلد ۱ ص ۶۳)

حافظ علی بہادر خان لکھتے ہیں۔

بنی امیہ میں سے ابو سفیان کو عہد رسالت میں سازش کرنے کا کوئی موقع نہیں ملا۔ معاویہ کو بھی عہد رسالت میں صرف تقریباً سوا دو برس کی مختصر مدت ملی۔ مکہ پر رمضان ۸ھ میں رسول اللہ نے اقدام کیا تھا۔ اور ربیع الاول ۱۱ھ میں حضور کی وفات ہو گئی۔ اس طرح ڈھائی برس سے کچھ کم ہی معاویہ کو ملتے ہیں۔ ظاہر ہے مؤلفۃ القلوب کے درجہ سے نکل کر سو فی صدی مومن بننے میں کچھ عرصہ لگا ہوگا۔ اس عرصہ میں معاویہ کو دربار رسالت مآبؐ میں کتابت وحی کا کام نہیں دیا تھا۔ بلکہ خطوط جو رسول اللہ مختلف لوگوں کو بھیجتے تھے۔ کچھ لوگوں سے لکھواتے تھے۔ جن میں ایک معاویہ بھی تھے۔ ان خطوط میں کوئی راز نہیں ہوتا تھا۔ اور اس منشی گری کے عہدے کے ساتھ کوئی گرانبار ذمہ داری نہیں تھی۔ صرف اس لئے معاویہ کو مقرر کر دیا تھا۔ کہ اس زمانہ میں فن کتابت جاننے والوں کی کمی تھی۔ لہذا ایک ایسے نو مسلم کو اس خدمت میں شامل کر دیا گیا۔ جو شرح صدر سے ایمان نہیں لایا تھا۔ بلکہ جس نے اسلام کے سامنے ہتھیار ڈالے تھے۔ اور زچ ہو کر دائرۂ اسلام میں آیا تھا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے جو لوگ کتابت وحی کا کام کرتے تھے۔ ان کی مکمل فہرست ابن حجر عسقلانی نے فتح الباری میں دے دی ہے۔ بخاری کی کتاب فضائل القرآن میں ایک باب "کاتب النبی صلی اللہ علیہ وسلم" ہے کہ اس میں صرف زید بن ثابت کا ذکر جمع قرآن کے سلسلہ میں آیا ہے۔ لیکن صاحب فتح الباری نے تشریح کرتے ہوئے تمام کاتبانِ وحی کی یہ فہرست دی ہے:۔

زید بن ثابت۔ ابی ابن کعب (مدینہ میں سب سے پہلے کاتب) عبد اللہ بن سعد بن ابی سرح (مکہ میں سب سے پہلے کاتب۔ جو مرتد ہو گئے پھر فتح مکہ میں اسلام لائے) ابو بکر صدیق، عمر فاروق، علی بن ابی طالب، عثمان بن عفان، زبیر بن العوام، خالد بن ولید، ابان بن سعید۔

حنظلہ بن الربیع الاسدی۔۔۔۔۔ الارقم شرحبیل بن حسنہ اور عبداللہ بن رواحہ۔

اگر معاویہ بھی کاتبان وحی میں ہوتے۔ تو اس فہرست میں ان کا نام ضرور ہوتا۔ عبداللہ بن خنطل نے بھی کتابت کی تھی۔ مگر وہ مرتد ہو گیا تھا۔ اور فتح مکہ میں مارا گیا۔ اسی لئے ابن حجر نے اس کا نام نہیں لکھا ہے۔

المدائنی کا قول ہے کان زید بن ثابت یکتب الوحی وکان معاویۃ یکتب للنبی صلی اللہ علیہ وسلم فیما بینہ وبین العرب (زید بن ثابت وحی کی کتابت کرتے تھے۔ اور معاویہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے وہ خطوط لکھتے تھے۔ جو آپ عربوں کو بھیجتے تھے۔) بعض مورخین و محدثین نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کاتبوں کی فہرست میں معاویہ کا نام شامل کیا ہے۔ اس سے لوگوں کو یہ غلط فہمی ہو گئی کہ وہ وحی کی کتابت کرتے تھے۔

یہاں یہ صراحت بھی ضروری ہے۔ کہ وحی کی کتابت بھی خاص امتیاز کا باعث اسی حالت میں ہو سکتی تھی۔ جب کہ بعد کے اعمال نیک ہوں۔ عبداللہ بن خنطل کے لئے وحی کی کتابت کام نہ آئی۔ اور خاص رسول اللہ کے حکم سے قتل کیا گیا۔ عبداللہ بن ابی سرح نے بھی وحی کی کتابت کی تھی۔ مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے دن اس کا نام ان معدودے چند لوگوں کی فہرست میں رکھا تھا۔ جن کا خون معاف تھا۔

(معاویہ و یزید صفحہ ۱۸۶ تا صفحہ ۱۸۸)

صحابیت اور معاویہ وغیرہ

معاویہ و یزید کی بحث میں ایک نہایت اہم مسئلہ یہ ہے کہ بحیثیت صحابی معاویہ کو اور بحیثیت تابعی یزید کس حد تک احترام کے مستحق ہیں۔ وہ لوگ جو معاویہ کے حامی ہیں۔ ان کی صحابیت سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کرتے ہیں۔ ان کے نزدیک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی صحابی کی مذمت گناہ ہے۔ اور اس قانون کی رو سے معاویہ کی مذمت میں زبان نہ

قلم کا استعمال ایک مسلمان کے لئے روا نہیں ہے۔ جو لوگ معاویہ کی غلط کاریوں کا احساس بھی رکھتے ہیں۔ تو محض ان کے صحابی ہونے کی وجہ سے ان غلط کاریوں کے تذکرے کی ممانعت کرتے اور حضرت علیؓ و معاویہ کے اختلافات کو اللہ پر چھوڑ کر زبان بند رکھنے کے حامی ہیں۔ معاویہ کے بعض مددگاروں کے لئے بھی جو صحابی تھے۔ وہ یہی طریق کار تجویز کرتے ہیں۔ مثلاً مغیرہ و عمرو بن العاص کے متعلق بھی وہ کوئی فرد جرم سننے کے لئے تیار نہیں۔

چونکہ دلیل بار بار سامنے آتی ہے لہٰذا اس پر کسی قدر شرح و بسیط ضروری ہے کیونکہ درحقیقت یہ دلیل عقائد کی بعض بنیادی غلطیوں پر مبنی ہے۔ اور عقل و نقل دونوں کے خلاف ہے، حدیث و تاریخ دونوں اس کی نفی کرتی ہیں۔ کہ کسی صحابی کے اعمال و عقائد پر نکتہ چینی نہ کی جائے۔ اور صحابہ کی تعریف میں جو احادیث ہیں۔ ان سے یہ معنی بالکل غلط نکالے جاتے ہیں۔ کہ معاویہ اور ان کے بعد رفقار کے خلاف کچھ نہ کہا جائے۔

اس کا یہ مطلب نہیں کہ صحابہ کے لئے کوئی فضیلت نہیں۔ درحقیقت ان کا بہت بڑا مرتبہ ہے۔ جو قرآن و حدیث دونوں سے ثابت ہے۔ لیکن یہ امر نظر انداز کر دیا جاتا ہے۔ کہ جو فضیلت صحابہ کی قرآن و حدیث سے ثابت ہے۔ وہ من حیث المجموع ہے یعنی اس معاشرہ کی فضیلت ہے جو صحابہ دنیا کے سامنے پیش کرتے تھے۔ ان کی اجتماعی حالت سے اندازہ ہوتا تھا۔ کہ اسلام سوسائٹی میں کس قسم کا انقلاب لانا چاہتا ہے۔

"ما انا علیہ و اصحابی" جیسی احادیث کا مطلب یہی ہے کہ اسلامی معاشرہ کا نمونہ پیش کیا جائے۔ یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ ایک۔ ایک صحابی گناہوں سے بالاتر تھا۔ اور یہ کہ اس دور کے کسی فرد پر اس لئے اعتراض نہ کیا جائے۔ کہ اس کو رسول اللہ علیہ وسلم کی صحبت میسر ہوئی تھی بے شک صحبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ اللہ کی بڑی نعمت تھی۔ لیکن ایسے لوگ بھی تھے۔ جن میں اس نعمت عظمٰے سے فائدہ اٹھانے کی صلاحیت نہیں تھی۔ قرآن میں بارش کو رحمت الٰہی قرار دیا گیا ہے۔ لیکن یہ بھی بتایا ہے۔ کہ پتھریلی چٹانوں پر برستی ہے تو اس سے کچھ پیدا

نہیں ہوتا پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابیوں میں سے ایسے بھی تھے۔ جن کو کوئی فائدہ نہیں پہنچا۔ ان میں سے چند ایسے بھی نکلے جو صحبت رسولؐ کے بعد مرتد ہو گئے۔ اور ایسے تو بہت تھے جو منافق تھے۔

صحابی کی تعریف کیا ہے؟

اس بحث میں سب سے پہلے صحابی کی تعریف ضروری ہے۔ عام تعریف یہ بیان کی جاتی ہے۔ کہ جس نے حضور کی صحبت اٹھائی۔ یا آپ کو صرف دیکھا بھی تھا۔ وہ صحابی ہے۔ بعض نے کہا۔ کہ صرف دیکھنا کافی نہیں۔ کچھ نہ کچھ صحبت اٹھانی چاہئے۔ خواہ کم ہو یا زیادہ۔ بعض کی رائے ہے کہ صرف دیکھنا کافی نہیں بلکہ ایسا دیکھنا ہو جو عقل و ہوش کے ساتھ ہو۔ مثلاً محمد بن ابی بکر صدیق وفات نبوی سے صرف چند ماہ قبل پیدا ہوئے۔ ان کو کسی نے صحابہ کے زمرہ میں شامل کیا۔ اور کسی نے نہیں۔ یہ سوال فن حدیث میں اس طرح اور بھی پیدا ہوتا ہے۔ کہ جو روایت مراسیل صحابہ کہلاتی ہیں۔ ان کا اطلاق ان کی روایات پر ہو یا ان کو مراسیل صحابہ کبار تابعین میں شامل کیا جائے۔ عاصم کی رائے یہ ہے کہ صحابی صرف وہ ہے جس نے صحبت العرفیہ اٹھائی ہو۔ سعید بن المسیب کی رائے ہے کہ کم از کم ایک برس صحبت رہی ہو۔ یا حضورؐ کے ساتھ کسی غزوہ میں شریک ہوا ہو۔ لیکن اس کے خلاف ان تمام لوگوں کو صحابہ میں شمار کیا گیا ہے۔ جو صرف حجۃ الوداع میں حضورؐ کے ساتھ شریک ہوئے۔ ایسے لوگوں کو بھی صحابہ میں شمار کیا گیا ہے۔ جنہوں نے حضورؐ کو کفر کی حالت میں دیکھا تھا۔ مگر وفات کے بعد ایمان لائے۔ مسند امام احمد میں ایک حدیث ایسی بھی ہے۔ جو ربیعہ بن امیہ بن خلف الجمحی نے روایت کی ہے۔ یہ شخص فتح مکہ میں اسلام لایا۔ پھر حجۃ الوداع میں بھی حضورؐ کے ساتھ شریک ہوا۔ اس نے حدیث کو وفات نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد روایت کیا ہے۔ مگر حضرت عمرؓ کے زمانہ میں یہ مرتد ہو کر عیسائی ہو گیا۔ ایسی بھی مثالیں ہیں۔ جیسے الاشعث بن قیس جو عہد رسالت میں مرتد ہو گیا لیکن بعد وفات رسولؐ پھر دائرۂ اسلام میں آ گیا۔ اس سے احادیث روایت کی گئی ہیں۔ ان لوگوں کی بابت بھی بحث موجود

ہے۔ جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بعد وفات مگر قبل دفن دیکھا تھا۔

امام بخاری نے اپنے شیخ علی بن المدائنی کی یہ تعریف قبول کی ہے۔ کہ جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت اٹھائی۔ یا ان کو دیکھا۔ خواہ دن کی ایک ساعت کے لئے ہی ہو۔ تو وہ اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم میں سے ہے۔

صحابہ کے اوصاف

مذکورہ بالا تعریف کے تحت لاکھوں انسان آجاتے ہیں۔ جن میں سے ایک ایک فرد کے متعلق یہ ضمانت ناممکن ہے۔ کہ ان کی زندگیاں تنقید سے بالاتر ہوں گی ہاں یہ ضرور ان لاکھوں انسانوں کی سوسائٹی کے متعلق کہا جا سکتا ہے۔ کہ وہ نمونہ کی تھی یعنی اس میں جرائم کی قلت اور خیرات کی کثرت تھی۔ اس میں برائیوں سے زیادہ اچھائیاں تھیں۔ دیانت ایفائے عہد، عبادت، انسانی ہمدردی جیسے اوصاف عام تھے۔ اور خیانت، نقض عہد، عیاشی اور جور و جفا کے واقعات شاذ تھے۔ یہ بات تصور میں بھی نہیں آسکتی۔ کہ ہر وہ انسان جس پر صحابی کی تعریف صادق آتی ہے۔ صداقت مجسم تھا۔ اور اسلام کا کامل نمونہ پیش کرتا تھا۔

یہ نتیجہ صرف منطقی استدلال سے نہیں نکلتا۔ بلکہ قرآن و حدیث اس کی تائید میں پیش کئے جا سکتے ہیں۔ قرآن نے صحابہ کی غلطیوں پر ٹوکا ہے اور حدیث کی کتابوں میں تو ایسی مثالیں متعدد ہیں۔ جبکہ صحابہ میں سے بعض نے بھیانک گناہوں کا ارتکاب کیا ہے۔

علاوہ ازیں منافقین بھی تو ان صحابہ میں ہی شامل تھے۔ ان میں سے صرف بعض کا حال معلوم تھا۔ ایسے بہت تھے جو بظاہر مسلمان تھے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلسوں میں بھی شریک ہوتے تھے۔ مگر ان پر صحبت رسولؐ کا کوئی اثر نہ ہوتا تھا۔ انتہا یہ ہے۔ کہ مسیلمہ کذاب بھی کچھ عرصہ مدینہ منورہ میں آکر رہا تھا۔ اگرچہ یہ اس لئے صحابی نہیں کہلا سکتا کہ اس کی موت اسلام پر نہیں ہوئی لیکن صحبت رسولؐ کا اثر اس پر نہیں ہوا تھا۔

اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ ان منافقین کا علم کم از کم رسول اللہ کو تھا۔ اور انہوں نے (جیسا کہ بعض کہتے ہیں) حذیفہ بن الیمان کو ان کے نام بتا دئیے تھے۔ اور وہ "صاحب السر"

کہلانے لگے تھے۔ تب بھی یہ ثابت ہوتا ہے کہ جو لوگ عام طور سے صحابہ سمجھے جاتے تھے۔
اسد الغابہ ذکر حذیفہ بن الیمان میں لکھا ہے۔ کہ حضرت عمر نے اپنے زمانہ میں حذیفہ سے
پوچھا کہ منافقین کے جس گروہ کا آپ کو علم ہے۔ اس میں سے کوئی میرے عہدہ داروں
میں تو نہیں ہے۔ انہوں نے جواب دیا۔ کہ ہاں ان میں ایک ہے۔ حضرت عمر نے نام پوچھا
مگر انہوں نے راز داری کے لحاظ سے نام نہیں بتایا۔ حذیفہ کا بیان ہے کہ بعد میں حضرت
عمر نے اس کو برخاست کر دیا۔ غالباً انہوں نے اپنی تحقیقات سے معلوم کر کے ایسا کیا تھا۔

اس واقعہ سے یہی اندازہ ہوتا ہے۔ کہ صحابہ کے گروہ میں منافقین بھی تھے لیکن ذیل
کی احادیث سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے۔ کہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ نہیں معلوم تھا۔
کہ ان کے بعض صحابہ بعد میں کس طرح اعمال صالحہ سے پھر جائیں گے۔

ان حدیثوں سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے۔ کہ بعض صحابہ دوزخی تھے۔ اور ان کے دوزخی ہونے
کا تصور ان کی زندگی میں خود رسول اللہ تک کو نہ تھا۔ چونکہ بات عوامی عقیدے کے خلاف
ہے اس لیے یہ احادیث لفظاً بلفظ صحیح بخاری کی کتاب الحوض سے پیش کی جاتی ہیں۔

متعدد صحابہ کے دوزخی ہونے کی احادیث

انس حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں۔ کہ آپ نے فرمایا۔
حوض پر میرے چند اصحاب میرے پاس آئیں گے اور جب میں ان کو پہچان لوں گا۔ تو مجھ سے علیحدہ
کر دیئے جائیں گے۔ میں کہوں گا (اے پروردگار) یہ میرے اصحاب ہیں۔ فرمائے گا تم کو نہیں
معلوم کیا تمہارے بعد انہوں نے کیا کیا باتیں کیں۔

سہل بن سعد کہتے ہیں کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں حوض پر تمہارا پیش خیمہ
ہوں گا۔ جو میرے پاس سے گزرے گا۔ وہ (اس کا پانی) پی لے گا۔ اور جو پی لے گا۔ وہ کبھی پیاسا نہ ہوگا۔
(میرے پاس بعض ایسے لوگ آئیں گے۔ جن کو پہچان لوں گا۔ اور وہ مجھ کو پہچان لیں گے۔ پھر میرے
اور ان کے درمیان میں حجاب ہو جائے گا۔ ابو حازم (راوی) کہتے ہیں۔ کہ مجھ سے اس حدیث کو

نعمان بن ابی عیاشؓ نے سن کر کہا کہ تم نے سہلؓ سے ایسا ہی سنا ہے۔ میں نے کہا ہاں۔ انہو
نے کہا میں گواہی دیتا ہوں۔ کہ میں نے ابوسعید خدریؓ سے اس سے زیادہ سنا ہے۔ کہ حض
صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ میں (اس وقت کہوں گا کہ (اے پروردگار) یہ میرے اصحاب
ہیں۔ فرمان ہوگا۔ تم کو نہیں معلوم کہ انہوں نے تمہارے بعد کیا کیا۔ تب میں کہوں گا۔ افسو
صد افسوس ہے کہ اس کے واسطے جس نے میرے بعد اپنے دین کو بدل دیا۔ ابوہریرہ
ایک اور سند کے ساتھ روایت ہے۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ قیامت کے
میرے اصحاب کا ایک گروہ میرے پاس آئے گا۔ اور حوض سے یہ گروہ دور کر دیا جائے
میں کہوں گا اے پروردگار یہ میرے اصحاب ہیں۔ حکم ہوگا تم کو نہیں معلوم کہ تمہارے بعد انہو
نے کیا کیا۔ یہ دین سے اُلٹے پیروں پھر گئے تھے۔

ابن مسیب نے صحابہ رسولؐ خدا (صلی اللہ علیہ وسلم) سے روایت کی ہے کہ حضور صلی الل
علیہ وسلم نے فرمایا۔ حوض پر میرے پاس میرے چند اصحاب آئیں گے۔ لیکن وہ حوض سے د
کر دیئے جائیں گے۔ میں عرض کروں گا۔ کہ اے پروردگار یہ میرے اصحاب ہیں۔ فرمان ہوگا
تم کو نہیں معلوم کہ تمہارے بعد انہوں نے کیا کیا کارروائیاں کی ہیں۔ (دین سے) یہ لوگ
اُلٹے پیروں پھر گئے تھے۔

ابوہریرہ کہتے ہیں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ قیامت کے دن میں حوض پر کھڑا ہو
ہوں گا۔ جو ایک گروہ آئے گا جب میں ان کو پہچان لوں گا۔ تو میرے اور ان کے درمیان ایک
شخص نکل کر ان لوگوں سے کہے گا کہ چلو۔ میں کہوں گا کہ ان کو کہاں لے جاؤ گے۔ وہ کہے گا دوز
کی طرف میں کہوں گا کیوں وہ کہے گا کہ یہ آپ کے بعد دین سے اُلٹے پیروں پھر گئے تھے۔ اور
کے احکامات کو پس پشت ڈال دیا تھا۔ پھر ان کے بعد ایک اور گروہ آئے گا۔ اور جب میں ان
پہچان لوں گا۔ تو میرے اور ان کے درمیان ایک شخص نکلے گا اور کہے گا کہ چلو میں کہوں گا کہ ان
کہاں لے جاؤ گے۔ وہ کہے گا۔ دوزخ کی طرف میں کہوں گا کیوں۔ وہ کہے گا۔ یہ لوگ آپ

پیچھے (دین سے) الٹے پیروں پھر گئے تھے۔ اور خدا کے احکامات کو پس پشت ڈال دیا تھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ کہ پھر ان میں سے بہت ہی تھوڑے لوگ بچیں گے۔

ان تمام احادیث میں جو کسی معمولی کتاب کی نہیں بلکہ بخاری کی ہیں۔ جسے اصح الکتاب بعد کتاب اللہ تسلیم کیا جاتا ہے۔ ایسے اصحاب رسول کا ذکر ہے جن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بحیثیت اپنے صحابہ کے پہچان لیتے ہیں۔ اور ان کے دوزخ میں لے جائے جانے پر حیرت کرتے ہیں۔ مگر ان کو اللہ کی طرف سے بتایا جاتا ہے کہ تمہاری وفات کے بعد انہوں نے اپنے اعمال ایسے بدل ڈالے تھے۔ کہ اسلامی اصول کے بالکل خلاف ہو گئے تھے۔

یہاں بخاری کی ہی ایک اور حدیث قابل توجہ ہے۔ انس بن مالک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مشہور صحابی ہیں۔ ان کی عمر بہت زیادہ ہوئی۔ وہ بنو امیہ کے دور میں دمشق گئے تھے۔ وہاں انہوں نے جن جذبات کا اظہار کیا۔ وہ بخاری کی کتاب الصلوٰۃ کی حسب ذیل دو حدیثوں سے معلوم ہوگا۔

انس کہتے ہیں کہ جو باتیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں تھیں۔ ان میں سے اب کوئی بات نہیں پاتا کہا گیا۔ کہ نماز تو باقی ہے۔ انہوں نے کہا کہ تم نے نمازیں نہیں کر لیا۔ جو کچھ کہ کر لیا (بخاری)

زہری کہتے ہیں کہ میں دمشق میں انس بن مالک کے پاس گیا اور وہ رو رہے تھے۔ تو میں نے کہا کہ آپ کو کیا چیز رلا رہی ہے انہوں نے کہ میں نے جو باتیں عہد رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم میں پائی ہیں۔ اب ان حدیثوں سے کوئی بات نہیں پاتا ہوں۔ سوا اس نماز کے سو نماز بھی ضائع کر دی گئی۔ ان حدیثوں سے ثابت ہوتا ہے۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد دور بنی امیہ کی آغاز سے حالات میں تبدیلی شروع ہو گئی تھی۔ اور تبدیلی کی رفتار اتنی تیز تھی کہ انس بن مالک کو کہنا پڑا۔ کہ میں نے جو باتیں عہد رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم میں پائی ہیں۔ اب ان حدیثوں میں سے کوئی بات نہیں پاتا ہوں۔ یعنی تمام اسلامی قدروں کو برباد کیا گیا۔

ان احادیث کے پیش کردہ حالات کی روشنی میں اب اس حدیث پر غور کیجئے کہ سب سے

اچھا دور میرا پھر وہ جو اس کے بعد آیا۔ پھر وہ جو اس کے بعد آیا۔ اسی کے ساتھ اس حدیث کو بھی سامنے لائیے۔ جس میں بتایا گیا ہے۔ کہ خلفائے راشدین کے بعد ظالم بادشاہوں کا دور شروع ہو جائے گا۔ اب اس پر غور فرمائیے کہ جن صحابہ کو دوزخ میں لے جا رہے ہوں گے۔ وہ کون ہو سکتے ہیں؟ وہ السابقون الاوّلون من المھاجرین والانصار نہیں ہو سکتے جن کے لئے جنت کا وعدہ ہو چکا ہے۔ یہ بظاہر ان میں سے نہیں ہو سکتے۔ جو مکی زندگی میں کفار کے ظلم سہتے رہے۔ اور مدنی زندگی میں جان و مال اسلام کی راہ میں پیش کرتے رہے۔ یہ تو وہ صحابہ تھے جنہوں نے دنیا کے لئے اسلامی معاشرہ بنایا تھا۔ ان کا سماج نمونہ کا سماج تھا۔ جو بحیثیت مجموعی اتنا اچھا تھا کہ آج تک اس کا مثل دنیا نہیں پیدا کر سکی، یہ محض دعویٰ یا مذہبی عقیدہ نہیں۔ بلکہ ایک تاریخی حقیقت ہے۔

ظاہر ہے کہ دوزخ میں جانے والے صحاب زیادہ تر وہی ہوں گے۔ جو فتح مکہ میں تلوار کے ڈر سے ایمان لائے۔ پھر "صحابہ" بن گئے پھر موقع ملنے پر انہوں نے اسلام کی پاکیزہ تصویر کو مسخ کرنے کی کوشش کی۔ یوں تو غیب کا حال خدا ہی جانتا ہے لیکن معاویہ، مغیرہ۔ عمرو بن العاص وغیرہ کی طرف نظر جاتی ہے۔ یہ وہ لوگ تھے جو عمار بن یاسر والی حدیث کی رو سے جنگ صفین میں حضرت علیؑ سے لڑنے کی وجہ سے لوگوں کو دوزخ کی طرف دعوت دے رہے تھے۔ یہ وہ لوگ تھے جو صحیح حدیث اور رسول کی واضح ہدایت کے خلاف اہل بیتؑ اور خصوصاً حضرت علیؑ سے دشمنی رکھتے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے مختلف موقعوں پر مختلف الفاظ میں اس عقیدے کا اعلان کیا کہ جس نے علی سے دشمنی کی۔ اس نے مجھ سے دشمنی کی۔ اور اے اللہ تو بھی اس سے دشمنی کر۔ مگر ان اعلانات رسالت کے باوجود ان صحابہ نے حضرت علیؑ اور اہلبیتؑ سے بغض و حسد کی تمام حدیں ختم کر دی تھیں۔ اور یہ سب حضورؐ کی وفات کے بعد ہوا۔ لہٰذا قرینہ یہی ہے۔ کہ حوض پر جن "صحابہ" کو فرشتے دوزخ کی طرف لے جائیں گے۔ وہ معاویہ اور ان کے ساتھی ہی ہو سکتے ہیں۔

یہاں یہ کہا سکتا ہے۔ کہ کیا کسی صحابی کے بعد از وفات رسول اعمال کی بنیاد پر ایسی رائے قائم کی جا سکتی ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ واقعات اور شہادتیں سامنے آئیں۔ تو انسان رائے قائم کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ کتاب الحوض والی حدیثوں کے مطالعہ کے بعد یہ ناممکن ہے کہ بلا استثناء ہر صحابی کے تقدس پر عقیدہ قائم رہے۔ اور یہ بھی ناممکن ہے کہ ایسے صحابہ کی فہرست صفحۂ خیال پر نہ آجائے۔ جو وفات رسول کے بعد اسلامی اصولوں سے پھر گئے تھے۔ لہٰذا چاروناچار معاویہ اور اُن کے چند ساتھیوں پر خیال مرکوز ہو جاتا ہے۔ ربسا اوقات کسی شخص کے خلاف آئینی ثبوت نہ ہونے کی صورت میں بھی دماغ اس نتیجہ پر پہنچتا ہے کہ یہ مجرم ضرور ہے بعض جج تک ملزم کو شبہ کا فائدہ دیتے ہوئے بری کر دیتے ہیں! اور اپنے دل میں عقیدہ رکھتے ہیں۔ کہ جس کو بری کیا جا رہا ہے۔ اس نے جرم ضرور کیا ہے۔ مگر قانون کی مجبوری کے سبب ان کو یہ واقعہ کے خلاف فیصلہ دینا پڑتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں زنا کے الزام کا ایک مقدمہ آیا۔ شوہر اپنی بیوی پر زنا کا الزام لگا رہا تھا۔ اور بیوی انکار کر رہی تھی۔ چونکہ گواہ موجود نہیں تھے۔ اس لئے اسلامی قانون کے مطابق حضور نے دونوں سے لعان (قسما قسمی) کرایا۔ دونوں نے قسمیں کھالیں۔ ظاہر ہے کہ ایک کی قسم جھوٹی تھی۔ لیکن یہ ثابت کرنا ممکن نہ تھا کہ کس کی قسم جھوٹی ہے۔ لہٰذا طلاق کرا کے دونوں کو چھوڑ دیا۔ آئین کی رُو سے تو وہ عورت سزا نہ پاسکی لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ اگر بغیر گواہوں کے کسی عورت کو سزا دینے کی اجازت ہوتی۔ تو میں اس عورت کو سنگسار کرا دیتا۔ ابن عباس کا اس پر تبصرہ ہے۔ کہ وہ عورت اعلانیہ بدمعاشی کرتی تھی۔

اس سے اتنا ثابت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس قانونی ثبوت نہ تھا۔ مگر مقدمے کے حالات اور عورت کے چال چلن کی بنا پر آپ یہ یقین کرنے پر مجبور ہو گئے تھے۔ کہ عورت سنگسار ہونے کے قابل ہے مطلب یہ کہ جب واقعات سامنے ہوں۔ تو انسان نتائج نکالنے پر مجبور ہے۔ کہ یہ صحابہؓ معاویہ اور ان کے ساتھیؓ ہوں گے۔ کیونکہ وفات رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد انہوں نے ہی اسلامی قدروں کو فنا کیا۔ اور اسلامی تعلیمات کے خلاف رویہ اختیار کیا۔

حدیث کی کتابوں میں لعان کے بارے میں جو صحیح احادیث ہیں۔ ان سے یہ بھی ثابت ہوتا ہوتا ہے۔ کہ ہر قسم کے فواحش کا ارتکاب اس معاشرے میں بھی ہوتا ہے۔ فرق صرف اتنا تھا۔ کہ بحیثیت مجموعی عہد رسالت اور اس کے فوراً بعد کا نظام دنیا کے لئے ایک نمونے کا نظام تھا۔ جس میں خوبیوں کا پلہ برائیوں کے پلتے سے بھاری تھا۔ خوش عقیدہ لوگوں کو یہ غلط فہمی ہو گئی ہے کہ ہر صحابی یا صحابیہ گناہوں یا کم از کم کبیرہ گناہوں سے پاک تھے۔ اور ان میں کسی پر نکتہ چینی کی گنجائش نہیں۔ اس غلط عقیدے کی تائید میں حدیثیں گھڑ کر معاملہ کو اور بھی خراب کر دیا ہے۔ مثلاً ایک حدیث گھڑی گئی ہے۔ کہ "میرے اصحاب ستاروں کی مانند ہیں۔ اور ان میں سے جس کی اقتدا کر لو۔ ہدایت پا جاؤ گے۔" اس حدیث کو ماہرینِ فنِ حدیث نے موضوعات میں شمار کیا ہے۔ اور یہ بات تصور میں بھی نہیں آسکتی۔ کہ کسی صحابی کی بھی اقتدا کر لو ہدایت پا جاؤ گے۔ مثلاً اگر جنگ صفین میں جو حضرت علیؓ کی طرف سے معاویہ کے خلاف لڑے وہ بھی ہدایت پر ہوئے۔ اور جو معاویہ کے طرف دار ہو کر قتال کرتے تھے۔ ان کی ہدایت بھی مسلمہ ہو گئی۔ حالانکہ عمار بن یاسر والی حدیث صاف اعلان کرتی ہے۔ کہ معاویہ والی پارٹی دوزخی تھی۔ یہاں سوال یہ بھی نہیں آتا۔ کہ معاویہ صحابی تھے۔ اگر انہوں نے غلطی کی۔ تو یہ ان کی اجتہادی غلطی تھی۔ اور غلطی کرو۔ جب بھی اُسے ایک ثواب ملتا ہے۔ یہاں تو سوال اقتدا کا ہے۔ کیونکہ موضوع حدیث کہتی ہے۔ کہ کسی بھی صحابی کی اقتدا کر لو۔ ہدایت کا راستہ پا لو گے۔

اس شرح و بسط کی ضرورت اس عام عقیدے کو توڑنے کے لئے پڑ رہی ہے۔ کہ صحابی کے خلاف نہ کچھ سوچنا جائز ہے۔ نہ کچھ کہنا مناسب ہے۔ بلکہ بعض کے نزدیک۔ تو حرام ہے اور دوزخ کا مستوجب ٹھہراتا ہے۔ پس اوپر کی بحث سے یہ سمجھ لینا چاہئے۔ کہ صحابہ کی اجتماعی حالت تاریخ کے دَور میں بہترین اور قابلِ تقلید ہونے کے باوجود صحابہ میں ایسے بھی تھے جو متعدد احادیث کی رُو سے دوزخی تھے۔ اور اس لئے دوزخی تھے۔ کہ انہوں نے رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد اسلامی تعلیمات سے انحراف کیا تھا۔ خود سرکارؐ دوجہاں ایک دو نہیں بلکہ متعدد مقامات پر صحیح احادیث میں فرماتے ہیں۔ کہ جب انہیں دوزخ کی طرف لے جایا جائے گا۔ تو میں حیرت سے چیخوں گا۔ کہ "یہ تو میرے اصحاب ہیں۔ یہ تو میرے اصحاب ہیں۔ انہیں کہاں لے جاتے ہو۔ یہ اصحاب سوائے معاویہ اینڈ کمپنی کے اور کون ہو سکتے ہیں۔

معاویہ اور ساتھیوں کی یہ فرد جرم طویل ہے۔ اور اس کے بعض بھیانک پہلو پیش کئے جا چکے ہیں۔ لیکن سب سے بڑا جرم اسلامی نظام کو بدل کر ملوکیت میں تبدیل کرنا ہے۔ ابنِ ابی شعیب نے سعد بن جمہان سے روایت کی ہے۔ انہوں نے کہا۔ کہ معاویہ کہتے ہیں۔ کہ وہ خلیفہ ہیں۔

جواب دیا کہ بنو الزرقا جھوٹ بولتے ہیں۔ بلکہ واقعہ یہ ہے کہ وہ بادشاہ ہیں۔ اور بادشاہ بھی بہت بُرے اور معاویہ ان میں پہلا بادشاہ ہے۔

ایک اور روایت میں حضرت عمر نے فرمایا کہ خلافت ان مسلمانوں میں رہے گی۔ جو غزوۂ بدر اور پھر غزوۂ احد میں شریک ہوئے۔ اور خلافت میں ان کا حصہ کچھ نہیں۔ جو طلقاء میں سے تھے۔ یا ان کی اولاد ہوں۔ اور نہ ان کے لئے جنہوں نے فتح مکہ میں اسلام قبول کیا۔ علاوہ بریں احمد۔ ترمذی، ابو داؤد۔ وغیرہ سفینہ وغیرہ سے روایت کرتے ہیں۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ خلافت میرے بعد تیس برس تک رہے گی۔ اس کے بعد جابرانہ ملوکیت ہے۔ (معاویہ و یزید صفحہ ۱۸۸ تا ۲۰۱)

منقبتِ معاویہ کی احادیث پر بحث

اس مسئلہ کا ایک اور پہلو بھی قابلِ توجہ ہے بعض لوگ معاویہ کی منقبت میں احادیث بھی پیش کیا کرتے ہیں لیکن ماہرین فن حدیث کا فیصلہ ہے۔ کہ یہ تمام روایات موضوع ہیں۔ بخاری میں ایک روایت معاویہ کے متعلق ہے۔ مگر اس کا عنوان "منقبت" یا "فضائل" کی بجائے امام بخاری نے "ذکر معاویہ" قائم کیا ہے۔ ابن حجر نے فتح الباری میں اس روایت کی تصریح کرتے ہوئے یہ خیال ظاہر کیا ہے۔ کہ باب کے عنوان میں امام بخاری نے اپنے شیخ اسحاق بن راہویہ کے جذبات کا لحاظ کرتے ہوئے بجائے "منقبت" کے صرف "ذکر" لکھنے پر اکتفا کیا ہے۔ کیونکہ بخاری کے شیخ کی رائے تھی کہ معاویہ کی منقبت میں کوئی روایت بھی صحیح نہیں۔ ان کے الفاظ تھے "لم یصح فی فضائل معاویۃ شئ" (فضائل معاویہ میں کوئی روایت صحیح نہیں ہے) آخر میں ابن حجر نے ابن الجوزی کی سند سے امام احمد بن حنبل کی یہ رائے پیش کی ہے کہ:-

اخرج ابن الجوزی من طریق عبد اللہ بن احمد بن حنبل سالت ابی ما تقول فی علی ومعاویہ فاطرق ثم قال اعلم ان علیاً کان کثیر الاعداء ففتش اعداؤہ لہ عیباً فلم یجدوا فعمدوا الی رجل قد حاربہ فاطروہ کیاداً منہم لعلی فاشار بھذا الی ما اختلقوہ لمعاویہ من الفضائل مما لا اصل لہ وقد ورد فی فضائل معاویہ احادیث کثیرۃ لکن لیس فیھا ما یصح من طریق الاسناد وبذلک جزم اسحٰق بن راھویہ والنسائی وغیرھما واللہ اعلم (فتح الباری شرح بخاری کتاب المناقب)

ابن الجوزی نے عبد اللہ بن احمد بن حنبل سے روایت کیا ہے۔ کہ میں نے اپنے باپ (امام احمد بن حنبل) سے پوچھا کہ آپ علی و معاویہ کے بارے میں کیا رائے دیتے ہیں۔ انہوں نے تھوڑے سکوت کے

بعد جواب دیا۔ واضح رہے کہ علیؑ کے بہت سے دشمن تھے۔ ان دشمنوں نے علی کی زندگی میں عیوب تلاش کئے۔ مگر ان کو نہیں ملے۔ تو پھر انہوں نے بھروسہ کیا اُس آدمی پر جو اُن (علیؑ) سے لڑتا تھا۔ تو علیؑ کی دشمنی میں اس کی طرف توجہ کی اور پھر انہوں نے امام (احمد بن حنبلؒ) اشارہ کیا۔ اُن فضائل کی طرف جو معاویہ کے لئے گھڑے گئے معاویہ کے فضائل میں متعدد احادیث ہیں۔ لیکن ان میں کوئی ایسی نہیں جو اسناد کے لحاظ سے صحیح ہو۔ اسحٰق بن راہویہ اور نسائی نے بھی اسی رائے کی تصدیق کی ہے واللہ اعلم۔

امام نسائی نے صاف صاف کہا ہے۔ کہ کوئی فضیلت نہیں۔ ایک بار دمشق میں جب اُن سے پوچھا کہ اُن روایتوں کے بارے میں کیا کہتے ہیں۔ جو معاویہ کے فضائل میں ہیں۔ تو جواب دیا۔ کہ اُن میں کوئی فضیلت نہیں۔ سوائے اس کے کہ پیٹ بڑا تھا۔

علامہ عینی نے بھی اپنی شرح بخاری میں یہی رائے دی ہے۔ کہ معاویہ کی فضیلت کی کوئی روایت صحیح نہیں ہے۔

ذیل میں معاویہ کے فضائل کی بعض مشہور روایات علامہ شوکانی کی کتاب فوائد المجموعہ فی بیان احادیث الموضوعہ (صفحہ ۱۳۶، ۱۳۷) سے نقل کی جاتی ہیں۔ جن کو شوکانی نے موضوع بتایا ہے۔

(۱) بنی ہاشم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ کتابت کا کام معاویہ سے نہ لیا جائے۔ تو وحی کے ذریعہ ہدایت ہوئی کہ معاویہ ہی سے کام لیا جائے۔

(۲) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے علی سے قلم لے کر معاویہ کو دے دیا۔

(۳) جبرئیل آئے اور ایک طلائی قلم لاکر دیا۔ اور کہا اللہ تعالیٰ یہ پیغام دیتا ہے۔ کہ یہ قلم میں نے اپنے عرش کے اوپر سے دیا ہے۔ یہ معاویہ کو دو۔ جس سے وہ آیۃ الکرسی لکھے اور قیامت تک جو بھی اسے پڑھے گا۔ اُس کا ثواب معاویہ کو ملتا رہے گا۔

(۴) ابن حنظل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کاتب وحی تھا۔ غفور رحیم کو

رحیم غفور لکھ دیتا تھا۔ اور سمیع علیم نازل ہوتا تو علیم سمیع لکھتا جب حضورؐ نے اس کی خیانت کا احساس کیا۔ تو معاویہ پر بھی شبہ کر کے جبرئیل سے مشورہ کیا تو جبرئیل نے یہ مشورہ دیا کہ معاویہ سے یہ کام لو۔ کیونکہ وہ امین ہے۔

(۵) اللہ کے نزدیک تین آدمی امین ہیں۔ ایک میں۔ دوسرے جبریل تیسرے معاویہ۔

(۶) جبرئیل رسول اللہ کے پاس آئے۔ جبکہ معاویہ آپ کے سامنے لکھ رہے تھے۔ اور کہا آپ کا یہ کاتب امین ہے۔

(۷) ایک معاملہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوبکر و عمر سے مشورہ کیا۔ انہوں نے کہا کہ اللہ اور اس کا رسولؐ بہتر جانتا ہے۔ پھر آپ نے معاویہ کو بلایا۔ جب وہ آگئے۔ تو رسولؐ اللہ نے فرمایا۔ کہ ان کے سامنے پیش کر دیہ "قوی و امین" ہیں۔

(۸) رسولؐ اللہ نے معاویہ کو تیر دیا۔ کہ اسے رکھو۔ یہاں تک کہ جنت میں تمہاری میری ملاقات ہو۔

حضرت علیؓ کی شان میں بھی کتنی ہی احادیث موضوع ہیں۔ لیکن اُن کی فضیلت میں صحیح احادیث کی بھی کمی نہیں ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ شیعہ ذرائع سے قطع نظر کر کے صرف اہل سنت کے ذخیرۂ احادیث میں بھی جتنی روایات حضرت علیؓ کی فضیلت میں ہیں اتنی کسی اور صحابی کی فضیلت میں نہیں ہیں۔ اس لئے جو روایات حضرت علیؓ کی فضیلت میں گھڑی ہوئی یعنی موضوع ہیں۔ اُن کے تذکرہ سے چنداں فائدہ نہیں۔ معاویہ کے متعلق فضیلت کی روایات اس لئے لکھ دی ہیں۔ کہ معتبر محدثین و ائمہ کا بیان ہے۔ کہ اُن کی فضیلت میں ایک بھی حدیث صحیح نہیں ہے۔ بلکہ امام احمد بن حنبل جیسے بلند پایہ امام کی رائے ہے۔ کہ جب علیؓ کے دشمنوں کو کوئی قابلِ اعتراض بات اُن کی زندگی میں نہیں ملی۔ تو انہوں نے عداوت نکالنے کا یہ پہلو پیدا کیا۔ کہ علیؓ کے دشمن معاویہ کو نمایاں کیا جائے۔ جن احادیث موضوعہ کی فہرست اوپر نقل کی گئی ہے۔ اگر اُن کے موضوع ہونے کے دلائل، اسناد،

اور حوالے دیکھنے ہوں تو شوکانی کی کتاب مذکورہ بالا میں دیکھے جا سکتے ہیں۔

کیا معاویہ کی بغاوت اجتہادی غلطی تھی؟

بعض ایسے لوگ بھی ہیں۔ جو یہ کہتے ہیں۔ کہ معاویہ صحابی تھے۔ اور ہر صحابی کو مجتہد کا درجہ حاصل ہوتا ہے۔ اس لئے اگر معاویہ نے حضرت علیؑ سے مقابلہ کیا۔ تو اسے ایک مجتہد کی اجتہادی غلطی سمجھنا چاہئے۔ اور مسئلہ یہ ہے کہ مجتہد اگر اجتہاد میں غلطی بھی کرے۔ تو اُسے ایک ثواب ملتا ہے۔ اور صحیح فیصلہ دے تو دو ثواب ملتے ہیں۔

عمار بن یاسر کے قاتلوں کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بخاری کی حدیث میں "فئۃ باغیہ" (باغی گروہ) کا جملہ استعمال کیا ہے۔ جنگِ صفین میں معاویہ کے لشکر کے ہاتھوں قتل ہوئے تھے۔ اس لئے محدثین اس بارے میں متفق ہیں۔ کہ معاویہ کے طرفدار باغیانِ اسلام تھے۔ اس نتیجہ پر پہنچنے کے لئے تو تمام محدثین مجبور ہیں۔ کیونکہ حدیث سے یہ نتیجہ لازمی نکلتا ہے۔ کہ حضرت علیؑ حق پر معاویہ باطل پر تھے۔ تاہم ان میں سے بعض نے یہ خیال کیا ہے۔ کہ یہ معاویہ کی اجتہادی غلطی تھی۔ وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ اس بارے میں، معاویہ کے اقدامات بی بی عائشہ، طلحہ اور زبیر کے طرزِ عمل سے ملتے جلتے ہیں۔

مگر یہ استدلال بالکل غلط ہے۔ بے شک بی بی عائشہ، طلحہ اور زبیر کا عمل دورانِ جنگ جمل اجتہادی غلطی پر مبنی تھا۔ لیکن معاویہ کی بغاوت کو اجتہادی غلطی نہیں قرار دیا جا سکتا۔ دونوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔

وہ اجتہادی غلطی جس کا مجتہد کو اجر ملتا ہے۔ وہ ہوتی ہے۔ جس میں مجتہد کے سامنے ذاتی اغراض، حصولِ جاہ و ملک اور بغض و عناد نہیں ہوتا۔ جنگ جمل کے قائدین کے اجتہاد پر یہ بات صادق آتی ہے۔ اسی لئے جیسے ہی انہیں اپنی غلطی کا احساس ہوا انہوں نے رجوع

کر لیا۔ برخلاف معاویہ کے جو قصاص کے پردہ میں ذاتی اغراض کے لئے میدان میں آئے زندگی کے آخری لمحہ تک اپنی ضد پر قائم رہے۔ بلکہ ایک غلطی کی اُپچ کے لئے اور غلطیاں کر رہے۔

بی بی عائشہ، طلحہ اور زبیر کی غلطی اجتہادی تھی[۱] اس کا اندازہ حسب ذیل واقعات سے ہو گا:۔

(۱) جب جنگ جمل کے لئے جاتے ہوئے ایک مقام ایسا آیا جس کا تذکرہ حدیث میں آیا تھا اور جس سے ثابت ہوتا تھا کہ حضرت علیؑ کے مقابلہ میں یہ خروج غلط ہے۔ تو بی بی عائشہؓ نے اسی وقت فرمایا تھا۔ کہ مجھے واپس لے چلو۔ لیکن اُن کے ساتھیوں نے یہ کہہ کر دھوکہ دے دیا کہ ساربان نے مقام کا نام غلط بتایا ہے۔ یہ وہ مقام نہیں ہے۔ جس کا تذکرہ رسول اللہ نے فرمایا تھا۔ لہٰذا آپ آگے بڑھتے جایئے۔ اس واقعہ سے ثابت ہوتا ہے۔ کہ نیت میں فتور نہیں تھا اور صرف اجتہادی غلطی تھی۔

(۲) عائشہؓ نے مدینہ واپس ہو کر اعتراف کیا کہ اگر مجھے صحیح واقعات بتائے ہوتے تو میں ہرگز خروج نہ کرتی (مسعودی)

(۳) انہوں نے جنگ جمل کے دن کہا۔ کہ کاش میں آج سے بیس برس پہلے ہی مر گئی ہوتی (ابن اثیر)

(۴) وہ جنگ جمل کے بعد ندامت سے اتنا رویا کرتی تھیں۔ کہ دوپٹہ بھیگ جاتا تھا

(ملا علی قاری فی شرح الفقہ اکبر)

(۵) عائشہؓ نے کہا کہ ابن عمر ملے تو میرے پاس لانا۔ جب اُن کو لایا گیا۔ تو ابن عمر سے پوچھا کہ تم نے مجھے کوچ کرتے وقت روکا کیوں نہیں۔ ابن عمر نے کہا کہ میں نے اس لئے نہیں روکا۔ کہ آپ اس وقت دوسروں کے اثر میں تھیں۔ عائشہؓ نے کہا کہ اگر تم مجھے روکتے تو میں ہرگز نہ نکلتی۔

(ابن عبد البر فی الاستیعاب)

---

[۱] ہمیں حافظ صاحب کے اس خیال سے اتفاق نہیں ہمارے نزدیک جنگ جمل اور جنگ صفین کے فریقین کے اختلافات کی نوعیت برابر ہے۔ دونوں مقامات پر اجتہادی بہانہ درست نہیں ہے (موء...)

(۲) عائشہؓ یوم جمل کی غلطی کا احساس کر کے رویا کرتی تھیں۔ (ربیع الابرار زمخشری)
ان واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ اجتہادی غلطی ہے۔ جس کا احساس کر کے وہ پشیمان ہُوا کرتی تھیں۔

حضرت علیؓ بھی جنگ جمل و جنگ صفین میں اس لحاظ سے فرق کرتے تھے۔ وہ جانتے تھے کہ جنگ جمل میں اجتہادی غلطی ہے۔ اور جنگ صفین میں نیت ہی خراب ہے۔ اس لئے انہوں نے جنگ صفین میں بھاگنے والے، زخمی ہونے والے، ہتھیار ڈالنے والے، گھروں میں گھسنے والے مخالفین سے کوئی تعرض نہیں کیا۔ حضرت علیؓ کا ایسا نرم رویہ جنگ صفین میں نہیں تھا۔ جنگ جمل کے مخالفین کی نسبت حضرت علیؓ سے سوال کیا گیا۔ کہ مخالفین کو مشرک سمجھا جائے۔ جواب ملا وہ مشرک سے دور ہیں۔ پھر پوچھا گیا تو کیا منافقین میں سے ہیں۔ حضرت علیؓ نے جواب دیا کہ نہیں وہ منافق نہیں ہیں۔ کیونکہ منافق کی پہچان یہ ہے۔ کہ وہ اللہ کو کم یاد کرتا ہے۔ تو سوال کیا گیا۔ تو پھر ان کو کس زمرہ میں شمار کیا جائے تو حضرت علیؓ نے فرمایا کہ وہ ہمارے بھائی ہیں۔ جنہوں نے بغاوت کی ہے۔ (ابن ابی شیبہ) اسی لئے حضرت علیؓ نے طلحہ و زبیر کے لئے دعا فرمائی۔ اور بی بی عائشہؓ کے ساتھ پورے احترام کا رویہ اختیار کیا۔ اور ان کو کمال عزت کے ساتھ مدینہ بھیجا دیا۔ حضرت علیؓ ایک بار غیر مسلح اور برہنہ سر ہو کر میدان جنگ میں ان تینوں کو سمجھانے نکلے تھے۔ جس کا بہت اثر ہُوا تھا جنگ صفین میں جو بغاوت تھی وہ دنیا پرستی کے جذبہ کے تحت تھی۔ اس لئے اس میں معاویہ نے نہ صرف اپنی غلطیوں کا احساس نہ کیا۔ بلکہ اُن پر اصرار کیا۔

بی بی عائشہؓ نے اپنی اجتہادی غلطی پر جس طرح ندامت کا اظہار کیا۔ اسی طرح طلحہ اور زبیر نے بھی غلطی کا اعتراف کر کے توبہ کر لی۔

طلحہؓ و زبیر بلند مرتبہ کے صحابی تھے۔ انہوں نے ابتدا ہی میں حضرت علیؓ کی بیعت کر لی تھی۔ لیکن بعد میں قصاص خون عثمانؓ کے لئے بغاوت کی۔ ان کی بغاوت نیک نیتی پر مبنی

ل مؤلف محترم کی یہ توجیہ اعتقادی ہے ورنہ اصحاب جمل کی نیت بھی وہی تھی جو جنگ صفین میں معاویہ وغیرہ کی تھی (مؤلف)

اجتہاد پر مبنی تھی۔ اگرچہ ان کا یہ اجتہاد غلط تھا۔ حضرت علیؓ نے ان کو میدانِ جنگ میں سمجھایا۔ کہ حضرت عثمانؓ کی ذمہ داری مجھ پر نہیں ہے۔ اور اگر قاتل مل جائے۔ تو کیا ہم اُسے چھوڑ دیں گے؟ انہیں یہ بھی یاد دلایا۔ کہ وہ بیعت کر چکے ہیں۔ اور اب بغیر کافی عذر کے بغاوت کر رہے ہیں۔ انہوں نے اپنی غلطی تسلیم کی۔ مسعودی نے مروج الذہب میں یہ بھی لکھا ہے کہ حضرت علیؓ نے زبیر کو رسول اللہ کی اور زبیر کی ایک گفتگو یاد دلائی۔ جس میں رسول اللہؐ نے زبیر سے پوچھا تھا کہ کیا تم علیؓ سے محبت کرتے ہو۔ اور زبیر نے جواب دیا کہ بے شک میں علیؓ سے محبت کرتا ہوں۔ اس پر رسولؐ اللہ نے فرمایا۔ مگر تم اُن سے قتال کرو گے۔ اور اس وقت تم ظالم ہو گے۔ تو زبیر نے فوراً کہا۔ استغفر اللہ میں ایسا نہیں کرونگا۔

حضرت علیؓ نے زبیر سے کہا۔ کہ اگر تمہیں یہ گفتگو یاد ہوتی۔ تو تم ہرگز اس وقت خروج کر کے قتال کے لئے نہ نکلتے۔ پس اے زبیر اب واپس ہو جاؤ۔ زبیر نے حضرت علیؓ سے کہا مگر میدان جنگ سے پسپائی میرے لئے بہت عار کی بات ہو گی۔ حضرت علیؓ نے فرمایا۔ ابھی تو صرف عار ہو گا۔ لیکن اُس وقت سے پہلے واپس ہو جاؤ۔ کہ عار کے ساتھ نار بھی جمع ہو جائے۔ زبیر نے یہ مشورہ قبول کر لیا۔ اور واپس ہو گئے۔ واپس ہوتے ہوئے عمرو بن جرموز نے ان کو نماز پڑھتے ہوئے شہید کر دیا۔ جب ان کی تلوار اور انگوٹھی لوگ حضرت علیؓ کے پاس لائے۔ تو آپ نے بہت رنج کیا۔ اور رسول اللہ کی حدیث یاد دلائی کہ "ابن صفیہ" یعنی زبیرؓ کا قاتل جہنمی ہو گا۔

اسی طرح حضرت علیؓ کے سمجھانے سے طلحہ بھی واپس ہونے لگے۔ تو مروان نے طلحہ کو اس فیصلہ پر سزا دینے کے لئے اُن کو تیر مار دیا۔ جس کے زخم سے وہ جانبر نہ ہو سکے۔ حضرت علیؓ نے فرمایا اسی کا مجھے خوف تھا۔

طلحہ کے بارے میں حاکم نے مستدرک میں ایک روایت ثور بن جراۃ سے یہ بھی لکھی ہے کہ جب طلحہ کا بالکل آخری وقت تھا تو انہوں نے آنکھیں کھول کر مجھے دیکھا۔ اور پوچھا تم

کون ہو۔ میں نے کہا کہ میں امیر المومنین علیؓ کے اصحاب میں سے ہوں۔ تو طلحہ نے کہا اپنا ہاتھ لاؤ۔
تاکہ میں بیعت کروں۔ علیؓ کے لئے میں نے اپنا ہاتھ پھیلا دیا۔ اور اُنہوں نے بیعت کی۔ جب
یہ واقعہ میں نے حضرت علیؓ سے آ کر بیان کیا۔ تو انہوں نے فرمایا۔ رسول اللہ نے فرمایا تھا۔
کہ طلحہ جنت میں جائے گا۔ جبکہ علیؓ کی بیعت کا طوق اُس کے گلو میں ہو گا۔ یہ روایت اگرچہ
بہت زیادہ مستند نہیں ہے۔ مگر چونکہ حاکم اہل سنت کے مشہور محدث ہیں۔ اس لئے
یہاں دے دی گئی ہے۔

الغرض بی بی عائشہؓ، طلحہ اور زبیر کے فیصلے اجتہادی غلطیوں پر مبنی تھے! اور جیسے
ہی اُن فیصلوں کی غلطی کا احساس مجتہدوں کو ہوا انہوں نے رجوع کر لیا۔

یہ امر بھی قابل توجہ ہے۔ کہ فتح الباری (شرح بخاری) کی پہلی جلد میں کتاب الصلوٰۃ
کے باب تعاون بناء المسجد میں جو حدیث "فئۃ باغیۃ" کے متعلق ہے۔ اس کی تشریح میں ابن
حجر عسقلانی نے یہ حقیقت تو واضح کر دی ہے۔ کہ اس حدیث سے معاویہ کی پارٹی کا غلطی
پر ہونا ثابت ہے۔ مگر بعض لوگوں کی اس رائے کا بھی تذکرہ کیا ہے۔ کہ صحابہ مجتہد ہوتے ہیں۔
اور اُن کی غلطی اجتہادی ہوتی ہے۔ اس بحث میں بھی معاویہ کو شامل نہیں کیا ہے۔ بلکہ
معاویہ کے طرفداروں میں جو چند صحابہ تھے۔ اُن کے دفاع کے لئے تاویل کی گئی ہے۔

درحقیقت معاویہ کے لئے اہل علم کے قلم سے شاید ہی کبھی کوئی موافق تبصرہ لکھا
گیا ہو۔ جہاں دیکھئے مخالفت ہی مخالفت ہے۔

جنگ صفین میں اجتہادی غلطیوں کے اور ثبوت بھی ملتے ہیں بعض نیک نیت لوگوں نے
جن میں صحابہ بھی شامل تھے۔ یہ سمجھ کر ابتدا میں علیحدگی اختیار کی تھی کہ مسلمانوں کی خانہ جنگی ہے۔
اس سے الگ رہنا اسلامی احکام کے مطابق ہو گا لیکن جب عمار بن یاسر کی شہادت ہوئی۔ تو
اُن پر ثابت ہو گیا۔ کہ معاویہ اور اُن کی پارٹی باغی ہے۔ جس کے خلاف جنگ ضروری ہے۔
چنانچہ وہ جنگ میں شامل ہو گئے۔

جس طرح بی بی عائشہؓ جنگ جمل میں اُس مقام پر پہنچ کر متنبہ ہوئی تھیں جس کا ذکر رسولؐ اللہ نے فرمایا تھا۔ اس طرح معاویہ قتل عمار بن یاسر پر نہیں ـــــ حالانکہ "فئتہ باغیہ" والی ایک روایت کے راوی خود معاویہ بھی ہیں۔ یہ روایت انہوں نے جنگ صفین سے بہت پہلے کی تھی۔ لہٰذا یہ تصور نہیں کیا جا سکتا۔ کہ جس حدیث کی روایت خود وہ کر چکے تھے۔ وہ انہیں یاد نہ ہو۔ اور حقیقت یہ ہے کہ عمارؓ بن یاسر کی شہادت کے بعد اس حدیث کا چرچا بھی ہُوا تھا۔ پس اگر معاویہ نیک نیت ہوتے۔ تو سمجھ جاتے کہ وہ گمراہی پر ہیں۔ کیونکہ حدیث نہ صرف یہ کہتی ہے۔ کہ عمار بن یاسر کو قتل کرنے والی پارٹی باغی ہوگی۔ بلکہ یہ بھی صراحت اُس میں موجود ہے۔ کہ عمارؓ بن یاسر جنّت کی طرف بلاتا ہوگا۔ اور مخالفین دوزخ کی طرف دعوت دے رہے ہوں گے۔ اس کا مطلب ابن حجر نے یہ ہی بیان کیا ہے۔ کہ عمارؓ بن یاسر کے جنّت کی طرف بلانے کا اشارہ حضرت علیؓ کی بیعت کی طرف بلانے سے ہے۔ اور معاویہ کی پارٹی کا دوزخ کی طرف دعوت دینا حضرت علیؓ کی مخالفت کے مترادف ہے۔

فئتہ باغیہ والی حدیث ستائیس صحابہ سے الگ الگ مروی ہے۔ اگر معاویہ کی نیت صاف ہوتی تو وہ ضرور بی بی عائشہؓ، طلحہ اور زبیر کی طرح قتال سے باز آجاتے۔

خزیمہ بن ثابت ایک صحابی ہیں اور ایسے مرتبہ کے صحابی ہیں۔ کہ اُن کو رسولؐ اللہ نے ذوالشہادتین کا لقب دیا ہے۔ یعنی اُن کی شہادت دو شہادتوں کے برابر سمجھی جاتی تھی۔ وہ اپنی تلوار میان میں کئے ہوئے تھے۔ لیکن جیسے ہی عمار بن یاسر کا قتل ہوا وہ شمشیر برہنہ کرکے معاویہ کے خلاف میدان میں آگئے۔ اس جنگ میں شہید ہوگئے۔ (ابن عبدالبر)

یہ ہے اُس اجتہاد کی مثال جو خلوص پر مبنی ہوتا ہے۔ اور جس میں مخطی کو بھی ایک اجر ملتا ہے۔ خزیمہ بن ثابت نے پہلے اُس حدیث کو حالات پر منطبق کیا۔ جس میں مسلمانوں کو ایک دوسرے سے قتال کی ممانعت ہے۔ لیکن عمار بن یاسر کے قتل سے جب ثابت ہوگیا۔ کہ

کہ معاویہ باغی ہیں تو پھر اس آیت پر عمل کیا۔

فَإِنْ بَغَتْ إِحْدَاهُمَا عَلَى الْأُخْرَى فَقَاتِلُوا الَّتِي تَبْغِي حَتَّى تَفِيءَ إِلَى أَمْرِ اللَّهِ۔ پس اگر بغاوت کرے ان میں سے ایک دوسرے کے خلاف تو باغی سے قتال کرو۔ یہاں تک کہ اللہ کے حکم کی طرف آجائے۔

ابن عبدالبر اور حاکم اور دوسرے محدثین نے روایات پیش کی ہیں۔ جن میں سے ایک روایت ابو حنیفہ سے بھی ہے۔ کہ ابن عمر کو مرتے وقت اس کا افسوس تھا کہ انہوں نے فئتہ باغیہ سے جنگ نہیں کی۔

یہ ہیں اس اجتہاد کی مثالیں جو غلط ہونے کے باوجود قابلِ معافی ہوتا ہے۔ لیکن معاویہ کو ایسے خطاکار مجتہدین کی صف میں نہیں رکھا جا سکتا۔ معاویہ کا رویہ محض ایک باغی کا رویہ تھا جس میں کوئی علمی عدالت اُن کو شبہ کا فائدہ بھی نہیں دے سکتی۔

معاویہ کے سارے اقدامات میں مکر و فریب تھا۔ اغراض پرستی تھی۔ اور محدثات و بدعات تھیں۔ اس کا نقشہ مولانا ابو الکلام آزاد مرحوم نے الہلال میں پیش کر دیا تھا۔ پھر جب کسی صاحب نے احتجاجی خط بھیجا۔ تو دو مقالات اس مراسلہ کے جواب میں لکھے ہیں۔ الہلال۔ جلد دوم نمبر ۲۱ مورخہ ۲۸ مئی اور نمبر ۲۲ مورخہ ۴ جون ۱۹۱۳ء میں مولانا مرحوم نے نہایت درشت لہجہ اختیار کیا ہے۔ اور معاویہ کے طریق کار کی مذمت میں پورا زورِ قلم صرف کر دیا ہے۔ (معاویہ و یزید ص۱۷ تا ص۲۸)

ایک فیصلہ کُن حدیث

مسلمانانِ ہند میں ایسے فرقے بھی ہیں۔ جو حدیث کے صرف اصولاً قائل ہیں۔ ورنہ عملی زندگی میں وہ انہیں اس لئے سرچشمہ ہدایت نہیں سمجھتے کہ اُن کے نزدیک احادیث میں اتنا

غلط ملط اضافہ و الحاق اور جعل و فریب ہوا ہے۔ کہ حدیث سے قطع نظر کر کے صرف کتاب اللہ پر اعتماد کرنا بہتر ہے۔ لیکن شیعہ، سنّی اور اہل حدیث احادیث کو بھی کتاب اللہ کے ساتھ سرچشمۂ ہدایت سمجھتے ہیں۔ بہرکیف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ ارشاد جو پیش کیا جا رہا ہے۔ اُس کی اسناد اتنی قوی، متعدد اور مختلف ہیں۔ کہ غالباً اول الذکر فرقہ بھی اس خاص ارشاد نبوی کے متعلق کوئی اعتراض نہیں کرے گا۔ حدیث کے لٹریچر میں بہت کم ارشادات رسولؐ اس قدر تواتر کے ساتھ پائے جاتے ہیں۔ ارشاد نبوی ہے تقتلہ الفئۃ الباغیۃ یعنی عمار کی نسبت حضورؐ نے ارشاد فرمایا۔ کہ اسے باغی گروہ قتل کرے گا۔

بخاری، مسلم، ترمذی، نسائی، مسند احمد اور دیگر کتب احادیث میں یہ ارشاد نبوی اتنی بار اور اتنے طریقوں سے پایا جاتا ہے کہ اس کی صحت میں کسی محدث نے کوئی شبہ نہیں کیا۔ اس کی روایت ستائیس۲۷ صحابہ نے مختلف شکل میں کی ہے۔ جن میں ایک خزیمہ بن ثابت ہیں۔ جن کا لقب ذوالشہادتین ہے۔ لہٰذا اٹھائیس صحابہ کی شہادت اس حدیث کی روایت میں شامل ہے جن میں بقول ابن حجر عسقلانی قتادہ، ام سلمہ، ابوہریرہ، عبداللہ بن عمرو بن العاص، عثمان بن عفان، حذیفہ، ابو ایوب انصاری، ابو رافع خزیمہ بن ثابت، معاویہ، عمرو بن العاص، ابو الیسر اور خود عمار بن یاسر ہیں۔

یہ امر قابلِ غور ہے۔ کہ معاویہ اور عمرو بن العاص نیز عثمان بن عفان بھی راویوں میں شامل ہیں۔ حالانکہ پہلے دو آدمی عمار کے قاتل گروہ یعنی فئہ باغیہ میں شامل تھے۔ ان دونوں نے حدیث کی روایت جنگِ صفین سے پہلے کی تھی۔ مگر جنگ کے موقع پر دنیا کی طمع نے ان کو ارشادِ نبوی پر عمل کرنے کا موقع نہیں دیا۔ حالانکہ وہ خود اس کے راویوں میں سے تھے۔ اور وہ یہ بھی نہ سوچ سکے۔ کہ حضرت عثمان کے قتل کے قصاص کا نام لے کر جو جنگ لڑ رہے ہیں۔ جس کو خود حضرت عثمان کا روایت کردہ ارشاد نبوی گمراہی و بغاوت ٹھہراتا ہے۔

اس بارے میں دنیائے اسلام میں کوئی اختلاف نہیں کہ عمار بن یاسر جنگِ صفین میں شہید

ہوئے جو حضرت علیؓ اور معاویہ کی پارٹیوں کے درمیان لڑی گئی تھی۔ عمار حضرت علیؓ کے ساتھیوں میں تھے، نیز یہ کہ محدثین نے اس حدیث سے یہی نتیجہ نکالا ہے۔ کہ ارشاد نبوی کی رُو سے حضرت علیؓ حق پر تھے، اور معاویہ کی جماعت باغی تھی۔ اس کے سوا اور کوئی نتیجہ نکالنا ممکن ہی نہیں۔ بخاری کی حدیث میں یہ بھی ہے کہ عمار کے ساتھی اُن کو جنّت کی طرف بلاتے ہوں گے۔ اور وہ ان کو دوزخ کی طرف بلاتے ہوں گے۔ ان مختلف حدیثوں میں سے صرف بخاری کی روایت ذیل میں پیش کی جاتی ہے:۔

"عکرمہ کہتے ہیں کہ ایک دن ابن عباس نے مجھ سے اور اپنے بیٹے علی سے کہا۔ کہ ابوسعید خدری کے پاس چلو۔ اور اُن کی حدیث سنو۔ چنانچہ ہم چلے تو اپنے باغ میں کچھ درستی کر رہے تھے۔ پھر انہوں نے اپنی چادر اٹھالی اور اُسے اوڑھ لیا۔ پھر ہم سے حدیث بیان کرنے لگے۔ یہاں تک کہ مسجد نبویؐ کی تعمیر کے بیان پر آئے۔ تو کہنے لگے کہ ہم ایک ایک اینٹ اٹھاتے تھے اور عمار دو اینٹ اٹھاتے تھے۔ تو انہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا۔ پس آپ اُن کے جسم سے مٹی جھاڑنے لگے۔ اور یہ فرماتے جاتے تھے۔ کہ عمار کی مصیبت انہیں باغی گروہ قتل کرے گا۔ یہ اُن کو جنّت کی طرف بلاتے ہوں گے۔ اور وہ ان کو دوزخ کی طرف بلاتے ہوں گے۔ ابوسعید کہتے ہیں کہ عمار کہا کرتے تھے۔ اعوذ باللہ من الفتن (بخاری۔ کتاب الصلوٰۃ)

یہ اتنی فیصلہ کن حدیث ہے۔ کہ بعض ایسے صحابہ جو قتال بین المسلمین سے الگ رہنے کی خاطر اس جنگ میں کسی طرف سے شریک نہیں ہوئے۔ عمار بن یاسر کی شہادت کے بعد حضرت علی طرف سے شریک ہو گئے۔ مثلاً خزیمہ بن ثابت۔ بعض ایسے صحابی بھی تھے۔ جو بعد میں افسوس کرتے تھے۔ کہ ہم کیوں نہ شریک ہوئے۔ مثلاً عبداللہ بن عمر (ماخوذ از معاویہ ویزید)

حضرت مولانا شاہ محمد علی کاکوروی جو افاضل اہل سنّت میں سے ہیں۔ اپنی مشہور

کتاب سیرۃ علویہ میں مخالفین کے چند اوہام کا ازالہ کرنے کے بعد وہم ہشتم کے ذیل میں معاویہ کی خطائے اجتہادی پر تبصرہ تحریر فرماتے ہیں:۔

سوال:۔ ایک گروہ علمائے اہل سنّت والجماعت نے اس امر پر اتفاق کر لیا ہے۔ کہ معاویہ کی خطا خطائے اجتہادی تھی وہ اس امر میں معذور بلکہ ماجور اور مصاب تھے۔ اور اس کے خلاف خطا، منکر کا قائل ہونا اور اُن کو باغی اور عاصی قرار دینا خارق سواد اعظم اور من شذ شذ فی النار کے زمرہ میں داخل ہونا ہے۔

جواب:۔ معاویہ کے معرفین اس کو بہت بڑی دلیل اہل صفین کی برأت کی سمجھتے ہیں۔ مگر جو حیثیت حقیقتاً اس دلیل کی ہے وہ کسی سمجھدار آدمی سے پوشیدہ رہنا دشوار ہے۔ حقیقتاً یہ دلیل خود اپنی کمزوری کو عیاں کرتی ہے۔ جب نوبت اس کی پہنچ جائے۔ کہ بحث میں بجائے دلائل پیش کرنے کے عقیدت خوف، امید اور دیگر احساسات پر بھروسہ ہونے لگے۔ تو پھر ایسی بحث کا کیا ٹھکانہ۔ بالفاظ دیگر اس کا مطلب یہ ہوا کہ معاویہ کے متعلق کوئی دلیل تو ہمارے پاس نہیں، مگر تم کو ہم یہ بتا دینا چاہتے ہیں۔ کہ تم مستحق جہنم ہوتے جاتے ہو۔ اس لئے ڈرو اور ڈر کر سکوت اختیار کرو۔ اس قسم کی حجت یا دلیل از قسم خطابیات ہے نہ برہانیات ایسے لایعنی دلیل پر اکتفا کر لینا اتیانِ حجت سے عجز کی دلیل ہے۔

اب ہم کو یہ دیکھنا ہے کہ سواد اعظم سے کیا مراد ہے۔ اور واقعی علمائے اہل سنّت والجماعت نے معاویہ کی خطا کو خطائے اجتہادی ماننے میں اتفاق کر لیا ہے یا نہیں؟ سواد اعظم سے مراد حقیقتاً اجماع ہے اور محققین اہل سنّت والجماعت کے نزدیک اجماع افاضل صحابہ، مہاجرین و انصار اہل حل و عقد کے اتفاق رائے کا نام ہے معاویہ کے معرفین نے غور نہیں کیا۔ کہ اس دلیل سے معاویہ اور اُن کے متبعین قائد کے مقابلہ میں نقصان اٹھائیں گے۔ اس لئے کہ جناب امیرؑ کی خلافت کا انعقاد اہل حل و عقد کے اتفاق سے ہوا تھا۔ ان کے مخالف خارق سواد اعظم ہوں گے یا موافق؟ خود جناب امیرؑ نے اس دلیل کو معاویہ اور اہل صفین کے مقابلہ میں پیش کیا تھا۔ معاویہ کے

شریک چند صحابہ مؤلفۃ القلوب تھے۔ جن کی تعداد جمع قلت سے تجاوز نہیں کرتی۔ اور شام کے نومسلموں کی جماعت تھی۔ جن کی جہالت و ناواقفیت کے متعلق علامہ مسعودی نے ایک مضحکہ خیز حکایت بھی لکھی ہے۔

جناب امیرؑ کے ساتھ تقریباً تمام صحابہ کرام کی شرکت ثابت ہوتی ہے۔ اور اہل صفین سے مقابلہ کرنے سے بھی معلوم ہوتا ہے۔ کہ یہ سب حضرات خلیفۂ وقت کے ساتھ معاویہ کی مخالفت کو بغاوت اور معصیت سمجھتے تھے۔ اور اسی وجہ سے معاویہ سے جنگ کرنا ضروری سمجھتے تھے۔ عمار بن یاسر کی شہادت نے صحابہ کرام کو آنحضرتؐ کے احادیث کے متعلق بر شہادت عمار بن یاسر یاد دلادی تھیں۔ اور صحابہ کرام اہل صفین کو خاطی، باغی اور عاصی سمجھتے تھے۔ اور ایسا سمجھنے میں بہ معیت امام وقت انہوں نے اجماع کرلیا تھا۔ اور یہ اجماع تقتلك الفیئۃ الباغیۃ سے منصوص تھا۔ ابن طلحہ شافعی مطالب السئول میں لکھتے ہیں کہ آنحضرتؐ نے عمار بن یاسر سے فرمایا تھا۔ کہ تجھے باغیوں کا گروہ قتل کرے گا۔ ان احادیث کو محدثین میں سے مشہور ائمہ نے اپنے مسندوں میں متعدد طرق سے روایت کیا ہے۔ جن کے اسناد میں کسی قسم کا خلل نہیں۔ اور نہ ان احادیث کے متنوں میں کسی قسم کا اضطراب ہے۔ اس لئے یہ ثابت ہے کہ آنحضرتؐ نے عمار کے قاتلین کو گروہ باغی سے قرار دیا۔ لہٰذا یہ گروہ جرم بغاوت سے بری نہیں ہوسکتا۔ یہ وصف اُن کے لئے لازمی ہوگیا۔ بغاوت کے معنی ظلم اور کثرت فساد کے ہیں۔ جو شخص باغی ہے وہ ظالم اور جابر اور خدا کی اطاعت سے خارج ہے بعض علماء کا قول ہے کہ اہل صفین میں جو صحابہ تھے۔ اُن کے افعال سے چشم پوشی بہتر ہے۔ اگرچہ وہ لوگ امر باطل پر تھے۔ لیکن اس فعل میں متاول تھے۔ علامہ بزدوی لکھتے ہیں۔ کہ جناب امیرؑ حق پر تھے۔ اور معاویہ باطل پر لیکن وہ اپنے فعل میں تاویل کرنے والے تھے۔ یعنی اُن کو اپنی خطا کا علم نہ تھا۔ مگر یہ بات معقول نہیں۔ اس لئے کہ عمار بن یاسر شہید ہوچکے اور معاویہ کو اس بات کا علم ہوچکا کہ ان کی شہادت معاویہ کے متبعین

کے ہاتھوں ہوئی۔ جن کی نسبت آنحضرتؐ نے فئتہ باغیہ فرمایا۔ پھر کون ایسی تاویل تھی۔ جو ان کو جنگ پر برابر مجبور کر رہی تھی۔ اگر یہ کہا جائے کہ ان کو حضرت عمار کی شہادت کی خبر نہیں ملی تھی۔ یا اس کے متعلق جس قدر احادیث وارد ہیں۔ اُن کا علم نہ تھا تو یہ بھی صحیح نہیں۔ عبداللہ بن عمرو العاص نے بعد شہادت ان کو وہ احادیث سُنادی تھیں۔ جن میں آنحضرتؐ نے گروہ باغی کے الفاظ استعمال فرمائے تھے اور معاویہ نے اس کی تاویل بھی فوراً کی تھی۔ جس کو ہم مفصل اس بحث میں کہ معاویہ مجتہد تھے۔ اور اُن سے خطائے اجتہادی سرزد ہوئی۔ لکھ چکے ہیں۔ امام احمد بن حنبل اور امام نسائی کی حدیثوں سے یہی امر ظاہر ہوتا ہے۔ کہ معاویہ کو شہادت عمار یاسر و احادیث متعلقہ دونوں کا علم تھا۔ یہ امر ظاہر ہے۔ کہ جس فعل سے اغماض کیا جاتا ہے۔ وہ ہرگز عمل خیر نہیں ہو سکتا۔ کہ جس کا عامل خدا سے اجر پانے کا مستحق ہو سکے۔ بعض علماء معاویہ کی اس محاربہ اور مخالفت کو حرام جانتے رہے ہیں۔

حافظ محمد میر الیمانی الصنعانی روضتہ الندیہ شرح تحفہ علویہ میں لکھتے ہیں۔ کہ ناصبی لوگ کہتے ہیں۔ کہ معاویہ سے خطاء اجتہادی سرزد ہوئی۔ اور وہ جنت خلد کے درجات عالیہ میں ہوں گے۔ ہم کہتے ہیں کہ تم لوگ جھوٹ کہتے ہو۔ اگر تمہارا قول سچ ہے تو پھر آنحضرتؐ نے ہم سے کیوں فرمایا کہ عمار کو گروہ باغی قتل کرے گا۔ اور اُن کا قاتل جہنم میں ہو گا۔ معاویہ کے لئے ان کے اجتہاد کے بارے میں دعویٰ کرنا ایسا ہے۔ جیسے کہ ابن ملجم اشقی الاخرین کو جناب امیرؑ کے قتل میں مجتہد قرار دیتے ہیں۔ تو جب کوئی شخص ہذیان بکنا شروع کرے تو جس کو چاہے مجتہد کہے۔

علامہ عمر ابن مظفر الوردی کتاب تتمہ المختصر فی اخبار البشر میں لکھتے ہیں ۱۷۷ھ کو شہ میں قاضی شریک ابو عبداللہ بن عبداللہ بن شریک کا انتقال ہوا۔ یہ مہدی باللہ خلیفہ بغداد کے زمانہ میں تھے اور بڑے عالم عادل کثیر الصواب حاضر الجواب تھے۔ کسی نے اُن سے کہا کہ معاویہ بہت بڑے حلیم تھے۔ یہ جواب میں کہنے لگے۔ جو شخص حق سے

نادان بن جائے۔ اور جناب امیرؑ سے جنگ کرے وہ ہرگز حلیم نہیں ہو سکتا۔

اگر یہ کہا جائے کہ اُن کے فضائل میں حدیثیں آئی ہیں۔ تو اُن کے متعلق ابن جوزی کتاب الموضوعات میں لکھتے ہیں۔ کہ معاویہ کے فضائل میں کوئی حدیث مروی نہیں۔ عینی فتح الباری میں اسحاق ابن راہویہ و امام نسائی کا یہی قول منقول ہے۔ امام نسائی کہتے ہیں کہ میں معاویہ کی فضیلت بجز اس کے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا۔ خدا اس کے پیٹ کو نہ بھرے اور کوئی نہیں جانتا۔

معاویہ کے تمام معاصی اگر خطائے اجتہادی میں شمار کئے جائیں۔ تو پھر خطاء منکر کون ہوگی اور شر الامور محدثاتھا اور کل بدعة ضلالة کے کیا معنی ہوں گے۔ ان کے متعلقہ کل واقعات اگر ایک سرے سے غلط سمجھے جائیں۔ اور تمام تاریخیں وغیرہ غلط کر دی جائیں۔ تو پھر کوئی گفتگو باقی نہیں رہتی۔ حالانکہ معتبر تاریخیں اُن کے معائب سے بھری پڑی ہیں۔ غرضیکہ معاویہ کی دنیا طلبی نے دین کو چھوڑ کر تمام رعایا کو دنیاوی خواہشات و معاصی میں مبتلا کر دیا۔ مسلمانوں کو ان کے حال سے عبرت حاصل کرنا چاہیئے۔ اور خدا سے پناہ مانگتے رہنا چاہیئے۔

ذالك هدى الله يهدى به من يشاء من عباده ومن يضلل الله فماله من هاد۔

(اقتباس از سیرۃ علویہ)

(ماخوذ از اموی دور خلافت ص۲۰۹ تا ص۲۱۲)

معاویہ کا ایک ناقابلِ معافی جُرم

چونکہ امیر شام کے سامنے ہر وقت سوال تسلط و اقتدار کا رہتا تھا۔ اس لئے وہ ہر موقعہ مقام پر جہاں وہ اپنے حصول مطلب میں کچھ بھی رکاوٹ محسوس کرتا۔ اسے فوراً خوشامد و چاپلوسی یا رشوت وغیرہ دے کر دور کر دیتا۔ اور اگر معاملہ اس سے بھی بڑھ گیا تو پھر تشدد۔ دغا، فریب اور بالآخر قتل و غارت کے ذریعہ اپنے مطلب کو حاصل کر لیا جاتا۔ اس سلسلے میں انہیں ہرگز اس امر کی پرواہ نہ ہوتی۔ کہ میرا مدمقابل خواہ بڑے سے بڑی ہستی ہی کیوں نہ ہو۔ ہم نے ان تمام واقعات پر تفصیل سے روشنی ڈالی ہے سب سے زیادہ ناقابلِ معافی جرم جو امیرِ شام نے عمداً کیا۔ وہ ام المومنین حضرت عائشہ کا دردناک قتل ہے۔ تاریخ سے یہ بات ثابت ہے۔ کہ معاویہ جب یزید کی ولی عہدی کے سلسلہ میں مدینہ پہنچے۔ تو وہاں حضرتِ عائشہؓ کو اپنے موقف کے خلاف پاکر انہیں ایک سازش کے تحت قتل کروا دیا۔ صاحب سیرۃ علویہ لکھتے ہیں:۔

"حضرت عائشہ کو دھوکہ دیکر کنوئیں میں گرانا حبیب السیر و مناقب مرتضوی و حدیقہ حکیم سنائی ترجمہ ابنِ خلدون میں معاملہ استخلاف یزید میں مروان کا حضرت عائشہ کو دعوت کے لئے بلانا اور گڑھے میں آلات حرب کا بچھانا جس کے صدمہ سے حضرت عائشہ کا وفات پانا مذکور ہے۔ (سیرۃ علویہ ص ۳۵۵)

تاریخ حبیب السیر میں یہ واقعہ بایں طرز منقول ہے:۔

"در تاریخ حافظ از ربیع الابرار و کامل السفینہ منقول است۔ کہ در شہور سنہ ۵۸ھ کہ معاویہ بن ابوسفیان جہت بیعت پسر لعین خود بمدینہ

رفتہ۔ امام حسین علیہ السلام و عبدالرحمٰن بن ابوبکرؓ و عبداللہ بن زبیرؓ را برنجانید
عائشہؓ زبان بلامت واعتراض بروے کرد و معاویہ در خانہ خویش چاہے کند
وسر آنجا را بخاشاک پوشیدہ و کرسی آبنوس برزبر آں نہاد۔ آنگاہ عائشہ را
بضیافت طلبیدہ بر کرسی نشاندتا ازاں چاہ افتاد و معاویہ برسر آں چاہ
را بہ آہک مضبوط نمودہ از مدینہ بمکہ رفت (حبیب السیر جزو سوم جلد اول ۵۵)

(ترجمہ) تاریخ حافظ میں ربیع الابرار اور کامل السقیفہ سے منقول ہے کہ سال ۵۶ھ میں
معاویہ اپنے بیٹے کی بیعت لینے کے لئے مدینہ گیا۔ امام حسین علیہ السلام، عبدالرحمٰن بن
ابوبکرؓ، عبداللہ بن زبیرؓ کو تکلیف دی۔ عائشہؓ نے اعتراض کیا اور بلامت کی۔ معاویہ
نے اپنے مکان میں ایک گڑھا کھدوایا اور اوپر سے خاشاک وغیرہ سے ڈھانپ دیا۔
ایک آبنوس کی کرسی اوپر رکھ دی۔ پھر حضرت عائشہؓ کو ضیافت کے لئے طلب کیا۔ اور
کرسی پر بٹھایا۔ یہاں تک کہ وہ گڑھے میں گر پڑی معاویہ نے اس گڑھے کو چلعی وغیرہ سے پختہ
کرا دیا۔ اور مدینہ سے مکہ روانہ ہو گیا۔

حکیم سنائی جو کبار اولیاء میں سے ہیں حدیقہ سنائیہ میں اسی طرف اشارہ کرتے ہیں۔

عاقبت ہم بدست آں باغی	شد شہید و بکشت آں طاغی
آنکہ با جفت مصطفٰے از بیان	بدکند مر اورا تو مرد مخواں

(ترجمہ) آخر اس باغی کے ہاتھ سے شہید ہوئے اور اس طاغی نے قتل کر دیا۔ جو شخص زوجہ رسولؐ
سے ایسی برائی کرے اُسے مرد نہ کہو۔

چند مستشرق مؤرخین اور معاویہ

قرآن و حدیث اور تاریخ اسلام کی روشنی میں تو ہم بطور صراحت بیان کر چکے ہیں کہ معاویہ بن ابو سفیان نے اپنے اقتدار کے تحفظ کے لئے وہ سب کچھ کیا جو وہ اس دنیا میں جن ذرائع کے تحت کر سکتا تھا۔ مسلمانوں میں سوائے چند ایک انتہا پسندوں کے باقی تمام اہل علم حضرات معاویہ کے نا مشروع اور مکروہ کیر یکٹر پر متفق ہیں۔ عہد حاضر کے متکلمین بھی یہ لکھ چکے ہیں کہ معاویہ نے اپنے دور حکومت میں زمانہ جاہلیت کو واپس لانے کی ہر ممکن کوشش کی۔ جیسا کہ ہم جلد اوّل میں بالتفصیل لکھ چکے ہیں۔ یہاں چند ایک مستشرق مورخین کے تحریر کردہ حقائق کو بھی بطور شہادت پیش کیا جاتا ہے تاکہ یہ بات ثابت ہو جائے کہ جو کچھ معاویہ اور دیگر بنو امیہ کے بارے میں ہم پیش کر چکے ہیں وہ تاریخ و عقائد کا متفقہ مسئلہ ہے۔ پروفیسر نکلسن کا بیان ہے:۔

خاندان بنو امیہ جن کا راس و رئیس معاویہ تھا۔ کا غلبہ و اقتدار حقیقت میں عہد جاہلیت کے افراد قریش (یعنی سابقہ کفرا) کا تسلّط و غلبہ تھا جنہوں نے پیغمبرؐ اور اُن کے اصحاب کو ایذا دی۔ اور پیغمبرؐ اور ان کے اصحاب نے ان کے ساتھ جنگ کر کے غلبہ جاہلیت و بت پرستی کو مٹا کر دین اسلام کی بنیادوں کو مضبوط کیا۔ اور تعلیم اسلام کو رواج دیا (تاریخ سیاسی اسلام ج ا ص۳۰۸ مطبوعہ طہران)

فرانسیسی مورخ پروفیسر گویارد کا حسب ذیل بیان ہے:۔

"معاویہ نے اکثر مقامات پر قواعد اسلام کی خلاف ورزی کی ہے۔ سب سے زیادہ جو بات اس کی قابل گرفت ہے وہ یہ ہے کہ اس نے پیغمبر اسلام کے بعد اسلام کے سب سے بڑے انسان علی بن ابی طالبؑ جو اپنی شجاعت و پرہیزگاری اور فصاحت و بلاغت کے لحاظ سے افراد عرب میں یکتا تھے کے ساتھ جنگ کی۔ معاویہ نے دمشق میں ایک عظیم الشان محل تعمیر کرایا۔ اور اس میں جلوس شاہانہ کے لئے تخت خلافت بنوایا۔ اور غیر مسلم بادشاہوں (قیصر و کسریٰ) کی مثل دربان اور محافظ مقرر کئے جب معاویہ

باہر نکلنا تو اس کے مخصوص حفاظتی دستے اس کے اگر د ہوتے۔ معاویہ نے اپنے بیٹے یزید کو ولیعہد قرار دے کر اسلام میں ایک ایسی بدعت سئیہ کا آغاز کیا۔ کہ جس کی بدولت روح اسلام آج تک متاثر ہے۔ چنانچہ یہی بدعت مسلمانوں کی بدبختی کا سرچشمہ ثابت ہوئی اور عظمتِ اسلام کو ناقابلِ تلافی نقصان پہنچا۔ معاویہ نے اپنے اقتدار اور مقام کے تحفظ کے لئے حق قضاوت اور عہدۂ پیشنازی کو حکمرانوں سے چھین لیا۔ اور اپنے خاندان کے مخصوص افراد یا اپنے دست و بازوؤں کو ان کی جگہ متعین کیا۔ جنہوں نے آداب اسلامی اور اوضاع حکومت اسلامی کو یکسر بدل دیا۔ قضاوت و خلافت کے جملہ حقوق کو خاندان نبوت اور دیگر صلحاءِ امت کے ہاتھ سے لے کر اپنے ناہنجار اور نااہل مددگاروں کے حوالے کر دیا۔

(کتاب سازمانہائے تمدن امپراطوری اسلام پروفیسر گویارد ص $\frac{18}{19}$ فارسی)

جارج جرداق عیسائی مورخ اپنی کتاب "الامام علی" میں لکھتے ہیں :-

"خاندان بنو امیہ کے خصائص اور ان کی صفاتِ خبیثہ کا مظہر اتم اور چشم و چراغ معاویہ بن ابوسفیان ہے ہم اگر تاریخی تجزیہ و تحلیل کے ساتھ اوراق تاریخ پر غائرانہ نگاہ ڈالیں تو یہ بات صفحاتِ تاریخ میں ہمیں جلی قلم سے لکھی ہوئی ملتی ہے۔ کہ معاویہ نے اسلام اور انسانیت و اخلاقِ مسلمین سے کچھ بھی حاصل نہیں کیا ہوا تھا۔ معاویہ ریشمی لباس پہنتا تھا۔ سونے چاندی کے برتنوں میں کھاتا پیتا تھا۔ ابو ذر صحابیٔ رسولؐ نے ایک بار اس سلسلے میں معاویہ سے کہا کہ ہم نے پیغمبرؐ اسلام سے یہ حدیث سنی ہے کہ جو شخص سونے چاندی کے برتنوں میں کھاتا ہے۔ بروز محشر اس کے شکم کو آگ سے بھر دیا جائے گا۔ معاویہ نے صحابیٔ رسولؐ کے جواب میں بغیر عظمتِ رسالت کا لحاظ کئے ہوئے کہا۔ کہ میں تو سونے چاندی کے برتنوں میں کھانے پینے کو معیوب نہیں جانتا" (الامام علی جلد ۲ ص۳۳ جرج جرداق)

کا زانوف ایک جلیل القدر فرانسیسی مستشرق مورخ لامنس ایسے اموئیت نواز کا جواب دیتے ہوئے لکھتا ہے :-

امویوں کی سرشت میں کلی طور پر غلبہ و اقتدار کی خواہش اور فتوحاتِ اسلامی کے ذریعہ

لوٹ مار اور ملک ریاست کی سرداری کے جذبات کوٹ کوٹ کر بھرے ہوئے تھے۔ اور ان کی زندگی کا مقصد محض لذات دنیا سے ہی مستفید ہونا تھا۔ بایں ہمہ ہم لامنس کے نظریات سے تعجب کرتے ہیں کہ وہ معاویہ اور اس قسم کے دھوکا باز انسانوں کی طرف سے دفاع کرتا نظر آتا ہے اور علی بن ابی طالبؓ کے جن کے ساتھ اموی مکر و حیلہ کرتے رہے کو الٹا سرزنش کرتا دکھائی دیتا ہے

(الامام علی جلد ۵ صفہ ۱۲۴ جارج جرداق)

ر۔ ف بودلی نے مشکلات امیر المومنین حضرت علی کا ذکر کرتے ہوئے ایک مقام پر لکھا ہے :-

"جنگ جمل کی فتح کے بعد بھی حضرت علیؑ کی مشکلات میں کمی نہ ہوئی معاویہ ابھی تک شام کا برابر حاکم تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ خونِ عثمانؓ کے بہانہ سے حضرت کے ساتھ منازعت کرے اور اس ذریعہ سے وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہو جائے۔ مگر حضرت علی مائل نہ تھے کہ جنگ جمل کی طرح ایک اور جنگ کے ذریعے مسلمانوں کا خون بہایا جاوے۔ اس لئے آنحضرتؐ نے ہر چند صلح کی کوشش کی۔ اور اس کے بعد جب تک یہ یقین نہ کر لیا کہ اموی جنگ ضرور کریں گے۔ جنگ کی منظوری نہیں دی۔

(الرسول۔ حیات محمد ر۔ ف بودلے ترجمہ عربی جودۃ السحار مصری)

جرجی زیدان جرجی زیدان الیاسیحی مورخ اپنی کتاب تاریخ تمدن اسلامی میں معاویہ اور اس کے ہمراہیوں کی سیاست کے بارے میں حسب ذیل الفاظ میں وضاحت کے ساتھ لکھتا ہے۔

معاویہ اور اس کے دست و بازو اپنے مقاصد کے حصول میں کسی بھی گناہ کی پرواہ نہیں کرتے تھے مگر علیؑ اور ان کے ساتھ کسی وقت بھی صلح و راستی امر حق و شرافت کے دفاع کے سلسلہ میں خطا و تجاوز نہیں کرتے تھے۔ گروہ بندی اور اذکار و عقائد کی خریداری بنو امیہ کا معمول تھا یہی وجہ ہے کہ انہوں نے حدود اسلامی اور قوانین شریعت کو مسخ کر کے رکھ دیا تھا۔ اپنی حکومت کی مضبوطی کیلئے ہر جائز و ناجائز وسیلے سے مال دنیا اکٹھا کیا۔ اور بے دریغ لوگوں پر بغیر استحقاق خرچ کیا۔ رشوت کے علاوہ بنو امیہ مکر و حیلہ سے بھی استفادہ کر کے اپنی سیاست کو جاری رکھتے تھے۔ اور اس سلسلے میں انہیں دین اسلام کے رسوم و آداب اور اہل دین کی مطلق پرواہ نہ تھی۔ جیسا کہ انہوں نے پیغمبر کے نواسے

کو شہید کیا۔ خانہ کعبہ کو ویران کیا۔ اور داماد پیغمبرؐ کو برسر منبر سب و شتم کرایا۔ اور جو کوئی مسلمانوں میں سے اس فعل شنیع کا ارتکاب نہیں کرتا تھا۔ اسے بری طرح سے قتل کر دیا جاتا۔ (تاریخ تمدن اسلام جلد ۴ ص ۸۴-۸۷-۹۴)

ماکیاولی نظریۂ سیاست اور معاویہ

فاضل جلیل علامہ ابو حسن جارچوی ایک مقام پر لکھتے ہوئے فرماتے ہیں:-

دنیا میں دو قسم کے لوگ پائے جاتے ہیں۔ ایک "قوال" دوسرے "فعال" قوال خالی باتیں بناتے رہتے ہیں۔ ان کا مقام مارنے والوں کے پیچھے اور بھاگنے والوں کے آگے ہوتا ہے مگر فعال بولتے کم ہیں۔ کام زیادہ کرتے ہیں۔ بعض اوقات دنیا ان کے کارناموں سے معمور ہو جاتی ہے۔ مگر ان کے اقوال کی بھنک بھی کان میں نہیں پڑتی کسی کا قول ہے کہ مسلمان ہر فن میں اہل یورپ کے پیشرو اور استاد ہیں۔ تو یہ قول کسی اور فن پر صادق آئے یا نہ آئے۔ سیاسی جوڑ توڑ اور ڈپلومیسی پر تو سو فی صدی صادق آتا ہے۔

میکیاولی جو والی ملک (The Prince) نام کی کتاب لکھ کر ساری دنیا میں بدنام ہو گیا خالی قوال تھا۔ اس سے صدیوں پہلے امیر شام ان تمام سیاسی جوڑ توڑ کا کھلے بندوں عملی مظاہرہ کر گئے اور امیر المومنینؑ اور جانشین رسولؐ کے منصب سے انچ بھر نہ ہٹے۔

میکیاولی اس عہد میں زندہ ہوتا۔ تو سیاست عملی کے اس مجسمے کے سامنے زانوئے ادب تہ کرتا۔ اور بدل و جان قبول کرتا۔ کہ مشرق مشرق ہے۔ اور مغرب مغرب اور یہ ایک دوسرے سے مل نہیں سکتے۔

دیکھئے ایک میکیاولی ہے اور خالی باتیں بناتا رہا۔ اور مفت میں بدنام ہو گیا۔ ایک اموی گھرانے کا چشم و چراغ ہے جو بساط سیاست پر ہر داؤ چلا اور ہر حربے کو کام میں لایا۔ مگر دین و مذہب کی محفلوں میں آج بھی اس کا نام ادب سے لینے والے ملتے ہیں۔ (ماخوذ)

ماکیاولی اطالوی سیاستدان تھا۔ جو ۱۴۶۹ میں پیدا ہوا۔ اور ۱۵۲۷ میں فوت ہو گیا ڈاکٹر احمد فرید رفاعی اپنی کتاب میں ایک جگہ لکھتا ہے۔

کہ جدید سیاست کے ماہر سیاستدانوں کو اپنے حصول مطلب کے سلسلے میں ہر جائز و ناجائز وسیلہ کی ضرورت پڑتی ہے۔ وہ ہر ممکن حیثیت سے استفادہ کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اور یہ مکتب فکر ماکیاولی کا ہی متبع ہے۔ اور اگر کوئی سیاستدان قولاً اس بات کا مخالف بھی ہے۔ تو عملاً ضروری اس کے ساتھ موافق نظر آتا ہے۔ اور معاویہ بن ابوسفیان بھی اپنے تمام اعمال و تصرفات میں اور حصول غلبہ و اقتدار کے سلسلہ میں ہر امر شنیع کو عمل میں لاتے میں اسی ماکیاولی مکتب فکر کا ترجمان نظر آتا ہے۔ اگر ہم تاریخی تجزیہ و تفتیش احوال کے ذریعہ بنظر دقیق تاریخ کا مطالعہ کریں تو ہم پورے طور پر معاویہ کی سیرت و کردار کو ماکیاولی نظریہ سیاست کا ترجمان اور آئینہ پائیں گے۔ اور بتمام و کمال ہماری سمجھ میں آئے گا کہ ماکیاولی حقیقت میں یہی ہے (عصر المامون ج ۱ ص ۱۹ مطبوعہ مصر)

ذیل میں ہم ماکیاولی عقائد و نظریات کی مختصراً فہرست درج کرتے ہیں۔ تاکہ ہمارے ناظرین ان افکار و عقائد کو معاویہ کے افعال و اقوال سے مطابقت کر سکیں۔ اور اس بات کو علم و یقین کی حد تک سمجھ لیں کہ ماکیاولی مکتب سیاست کو اپنانے والے حقیقت میں معاویہ کے ہی شاگرد رشید ہیں۔ اور معاویہ بن ابوسفیان ان سب کا استاد اور پیشوائے اعظم ہے۔

عقائد و افکار ماکیاولی

(۱) موجودہ انسان طبعاً سیاسی پیدا ہوا ہے اور اس کی فطرت میں ہی فساد و شر، ذاتی جاہ طلبی اور مخلوق خدا کی بدخواہی ودیعت کی گئی ہے اس لئے ارباب حکومت و اقتدار کو خود پرست ہونا چاہیئے۔ اور اس کے لئے لازمی ہے۔ کہ وہ اپنے طریق کار کو بدکاری اور بدبینی پر استوار کرے۔ اور اس کو اپنے اعمال و افعال میں سخت قسم کا سفاک اور ظالم ہونا چاہیئے۔

(۲) اخلاق و مذہب اور معاش کے تمام نیک تصورات و اقدار کو صاحب اقتدار اپنے حصول مقاصد میں رکاوٹ دیکھتے ہوئے ان کو قربانی کی بھینٹ چڑھا سکتا ہے اور اس لئے لازمی ہے کہ وہ

ان تمام پاکیزہ اخلاق واطوار اور آداب ومحاسن اجتماعیہ کی مطلق پرواہ نہ کرے۔

(۳) انسانی حقوق اور مملکت کا قانون ارباب حکومت کی مرضی اور خواہش پر موقوف ہے۔ حکومت کی گدی پر بیٹھنے والے کی زبان کا ہر حرف اور آنکھوں کا ہر اشارہ بمنزلہ قانون ہے اس کا ہر حکم واجب الاطاعت اور رعایا کے لئے ہر حال میں واجب الاتباع ہے۔ مگر خود وہ ان تمام قوانین اور اخلاق وآداب انسانیت سے مستثنیٰ ہے۔ قانون مملکت کو منسوخ کرنا یا از سرنو پھر بنانا صاحب حکومت کے ارادہ ومرضی پر موقوف ہے مختصر طور پر یہ کہ وہ خود قانون سے بالاتر ہے جو کچھ وہ چاہے اس کے اختیار میں ہے۔

(۴) تخت حکومت پر جلوہ گر ہونے والا اس بات کا مجاز ہے کہ وہ اپنی قدرت بڑھانے اور حاصل شدہ طاقت کی حفاظت کے لئے ہر ممکن چیز کو عمل میں لا سکتا ہے۔ اس سلسلہ میں حیلہ و چالاکی، دغا وفریب، قتل وغارت، پیمان شکنی اور رشوت وغیرہ اس کا شعار زندگی ہونا چاہیے۔ غرضیکہ تمام انسانی، اخلاقی اور اسلامی وتمدنی اصول ومبادیات اور اقدار وتصورات کو پیروں تلے وہ روند سکتا ہے۔ اور کوئی امر بھی اس کے ارادہ حصول قدرت میں بشرطیکہ وہ اپنی مہارت کے اعتبار سے انجام کار کامیاب ہو جائے ممنوع نہیں ہے (مکتب تشیع نمبر ۲ ص ۳۱۲ فارسی)

یہ ہیں وہ چند ایک افکار وخیالات ماکیاولی کے سیاسی مکتب فکر کا خلاصہ جو ہم نے اپنے ناظرین کے اضافہ معلومات کے لئے یہاں درج کئے ہیں۔ اور اس غرض سے بھی ان کو یہاں پیش کیا ہے۔ کہ دیکھنے والے ان عقائد ونظریات کو امیر شام معاویہ بن ابوسفیان کے اعمال وافعال کے ساتھ پورے طور پر موازنہ کر سکیں اور اس نتیجہ پر پہنچ جائیں کہ ماکیاولی سیاستدان جو محض باتیں ہی بنانے والا تھا۔ اپنے افکار ونظریات اپنے ذہن میں تصنیف نہ کر سکتا اگر اس کے سامنے اموی خاندان کے چشم وچراغ اور بنو امیہ کے اقتدار کے بانی حضرت معاویہ کی سیرت وکردار اور اس کے اعمال وافعال بطور نمونہ موجود نہ ہوتے۔ ماکیاولی کے عقائد کی مزید اطلاع کے لئے تاریخ فلسفہ سیاسی تالیف ڈاکٹر پازارگاد جلد دوم کتاب سوم ص ۴۳۲، ص ۴۳۳ اور مکتبہائے سیاسی ص ۱۸۱ کی طرف رجوع کرنا چاہیے۔

اس باب یعنی معاویہ کی سیرت و کردار کے تفصیلی احوال کو منظر عام پر لانے کے سلسلے میں قدرے طوالت تو ہو چکی ہے مگر واقعات کی تمام کڑیوں کو ایک دوسرے کے ساتھ مربوط کرنے اور مخالفین کے ہر شبہ کو زائل کرنے کے لئے یہ امر ناگزیر تھا۔ کہ ہم تاجدار شام کے مخصوص اور ذاتی حالات کے علاوہ اس کی اجتماعی زندگی اور حصول اقتدار کے ضمن میں اس کی تمام جدوجہد کو علماء اسلام و غیر مسلم مفکرین کے خیالات و افکار کی روشنی میں پیش کریں۔ ہم اپنے موضوع میں بالاستیعاب ان تمام کوائف و حالات کا احاطہ تو نہیں کر سکے۔ جن کا تعلق معاویہ کی سیرت اور اس کی زندگی سے ہے۔ تاہم کافی امور صفحۂ قرطاس پر آ چکے ہیں۔ ہم اپنے مقصد میں کہاں تک کامیاب ہوئے ہیں۔ اس کا اندازہ ہمارے ناظرین کر لیں گے۔

ذیل میں ہم ایک محب اہل بیت فاضل اہل سنّت کے چند اشعار پر جو امیر شام کے مخصوص کارناموں پر مشتمل ہیں اپنی موجودہ بحث کو ختم کئے دیتے ہیں۔

داستانِ پسر ہند مگر نہ شنیدی | از وو از سہ کس او بہ پیمبرؐ چہ رسید
پدر اُو در دندان پیمبرؐ بہ شکست | مادر او جگر عم پیمبرؐ بمکید
او بناحق حقِ داماد پیمبرؐ بگرفت | پسر اُو سر فرزند پیمبرؐ ببرید

برچنیں قوم تو لعنت نہ کنی شرمت باد

لعن اللہ یزیداً علیٰ قوم یزید

(ماخوذ از کتاب حبیب السیر فارسی جزو دوم جلد ۲ ص۶ مطبوعہ بمبئی)

جہادِ قسطنطنیہ

و بشارتِ مغفرت اور یزید

محمود احمد عباسی مؤلف کتاب "خلافتِ معاویہ و یزید" نے یزید ایسے بدکردار کو متقی و پارسا ثابت کرنے کے لئے نص حدیث سے اس کی فضیلت اور عند اللہ مقبولیت پر کافی زور لگا کر ایک گمراہ کن کوشش کی ہے اور اپنے قارئین پر یہ تاثر پیدا کرنے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور صرف کر کے یزید علیہ اللعن و العذاب کو مغفور اور جنتی ثابت کیا ہے قسطنطنیہ کے جہاد کے سلسلہ میں مجسمۂ فسق و فجور یزید کے امیر لشکر ہونے کا استدلال کرتے ہوئے عباسی صاحب یوں رقمطراز ہیں :-

"اس فوج کے سردار اور سپہ سالار امیر المومنین کے لائق فرزند امیر یزید تھے۔ یہی پہلا اسلامی جیش تھا جس نے قسطنطنیہ پر جہاد کیا۔ اسی اسلامی فوج کے بارے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بشارت مغفرت دی تھی۔ صحیح بخاری کی کتاب الجہاد کے باب "ما قیل فی قتال الروم" کے ذیل میں یہ حدیث ہے۔ قال النبی صلعم اول جیش من امتی یغزون مدینہ قیصر مغفور لھم۔ شارح قسطلانی نے مدینہ قیصر رومیوں کی حکومت کا صدر مقام قسطنطنیہ مراد لیا ہے۔ اس حدیث کے حاشیہ میں لکھا ہے:-

کان اول من غزا مدینۃ قیصر یزید بن معاویۃ ومعہ جماعۃ من سادات الصحابۃ کابن عمر وابن عباس وابن الزبیر و ابی ایوب الانصاری۔ حاشیہ ص۴۱۰ جلد ۱ صحیح بخاری

علامہ ابن حجر نے فتح الباری شرح بخاری میں فرمایا ہے کہ یہ حدیث معاویہ اور ان کے فرزند امیر یزید کی منقبت میں ہے۔ ساتھ ہی مہلب محدث کا یہ قول نقل کیا ہے۔

قال المهلب فی هذا الحدیث	اس حدیث کے بارے میں محدث
منقبة لمعاویة لانه اول	مہلب نے فرمایا ہے کہ یہ حدیث
من غزا البحر ومنقبة لولده	منقبت میں ہے امیر معاویہ کے اس
لانه اول من غزا مدینة	لئے کہ انہوں نے ہی سب سے پہلے
قیصر (حاشیہ بخاری ص۴۱۰ ج ۱	بحری جہاد کیا۔ اور منقبت میں ان

کے فرزند (امیر یزید) کے انہوں نے سب سے پہلے (قسطنطنیہ) پہ جہاد کیا

(خلافت معاویہ و یزید ص۲۹۰ طبع سوم مطبوعہ کراچی)

حدیث مندرجہ بالا سے جن متعصب محدثین اور نام نہاد محققین نے یزید کے بارے میں اس کے جنتی اور مغفور ہونے کا استدلال کیا ہے۔ انہوں نے محض تعصب۔ امویت نوازی اور فکری کوتاہ دامنی سے کام لیا ہے۔ متن حدیث کو اگر سند کے اعتبار سے درست تسلیم کر بھی لیا جائے۔ تو یہ بات اپنے مقام پر خود الفاظ حدیث سے ہی واضح ہے۔ کہ حدیث میں معاویہ و یزید وغیرہ کی کوئی فضیلت اور منقبت نہیں ہے کیونکہ حدیث میں مطلق لفظ جیش وارد ہوا ہے۔ اور کسی خاص آدمی کا نام تک نہیں۔ اس فوج میں بڑے بڑے مقتدر صحابہ مثل ابو ایوب انصاری اور بقول عباسی صاحب حضرت امام حسین علیہ السلام ایسے پاکباز انسان بھی تھے۔ یہ تمام مقدس افراد اس وجہ سے تو جنتی نہیں ہوئے کہ انہوں نے یزید ایسے فاسق فاجر امیر کی معیت میں جہاد میں حصہ لیا تھا۔ بلکہ وہ تو اپنے مخصوص دینی مقام اور ذاتی کردار کی بلندی کی وجہ سے جنت کے اعلیٰ مقام پر پہلے سے ہی فائز ہو چکے تھے۔ شدت پسند مصنفین کے بیان کے مطابق

اگر حدیث مذکورہ سے تمام فوج اور خصوصاً یزید کا جنتی ہونا ثابت ہوتا تو ہم بلا خوف تردید یہ کہہ سکتے ہیں کہ صدر اوّل کی تمام امتِ اسلامیہ صحابہ و تابعین یزید کے کفر و زندقہ پر مہر تصدیق ثبت نہ کرتے اور آج تک مسلمان اور غیر مسلمان مورخین اور متکلمین اسلام اس کے کفر کے قائل نہ ہوتے۔ ان امور کے علاوہ مسلمانوں کی اکثریت کے نقطۂ نظر کے اعتبار سے خود شارح شریعت نے یہ اصول مقرر فرما دیا ہے۔ کہ جب میرے بعد جابر سلاطین کا دور شروع ہو اور وہ تم پر مسلط ہو جائیں تو اسلامی شیرازہ بندی اور تحفظ اسلام کی خاطر فاسق و جابر حکمرانوں کی معیت میں تم جہاد بھی کر سکتے ہو۔ اور ان کے پیچھے نمازیں بھی پڑھ سکتے ہو۔ بشرطیکہ ان سے کفر بواح ظاہر نہ ہو چکا ہو۔ ہمارے پیش کردہ مفہوم کی ترجمان اور مصداق یہ حدیث ہے۔

قال رسول اللہ صلعم الجھاد واجب علیکم مع کل امیر براً کان او فاجراً یعنی فرمایا جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کہ ہر امیر کے ساتھ ہو کر جہاد کرنا تم پر واجب ہے۔ وہ امیر اگرچہ نیک ہو یا برا۔ اسی طرح نماز کے بارے میں بھی یہی حکم ہے۔ "والصلوٰۃ واجب علیکم خلف کل مسلم براً کان او فاجراً" ہر نیک و بد کے پیچھے نماز پڑھنا تم پر ضروری ہے۔ تیسیر الوصول تلخیص جامع الاصول ابن اثیر جزری جزو اول ۲۳ مطبوعہ مصر۔ جب شارع علیہ السلام کی یہ نص موجود ہے۔ کہ ہر نیک و بد امیر کے ساتھ ہو کر کفار سے جہاد کیا جا سکتا ہے۔ تو یزید جیسا فاسق و فاجر اگر سوء اتفاق سے کہیں مسلمانوں کا امیر ہو گیا۔ تو اُسے کونسی فضیلت حاصل ہو گئی جبکہ آنحضرتؐ نے ساتھ ہی یہ بھی فرما دیا۔ ان اللہ لیؤید الدین بالرجل الفاجر" (بخاری) اللہ اپنے دین کی امداد فاجروں سے بھی کروا لیتا ہے۔ مغفور اور جنتی ہونے کی بشارت تو ان لوگوں کے لئے ہے۔ اور فضیلت جہاد بھی انہی کے ساتھ مخصوص ہے۔ جو خدا اور رسول کے اطاعت گذار بندے تھے۔ اور اس جہاد میں شریک بھی تھے۔ اور خداوند عالم کا یہ وعدہ بشارت اور مغفرت

مشروط بالاعمال صالحہ ہے۔ ہر عقلمند یہ بات یقین سے سمجھ سکتا ہے کہ جہاد کے بعد اگر
کوئی شخص مرتد یا کافر ہو جائے تو وہ مصداق بشارت قرار نہیں دیا جا سکتا۔ اب اگر یزید
بھی مجاہدین میں شریک ہونے کی وجہ سے عموم حدیث مغفور لہم میں داخل سمجھ لیا جائے۔ تو
کوئی قباحت لازم نہیں آتی۔ کیونکہ حدیث مغفور لہم کے مشروط ساتھ شرط اہلیت مغفرت
ہونے کی وجہ سے وہ یعنی یزید اس بشارت کی فضیلت سے محروم رہے گا۔ اس لئے کہ وہ
اپنی بدکرداری اور خبث باطنی کی بنا پر شرائطِ مغفرت کو پورا کرنے والا نہ رہا۔ اذا فات
الشرط فات المشروط۔

بیعتِ رضوان میں منافق بھی تھے

حسینؓ و یزید کے فاضل مؤلف مولانا محمد یوسف لودھیانوی نے کتاب "خلافتِ معاویہ
ویزید" کا جواب لکھتے ہوئے اسی حدیث کے ضمن میں جہاں عباسی صاحب کی دیگر خیانتوں
کو ہدفِ الزام کیا ہے۔ وہاں ایک جواب یہ بھی لکھا ہے۔ کہ جس طرح بیعت رضوان میں
منافق شامل تھے۔ اور خدا کی رضامندی کا سرٹیفکیٹ سوائے مومنین صحابہ کے دوسروں
پر عاید نہیں کیا جا سکتا۔ اسی طرح یزید بھی اپنے کردار کی وجہ سے اور عموم حدیث کے اقتضاء
سے وعدۂ بشارت سے خارج ہے۔ جیسا کہ بیعتِ رضوان کے منافقین رضاء الٰہی سے
خارج سمجھے گئے ہیں۔ چنانچہ حجۃ الاسلام رأس المحققین، عمدۃ المفسرین حضرت مولانا محمد قاسم
نانوتوی بانیٔ دارالعلوم دیوبند کے حوالہ سے لکھتے ہیں۔

غایت مافی الباب لیبب خرابہائے	نتیجہ یہ نکلا۔ کہ جس طرح بیعتِ
پنہانی کہ داشت ہمچو منافقاں کہ در	رضوان میں منافقین شریک ہوئے
بیعت رضوان شریک بودند بوجہ نفاق	اور نفاق کی وجہ سے اللہ تعالیٰ
رضوان اللہ نصیب او نشد یزید ہم ازیں	کی رضامندی سے محروم ہو گئے
بشارت محروم ماند	یزید بھی اپنی اندرونی خرابیوں کی وجہ

سے اس بشارت کی فضیلت سے محروم ہو گیا

(مکتوبات شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدنی جلد اول ص۲۵۲)

حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح بیعت رضوان میں منافق شامل تھے۔ جیسے کہ آیت کریمہ کی عمومیت سے ظاہر ہے ان الذین یبایعونك انما یبایعون اللہ ید اللہ فوق ایدیھم۔ تحقیق جو لوگ بیعت کرتے ہیں تجھ سے وہ بیعت کرتے ہیں اللہ کی۔ اللہ کا ہاتھ ہے اوپر ان کے ہاتھ کے (پارہ ۲۶ رکوع ۹)

اس آیت کریمہ سے تمام مبایعین کی فضیلت بظاہر معلوم ہوتی ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ منافقین کو اس فضیلت سے محروم کرنے کے لئے دوسری آیت میں قید لگا کر ان کو خارج کرتا ہے۔

لقد رضی اللہ عن المومنین اذ یبایعونك تحت الشجرۃ۔ تحقیق اللہ خوش ہوا ایمان والوں سے جب درخت کے نیچے تجھ سے بیعت کرنے لگے تھے۔

مومنین کی۔۔۔۔ قید سے غیر مومنین یعنی منافقین بیعت رضوان کی فضیلت سے محروم ہو گئے۔ اگرچہ بیعت میں شامل تھے۔ ایسا ہی یزید بھی حضور کے فرمان مغفور لھم میں بسبب جہاد کے داخل سمجھا جائے گا۔ جیسا کہ منافقین نفاق کی وجہ سے بیعت رضوان کی فضیلت سے محروم رہے۔ یزید بھی اپنے پوشیدہ فسق و فجور کی وجہ سے مغفور لھم کی بشارت سے محروم رہے گا۔ (رسالہ حسین و یزید ص۱۶۸)

محدث مہلب کا قول نقل کر کے عباسی صاحب نے اپنے قارئین کو یہ باور کرانے کی کوشش کی ہے کہ شارح حدیث علامہ ابن حجر محدث مہلب کے قول کو اپنے استدلال کی تقویت میں پیش کر رہے ہیں۔ حالانکہ علامہ ابن حجر کی غرض اس قول کے نقل کرنے سے فقط اس کی تردید ہے۔ جیسا کہ عباسی صاحب کی اس تاریخی بددیانتی اور شعبدہ بازی کو فاضل جلیل امام اہل سنت قاری محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند نے اپنے

رسالہ "تمہید کربلا اور یزیدؔ" میں نہایت وضاحت سے طشت از بام فرمایا ہے۔ چنانچہ اسی حدیث کے ذیل میں بشارت مغفرت یزید کی تردید کرتے ہوئے خود شارح حدیث علامہ قسطلانی کی عبارت جواب کے طور پر تحریر فرماتے ہیں:۔

"اس سلسلہ میں قسطلانی شارح بخاری کی ذیل کی عبارت ہمارے معروضات کو کافی روشنی میں لے آتی ہے وہ فرماتے ہیں:۔

اور جس نے سب سے پہلے مدینہ قیصر (قسطنطنیہ) پر دھاوا بولا۔ وہ یزید تھا۔ اور اس کے ساتھ سادات صحابہ کی ایک جماعت تھی۔ جیسے ابن عمر، ابن عباس ابن الزبیر اور ابو ایوب انصاری جنہوں نے وہیں ۵۲ھ میں وفات پائی۔ اس سے مہلب نے یزید کی خلافت اور اس کے اہل جنت ہونے پر استدلال کیا ہے۔ بلکہ وہ حدیث کے اس جملہ "مغفور لہم" کے عموم میں داخل ہے اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ یہ محض بنو امیہ کی حمایت کے جذبہ میں بات کہی گئی ہے۔ اور یزید کے اس عموم میں داخل ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ کسی اور خاص دلیل سے اس سے خارج بھی نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ اس میں کسی قسم کا اختلاف نہیں ہے کہ حضور کا یہ قول مغفور لہم اس شرط سے مشروط ہے کہ یہ لوگ مغفرت کے اہل ہوں۔ حتیٰ کہ اگر کوئی شخص اس غزوہ کے بعد ان میں سے مرتد ہو جائے۔ تو وہ بالاتفاق اس بشارت میں داخل نہیں رہے گا۔ یہ بات ابن منیر نے کہی ہے" قسطلانی ص ۱۲۴/۵

اس عبارت سے واضح ہے کہ مہلب، اور دوسرے لوگ جنہوں نے یزید کی فضیلت یا خلافت پر اس حدیث سے استدلال کیا ہے وہ ابن منیر اور قسطلانی کی نگاہوں میں مشتبہ اور مخدوش ہیں۔ جس کو انہوں نے بنی امیہ کی حمایت بے جا پر محمول کیا ہے۔ دوسرے اسے خلافت یزید کے ثبوت سے تعلق ہی کیا ہے۔

کیا جسے بھی جنّت کی بشارت مل جائے تو اس کی خلافت بھی اس سے ثابت ہو جائے گی۔ (شہید کربلا اور یزید ص۱۸۵)

حدیث بشارت کے جلیل القدر شارحین میں سے فاضل ترین شارح بخاری علامہ عینی حنفی اور ابن حجر صاحب فتح الباری ہیں۔ اہل اسلام میں ان دو حضرات کے برابر کم لوگ خیال کئے جاتے ہیں۔ انہوں نے بھی محمود عباسی اور اس کے پیشرو مہلب کی اس مدح سرائی اور حمایت یزید پر نکتہ چینی کرتے ہوئے اس بات کو تسلیم ہی نہیں کیا۔ کہ قسطنطنیہ کے جس غزوہ میں سادات صحابہ شریک تھے۔ وہ یزید کی قیادت میں ہوا تھا۔ کیونکہ یزید اس بات کا اہل ہی نہ تھا۔ کہ اکابر صحابہ اس کی خدمت اور قیادت میں دیئے جائیں۔ عمدۃ القاری اور فتح الباری کی عبارتوں کے متن کا ترجمہ اس طرح ہے۔

"صاحب مراۃ کہتے ہیں کہ صحیح بات یہ ہے کہ یزید بن معاویہ نے قسطنطنیہ کا غزوہ ۵۲ھ میں کیا۔ اور کہا گیا ہے کہ معاویہ نے قسطنطنیہ پر چڑھائی کے لئے ایک لشکر بھیجا جس کے امیر سفیان بن عوف تھے۔ جنہوں نے بشدت تمام روم کے علاقوں پر حملہ کیا۔ اس لشکر میں ابن عباس۔ ابن عمر۔ ابن زبیر اور ابو ایوب انصاری تھے۔ اور ابو ایوب انصاری اس زمانہ میں وہیں وفات پا گئے۔ میں کہتا ہوں کھلی ہوئی بات یہ ہے کہ یہ اکابر صحابہ اگر سفیان بن عوف کے ہمراہ تھے یزید کے ساتھ نہ تھے۔ کیونکہ یزید اس کا اہل نہ تھا۔ کہ بڑے بڑے اکابر اس کے ماتحت خدمت پر مامور ہوتے۔ مہلب نے کہا کہ اس حدیث سے معاویہ کی منقبت ثابت ہوتی ہے۔ کیونکہ انہوں نے سب سے پہلے دریائی جنگ لڑی۔ اور اس کے بیٹے یزید کی کیونکہ اسی نے سب سے پہلے قیصر کے اس شہر پر دھاوا کیا۔ میں کہتا ہوں۔ کہ یزید کی اس میں کونسی تعریف ہے۔ جبکہ اس کا حال فسق و فجور مشہور ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ نبی کریم نے اس حدیث میں مغفور لہم فرمایا ہے تو میں یہ کہوں گا

کہ اس عموم میں یزید کے داخل ہونے سے یہ لازم نہیں آتا۔ کہ وہ کسی دوسری دلیل سے اس سے خارج بھی نہ ہوں گے۔ کیونکہ اس میں تو علماء کا کوئی اختلاف ہی نہیں ہے۔ کہ حضور کے قول مغفور لہم میں وہی داخل ہیں۔ جو مغفرت کے اہل ہیں (عمدۃ القاری صفحہ ۶۳۹ ج ۹۔ فتح الباری صفحہ ۶۵ ج ۶)

عمدۃ القاری اور فتح الباری کی تردیدی عبارتوں اور ہمارے سابقہ وضاحتی امور کو پڑھ لینے کے بعد یہ بات واضح ہو گئی۔ کہ اس پیش کردہ حدیثِ بشارت سے نہ تو یزید کی منقبت نکلتی ہے۔ اور نہ ہی اس سے اس کے جنتی ہونے کا استدلال سوائے مہلب اور عباسی وغیرہ کے آج تک کسی نے کیا ہے۔ صحابہ و تابعین اور ان کے بعد کے شارحین حدیث متکلمینِ اسلام اور عصر حاضر کے تمام منصف مزاج محققین یزید کو اس عمومی بشارت سے خارج سمجھتے ہیں۔ بھلا یہ کیونکر تسلیم کیا جائے۔ کہ تمام امتِ اسلامیہ تو حدیث کے مورد و مفہوم کو نہ سمجھے اور فقط عباسی ایسا شدت پسند اور بد دیانت محقق اس کی تہ تک پہنچ جائے۔ اور یزید کی خلافت و امارت کے حق ہونے پر استدلال کرے۔ عباسی صاحب کی اس تاریخی ریسرچ میں مطلب کے موافق تاریخی ٹکڑوں کا لے لیا جانا اور ان سے متعلق انہی کتابوں اور مستندوں کی فیصلہ کن عبارات کو نظر انداز کر دینا کہاں تک تاریخی ریسرچ کے لقب کا مستحق ہو سکتا ہے۔ ان تمام باتوں کے علاوہ یہ بات تو اوپر لکھی جا چکی ہے۔ کہ اس غزوہ میں یزید کی امارت مورخین کے نزدیک مسلّم نہیں ہے۔ بلکہ یہ لشکر معاویہ نے سفیان بن عوف کی سرکردگی میں روانہ کیا تھا۔ اور یزید اگر شامل تھا۔ تو اس کے ماتحت تھا۔ پھر بھی بصورتِ تسلیم یہ دیکھنا پڑے گا۔ کہ یزید کی شرکت اس جہاد میں کس نوعیت کی تھی۔ کیونکہ انما الاعمال بالنیات کے اعتبار سے عمل وہی موجب اجر و ثواب ہو سکتا ہے۔ جس کو خالصتہً لوجہ اللہ سرانجام دیا جائے۔ خوف۔ لالچ اور دیگر خلافِ شرع تحریکات کی بنا پر کوئی عمل کسی انسان سے سرزد ہو بھی جائے تو اس پر کوئی

ضروری طور پر بہتر نتیجہ مرتب نہیں ہو سکتا۔ تاریخ کی ورق گردانی سے علم ہوتا ہے کہ یزید کی شرکت خود اپنے داعیہ سے نہیں ہوئی۔ فاضلِ جلیل علامہ محمد طیب قاری ناظم الامور دیوبند علامہ ابن اثیر کے حوالہ سے لکھتے ہیں۔

اور کہا گیا کہ سنہ ۴۹ھ میں معاویہ نے ایک لشکر جرار روم کے علاقوں میں بھیجا اور اس پر امیر لشکر سفیان بن عوف کو بنایا۔ اور اپنے بیٹے یزید کو حکم دیا۔ کہ وہ ان کے ساتھ غزوہ میں شامل ہو۔ تو یزید بیٹھ رہا۔ اور حیلے بہانے شروع کئے امیر معاویہ اس کے بھیجنے سے رک گئے۔ اس لشکر میں لوگوں پر بھوک اور بیماری کی وبا پھوٹ پڑی۔ یزید نے خوش ہو کر کہا۔ کہ مجھے پرواہ نہیں۔ کہ ان لشکروں پر یہ بخار و تنگی کی بلائیں آ پڑیں۔ جبکہ میں اونچی مسند پر تکیہ لگائے ام کلثوم کو اپنے پاس لئے بیٹھا ہوں۔ ام کلثوم بنت عبداللہ ابن عامر یزید کی بیوی تھی۔ یزید کے یہ اشعار معاویہ تک پہنچے۔ تو قسم کھائی کہ اب میں اسے سفیان بن عوف کے پاس روم کی سرزمین میں ضرور بھیجوں گا۔ تاکہ اسے بھی مصائب کا حصہ ملے۔ جو وہاں کے لشکر کو مل رہا ہے (ابن اثیر جلد ۳ ص۱۹۷)

اس سے ایک طرف یہ کھلا کہ یزید جہاد کا کتنا شغف رکھتا تھا جسے عیش پرستی میں یہ انہماک ہو۔ کہ باوجود امیر شام کے امر کے طرح طرح کے حیلے بہانے کر کے جہاد سے جان بچائی۔ پھر اس کے ساتھ خود غرضی اور خود مطلبی کا یہ عالم کہ وہاں تو مجاہدین پر بھوک پیاس اور بیماری کے پہاڑ ٹوٹ رہے ہیں۔ اور یہاں یزید دادِ عیش دیتے ہوئے ترنم کر رہا ہے۔ کہ مجھے پرواہ نہیں ہے کہ کون بھوک و پیاس میں مر رہا ہے۔ اور کون دکھ درد کا شکار ہے۔ مجھے تو دیر مران کے مکلف فرش و فروش تکیے اور ان کے ساتھ ام کلثوم کی ہم بستری چاہئے۔ کہاں کا جہاد اور کہاں کے مجاہد۔ ظاہر ہے کہ جس کے یہ عیش پرستانہ مشاغل ہوں اور مجاہدین ملت

کے جذبات سے بے پرواہی کا یہ عالم ہو۔ اس میں قلبی داعیہ سے جہاد کی آرزو اور جان سپاری کی تمنائیں کہاں سے آسکتی ہیں۔ اسی لئے وہ اس غزوہ میں بطور سزا کے بھیجا گیا۔ (شہید کربلا اور یزید ص ۱۹۹)

فاضل مؤلف آگے چل کر تبصرہ کرتے ہوئے پھر لکھتے ہیں :-

اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ کہ بشارت مغفرت کے عموم سے انجام کار باہر ہو جانے کے مقدمات ابتدا ہی سے نمایاں ہونے شروع ہو گئے تھے جس سے مغفور کے عموم میں اس کے داخل ہونے کی حقیقت بھی کافی کھل جاتی ہے۔ بہرحال عموم بشارت کے داخلہ کے بارے میں ابن حجر اور عینی نے کہا کہ اس کی شرائط نہیں پائی گئیں۔ اس لئے یزید اس سے خارج ہے۔ جہاد قسطنطنیہ کی قیادت جیش کے بارے میں عینی نے کہا کہ یہ واضح ہے کہ وہ سفیان بن عوف کی تھی۔ یزید کی نہ تھی اور یزید کی شرکت بھی تو سزا کی نوعیت کی تھی۔ جہاد کے شغف قلبیہ سے کئے جانے کی نہ تھی۔ جس کے اوپر سے عینی نے پردہ اٹھا دیا۔ تو سمجھ میں نہیں آتا کہ اس جہاد قسطنطنیہ والی حدیث سے یزید کی آخر کون سی فضیلت و منقبت ثابت ہوئی "ای منقبۃ کانت لیزید وحالہ مشھور" چہ جائیکہ جہلب کی دعویٰ کردہ خلافت یزید اس سے ثابت ہو۔ یہ وہی بات ہے جو شروع سے عرض کرتے چلے آئے ہیں کہ عباسی صاحب نے کچھ ذہنی نظریات اور منصوبے پہلے سے قائم کر لئے اور اس کے بعد تاریخ سے ان کے مویدات تلاش کرنے شروع کئے۔ تو جو ٹکڑا بھی آدھا تہائی موافق مطلب ملا۔ اسے لے لیا اور استشہاد میں پیش کر دیا۔ اور جو موید نہ ہوا۔ خواہ وہ اسی اختیار کردہ ٹکڑے کا جزو کیوں نہ تھا۔ ترک کر دیا۔ اس سے کتاب میں تاریخی حوالوں کی بھرمار تو کافی ہو گئی۔ جو ناواقفوں پر رعب ڈالنے کے لئے کافی مگر تاریخی دیانت

بغیر چھری کے ذبح ہوگئی۔ اس کے کتنے ہی نمونے اس مقالے میں ہم پیش کر چکے ہیں۔ اور وہاں عباسی صاحب کے اس طرز عمل پر تنبیہ بھی کرتے رہے ہیں لیکن ان میں واضح ترین نمونہ اس حدیث بشارت کی تعبیر و توضیح کا ہے۔ جس میں عباسی صاحب ایک ہی روایت کے ایک ٹکڑے کو اختیار کر رہے ہیں۔ جبکہ وہ موافق مطلب ہے۔ اور اسی روایت کے دوسرے جزو کو ترک کر رہے ہیں کہ مدعا کے موافق نہیں تو کیا یہی تاریخی صنعت ہے جس پر ایمان لانے کے لئے دنیا کو مجبور کیا جا رہا ہے (رسالہ تمہید کربلا اور یزید ص۱۶۸)

اپنے ناظرین کی دلچسپی اور مزید اطمینان کے لئے ہم یہاں ایک اور فاضل اہل سنّت کی تحقیق پر انہوں نے اپنے مخصوص انداز میں اسی حدیث مغفرت کا جواب دیتے ہوئے اپنی کتاب معاویہ و یزید میں پیش کی ہے۔ لکھتے ہیں۔ یہ فاضل بزرگوار مولینا حافظ علی بہادر خاں بی اے ایس سی (علیگ) "دور جدید" دہلی کے مدیر ہیں۔ انہوں نے حال ہی میں محمود عباسی کی کتاب کا جواب محققانہ انداز میں تحریر کیا ہے۔ چنانچہ اسی سلسلہ میں ان کی تحقیق یہ ہے۔

"اس حدیث کو یزید کی منقبت میں اکثر پیش کیا جاتا ہے۔ مگر اس کے متعدد پہلوؤں کو اس طرح دبایا جاتا ہے۔ کہ پڑھنے والوں کو لازماً غلط فہمی ہوتی ہے حسب ذیل امور کا لحاظ ضروری ہے۔

(۱) حدیث میں یزید کا نام بالکل نہیں ہے۔

(۲) حدیث میں قسطنطنیہ کا لفظ نہیں ہے بلکہ مدینۃ قیصر کا لفظ ہے۔

(۳) ابن حجر عسقلانی کی کتاب فتح الباری کی سند اس بارے میں پیش کی جاتی ہے۔ کہ حدیث سے یزید کی منقبت ثابت ہوتی ہے لیکن فتح الباری کی پوری عبارت نہیں دی جاتی کیونکہ پوری عبارت میں وہ ایسی رائیں ہیں جن سے یزید کی

منقبت کی نفی ہوتی ہے۔

حدیث کے تین پہلو یہ تشریح چاہتے ہیں۔ فتح الباری کی تصریحات سے معلوم ہوتا ہے کہ مہلب کی یہ رائے ہے۔ کہ مدینۂ قیصر سے مطلب قسطنطنیہ ہے اور چونکہ قسطنطنیہ کی جنگ میں اسلامی فوج کا سپہ سالار یزید تھا۔ لہٰذا اس حدیث کی رُو سے یزید "مغفور" یعنی جنتی ہوا۔ اور اس کی منقبت کا پہلو نکلتا ہے۔ لیکن اسی جگہ فتح الباری میں ابن التین اور ابن المنیر کی وہ تنقید بھی موجود ہے جو مہلب کی رائے پر انہوں نے کی ہے۔ اس تنقید میں وہ کہتے ہیں کہ محض جنگ کی شرکت بخشش کے لئے کافی نہیں ہے۔ بلکہ جنگ کے بعد کے اعمال بھی ایسے ہوں جو اسے جنت کا مستحق ثابت کریں۔ دوسرے یہ کہ مدینۂ قیصر سے قسطنطنیہ مراد نہیں ہے۔ جہاں یزید کی سرکردگی میں لشکر گیا تھا۔ بلکہ وہ شہر مراد ہے جہاں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے وقت قیصر کا دارالحکومت تھا۔ اور وہ شہر حمص تھا۔ پس اگر ہم حدیث کے الفاظ مدینۂ قیصر سے حمص مراد لیں۔ تو یزید نقشہ سے نکل جاتا ہے۔ اور منقبت یزید کا دعویٰ باطل ہو جاتا ہے۔ یہ امر قرینِ قیاس ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینۂ قیصر اس شہر کے متعلق فرمایا ہوگا۔ جہاں ان کے زمانہ میں قیصر موجود تھا۔ نیز اس لئے بھی یہ تشریح قرینِ قیاس ہے کہ حمص پر حملہ کرنے والے زیادہ تر صحابہ تھے جن کے مغفور ہونے کی پیشنگوئی سمجھ میں آسکتی ہے۔ برخلاف اس کے قسطنطنیہ پر حملہ کرنے والوں میں دو ایک صحابیوں کے علاوہ اکثر لوگ ایسے معیار کے نہیں تھے۔ کہ لازماً اُن کے جنتی ہونے کا اعلان کیا جا سکے۔ حمص کی جنگ میں سب مجاہدین تھے۔ جن کا مقصد "لتکون کلمۃ اللہ ھی العلیا" کی تعریف میں آتا ہے۔ لیکن قسطنطنیہ کی جنگ میں جو لشکر تھا۔ اس میں زیادہ تر شام کے تنخواہ دار پیشہ ور فوجی سپاہی تھے۔

ایک اور بات یہ بھی قابل توجہ ہے کہ اس حدیث کے سب راوی شامی ہیں۔ حدیث کے اس پہلو کا تذکرہ اس کی شرح کرتے ہوئے شروع میں ہی ابن حجر عسقلانی نے کیا ہے اور شرح کو ختم کرتے ہوئے اس طرف توجہ دلائی ہے۔ کہ حدیث نے شامیوں کو یہ امتیاز دیا ہے کہ انہوں نے ایسا اچھا کام کیا کہ جنت کے مستحق قرار پائے۔ چونکہ حدیث بخاری کی ہے۔ اور اس کے رواۃ شامی ہونے کے باوجود بخاری کے مقرر کردہ معیار کے اعتبار سے ثقہ ہیں۔ اس لئے حدیث کو رد کرنا مشکل ہے۔ تاہم اس لحاظ سے حدیث پر خواہ مخواہ شبہ ہوتا ہے۔ ایک اور بات ہے کہ اس حدیث کے خاص راوی عمیر بن اسود عنسی کی صرف یہ ہی ایک صحیح روایت بخاری میں ہے۔ (معاویہ و یزید ص۵۷، ص۵۸)۔

فاضل محقق آگے چل کر ایک اور جواب پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

اس حدیث کی روشنی میں اگر حالات کا جائزہ لیں تو مدینہ قیصر کو قسطنطنیہ سمجھنے کے بعد یزید کے مستقبل کے متعلق کوئی قطعی حکم نہیں لگایا جا سکتا۔ اور اگر ابو ایوب انصاری نے اس کی سیادت میں جہاد کیا۔ تو اس سے یزید کی منقبت لازماً نہیں پیدا ہوتی معاذ نے یزید کو امیر لشکر بنایا۔ اس تقرر میں کوئی مذہبی جذبہ نہیں تھا۔ بلکہ ایک بادشاہی حکم تھا۔ اور ابو ایوب انصاری کو چار و ناچار اس کی سیادت میں لڑنا پڑا۔ یہ ایسا ہی ہے کہ انس بن مالک دور بنی امیہ میں دمشق پہنچے تاکہ خلاف اسلام حرکات کی شکایت کریں۔ بخاری کی حدیث میں وہ رو رو کر کہتے تھے کہ عہد رسالت کی تمام باتوں کو بدل دیا گیا ہے۔ حضرت انس کے اس جذبہ کے باوجود وہ شکایت کرنے کے لئے اموی خلیفہ کے دربار میں ہی حاضر ہوئے۔ تو کیا اس سے یہ نتیجہ نکال لیا جائے۔ کہ اس اموی خلیفہ کو رسول اللہ کے صحابی کا اعتماد حاصل تھا۔ یہ امر ایک واقعہ تھا۔ کہ اقتدار اس خلیفہ کے قبضہ میں تھا جس کے عادات و اطوار غیر اسلامی

تھے۔ اور چارو ناچار اس فاسق و فاجر خلیفہ کے پاس پہنچے پس چونکہ ابوایوب انصاری نے اس جنگ میں یزید کی سپہ سالاری میں جہاد کیا۔ اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ یزید کو وہ اس قابل سمجھتے تھے۔ یزید کو تو درکنار ابوایوب انصاری کی رائے معاویہ کے متعلق ابن عساکر نے بیان کی ہے۔ اس میں ابوایوب انصاری نے معاویہ سے قتال ضروری قرار دیا ہے۔ کیونکہ وہ حضرت علیؓ کی برحق خلافت سے بغاوت کر رہے تھے۔!

(معاویہ و یزید ص۲۳ مولفہ علی بہادر خان)

عباسی صاحب کی علمی بددیانتی :-

حدیث مغفرت کے ذیل میں عباسی صاحب کے خرافات پر مولانا ابومحمد امام الدین رام نگری جو ہندوستان کے مایہ ناز اہل قلم میں سے ہیں نے اپنی تالیف حضرت امام حسینؓ شہید میں چند حقائق تحریر فرمائے ہیں۔ ہم ان کو تمام و کمال تو پیش نہیں کرتے۔ کیونکہ ان میں سے اکثر تحقیقی بیانات ہم سابقہ اوراق میں دیگر محققین کی تحریروں سے پیش کر چکے ہیں۔ البتہ چند ایک عبارتیں یہاں درج کی جاتی ہیں۔ جن سے یہ امر روز روشن کی طرح واضح ہو جائے گا۔ کہ عباسی صاحب نے کس طرح اپنے ممدوح کی مدح سرائی میں مکر و خدع اور بے ذیتی سے کام لیا ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں :-

"عباسی صاحب نے یزید کے جہاد قسطنطنیہ میں شریک ہونے کی بنا پر اسے صاحب فضل و کمال ثابت کرنے کی غرض سے منہاج السنۃ امام ابن تیمیہ کا ایک اقتباس پیش کیا ہے جس کا مفاد یہ ہے کہ قسطنطنیہ پر جو فوج بھیجی گئی تھی۔ اس کا سردار یزید تھا۔ اور حدیث میں مغفرت کی جو خبر ہے اس میں فوج کا ہر فرد شامل ہے۔ اقتباس کے آخر میں یہ ہے۔

ویقال ھذا ان یزید انما غزا القسطنطنیہ لاجل ھذا الحدیث	یہ بھی کہتے ہیں کہ اس حدیث مغفرت کی خاطر ہی امیر یزید نے قسطنطنیہ پر جہاد کیا تھا۔

عباسی صاحب نے اس مختصر سی عبارت کے ترجمہ تک میں ایک مخفی فریب سے کام لیا ہے۔ "قیل" کا ترجمہ ہونا چاہئے کہا جاتا ہے یعنی یہ بات خود ابن تیمیہ نہیں کہتے۔ کہ یزید نے مغفرت کی رغبت سے جہاد قسطنطنیہ میں شرکت کی۔ کہا جاتا ہے۔ کون کہتا ہے کہ اس کا پتہ نہیں۔ مگر عباسی صاحب نے اس انداز سے ترجمہ کیا ہے گویا امام ابن تیمیہ ہی یہ بھی کہتے ہیں۔

ہم کہتے ہیں یہ قول کسی کا بھی ہو بجائے خود صحیح نہیں ہے حدیث شریف میں مغفرت کی بشارت امیر جیش کے لئے نہیں ہے جیش کے لئے ہے۔ اگر یزید کو مغفرت کی رغبت ہوتی تو اس کے لئے فوج کی شرکت کافی تھی۔ یزید کا امیر بننا اور بنانا تو اس عہد و بیان کی بنا پر تھا جو اوپر مذکور ہوا ہے۔ اور مقصد تھا ولی عہدی کے لئے زمین ہموار کرنا۔ اور یزید کو ابھارنا۔

اب آئیے ان دونوں صورتوں پر بھی غور کرلیں جو عباسی صاحب نے یزید کی فضیلت ثابت کرنے کے لئے اختیار کی ہے۔ عباسی صاحب نے بڑے فخر کے ساتھ بتلایا ہے۔ کہ یزید کی زیر قیادت فوج میں حضرت امام حسینؓ۔ حضرت عبداللہ بن عمر۔ حضرت عبداللہ بن عباس۔ عبداللہ بن زبیر۔ حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہم جیسے بزرگ شامل تھے۔ یہ حضرات اخلاق و عمل۔ فضل و کمال۔ تقویٰ و تقدس ہر بات میں یزید سے افضل تھے۔ اور ان میں کتنے حضرات جنگی مہارت و تجربہ یزید سے زیادہ رکھتے تھے۔ جن کے مقابلہ میں یزید صفر کی حیثیت رکھتا تھا۔ اس لئے سوال یہ ہے کہ ان جلیل القدر صحابہ کے مقابلے میں یزید کس بات میں افضل تھا جس کی بنا پر اس کی امارت کو ہم اسکی فضیلت کی دلیل مانیں۔ حضرت امیر معاویہ ایسے اکابر صحابہ میں سے کسی کو امیر نہیں بناتے۔ ان کی نظر انتخاب پڑتی ہے۔ تو اپنے صاحبزادے یزید پر اسے فرزند نوازی کے علاوہ اور کیا کہا جائے۔ آپ کو کہیں حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کی وہ امارت یاد نہ آجائے۔

جو آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے رومیوں کے مقابلہ کے لئے فوج ترتیب دے کر حضرت اسامہ کو عطا فرمائی تھی۔ اس فوج میں بڑے بڑے اکابر صحابہ شامل تھے۔ اگر حضرت امیر معاویہ کے سامنے حضرت اسامہ ہی جیسے کوئی بزرگ ہوتے اور آپ ان کو امیر مقرر کرتے تو پھر کہنا ہی کیا تھا۔ ہم کتنے فخر کے ساتھ حضرت اسامہ کی امارت کو دنیا کے سامنے پیش کر کے کہتے ہیں۔ کہ اسلام کتنا انسانیت نواز ہے جو غلام زادوں کو اس طرح نوازتا اور سرفراز کرتا ہے لیکن حضرت امیر معاویہ اور یزید کی مثال تو اسلام کی اس امتیازی اسپرٹ کے سرتاسر منافی ہے کہ باپ قابلِ احترام اور جلیل القدر صحابہ کے ہوتے ہوئے بیٹے کو ان پر سردار مقرر کرتا ہے۔ (حضرت امام حسین شہید ص ۹۶)

جلیل القدر مؤلف مولانا رام نگری نے اس مقام پر امیر شام معاویہ بن ابو سفیان کو بھی موجب طعن قرار دیا ہے کہ اس نے سادات صحابہ اور جلیل القدر مومنین کے ہوتے ہوئے یزید کو امیر لشکر بنایا۔ اور اس کی یہ غیر اسلامی حرکت محض فرزند نوازی۔ امویت پرستی اور جاہلی تعصبات کی آئینہ دار تھی۔ اور اس کا مقصد خاص غیر شعوری طور پر صحابہ کرام کی موجودگی میں یزید کو ابھارنا اور قریش کی مکمل قیادت کے لئے تیار کرنا تھا۔ حالانکہ یہ سب باتیں نہ تو خدا اور رسول کی نگاہ میں پسند تھیں۔ اور نہ ہی عام اخلاقی و تمدنی اصول اس امر کی اجازت دے سکتے تھے کہ ایک غیر مستحق کو مستحق پر فاضل پر مفضول کو اور دینداروں پر بے دین کو امیر بنایا جائے۔ اور شریفوں کی باگ ڈور کمینوں کے ہاتھ میں دے دی جائے۔

ہمارے فاضل مہربان نے اتنا کچھ لکھنے کے بعد مغفرت یزید اور اس سے متعلقہ پیش کردہ حدیث پر تبصرہ کرتے ہوئے مہلب کے قول کی تردید میں علامہ ابن حجر۔ محدث ابن تنین اور محدث ابن منیر کی تردیدی عبارتوں کو پیش کیا ہے۔ اور جن کو قبل ازیں ہم بھی پیش کر چکے ہیں۔ اور جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ مہلب اور عباسی کے استدلال کی

تردید متقدمین سے لے کر متاخرین نے کی ہے۔ اور نہ ہی کسی نے اس حدیث کے ہوتے یزید کی مغفرت کا استدلال کیا ہے۔

آگے چل کر فاضل رام نگری ایک اور مقام پر رقمطراز ہیں:۔

"جناب عباسی صاحب نے یزید کی بزرگی کی شہادت دینے کے لئے حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد صاحب مدنی رحمۃ اللہ علیہ کو بھی پیش کیا ہے یعنی ان کے ایک مکتوب کا اقتباس نقل کیا ہے۔ اس اقتباس کے سلسلے میں ذرا عباسی صاحب کی فنکاری ملاحظہ فرمایئے"!۔

"تاریخ شاہد ہے کہ معارک عظیمہ (جنگ قسطنطنیہ وغیرہ) میں یزید نے کارہائے نمایاں انجام دیئے تھے۔ خود یزید کے متعلق بھی تاریخی روایات مبالغہ آمیزی اور آپس کے تخالف سے خالی نہیں" یہ صورت تو ہے عباسی صاحب کی پیش کردہ عبارت کی۔ مگر اس کی اصل صورت یہ ہے:۔

"تاریخ شاہد ہے کہ معارک عظیمہ میں یزید نے کارہائے نمایاں انجام دیئے تھے۔ اس کے فسق و فجور کا ظہور ان (یعنی معاویہ) کے سامنے نہ ہوا تھا۔ اور خفیہ جو بد اعمالیاں کرتا تھا۔ ان کی ان کو اطلاع نہ تھی۔ خود یزید کے متعلق بھی روایات مبالغہ اور آپس کے تخالف سے خالی نہیں" (مکتوب شیخ الاسلام جلد ا ص ۲۶۷)

چونکہ عباسی صاحب نے نہایت شرح و بسط اور حوالوں کی زینت اور آرائش کے ساتھ یزید کو پیکر تقویٰ و تقدس ثابت کرنے کی کوشش فرمائی ہے۔ اس لئے مولانا مدنی کے مکتوب میں یزید کے فسق و فجور در محترم باپ کی نظروں سے چھپ چھپ کر بد اعمالیوں کے ارتکاب پر جو شہادت موجود ہے اسے کس صفائی کے ساتھ صاف کر دیا۔ باپ سے چھپ، چھپ کر فسق و فجور کرنے والے ممدوح کے مداح کو کم از کم اتنا فن کار اور صاف دست تو ہونا ہی چاہیئے۔ لیکن شاید عباسی صاحب کو معلوم نہیں۔ کہ یزید کے فسق و فجور کی اتنی

متواتر شہادتیں ہیں کہ عباسی صاحب کی ساری تحقیق ہی حرف غلط ہو کر رہ جائے گی اور ان کی وکالت یزید کو گرفت سے بچا نہ سکے گی۔ اس کے علاوہ یزید کے جرائم کی فہرست بہت طویل ہے۔ آخر عباسی صاحب کس کس جرم کی صفائی دیں گے۔ اور کہاں تک حقِ وکالت ادا کریں گے۔ وہ یزید کو کچھ فائدہ تو نہ پہنچا سکیں گے۔ انہوں نے بیٹھے بٹھائے اس کو جرح و تنقید کی عدالت میں کھینچ لاکر اس کی مزید رسوائی ہی کا سامان کیا ہے۔ یزید کی روح کہتی ہو گی ؎ تم عنایت جو نہ کرتے تو عنایت ہوتی

(حضرت امام حسین شہید ص ۱۹۷ مؤلفہ مولانا رام نگری)

جہادِ قسطنطنیہ اور حدیث مغفرت و یزید کے عنوان کے تحت ہم نے جو کچھ اپنی تصریحات اور علمائے اہلِ سنّت کے تردیدی بیانات و شہادتیں پیش کی ہیں۔ ان تمام کو مطالعہ کر لینے کے بعد حسب ذیل امور کو نتائج بحث کے طور پر پیش کیا جا سکتا ہے۔

۞ سب سے پہلے تو یہ بات ہے کہ اس حدیث کے راوی شامی ہیں اور بنو امیہ کے پروردہ لہٰذا یزید و معاویہ کی منقبت میں ان کی پیش کردہ روایات کو بطور حجت پیش نہیں کیا جا سکتا۔ چہ جائیکہ وہ روایت بخاری ہی میں کیوں موجود نہ ہو۔ اور یہ بھی ہے کہ اس حدیث کا راوی فقط اسی حدیث کا راوی ہے اور کوئی روایت اس کی صحیح بخاری میں موجود نہیں ہے۔

۞ حدیثِ بشارتِ مغفرت میں یزید کی قیادت اور معاویہ وغیرہ کا کوئی مخصوص نام نہیں۔ لہٰذا حدیث کے مفاد کو ان پر چپاں نہیں کیا جا سکتا۔

۞ جہادِ قسطنطنیہ میں اگر قیادتِ یزید کو تسلیم کر لیا جائے تو بھی اس کی کوئی فضیلت نہیں ہے۔ کیونکہ خداوند عالم اپنے دین کی نصرت فاسقوں اور فاجروں سے بھی کروا لیتا ہے۔ اور جبکہ جہاد و نماز میں فاسق ائمہ اور فاجر امراء کے ساتھ یہ اجازت ہے کہ ان کی معیت میں جنگ یا نماز پڑھی جا سکتی ہے۔ تو پھر یزید ایسے فاجر کے ساتھ اگر مسلمان جہاد کریں۔ تو

اس میں اس کی کون سی فضیلت ہے؟ جبکہ یزید کی شمولیت کسی مخلصانہ جذبہ کے تحت بھی نہ ہو۔ اور اسے حکماً تعزیری طور پر بھیجا گیا ہو۔

● حدیثِ بشارت میں لفظ مدینہ قیصر موجود ہے۔ قسطنطنیہ کا لفظ نہیں ہے۔ اگر ہم مدینہ قیصر سے رومیوں کا پایۂ تخت جو ارشاد نبوی کے وقت تھا۔ یعنی حمص مراد لیں۔ اور جس کا قرینہ بھی یہی ہے۔ کیونکہ حمص کے جہاد میں بھی سادات صحابہ شامل تھے۔ تو ہم حق بجانب ہوں گے۔ بجائے اس کے کہ ہم یزید لیسے فاجروں کو خواہ مخواہ اہلِ بیت دشمنی میں اس حدیث کا مصداق دیتے پھریں۔

● مولینا محمد قاسم نانوتوی اور مولینا محمد یوسف لدھیانوی کے استدلال کے مطابق یزید اس بشارت مغفرت سے مستثنیٰ قرار دیا جائے گا جس طرح کہ بیعت رضواں میں منافقین صحابہ رضا الہٰی کے سرٹیفکیٹ سے خارج سمجھیں جائیں گے۔

● بعض علماء نے یہ بھی تصریح کی ہے کہ اس جہاد کی قیادت سفیان بن عوف کے ہاتھ میں تھی یزید اس جنگ میں شامل ہی نہیں تھا۔ تو پھر جب بات ہی اختلافی ہے۔ تو پھر کیوں کر اختلافی اقوال سے کسی کی فضیلت ثابت کی جا سکتی ہے۔

● مہلب محدث کا قول اور عباسی کی نئی ریسرچ بنوامیہ کی بے جا حمایت پر محمول ہے اہلِ اسلام کو اس سے کوئی تعلق نہیں۔

● عباسی صاحب نے اس حدیث کی تفسیر و تشریح میں خود غرضانہ روش اور خیانت مجرمانہ سے کام لیا ہے۔ امتِ اسلامیہ کو دھوکا دینے کی غرض سے ابن حجر۔ ابنِ کثیر اور حسین احمد مدنی جیسے بزرگواروں کی عبارتوں کے مفید مطلب اجزاء کو لے کر ان کے تردیدی اقتباسات کو چھوڑ دیا ہے۔ حالانکہ یہ بد دیانتی ہے تاریخی ریسرچ نہیں ہے۔ بلکہ اپنے مخصوص زاویۂ نگاہ اور ذہنی رجحان کو پروان چڑھانے کا خاص منصوبہ ہے جو عباسی صاحب نے کتاب لکھنے سے پیشتر اپنے ذہن میں باندھ رکھا تھا۔

● اگر اس حدیث کا مفاد و منشا یہی ہوتا جو عباسی صاحب نے پیش کیا ہے تو لازمی طور پر صحابہ کرام اور تابعین عظام محدثین کرام اور متکلمین اسلام یزید کو متفقہ طور پر جنتی قرار دیتے اور آج اس کا فسق و فجور بلکہ کفر واضح و آشکارا نہ ہوتا۔ مگر جب ہم اوراق حدیث و تاریخ کا مطالعہ کرتے ہیں۔ تو سوائے محدث مہلب۔ محمود عباسی۔ عبدالماجد دریا آبادی۔ عامر عثمانی، بابائے اردو عبدالحق، سہیل عباسی عبدالوہاب آروی۔ صدر تنظیم اہل سنت سردار احمد خان بتانی۔ دوست محمد قریشی۔ نورالحسن بخاری ایسے چند انتہا پسند اموی نمک خواروں کے ۔۔۔۔ تمام ملت اسلامیہ کو یزید کے فسق و فجور پر متفق پاتے ہیں۔

● حدیث کی تفسیر و تاویل میں عباسی صاحب نے محدثین کے جن نا تمام ٹکڑوں کو پیش کیا ہے۔ اگر اس کو ہم اصل حوالوں سے ملا کر دیکھیں تو یہ ثابت ہوتا ہے کہ ابن حجر۔ ابن متین۔ ابن منیر اور دیگر محققین اسلام نے مہلب محدث کے قول اور رائے کو رد کیا ہے۔ جن کے تفصیلی بیانات ہم سطور بالا میں وضاحت کے ساتھ پیش کر چکے ہیں۔ مگر عباسی صاحب نے نہایت چابکدستی اور اپنی مخصوص شعبدہ بازی سے کام لیتے ہوئے ان تمام محدثین و شارحین حدیث کو مہلب کا ہم خیال ظاہر کیا ہے۔ مگر بایں ہمہ ان کے خاص منصوبہ کی تکمیل ع

این خیال است و محال است و جنوں

تلک عشرۃ کاملۃ

یزید کا امیر حج مقرر ہونا

امیر شام معاویہ بن ابو سفیان نے فرزند نوازی کے نشہ میں اور اپنے ہی خاندان میں اقتدار حکومت کو مستحکم کرنے کی غرض سے جس طرح بعض جنگوں میں بھیج کر اس کی قیادت کو مسلمانوں سے جبراً تسلیم کروانے کی کوشش کی۔ اسی طرح یزید کے علانیہ فسق و فجور کے

ہوتے ہوئے اسلام کے ایک اہم فرض یعنی فریضۂ حج کی ادائیگی کے سلسلہ میں اسے مسلمانوں کا امیر مقرر کیا جس سے اس کی واحد غرض اپنی قلبی امنگوں کو پروان چڑھانے اور اپنے ناہنجار بیٹے کی ولی عہدی کے مسئلہ کے منصوبہ کو کامیاب کرنا تھا۔ اس خیال سے کہ اسلامی سلطنت میں جبکہ جلیل القدر صحابہ کرام اور مقدس ترین افراد امت موجود ہیں۔ اگر یزید کو ان تمام مسلمانوں کی گردن پر کسی نہ کسی فریب سے مسلط کر دیا گیا۔ اور حج کے موقعہ پر اگر مسلمانوں نے ایک دو بار اس کے پیچھے نمازیں پڑھ لیں۔ تو لازمی طور پر مسلمان اپنا دینی پیشوا بھی تسلیم کرلیں گے۔ چونکہ رات دن معاویہ کو اپنے اکلوتے بیٹے کی خواہشات کو پورا کرنے کی فکر لگی رہتی تھی۔ اور اسی سلسلہ میں امیر شام نے اپنے مشہور حربہ زہر خورانی سے کام لے کر بڑے بڑے جلیل القدر صحابہ کرام کو بھی موت کے گھاٹ اتارنے سے دریغ نہیں کیا۔ اسی جنوں کی مستیوں میں سرشار ہو کر معاویہ نے یزید کو امیر حج بھی مقرر کیا۔ ہم بشارت مغفرت یزید کے عنوان کے تحت ثابت کر چکے ہیں۔ کہ ہر ظالم و فاسق کے ساتھ جہاد بھی کیا جا سکتا ہے۔ اور نماز بھی پڑھی جا سکتی ہیں۔ تو جب اکثر مسلمان اس عقیدہ پر متفق ہیں۔ تو حج جیسا فریضہ کیوں ادا نہیں کیا جا سکتا۔ یہ کوئی انوکھی بات نہیں ہے۔ اور نہ ہی یزید ایسے ملعون کو ایسے حجوں سے کوئی فائدہ پہنچ سکتا ہے۔ یہ تو امیر معاویہ کی ایک سیاسی چال تھی۔ کہ مسلمانوں کی جمعیت میں اس کا وقار پیدا ہو جائے گا۔ کیونکہ ولی عہدی کا مسئلہ تازہ تازہ درپیش تھا۔ مگر ایسے نازک وقت میں بھی اس بدقسمت نے اپنی بدکرداری اور شراب خوری کی عادت بد کو نہ چھوڑا۔ مکہ معظمہ میں بھی علانیہ شراب پیتا رہا۔ اور جب مدینہ پہنچا تو یہاں بھی رات دن شراب و کباب کی محفلوں کو گرم رکھا۔ چنانچہ تاریخ ابن اثیر جلد چہارم میں سے ایک واقعہ نقل کیا جاتا ہے۔ جس سے یزید کی شراب نوشی اور اس کے فسق و فجور پر کافی روشنی پڑتی ہے۔ ابن اثیر لکھتے ہیں۔

یزید نے اپنے باپ کے وقت میں حج کیا۔ جب مدینہ پہنچے۔ تو شراب و کباب کا دور چلا۔

حضرت ابنِ عباس اور جناب امام حسین علیہ السلام ملاقات کو آئے۔ اندر آنے کی اجازت چاہی۔ یاروں نے کہا کہ اگر ابنِ عباس آئے تو پہچان جائیں گے۔ چنانچہ ابنِ عباس ٹال دیئے گئے۔ اور امام حسین علیہ السلام اندر آئے۔ جب ان کی ناک میں شراب کی بو آئی تو فرمانے لگے یہ کیا بُو ہے یہ کیا چیز ہے۔ یزید بولا یہ ایک خوشبودار شربت ہے۔ جو شام میں تیار ہوتا ہے۔ پھر اس نے ایک قدح مانگا۔ اور پی گیا۔ اور پھر دوسرا طلب کیا۔ تو امام حسین علیہ السلام کی خدمت میں پیش کیا۔ اور کہا اے ابو عبداللہ پیجیئے۔ جناب امام حسین علیہ السلام نے فرمایا مجھے معاف کیجئے۔"

مندرجہ بالا روایت محمود عباسی نے بھی اپنی کتاب کے صـ ۳۵۲ پر کتاب الاغانی کے حوالے سے درج کی ہے۔ اور اس شراب کا نام شرابِ شام رکھا ہے۔ پھر دلائل سے ثابت کرنے کی یہ مذموم کوشش بھی کی کہ یہ شراب تو تمام صحابہ کرام اور خود رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی پیا کرتے تھے۔ اور پھر بذل المجہود شرح ابی داؤد جلد ۴ صـ ۲۳۲ سے نبیذ اور شراب کا پینا اہل سنت والجماعت کے نشانات میں سے تحریر کیا ہے۔

(خلافت معاویہ ویزید صـ ۳۵۵)

خدا سمجھے ان کور فطرت ملاؤں سے جو اپنے سیاسی پیشواؤں کے قبیح اعمال پر پردہ ڈالنے اور ان کے اعمالِ سئیہ کو شرعی لباس میں ملبوس کرنے کی غرض سے کیسی جرأت سے کام لے کر قرآن وحدیث اور اسلامی تعلیم کے خلاف جناب شارع شریعت۔ مخلص صحابہ کرام اور اہل بیت عظام پر بھی ہاتھ صاف کر جاتے ہیں۔

یزید کی امارت حج کے سلسلہ میں معاویہ کے جن عزائم مشئومہ کا ہم نے اوپر تذکرہ کیا ہے۔ اگرچہ وہ حقیقت بین نگاہ کے لئے کافی تھا۔ تاہم اس خیال سے کہ عباسی صاحب کے دجل وفریب کی قلعی مکمل طور پر کھل کر ہمارے ناظرین کے سامنے آجائے۔ ذیل میں فاضل جلیل مولانا تا رام نگری کی تحقیق بھی پیش کی جاتی ہے۔ فاضل موصوف یزید اور اس کی

امارت حج کے عنوان پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

" یزید محمود احمد عباسی صاحب کا محبوب و محترم ہیرو ہے۔ موصوف اس کو اچھالنے اور بانس پر چڑھانے کے لئے ڈھونڈ ڈھونڈھ کر ایسی چیزیں لاتے ہیں۔ اور ان کو سلیقے کے ساتھ کتاب کے صفحات پر آراستہ کیا ہے۔ جن سے یزید کی فضیلت و بزرگی کی نمائش ہو۔ ایسی ہی چیزوں میں ایک چیز یزید کی امارت حج ہے۔ چنانچہ عباسی صاحب باہتمام خاص لکھتے ہیں:۔

" امیر یزید نے تین بار امیر حج کی حیثیت سے حج کیا۔ اور لوگوں کو حج کرایا۔ یعنی ۵۱ھ ۵۲ھ ۵۳ھ میں مذہبی و سیاسی دونوں حیثیتوں سے منصب امارتِ حج ایک منصب جلیل تھا۔ فتح مکہ ۸ھ کے بعد ہی ۹ھ میں یہ منصبِ جلیل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر صدیق کو تفویض فرمایا۔ ۱۰ھ میں ہجرت کے بعد آپ نے حضور کے ساتھ پہلا اور اپنی حیاتِ مبارک کا آخری حج کیا جو حجۃ الوداع کہلاتا ہے۔ اس میں آپ ہی امیر الحج تھے۔ آپ کی وفات کے بعد خلفاء وقت خود ہی امیر حج ہوتے یا اپنے نائبین کو جو علم و تقویٰ و فن خطابت میں شانِ امتیاز رکھتے۔ امیر الحج مقرر کرتے خلفاء راشدین میں سے حضرت صدیق اکبر، حضرت عمر فاروق اور حضرت عثمان ذوی النورین اپنے عہد خلافت میں تقریباً ہر سال حج کے لئے مجتمع ہوتے خطبات امرائے حج سے مستفیض ہوتے۔" (خلافت معاویہ و یزید ص۳۱۱)

عباسی صاحب نے جس اہتمام سے یزید کی امارت حج کو پیش کیا ہے۔ اس سے بلاشبہ ان کے ممدوح اور امام برحق کی شان چمک سی گئی ہے لیکن انہوں نے اس حقیقت کو سرے سے پیشِ نظر نہیں رکھا۔ کہ اس بیان کا حضرت امیر معاویہ کی پوزیشن پر کیا اثر ہوگا۔ اور جو شخص دینی نقطۂ نظر سے اس چیز پر غور کرے گا۔ اس کے دل میں کس قسم کا تاثر پیدا ہوگا؟

تو د عباسی صاحب نے ہمیں کیا بتایا ہے؛ منصب امارتِ حج وہ منصب جلیل ہے جس پر حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے سب سے زیادہ بزرگ صحابی حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو مامور فرمایا۔ اور خود بہ نفسِ نفیس اس منصب کے فرائض سرانجام دیئے۔ خلفاء ثلاثہ رضوان اللہ علیہم بھی اپنے اپنے عہدِ خلافت میں خود اس منصب کے فرائض انجام دیتے رہے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے حضرت ابوبکر کی بجائے حضرت علیؓ کو اس منصب پر مامور نہیں فرمایا۔ حضرت صدیق اکبر۔ حضرت عمر فاروق اور حضرت عثمان ذی النورین نے بھی کبھی اپنے صاحبزادوں کو یہ منصب تفویض نہیں فرمایا۔ پھر حضرت امیر معاویہ نے اپنے بیٹے کو مسلسل تین سال تک اس مقدس منصب پر مامور کر کے کس کی سنّت کی پیروی فرمائی؛ عباسی صاحب ہی کے الفاظ میں "خلفائے وقت خود ہی امیرِ حج ہوتے یا اپنے نائبین کو جو علم و تقویٰ و فنِ خطابت میں شانِ امتیاز رکھتے تھے" امیرِ حج مقرر کرتے۔

تو کیا حضرت امیر معاویہ کے وقت میں ملّتِ اسلامیہ میں اتنا قحط الرّجال ہو چکا تھا۔ کہ علم و تقویٰ اور فنِ خطابت میں یزید کی شان کا کوئی دوسرا موجود ہی نہ تھا۔ نہیں ایسا نہیں تھا۔ اس کو مجھ سے نہیں عباسی صاحب ہی سے سنئے فرماتے ہیں:-

"اس زمانے میں بلند اور ممتاز ہستیاں اصحاب عشرہ مبشرہ۔ اصحاب بدر اصحاب بیعت رضوان اور دیگر معمر صحابہ کی یہ تعداد کثیر موجود تھی۔ راقم الحروف نے اپنی مبسوط تالیف میں ایسے ڈھائی سو صحابہ کرام کا مختصر تذکرہ لکھا ہے۔ جو امیر یزید کے ولایت عہد میں اور زمانہ خلافت بلکہ اس کے بعد تک بقیدِ حیات تھے"۔ (خلافت معاویہ و یزید ص۳۷)

جب حقیقت حال یہ تھی۔ تو میں یہاں عباسی صاحب سے نہیں ان کے ہمنوا مولانا عامر عثمانی سے دریافت کروں گا۔ جن کے سامنے مفتیوں کی بھیڑ لگی رہتی ہے

اور جو فتویٰ دیتے ہوئے نہیں تھکتے۔ کہ مولانا! حضرت امیر معاویہ کا اصحاب مبشرہ اصحاب بدر اور اصحاب شجرہ کی ایک کثیر تعداد کی موجودگی میں متواتر تین برس تک اپنے صاحبزادے یزید ہی کو امیر حج بنا کر بھیجنا کس کے اسوہ کی پیروی تھی؟ حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کو ہدف جرح و قدح بناتے ہوئے بنی ہاشم کو تو آپ کے جو جی میں آیا ہے فرما گئے ہیں۔ آخر یہ کیا ہے۔ اسلام کی جمہوری حکومت کو اموی حکومت بنانے کے لئے زمین ہموار کرنا یا کچھ اور؟

کاسش! محمود عباسی صاحب دور تک سوچتے اور یزید کی امارت حج کے تذکرہ کو قلم انداز کر دیتے۔ اور کاش مولانا عثمانی کو اموی تعصب اتنا محروم بصیرت نہ کر دیتا۔ کہ کھلی ہوئی حقیقتوں کو دیکھ نہیں سکتے۔ اگر ایسا ہوتا۔ تو "خلافت معاویہ ویزید" جیسی کتاب کے سب سے زیادہ مخالف وہ ہوتے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ یزید کی امارت حج کا مقصد بھی وہی تھا۔ جو امارت جہاد قسطنطنیہ کا اور جس کا یزید حضرت معاویہ سے عہد لے چکا تھا"

(حضرت امام حسین شہید ص۲۳،۲۵)

مولانا امام الدین رام نگری مؤلف کتاب حضرت امام حسین شہید کے حقیقت افروز بیان کے بعد ہم اس کے سوا اور کیا کہہ سکتے ہیں۔ یہی کہ امیر شام معاویہ نے اپنے بیٹے کی ولی عہدی کے مسئلہ کو پختہ کرنے اور اس کو مسلمانوں کی صف میں ہر دلعزیز بنانے کے لئے نہ تو سنت رسول کی پیروی کی۔ اور نہ اپنے پیشرو خلفا کے اسوہ کی متابعت کی۔ بلکہ بقول فاضل موصوف اسلام کی جمہوری حکومت کو اموی اقتدار کے سانچے میں ڈھالنے کی ابتدائی مذموم حرکت کی جس کا نتیجہ آج تک مسلمان بھگت رہے ہیں۔ اس وقت کے اسلامی دور کے جلیل القدر مومنین جو صحابۂ رسول بھی تھے۔ کی موجودگی میں ایک فاسق و فاجر انسان کو حج ایسے اہم فریضہ

کی امارت سپرد کر دینا کونسی عقلمندی اور دینداری ہے۔ عباسی صاحب نے تو
یزید کے تذکرہ کو چھیڑ کر یزید کا تقویٰ و تقدس اور اس کی مقبولیت عامہ کو ظاہر کرنا
چاہا ہے۔ مگر وہ غیر شعوری طور پر اپنے ممدوح امیر شام معاویہ کی غیر دینی روش
اور اس کی غیر اسلامی قلبی کیفیات کو بھی طشت از بام کر گئے ہیں۔ کسی نے سچ کہا ہے
کہ بیوقوف دوست سے دانا دشمن اچھا ہوتا ہے۔"

خلافتِ اسلامیہ میں ایک ہمہ گیر انقلاب

یعنی

معاویہ اور ولیعہدی یزید

اب ہم بیعتِ یزید کے واقعات اور حالات جو کہ مخصوص معاویہ کے محدثات
روایات میں شمار ہوتے ہیں۔ اور جن واقعات نے بقول امام الہند ابوالکلام آزاد
ہیچ اسلامیہ جمہوریہ کی بنیادوں کو متزلزل کر دیا۔ ذرا تفصیلاً بیان کرتے ہیں۔ کیونکہ
انہی حقائق پر ہمارے آئندہ استدلالات کا دارومدار ہے۔ ہم اس سلسلہ میں بیان کریں گے
کہ کس طرح امیر شام نے خدا کے حکم کے خلاف اور اسلامی دستور کے متضاد اپنے پیارے
دلبند کی محبت میں بے خود ہو کر مسلمانوں سے بجبر و قہر یا بذریعہ خوشامد و رشوت اپنے
ولی عہد یزید کی بیعت لی۔ اور کس طرح مسلمانوں کے دین کو خریدا اور یہ کہ مانعین بیعت
جو عموماً اصحابِ رسول اور موالیانِ حضرت امیر المومنین علیہ السلام تھے۔ پر کن کن طریقوں
سے ظلم و ستم ڈھائے۔ اور آخر کار وہ میدان مار ہی لیا جس کے لئے یہ سب کچھ کیا تھا۔
تاریخی واقعات اس بات پر شاہد ہیں۔ کہ معاویہ کے اس اقدام کے دوران اگر مغیرہ بن شعبہ

ردبن عاص۔ زیاد ابن ابیہ۔ بسر بن ارطاۃ ایسے گھاگ نہ ہوتے۔ تو اموی حکومت کا تاجدار
رقیصر و کسریٰ کی سنت کو زندہ کرنے والا معاویہ اگرچہ مکر و خدع کا مجسمہ خود بھی تھا مگر اپنے
رادوں کی تکمیل میں کامیاب نہ ہوتا۔ اور یہ حقیقت ہے کہ آج اسلامی تاریخ اس کے
رائم مشئومہ کو کامیابی کے ساتھ پیش نہ کرتی۔ قضا را حالات نے اس کا ساتھ دیا اور
وہ اپنے مقاصد میں کامیاب ہو ہی گیا۔ اس قسم کے لوگوں پر ہم افسوس نہیں کرتے کیونکہ
لو در حقیقت مسلمان ہی نہ تھے۔ ان کی زبانیں توحید و رسالت کا اقرار ضرور کرتی تھیں
ر دل میں جاہلیت کے جذبات پوری طرح موجزن تھے۔ یہ لوگ لبادۂ اسلام اوڑھ
ر اور اسلام کے تخت پر ہی بیٹھ کر دین اسلام اور اولاد رسولؐ کو تباہ و برباد کرنا اپنی
ندگیوں کا نصب العین سمجھتے تھے۔ قلبی افسوس تو ایسے حضرات پر ہے جنہوں نے رسول
سلامؐ کی وفات حسرت آیات کے بعد قرابتداران رسول اور مسند نبوت کے حقیقی جانشینوں
کے حقوق سے اغماض کر کے اقتدار کی باگ ڈور اوّل تو اپنے ہاتھ میں لے لی۔ اور جب
و سیر ہو چکے۔ تو ناقۂ خلافت کی مہار نااہل لوگوں کے ہاتھ میں دیدی۔ جو سراسر دنیا
کے طالب۔ دین سے بے بہرہ اور اس پر مستزاد یہ کہ وہ بنو ہاشم کے دل و جان سے
ندیمی حریف بھی تھے۔ ہم تاریخ کی اس لمبی چوڑی داستان اور اندوہناک کہانی کو دہرانا
نہیں چاہتے۔ بہر حال اتنا ضرور ہے کہ اگر شروع سے ہی مسلمان حدیث ثقلین پر عمل
پیرا ہوتے تو یقیناً اسلامی تاریخ کسی اور عنوان سے ہمارے سامنے ہوتی۔ جنگہائے
صفین۔ جمل وقوع پذیر نہ ہوتیں۔ اور بقول جناب ڈپٹی نذیر احمد صاحب دہلوی
مسلمانوں کی آل محمد کی طرف سے بے توجہی کے باعث حادثہ فاجعہ کربلا بھی ظہور
پذیر نہ ہوتا۔ بہر کیف جو کچھ ہوا۔ وہ تاریخ کے اوراق میں موجود ہے۔ ان تمام حالات
و واقعات سے بڑھ کر ولی عہدی یزید کے مسئلہ نے اسلام کے سینہ میں وہ کاری ضرب
لگائی ہے جس کا اندمال نہ آج تک ہو سکا نہ ہی قیامت تک ہونا ممکن ہے۔ تمام

محققین اسلام نے متفقہ طور پر اس امر کو تسلیم کیا ہے کہ اسلام کی حکومت کو قیصریت میں تبدیل کرنے والا امیر شام معاویہ بن ابوسفیان ہی تھا جس نے خلافت راشدہ کو ملک عضوض میں تبدیل کر کے ایک ایسے گناہ کا ارتکاب کیا جس کی سزا آج تک مسلمان بھگت رہے ہیں۔ جیسا کہ ایک غیر جانبدار جلیل القدر مسیحی مورخ علامہ جرجی زیدان نے بھی اپنی فاضلانہ تالیف تاریخ تمدن اسلام میں اس امر کا انکشاف کیا ہے۔ کہ اسلام میں سب سے پہلے معاویہ نے روم و ایران کی تقلید میں خلافت کو وراثت میں تبدیل کیا۔ اور اپنی زندگی ہی میں اپنے محرم راز دوستوں سے مشورہ کر کے یزید کو ولی عہد قرار دیا۔ حالانکہ اس کا یہ اقدام اسلام کے طور طریقہ اور خلفاء راشدین کی سیرت کے خلاف تھا۔ (تاریخ تمدن اسلام جلد ۱ ص ۱۲۲)

مولانا ابوالکلام آزاد جو بین الاقوامی شہرت کے مالک ہیں۔ اور جن کی تصانیف نے اسلامی لٹریچر میں ایک گرانقدر اضافہ کیا ہے۔ وہ ایک مقام پر بنو امیہ کی جاری کردہ بدعت پر رونا روتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"خلافت راشدہ کے بعد بنو امیہ کا دور فتن و بدعات شروع ہوتا ہے جنہوں نے نظام حکومت اسلامی کی بنیادیں متزلزل کر دیں۔ اور بنی امیہ کی سب سے پہلی بدعت اور اسلام و مسلمین پر ان کا اولین ظلم یہ تھا۔ کہ نظام حکومت اسلامیہ کا تختہ یکسر الٹ دیا۔ (رسالہ اسلامی جمہوریہ ص ۳۱/۳۵)

عہد حاضر کے مشہور محقق اور جلیل القدر مورخ فاضل عمر ابوالنصر امیر معاویہ کی اس سیاست اور اس خلاف شرع اقدام پر تبصرہ فرماتے ہوئے ایک جگہ تحریر کرتے ہیں۔

"ہمیں اس جگہ امیر معاویہ کے موقف اور ان کے اعمال و افعال پر تنقید کرنی مقصود نہیں ہے۔ اس امور کے متعلق ہم اپنی ایک اور کتاب "معاویہ بن ابوسفیان" میں تفصیل سے بحث کر چکے ہیں۔ تاہم یہ کہنے سے باز نہیں رہ سکتے

کہ انہوں نے امیر المومنین علی ابن ابی طالب کے خلاف بغاوت کرکے توسیع مملکت اور اقتدار کی خاطر مملکت کے خزانہ کو بیدردی سے خرچ کرکے اور خلافت راشدہ کو ختم کرکے شخصی حکومت اور موروثی بادشاہت کا نظام قائم کرکے اسلام کو ناقابل تلافی نقصان پہنچایا۔ اپنی زندگی میں یزید کے لئے بیعت لے لینا اور وہ بھی اس حالت میں کہ انہیں اس کے غیر اسلامی افعال و اعمال کا اچھی طرح علم تھا۔ ان عظیم مصائب میں سے ہے جو امیر معاویہ کے ہاتھوں اسلام کو برداشت کرنے پڑے۔ اصل اقتدار اللہ کے ہاتھوں میں ہے۔ اور وہ اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے اس کا کچھ حصہ عطا فرماتا ہے۔ اس سلطنت کا حشر جو امیر معاویہ نے اپنے بیٹے کو دی سب کے سامنے ہے۔ معاویہ کا خیال تھا۔ کہ انہوں نے سب مخالفوں کو ختم کرکے یزید کے لئے ہر قسم کی راہ ہموار کر دی ہے۔ اور اس کے بعد اسے کسی قسم کی پریشانی کا سامنا نہ کرنا پڑے گا۔ لیکن اللہ تعالٰی کو کچھ اور ہی منظور تھا۔ امیر معاویہ کی آنکھ بند ہوتے زیادہ عرصہ نہ گذرا تھا۔ کہ ان کی چھوڑی ہوئی سلطنت کا شیرازہ منتشر ہونے لگا۔ اور چند ہی دنوں میں ان کی اولاد حکومت و بادشاہت سے محروم ہو گئی۔

(رسالہ آل محمدؐ کربلا میں" ص۲۴ مطبوعہ لاہور اردو ترجمہ)

جماعت احرار کے مشہور لیڈر حافظ علی بہادر خان بی۔ ایس۔ سی علی گڑھ ایڈیٹر دور جدید دہلی معاویہ کے اس غیر مستحسن اقدام پر تنقید کرتے ہوئے اور ابن خلدون و محمود عباسی کے ایک نئے شگوفے کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

"ان کی اولیات میں یہ بھی ہے۔ کہ انہوں نے سب سے پہلے خلافت کو منہاج سنت کی بلندیوں سے گرا کر ملک العضوض کی پستیوں میں پہنچا دیا۔ اجماع و شوریٰ کی جگہ جبر و استبداد نے لے لی۔ اور یہ موسسہ دینیہ ملوکیت و وراثت میں تبدیل ہو گیا۔ ائمہ اسلام کا اس پر اتفاق ہے کہ یزید

کی ولی عہدی کے لئے بیعت لینے پر اصرار کرنا معاویہ کی نہایت افسوسناک بدعت تھی جس سے ملک عضوض کا دور شروع ہو گیا۔

(معاویہ و یزید ص۶۲ مطبوعہ کراچی)

فاضل موصوف اپنی دوسری تالیف یزید بن معاویہ میں لکھتے ہیں۔

یہ دعوی کیا جا رہا ہے۔ کہ اتحاد و اتفاق کی خاطر معاویہ نے یزید کی ولی عہدی کا فیصلہ کیا۔ یہ خوب بات ہے۔ کہ اتحاد و اتفاق کی خاطر امام حسنؑ کے ساتھ یہ عہد کیا تھا۔ کہ اپنی زندگی میں کسی کو ولی عہد نہیں نامزد کروں گا۔ اور پھر امام حسنؑ کی وفات کے فوراً بعد اتحاد و اتفاق کی خاطر اپنی زندگی میں ہی خود اپنے بیٹے کو ولی عہد بنا دیا۔ کوئی نہایت ہی سادہ لوح انسان اتحاد و اتفاق کی ان پلٹوں کی یہ تشریح قبول کر سکتا ہے۔ ہر مفکر اس نتیجہ پر پہنچے گا۔ کہ معاویہ نے صلحنامہ کے عہد کو توڑنے کے لئے کئی برس تک جبر و ظلم، لالچ اور فریب کاریوں سے ان اسلامی قدروں کو تباہ کر دیا۔ جن پر خلافت کے فیصلہ کا مدار اسلام نے رکھا تھا۔ اور اپنے بیٹے کے لئے سارا زور و اثر صرف کر دیا۔ قوم کا سیم و زر پانی کی طرح بہا کر لوگوں کی رائیں خریدیں۔ اور یزید کے لئے فضا ہموار کرنے کی کوشش کی۔ (یزید بن معاویہ ص۶۰ مطبوعہ دہلی)

فاضل گوپا جہان آبادی مصنف کتاب "تواریخ المعاویہ" جو عباسی صاحب کے جوابات کے سلسلہ کی ہی ایک ابتدائی کڑی ہے۔ ایک مقام پر ولی عہدی کی بحث کے خاتمہ پر لکھتے ہیں۔

چونکہ عقلاً اور اخلاقاً کوئی بیعت جو جبر اور لالچ کے ذریعے سے لی جائے۔ یعنی کسی مسلمان کی رائے خریدی جائے۔ یا دباؤ سے حاصل کی جائے۔ یا وہ رائے جس میں کوئی مسلمان آزاد نہ ہو۔ اور وہ اپنی مرضی کے مطابق کسی

کے ہاتھ پر بیعت نہ کر سکے وہ بیعت ہی نہیں۔ اس لئے یزید کے لئے جتنے لوگوں
سے حضرت امیر معاویہ نے بیعت لی۔ وہ قابل اعتبار ہی نہیں ہے۔"

(تواریخ المعاویہ ص۱۳۱)

روزنامہ انجام کراچی محرم نمبر میں اسلام میں ملوکیت کی ابتدا کے عنوان سے پروفیسر
ملک محمد عنایت اللہ صاحب ایم۔اے نے ایک تحقیقی مقالہ رقم فرمایا ہے۔ جس میں انہوں
نے اپنی فاضلانہ بصیرت سے امیر معاویہ کے یزید کے ولی عہد بنانے کے مسئلہ پر تفصیلاً
روشنی ڈالی ہے۔ اور یہ ثابت کیا ہے۔ کہ اسلام میں ملوکیت کی ابتدا امیر معاویہ نے کی۔
اور حادثہ محزنہ کربلا اسی غیر شرعی اقدام کا نتیجہ تھا۔ چند ایک اقتباس درج ذیل ہیں۔

"امیر معاویہ نے منصب خلافت کو موروثی حکومت میں تبدیل کر دیا تھا اور
ذاتی اقتدار کے جو بُت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفاء راشدین
کے عہد میں ٹوٹ چکے تھے۔ نئے سرے سے پھر استوار کر دیئے گئے اور
ان کی پرستش شروع کر دی گئی۔ امیر معاویہ نے اپنی زندگی میں اپنے بیٹے کو
بادشاہ بنانے کے لئے حالات کو سازگار بنانے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت
نہیں کیا۔ جن لوگوں سے اسے مخالفت کا ڈر تھا۔ انہیں دربار شاہی میں قربت
عطا کر دی گئی۔ اور لوگوں کو بڑے بڑے مناصب دیئے گئے۔ اور ان کی
گذشتہ کوتاہیوں کو نظر انداز کر دیا گیا۔ تمام صوبوں میں یزید کی ولی عہدی
کی مہم پورے زوروں پر تھی۔ اس طرح اسلام میں استبداد اور ملوکیت
کا دروازہ کھول دیا گیا۔ اور جس نے آگے چل کر قیصریت اور کسرویت کی
شکل اختیار کر لی۔ اور یہی وہ شے تھی جسے فنا کرنا اسلام کا مقصد وحید
تھا۔ اور یہ ایک ایسی بدعت تھی جس کا سد باب آج تک نہ ہو سکا۔ امیر
معاویہ نے اس نظام شوریٰ کو قطعی طور پر ختم کر دیا جس کی بنیاد دین خلفائے

داشدین نے رکھی تھیں۔ اور جو در حقیقت نظام اسلامی کی جان تھا۔ اب ایک
ایسی ملوکیت کا دَور دورہ تھا۔ جسے تلوار کے زور پر سیاسی تدابیر اور حریفوں
کی ریشہ دوانیوں کے ذریعہ حاصل کیا گیا تھا جب یزید کو ولی عہد بنا یا گیا۔
تو اسی وقت سے شاہی وراثت کی ابتدا ہوئی۔ اور یہی وہ غیر اسلامی نظام
تھا۔ جو خلفائے عباسیہ کے دَور میں بھی قائم رہا۔ اس طرح مسلمانوں کو
ان کے طبعی حقوق یعنی حق شوریٰ سے محروم کر دیا گیا۔ یہ ایک ایسا حق تھا۔
جس کے عرب خوگر ہو چکے تھے۔ اور جس کی حمایت قرآن حکیم نے کی تھی اور
احادیث رسولؐ بھی جس کی تائید میں تھیں۔ ولی عہدی کے معاملہ میں امویوں
نے ایک اور قدم بڑھایا۔ اور اپنی زندگی میں موت کے خوف سے دو دو
تین تین ولی عہد بنانے شروع کر دیئے۔ تاکہ ایک کی موت کے بعد دوسرا اور
دوسرے کی موت کے بعد تیسرا بادشاہ بن سکے۔ اور حکومت بنو امیہ کے
خاندان سے نہ نکل سکے۔ (روزنامہ انجام ۲۵ جون ۱۹۵۶ء صا کالم ۱/۲)

فرحت شاہجہانپوری ایک قابل قدر ادیب اور معروف حقیقت نگار ہیں انہوں
نے بھی انجام کے اسی شمارہ میں "سانحہ کربلا اور اس کا پس منظر" کے عنوان سے تفصیلی
حالات کا جائزہ لیتے ہوئے ضمناً ولی عہدی یزید کے مسئلہ پر بھی لکھا ہے۔ اس اقتباس
کو بھی ہم ذیل میں اپنے سلسلہ بیان کی تائید میں ضرور پیش کرنا چاہتے ہیں وہ اس لئے
کہ ہم اپنے ناظرین کو یہ اطمینان دلا سکیں۔ کہ یزید کی ولیعہدی پر نہ تو کوئی اس
وقت کا جلیل القدر مسلمان رضامند تھا۔ اور نہ اس کے بعد آج تک ائمہ اسلام اور
محققین کرام کوئی امیر شام کے موقف کی تائید کر سکا۔ بلکہ ہر مکتب خیال کے مفکرین نے
اپنے اپنے مصنفات میں اس نامشروع فعل کی مذمت ہی کی ہے۔ جیسا کہ ذیل کا
اقتباس بھی شاہد ہے۔

اس میں شک نہیں کہ حضرت امیر معاویہ اپنے وقت کے بہت بڑے سیاستدان تھے۔ مگر انہوں نے خلافت کو حکومت سے بدل دیا۔ اب تک خلافت کسی ایک خاندان یا جماعت میں مخصوص نہ تھی۔ اس لئے لوگوں کو امید تھی۔ کہ حضرت معاویہ بھی خلافت کو اپنے خاندان یا اپنے بیٹے کے لئے مخصوص نہ کرے گا۔ مگر خلافِ امید حضرت مغیرہ بن شعبہ کی تائید سے انہوں نے اپنے بیٹے یزید کو اپنا جانشین بنانے کا ارادہ کرلیا۔ شامیوں پر تو امیر معاویہ کا اثر تھا۔ اس لئے انہوں نے اس تجویز کو بے چون وچرا تسلیم کرلیا۔ البتہ اہلِ عراق نے ابتدا میں کچھ مخالفت کی۔ لیکن حضرت امیر معاویہ کے سرداروں نے ان کو مال و زر کے سبز باغ دکھا کر رام کرلیا۔ اور جو اس صورت سے بھی رضامند نہ ہو سکا۔ اسے ڈرا دھمکا کر ہموار کرلیا گیا۔ لیکن حجاز کا معاملہ پیچیدہ تھا۔ وہاں ابھی ایسے لوگ موجود تھے۔ جنہوں نے حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا مبارک دور دیکھا تھا۔ جو اسلامی تعلیمات کو ہر قیمت پر برقرار رکھنا چاہتے تھے۔ اور جنہیں معلوم تھا۔ کہ خلافت کے بارے میں صحیح نقطۂ نظر کیا ہے۔ اور سب سے بڑی بات یہ کہ ان میں بعض لوگ ایسے بھی تھے جنہیں لالچ دے کر یا ڈرا دھمکا کر کسی خلافِ اسلام بات پر آمادہ نہیں کیا جا سکتا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ معاملہ کی نزاکت محسوس کرتے ہوئے حضرت امیر معاویہ نے حجاز جانے کا قصد کیا۔ اور عراق ہوتے ہوئے مدینہ منورہ اور پھر مکہ معظمہ پہنچے۔ اور جب انہوں نے حجاز کے سرآوردہ لوگوں حضرت امام حسینؑ۔ حضرت عبداللہ بن عمر۔ حضرت عبدالرحمٰن بن ابوبکر اور حضرت عبداللہ بن زبیر سے یزید کو اپنا جانشین بنانے کے بارے میں گفتگو کی۔ تو ان حضرات نے اس تجویز کی سخت مخالفت کی۔ لیکن حضرت امیر معاویہ نے اس شدید

مخالفت کی پرواہ نہ کرتے ہوئے یزید کو اپنا جانشین نامزد کر دیا۔"

(روزنامہ "انجام" کراچی ۲۵ جون ۱۹۵۹ء ص۱ کالم ۵)

فاضل جلیل اشرف ہاشمی صاحب فرماتے ہیں:۔

"امیر معاویہ کے انتقال کے بعد قرآنی اصولوں اور اسلام کی جمہوری اقدار کے برعکس تاریخ اسلام میں قیصر و کسریٰ کی روایات قائم کی گئیں۔ اور باپ کے انتقال کے بعد اموی شہزادہ تخت نشین ہوا۔ اسلامی روایات اور قرآنی احکامات میں شہنشاہیت کا کوئی تصور موجود نہیں تھا۔ رسول خدا اور خلفاء راشدین کا دور اسلامی جمہوریت کا ایک ایسا دور تھا جس میں کسی ایک خاندان کی حکومت نہ تھی۔ اور نہ ہی حکومت ایک فرد سے دوسرے فرد کی طرف وراثت میں منتقل ہوتی تھی لیکن یزید کی تخت نشینی نے جس کا مکمل اہتمام امیر معاویہ اپنی حیات ہی میں کر چکے تھے۔ صورت حال کو یکسر بدل دیا۔ اور افق اسلام پر استبدادیت اور شخصی اقتدار کے منحوس بادل چھا گئے۔"

(روزنامہ "تعمیر" راولپنڈی ۲۱ جون ۱۹۶۱ء کالم ۳)

روزنامہ آفاق میں ایک سید بزرگوار عالم علی صاحب شہادت عظیمہ کے عنوان سے لکھتے ہوئے ابتدا ہی میں فرماتے ہیں:۔

"امیر معاویہ نے یزید کو خلیفہ نامزد کر کے اسلامی جمہوریت و روایات کو بے دریغ پامال کیا تھا۔ اسلام میں نامزدگی ختم کی جا چکی تھی۔ اور زہد و تقویٰ کو فضیلت قرار دے دیا گیا تھا۔ یزید اور امام حسینؑ کے مقابلہ میں مسلمان امام حسینؑ کو بہتر۔ افضل اور ہر طرح سے خلافت کا حقدار سمجھتے تھے۔ مگر امیر معاویہ نے اسلامی مملکت کو کچھ اس طرح جکڑ لیا تھا کہ بڑے بڑے لوگوں نے بھی چار و ناچار یزید کو خلیفہ وقت تسلیم کر لیا۔ اسلام میں ایک بار پھر شخصیت۔ ملوکیت اور

شہنشاہیت کا تصور پیدا کیا جانے لگا۔"

(روزنامہ "آفاق" محرم نمبر ۱۹ جون ۱۹۶۱ء)

عہد حاضر کے نامور ادبا اور جدید منکرین اسلام کے تصریحی بیانات سے یہ امر اچھی طرح روشن ہو گیا کہ امیر معاویہ بن ابو سفیان نہ تو خود اسلامی اصولوں کے تحت اسلامی خلافت پر فائض ہوا اور نہ ہی اپنے بدکردار بیٹے کو خلیفہ نامزد کرنے کے لئے اس کے پاس کوئی معقول وجہ تھی۔ بلکہ برخلاف شریعت اسلامیہ اور اپنے وقت کے جلیل القدر مسلمانوں کی مرضی کے بغیر فقط اولاد نوازی کی دھن میں مسند اسلامی پر ایک نوجوان الھڑ قریشی جو اپنے عادات و خصائل کے اعتبار سے بدترین امت تھا۔ بٹھا دیا۔ امیر معاویہ کی یہ حرکت ایسی نہیں ہے جس کو خدا اور رسول معاف کریں۔ یا بصیرت ور مورخ اور علمائے اسلام اجتہادی غلطی سے تعبیر کریں۔ متفقہ طور پر متقدمین و متاخرین امت نے اسلامی خلافت کو قیصریت و کسرویت میں تبدیل کرنے کے امیر شام کے اس فعل پہ خون کے آنسو روئے ہیں۔ اور آج تک یہی رونا رویا جا رہا ہے۔ مگر باوجود اس حقیقت پر اجماع امت اسلامیہ کے چند ایک ایسے نام نہاد مصنف جو اموی ذہنیت کے حامل ہیں۔ وہ لکھتے نظر آتے ہیں۔ کہ امیر شام نے یزید کو ولی عہد بنا کر امت اسلام کو تفرقہ و افتراق سے بچا لیا۔ اور اس اقدام سے اتحاد و اتفاق کی داغ بیل ڈالی۔ ایسے افراد میں سے ایک تو مورخ ابن خلدون ہیں۔ اور آج کل ان کی پیروی میں محمود احمد صاحب عباسی لیرچ جدید کے ذریعہ اس نظریہ کی تبلیغ کرتے ہوئے یہ لکھتے ہیں۔

"اسی زمانہ میں امیر یزید کی ولایت عہد کا مسئلہ پیش تھا۔ حضرت مغیرہ بن شعبہ جیسے مدبر صحابی نے یہ تحریک پیش کی۔ کہ امیر المومنین اپنی زندگی میں ولی عہد کا انتظام کر جائیں۔ اس لئے کہ انہوں نے امیر المومنین کے لائق فرزند یزید کا نام پیش کیا تھا۔ جہاں تک یزید کی اہلیت اور قابلیت کا سوال ہے ان کے

عہد میں سب کے نزدیک مسلم تھی مسئلے میں پیچیدگی اس خیال سے پیدا ہو رہی تھی۔ کہ کہیں خلافت کو باپ سے بیٹے کی طرف منتقل کرنے کی رسم نہ ہو جائے اور جو کام مصالحت ملیہ کے تحت کیا جا رہا ہے۔ وہ اصول نہ بن جائے۔ اس لئے معاویہ جیسے پیشوایانِ امت یہ کیسے گوارا کر سکتے تھے۔ کہ اس بارے میں پوری امت سے استصواب رائے نہ کیا جائے۔ چنانچہ اس تحریک پر غور کرنے کے لئے آپ نے یہ شرط رکھی کہ تمام ولائتوں کے نمائندے جمع ہوں اور بحث کر کے اپنا متفقہ فیصلہ دیں (خلافت معاویہ و یزید ص۳۳)

کچھ آگے چل کر پھر لکھتے ہیں ا۔

"الغرض امیر یزید کا ولی عہد اور اس کے بعد خلیفہ منتخب ہونا پوری امت کی رضامندی سے ہوا تھا۔ یہ رضامندی مصلحت ملیہ کے تقاضا پر تھی۔ نہ کسی خوف کے تحت اور نہ لالچ کی وجہ سے ان کا انتخاب کسی اندرونی اختلال کا ثمرہ اور وقتی حادثہ نہ تھا۔ بلکہ امن کے بہترین زمانہ میں جبکہ جذبات میں کوئی ہیجان نہ تھا۔ اجلہ صحابہ کرام کی تائید و تحریک سے ہوا تھا۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اہل بیت اس پر مستقیم رہے

(خلافت معاویہ و یزید ص۴۰)

عباسی صاحب کے کذب و افتراء کے بعد ہم مناسب خیال کرتے ہیں کہ اپنے سابقہ بیانات اور محققین اسلام کی تصریحات کی تائید میں یزید کی ولی عہدی کے مسئلہ کو تاریخی پس منظر کے ساتھ بھی پیش کریں۔ کیونکہ جب تک ہم اپنے پیش کردہ دعاوی کی تائید اور ان کے ثبوت میں تاریخی شہادتیں پیش نہ کریں۔ تو ایک تو ہمارا بیان تشنۂ ثبوت رہ جائیگا اور دوسرے ہمارے ناظرین مطمئن بھی نہیں ہوں گے۔ اس لئے مضمون کی طوالت کا خطرہ محسوس کرتے ہوئے بھی ہم چند ایک تاریخی حقائق پیش کرنے پر مجبور ہیں۔

ولیعہدئ یزید تاریخی اعتبار سے

اکثر لوگوں کا خیال ہے کہ جناب امام حسنؑ کے بعد معاویہ کے دل میں یزید کی ولیعہدی کا خیال پیدا ہوا ہے یہ غلط ہے اگر ایسا ہوتا۔ تو معاویہ کو جناب امام حسنؑ کے شہید کرنے کی اتنی جلدی فکر کیوں کرنا پڑی۔ معلوم ایسا ہوتا ہے کہ انکی یہ تجویز سابق اور ان کا یہ خیال قدیم تھا مگر بات یہ ہے کہ وہ اپنے دلی اسرار کو جناب امام حسنؑ کی حیات میں ظاہر نہیں کر سکتے تھے۔ کیونکہ صلحنامہ کی شرط میں تو خلافت امامؑ کو واپس دیئے جانے کی شرط تھی۔ (یا شوریٰ بین المسلمین پر) پھر اس کی تحریک کیسے کی جا سکتی تھی۔ جناب امام حسن علیہ السلام کی زندگی تک تو معاویہ نے اپنی اس تجویز کو اپنے دل ہی دل میں پوشیدہ رکھا۔ مگر اس بات کی سلسلہ جنبانی آنجناب کی حیات میں ہی کر دی تھی۔ چنانچہ عبدالبر استیعاب میں تحریر کرتے ہیں۔

وکان معاویہ قد اشار بالبیعۃ فی حیٰوۃ الحسن رضی اللہ عنہ

معاویہ نے بیعت یزید کا اشارہ جناب امام حسن علیہ السلام کے زمانۂ حیات ہی میں کیا تھا۔ مگر یہ اشارہ انہی لوگوں تک محدود رکھا گیا تھا جو ان کے ہی خواہ تھے اور ان کی اطاعت سے منحرف ہونے والے نہ تھے۔ اب جبکہ حضرت امام حسن علیہ السلام کو معاویہ نے ایک خاص تجویز کے ذریعے شہید کر دیا۔ (جس کا تذکرہ ہم کسی اور مقام پر کریں گے) تو معاویہ کو فرصت مل گئی۔ اور اپنے مخفی ارادوں کا اعلان عام کر دیا۔ چنانچہ اس بارے میں رعایا سے رضامندی اور اقرار لینے کے انتظامات شروع ہو گئے اور اس غیر شرعی تحریک کی ابتدا سب سے پہلے شام سے کی گئی۔ کیونکہ اموی نمک خوار سب سے زیادہ شام میں ہی تھے۔ جہاں اموی اقتدار کو قریباً بیس سال گذر چکے تھے۔ بعد ازاں تمام قلمرو اسلامی میں اس کارروائی کو شروع کیا جس کی ابتدا کے واقعات حسب ذیل ہیں۔

مورخ جلیل صاحب روضۃ الصفا فرماتے ہیں :-

معاویہ نے جب مغیرہ بن شعبہ کو کوفہ کی گورنری سے معزول کرنے کا ارادہ کیا۔ تو مغیرہ بھی عقلمندی سے سمجھ گیا۔ کہ معاویہ کا خیال مجھے معزول کرنے کا ہے۔ مغیرہ دمشق میں معاویہ کے پاس پہنچا۔ اور وہاں اپنے بڑھاپے کا عذر پیش کرکے مستعفی ہونے کی درخواست پیش کی۔ بعد ازاں یزید سے ملاقات کرکے نہایت خوشامد سے کہا کہ بڑے بڑے صحابہ فوت ہو چکے ہیں۔ اور کوئی ان میں باقی نہیں رہا۔ اور فی زمانہ تیرے جیسا کوئی آدمی نظر نہیں آتا۔ مناسب یہ ہے کہ تیرا باپ تجھے اپنا ولی عہد بنا کر لوگوں سے تیرے لئے بیعت حاصل کرے۔ تاکہ اس کی زندگی میں ہی لوگوں پر تیرا رعب بیٹھ جائے۔ یزید نے یہ امر قبول کرتے ہوئے اپنے باپ سے کہا۔ اس پر معاویہ نے مغیرہ کو بلوا کر پوشیدہ طور پر دریافت کیا۔ اس نے کہا کہ یہ امر بہت ہی مناسب اور ضروری ہے کہ تیری زندگی میں ہی تیرا ولی عہد مقرر ہو جائے تاکہ خلافت سے متعلقہ تمام خطرات اور موانعات ختم ہو جائیں۔ معاویہ نے مغیرہ کی اس تائید کے انعام میں کوفہ کی حکومت بدستور مغیرہ کے پاس رہنے دی۔ اور اس کے متعلق معزولی کا خیال ہٹا لیا۔ مغیرہ نے کوفہ میں جا کر اس بات کی تحریک شروع کی اور دس آدمیوں کو اس تجویز پر متفق کرکے اس طرح رضامند کیا۔ کہ ان میں سے ہر ایک کو تین تین ہزار درہم دے دیئے۔ اور اپنے بیٹے موسیٰ کے ہمراہ ان کو شام میں معاویہ کے پاس بھیج دیا۔ موسیٰ بن مغیرہ سے معاویہ نے پوچھا۔ کہ تیرے باپ نے ان لوگوں کا دین کتنے کو خریدا ہے۔ موسیٰ نے کہا کہ تیس ہزار درہم کو۔ معاویہ بہت خوش ہوا اور کہا کہ یہ معاملہ تو بہت سستا ہوا ہے۔"

(روضۃ الصفا جلد ۳ ص۲۵ مطبوعہ نولکشور)

مولانا عبدالبر صاحب استیعاب کا بیان ہے۔

معاویہ نے جب ارادہ کیا کہ یزید کے لئے بیعت لے یعنی اس کو اپنا ولی عہد قرار دے تو اہل شام سے خطاب کیا اور کہا کہ اے اہل شام! میں بوڑھا ہو گیا ہوں اور زمانہ میری موت کا قریب آگیا ہے۔ اس لئے میں چاہتا ہوں۔ کہ ایک شخص کو اپنا ولی عہد بناؤں۔ تاکہ وہ تمہارا انتظام قائم رکھے۔ اور میں بھی تم ہی لوگوں میں سے ایک آدمی ہوں۔ تم سب اپنی رائے قائم کرو چنانچہ سب نے بالاتفاق کہہ دیا۔ کہ ہم عبدالرحمٰن بن خالد بن ولید کی حکومت سے رضامند ہیں۔ یہ انتخاب معاویہ پر شاق گذرا مگر اس ناگواری کو دل میں ہی پوشیدہ رکھا۔ عبدالرحمٰن چند روز کے لئے بیمار ہوا۔ تو موقعہ پا کر معاویہ نے ایک اپنے محرم راز طبیب کو جو اس کے پاس ہی رہتا تھا حکم دیا کہ وہ عبدالرحمٰن کے پاس جائے اور اسے کوئی دوا پلائے کہ جس کی وجہ سے اس کا کام تمام ہو جائے۔ چنانچہ اس یہودی طبیب نے معاویہ کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے ایسی دوا پلائی۔ کہ عبدالرحمٰن کا پیٹ پھٹ گیا۔ اور وہ مرگیا۔ اخبار اور صاحبانِ علم و آثار میں یہ بات مشہور ہے۔

(استیعاب علی الاصابہ جلد ۲ ص ۴۰۵ مطبوعہ حیدرآباد دکن)

شام کے علاقہ کی فتوحات کے سلسلہ میں خالد ابن ولید کا نام کافی شہرت رکھتا تھا۔ اور اس کی شخصیت معاویہ سے بھی زیادہ عوام الناس میں مسلم تھی۔ اسی واسطے خالد کا فرزند عبدالرحمٰن اہل شام میں مقبول تھا۔ یزید کے فسق و فجور کی وجہ سے لوگ متنفر تھے اس لئے جب معاویہ نے ولی عہدی کا مسئلہ پیش کیا۔ تو اہل شام نے اس تجویز کو ٹھکراتے ہوئے عبدالرحمٰن کا نام پیش کیا۔ چونکہ معاویہ سلطنت کو اپنے ہی خاندان میں مستحکم کرنا چاہتا تھا۔ اس لئے اس نے ایک صحابی کے فرزند کو اپنے یہودی طبیب کے ذریعے موت کے گھاٹ اتار دیا۔ اور اپنے منصوبہ کی تکمیل کی خاطر اس کانٹے کو بھی راستے سے صاف

کر دیا۔اسی طرح سعید بن عثمان کا معاملہ بھی ہے سعید بن عثمان بھی اپنے باپ کی اہم شخصیت کی بنا پر کافی اثر و رسوخ کا مالک تھا۔ اور اس لحاظ سے کہ اس کا باپ مسلمانوں کا خلیفہ رہ چکا تھا۔ اسے خلافت ملنے کی کافی امید تھی۔ یزید کی ولی عہدی کے سلسلے میں چونکہ ایک یہ دیوار بھی حائل تھی۔ لھٰذا مکر و فریب سے معاویہ نے اسے بھی چالیس لاکھ درہم اور فوج کثیر دے کر خراسان کی طرف روانہ کر دیا۔"

(تاریخ اعثم کوفی ص۳۳۳ مطبوعہ دہلی)

یہ حقیقت ہے کہ بیعت یزید کو منوانے کے لئے معاویہ نے دو ہی طریقوں سے کام لیا۔ یا تو مسلمانوں کے بیت المال کو رشوت کے طور پر بے دریغ خرچ کیا۔ اور اگر اس وجہ سے کام نہ چل سکا تو دجل و فریب سے سربرآوردہ اشخاص کو قتل کروا دیا۔ اور اور بقیۃ السیف کو قتل وغیرہ کی دھمکیوں سے اپنے ناہنجار فرزند کی ولی عہدی پر رضامند کرنے کی کوشش کی گئی۔ شام کے دعویداران خلافت سعید بن عثمان اور عبدالرحمٰن بن خالد وغیرہ جن کا ذکر اوپر کیا گیا ہے۔ کو تو رفع دفع کر دیا گیا۔ مگر دیگر بلاد اسلامیہ کی طرف سے ابھی تک اطمینان حاصل نہیں تھا۔ کوفہ میں مغیرہ بن شعبہ اپنی شعبدہ بازیوں میں مصروف تھا۔ اور بیعت یزید پر لوگوں کو کسی نہ کسی حیلے بہانے سے تیار کر رہا تھا۔ مگر بصرہ میں زیاد ابھی تک خاموش تھا۔ اتفاقاً وہ مرض طاعون سے ہلاک ہو گیا۔ اس کی جگہ اس کا بیٹا عبداللہ بن زیاد مقرر ہوا۔ یہ بھی اپنی کوششوں سے اموی حکومت کی نمک خواری کا حق ادا کرتے ہوئے جبراً مسلمانوں پر یزید کو مسلط کرنے کی سعی میں مصروف تھا۔ ان تمام باتوں کے باوجود امیر شام اہل عراق سے مطمئن نہیں تھا۔ کیونکہ وہاں شیعان اہل بیت کی کافی تعداد موجود تھی۔ جو بیعت یزید سے انکاری تھے۔ اس لئے حکومت کی طرف سے ان کی جو حالت کی گئی وہ تاریخ پڑھنے والوں پر پوشیدہ نہیں ہے۔ وہ بے چارے بے شمار قتل کئے گئے۔ اور قتل ہونے کے بعد سولیوں پر لٹکائے گئے۔ اندھے کئے گئے اور شہر بدر

تنگ کر دیئے گئے۔ جب عراق سے فراغت حاصل ہو گئی تو قیصر شام نے حجاز و حرمین شریفین کے باشندوں سے بیعت لینے کا ارادہ ظاہر کیا۔ حرمین میں چونکہ جلیل القدر صحابہ موجود تھے اور چند ایک اہم شخصیتیں وہاں ایسی تھیں جن سے معاویہ کو یہ خطرہ تھا کہ وہ کسی صورت میں بھی بیعت یزید پر راضی نہ ہوں گے۔ ام المومنین حضرت عائشہ ابھی زندہ تھیں۔ ان کی موجودگی میں یزید ایسے فاجر و فاسق کو مسلمانوں کی گردنوں پر مسلط کرنا اگرنا ممکن نہیں تھا تو مشکل مرحلہ ضرور تھا۔ ادھر نواسۂ رسولؐ حضرت امام حسین علیہ السلام بھی بقید حیات تھے۔ رسولؐ اسلام کا صحیح جانشین ہونے اور شرائط صلح کے اعتبار سے وہ خلافت کے لئے سب سے زیادہ اہل تھے۔ عبداللہ بن زبیر، عبداللہ بن عمر اور عبدالرحمٰن بن ابوبکر وغیرہ بھی اس وقت اہم شخصیتیں تھیں جن سے معاویہ کا اپنے بیٹے کے لئے بیعت طلب کرنا ذرا مشکل نظر آ رہا تھا۔ اس لئے معاویہ نے مروان جو اس وقت مدینہ کا گورنر تھا کو لکھا کہ وہ بیعت کے سلسلہ میں وہاں کے لوگوں کا مزاج معلوم کر کے مجھے اطلاع دے۔ چنانچہ مروان نے جب اس خبیث تحریک کو شروع کیا تو عموماً سب نے ہی انکار کیا۔ اور تمام لوگ سکوت اختیار کر گئے۔ این ہمہ اموی کارندے خاموش اور بددل نہ ہوئے برابر اپنی تحریک کو چلاتے رہے۔ دھوکا۔ چالاکی۔ عیاری اور مکاری یا رشوت وغیرہ دے کر ہر ایک کو رام کرنے کی کوشش جاری رکھی۔

حافظ ابن حجر مشہور شارح حدیث نے نافع کی روایت سے تحریر کیا ہے۔

"معاویہ نے ابن عمر سے بیعت حاصل کرنے کے لئے استدعا کی تو اس نے صاف انکار کر دیا۔ معاویہ نے ایک لاکھ درہم بطور ہدیہ ارسال کئے۔ تو ابن عمر خاموش ہو گئے۔" (فتح الباری شرح صحیح بخاری جلد ۶ صفحہ ۵۵)

اسی طرح استیعاب علی الاصابہ جلد ۲ صفحہ ۴۰۱ و اصابہ جلد ۲ صفحہ ۴۰۸ میں بذیل ترجمہ عبدالرحمٰن لکھا ہے۔

کہ معاویہ نے ان کو بھی بیعت کرانے کے سلسلہ میں ایک لاکھ روپیہ ارسال کیا۔ مگر اس نے انکار کر دیا۔ اور جواب دیا کہ میں اپنے دین کو دنیا کے عوض فروخت نہیں کرتا۔" محمود عباسی نے عبدالرحمٰن کے متعلق لکھا ہے کہ وہ سلسلہ بیعت سے قبل ہی فوت ہو چکے تھے۔ اس امر کے متعلق انہوں نے کوئی تاریخی شہادت پیش نہیں کی۔ لہٰذا ہم ان کی بات تسلیم کرنے سے معذور ہیں۔ کیونکہ مستند کتب رجال میں جہاں ان کا تذکرہ موجود ہے۔ وہاں بیعت کے سلسلہ میں معاویہ کا ایک لاکھ روپیہ بطور رشوت پیش کرنا تحریر ہے جیسا کہ اوپر کے حوالہ سے ظاہر ہے۔

فاضل مورخ ابن قتیبہ کا بیان ہے کہ اس کے بعد مدینہ میں ابن عباس و ابن عمر و ام المومنین حضرت عائشہ باقی رہ گئے۔ جن کو معاویہ نے رات کے وقت بلایا اور اپنا مافی الضمیر پیش کیا۔ ابن عباس چونکہ آنکھوں کے ضائع ہو جانے کی وجہ سے معذور تھے۔ اور سلسلہ زراعت کی بنا پر طائف میں ہی رہا کرتے تھے۔ اس لئے وہ تو سیاست سے الگ ہو چکے تھے۔ اس واسطے معاویہ کو ان سے زیادہ خوف نہیں تھا۔ اور ابن عمر نے ایک لاکھ روپیہ عطیہ لے کر خاموشی اختیار کر لی تھی۔ البتہ ام المومنین حضرت عائشہ تھیں جن کو معاویہ سے قلبی ناراضگی تھی۔ کیونکہ معاویہ نے ان کے بھائی محمد بن ابوبکر کو قتل کر کے گدھے کی کھال میں جلوا دیا تھا۔ اور دوسرے بھائی عبدالرحمٰن کو ایذا پہنچائی تھی۔ لہٰذا اس نے انکار کر دیا۔

(امامت والسیاست جلد ۱ صفحہ ۱۴۳)

زمخشری نے ربیع الابرار میں اور مؤلف کاشل السفینہ نے لکھا ہے کہ جب معاویہ بیعت یزید کے سلسلہ میں تقریر کر رہا تھا۔ تو حضرت عائشہ نے حجرہ سے سر باہر نکالا۔ اور کہا اے معاویہ خاموش رہو تو کس کی اقتدا کر رہا ہے۔ کیا پہلے بزرگوں

نے اپنے بیٹوں کے لئے بیعت لی تھی۔ معاویہ نے کہا کہ نہیں پھر اس کے بعد شرمندہ ہو کر نیچے اتر آیا۔ اور ایک گڑھا تیار کروایا جس میں ام المومنین عائشہ کو فریب دیکر گرا دیا۔ اور وہ جاں بحق ہو گئیں حکیم سنائی نے اپنے حدیقہ میں قتل عائشہ کو تسلیم کیا ہے۔ نیز تاریخ حبیب السیر میں بھی یہ واقعہ موجود ہے۔"

(فلک النجاۃ جلد ا صفحہ ۲۱ حکیم امیر الدین صاحب)

مدینہ منورہ سے فارغ ہو کر تکمیل بیعت کے لئے معاویہ مکہ معظمہ پہنچا۔ حضرت امام حسین علیہ السلام اور عبدالرحمن بن ابوبکر بھی پہلے سے چلے آئے تھے۔ عبداللہ بن زبیر تو پہلے ہی وہاں موجود تھا۔ اور اپنے آپ کو یزید سے زیادہ مستحق خلافت خیال کرتا تھا۔ عبدالرحمن کے متعلق ہم لکھ چکے ہیں کہ انہوں نے تو رشوت لینا بھی گوارا نہ کیا۔ رہا حضرت امام حسین علیہ السلام کا معاملہ تو ان کے بارے میں عباسی صاحب نے بہتان تراشا ہے۔ کہ وہ یزید کی ولی عہدی کو قبول فرما چکے تھے حالانکہ اگر ایسا ہوتا۔ تو بعد میں یزید ان سے ہی پہلے کیوں بیعت طلب کرتا۔ اور جب حضرت امام حسین علیہ السلام نے انکار فرمایا تھا تو ان کو بھرے مجمع میں معاہدہ بیعت یاد دلا کر رسوا نہ کر دیتا معلوم ہوا کہ عباسی صاحب کا یہ مفروضہ یزیدی حمایت کے بے جا تعصب پر مبنی ہے۔ تاریخ طبری و دیگر کتب تاریخیہ میں حضرت امام حسین علیہ السلام کے سوال و جواب جو امیر شام سے بیعت یزید کے بارے میں ہوتے رہے محفوظ ہیں۔ ہر شخص پڑھ کر یہ یقین کر لے گا۔ کہ معاویہ نے جو خیال ظاہر کیا تھا۔ وہ سراسر اس کی نادانی اور جہالت پر مبنی تھا۔ معاویہ کو اپنی ابلہ فریبیوں کے مقابلہ میں انہی لوگوں سے ایسی امید کرنی چاہیئے تھی۔ جو صرف اپنی ضروریات کے نکالنے اور اپنا پیٹ پالنے کی غرض سے دنیا میں آئے تھے۔ بخلاف ان شکم پرستوں کے جناب امام حسین علیہ السلام اس خاندان اعلیٰ اور دودمان والا کی یادگار تھے۔ جو اپنے استحقاق منصوصہ اور

فضائل مخصوصہ کے اعتبار سے اجماع و شوریٰ وغیرہ کو مایۂ افتخار خیال نہیں فرماتے تھے۔ ان تمام باتوں کی موجودگی میں بھلا معاویہ کی لغویات کا حضرت امام پر کیا اثر ہو سکتا تھا۔ معاویہ اور امام حسین علیہ السلام کی طویل گفتگو اس مقام پر اگر درج کی جائے تو طوالت کا خطرہ ہے۔ ہم تمام و کمال بحث سے صرف نظر کرتے ہوئے فقط ابنِ زبیر کی گفتگو کو ہی روضۃ الصفا اور تاریخ الخلفاء کے حوالے سے یہاں نقل کرتے ہیں۔ اور ان شہادتوں سے یہ بات ثابت کئے دیتے ہیں۔ کہ یزید کی ولی عہدی پر کسی مقتدر، امیدوارِ خلافت یا کسی اور باوقار انسان نے خوشی کے ساتھ اظہار رضامندی نہیں کیا تھا۔

صاحبِ روضۃ الصفا کا بیان ہے:۔

"جب معاویہ کی نظر ابنِ زبیر پر پڑی تو کہا کہ یہ ابن زبیر مثل لومڑی کے ہے اس کا ایک راستہ بند کر دیا جائے۔ تو وہ دوسرا راستہ اختیار کر لیتی ہے اس کے بعد ابن زبیر کو مخاطب کر کے کہا۔ اے زبیر کے بیٹے اپنی جان کو محفوظ کر خلافت کے گرد نہ پھرو۔ جبکہ امر خلافت یزید کے لئے منتقل ہو چکا ہے۔ ابن زبیر نے کہا کہ مجھے اسلام سے مخالفت نہیں ہے۔ مگر یہ کہ تو فتنہ و فساد کا بانی نہ بن اور اس امر خلافت کو شوریٰ کے حوالے کر دے اور اگر حکومت سے رنجیدہ ہو چکا ہے۔ تو سبکدوش ہو جا۔ اور اپنے بیٹے کو یہ امر نہ سونپ۔ رسولؐ خدا کی خلافت کا معاملہ بڑا خطرناک ہے۔ قیامت کے روز تجھ سے سوال کریں گے۔ کہ اپنے بعد امر خلافت کس کو سونپا۔ بالآخر معاویہ نے جواب دیا۔ کہ اے ابنِ زبیر یہ باتیں چھوڑ۔ کیونکہ اہل شام ان باتوں کو سننا گوارا نہیں کرتے۔

(روضۃ الصفا جلد ۳ صفحہ ۲۰ مطبوعہ نولکشور)

اپنے سلسلۂ بیان کی تائید کے سلسلہ میں ہم مشہور مفسر قرآن ۔ محدث متکلم اور شہیر علامہ سیوطی جو نویں صدی ہجری کے مجدد تسلیم کئے گئے ہیں ۔ کا وہ تاریخی بیان پیش کرتے ہیں ۔ جو انہوں نے اس موقعہ پر بیعت یزید کے ذیل میں درج کیا ہے ۔ اس کے پڑھنے سے یہ اندازہ ہوگا ۔ کہ کس طرح یزید کی ولایت عہد کے بارے میں واقعۂ تحکیم کی طرح مکروفریب اور دسیسہ کاری سے کام لے کر یزید کو خلیفہ نامزد کر دیا گیا ۔ بیان حسب ذیل ہے :۔

۴۵ھ میں قیقان فتح ہوا ۔ اور ۵۰ھ میں قوہستان ۔ اسی سال معاویہ نے اپنے بیٹے یزید کے لئے اس کے ولی عہد ہونے پر اہل شام سے بیعت لی ۔ اس اعتبار سے آپ ہی اسلام میں سب سے پہلے شخص ہیں جنہوں نے اپنی زندگی میں اپنے بیٹے کے لئے بیعت کرائی ۔ پھر آپ نے مروان کو حکم لکھا ۔ کہ اہل مدینہ سے بھی یزید کی بیعت لے ۔ چنانچہ خطبہ میں مروان نے کہا کہ مجھے خلیفہ کی طرف سے حکم ملا ہے ۔ کہ میں ان کے بیٹے یزید کے لئے آپ لوگوں سے سنت ابوبکر وعمر پر بیعت لوں ۔ عبدالرحمٰن بن ابوبکر نے فوراً کھڑے ہو کر کہا کہ نہیں نہیں بلکہ سنت کسریٰ وقیصر پر چونکہ حضرت ابوبکر و عمر نے کبھی اپنی اولاد یا اپنی اہل بیت کے لئے کسی سے بیعت نہیں لی ۔

۵۱ھ میں معاویہ نے حج کیا اور اپنے بیٹے یزید کے واسطے بیعت لی ۔ حضرت ابن عمر کو بلا کر کہا ۔ کہ اے ابن عمر تمہارا قول ہے کہ جس دن مجھ پر کوئی امیر نہ ہوگا ۔ تو اس دن مجھے چین نہیں آئے گی ۔ اب تم ہی مجھے معاملہ خلافت کے اندر خلل ڈالتے ہوئے نظر آتے ہو ۔ ابن عمر نے حمد و نعت کے بعد فرمایا ۔ آپ سے پہلے بھی خلفا گذرے ہیں ۔ ان کے بھی بیٹے تھے ۔ اور ان کے فرزندوں سے آپ کا لڑکا بہتر نہیں ہے ۔ مگر ان خلفاء نے باوجود اس کے اپنی اولاد کو کبھی ولی عہد نہیں بنایا ۔ بلکہ عام مسلمین کے انتخاب پر اس امر کو چھوڑا ۔ اسی طرح اب بھی وہ اس پر اجتماع کریں گے ۔ تو میں بھی انہیں کا ایک

فرد ہوں۔ آپ مجھے اس سے ڈراتے ہیں۔ کہ تو مسلمانوں کے اندر خلل ڈالے گا۔ حالانکہ میں ایسا نہیں ہوں۔ یہ کہہ کر آپ اٹھ کر چلے گئے۔ پھر معاویہ نے ابن ابوبکر کو بلا بھیجا۔ جس وقت وہ تشریف لائے اور ان سے بھی انہوں نے وہی کہنا شروع کیا۔ تو حضرت ابن ابوبکر نے بات کاٹ کر فرمایا۔ آپ سمجھ بیٹھے ہیں۔ کہ ہم نے آپ کو اس معاملہ میں اپنا وکیل بنایا ہے۔ واللہ ہم نے آپ کو وکیل نہیں بنایا۔ خدا کی قسم ہم چاہتے ہیں کہ اس معاملہ میں تمام مسلمان مجتمع ہو کر شوریٰ کریں۔ یہ کہہ کر آپ اٹھ کھڑے ہوئے۔ مگر حضرت معاویہ نے اوّل تو دعا کی کہ الٰہی! جو کچھ میں چاہتا ہوں۔ اس میں آپ میری مدد کیجئے۔ پھر کہا کہ تم سختی اور درشتی کو کام میں نہ لانا۔ ذرا رحمی اختیار کئے رکھنا۔ کہیں اہلِ شام تک آپ کی یہ بات نہ پہنچ جائے۔ کیونکہ مجھے ڈر ہے کہ کہیں وہ تمہارے ساتھ سبقت نہ کر بیٹھیں۔ میں تو چاہتا ہوں کہ انہیں شام تک اس بات کی اطلاع دے دوں۔ کہ تم نے یزید کے واسطے بیعت کر لی ہے۔ اس کے بعد جو تم سے ہو سکے کر گزرنا۔

اس کے بعد معاویہ نے ابن زبیر کو بلایا۔ اور یہ کہا کہ اے ابنِ زبیر تُو تو ایک تیز لومڑی کے مثل ہے۔ کہ ایک بھٹ سے نکلی اور دوسری میں جا گھسی تو نے ہی ان دونوں یعنی ابن عمر و ابن ابوبکر کو کچھ ان کے کانوں میں پھونک کر بہکا رکھا ہے۔ اور کسی دوسرے کی بیعت پر آمادہ کر رکھا ہے۔ حضرت ابن زبیر نے فرمایا کہ اگر آپ خلافت سے ملول ہیں اور بیزار ہو چکے ہیں تو اس تخت خلافت کو چھوڑ کیوں نہیں دیتے۔ تاکہ ہم آپ کے بیٹے سے ہی بیعت کر لیں۔ آپ بتلائیے کہ باوجود آپ کے اور اس کی بیعت کے کس کی سنیں۔ اور کس کی اطاعت کریں۔ کیونکہ ایک ہی زمانہ میں دو بادشاہوں کی بیعت جمع نہیں ہو سکتی۔ یہ کہہ کر آپ تشریف لے گئے۔ اس کے بعد امیر معاویہ منبر پر چڑھے اور حمد و نعت کے بعد فرمایا۔ کہ میں نے کجراہ لوگوں کی باتوں کو سنا ہے وہ کہتے ہیں کہ ابن عمر و ابن

ابوبکر اور ابنِ زبیر کبھی بھی یزید کی بیعت نہیں کریں گے۔ حالانکہ انہوں نے یزید کی بیعت اور اطاعت کر لی ہے۔ اس پر اہلِ شام نے کہا کہ واللہ جب تک وہ ہمارے سامنے بالمواجہ بیعت نہ کریں گے۔ ہم کبھی نہ مانیں گے۔ اور اگر ہمارے سامنے ایسا نہ کیا تو ہم تینوں کا سر اڑا دیں گے۔ حضرت امیر معاویہ نے کہا۔ کہ سبحان اللہ، قریش کی شان میں یہ گستاخی۔ واللہ آج کے بعد میں تمہارے منہ سے ایسی بات نہ سنوں۔ پھر منبر سے نیچے اتر آئے۔ اس کے بعد لوگوں میں یہ افواہ مشہور ہو گئی۔ کہ ابن عمر۔ ابن ابوبکر اور ابنِ زبیر نے یزید سے بیعت کر لی ہے۔ حالانکہ یہ حضرات اس سے برابر انکار کرتے رہے امیر معاویہ حج کے بعد شام واپس چلے گئے"۔

(تاریخ الخلفاء سیوطی اردو ص ۲۱۱)

ان تاریخی تصریحات سے ظاہر ہے کہ معاویہ جن لوگوں سے خصوصی طور پر بیعت لینے کے لئے مدینہ آیا۔ اور ان سے بیعت طلب کی اور ہزار جتن کئے۔ انہوں نے کسی صورت میں بھی رضامندی کا اظہار نہ کیا۔ جب کوئی تدبیر کارگر نہ ہوئی۔ اور ہر طرف سے مایوسی دکھائی دینے لگی۔ تو پھر وہی کھلی مکاری اور عیاری کی ترکیب عمل میں لائے وہ اس طرح کہ جو لوگ اس کے ہمراہ تھے اور شام سے اس غرض سے آئے ہوئے تھے۔ انہیں اشارہ کر دیا کہ کل جب میں مجمع عام میں تقریر کروں گا۔ تو یہ اعلان بھی کر دوں گا کہ امام حسین علیہ السلام۔ ابن زبیر۔ ابن ابوبکر وغیرہ نے یزید کی بیعت کر لی ہے۔ لہٰذا تم سب لوگ بھی یزید کی بیعت قبول کر لو۔ اس وقت تم سب لوگ ان مخصوص حضرات کے پاس تلواریں برہنہ کر کے کھڑے رہنا۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ ہماری اس عیاری اور عام فریبی کی حقیقت کو فاش کر دیں۔ اور ہمیں پچھتانا پڑے مجھے یقین ہے کہ یہ حضرات اپنی جان کے خوف سے ضرور خاموش رہیں گے۔ اور کچھ کہ نہ سکیں گے۔ ان کی خاموشی اور سکوت عامتہ الناس کے نزدیک ان کی رضامندی کا پورا ثبوت ہو جائے گا جو ہمارا

علین مقصود ہے۔ امیر معاویہ کی جوڑ بندی اور بد دیانتی کی کیفیت مورخ ابن اثیر کے لفظوں میں ملاحظہ فرمائیے۔

"معاویہ نے اپنے پاسبان کو بلا کر ان چاروں آدمیوں کے سامنے کہا۔ کہ تم ان لوگوں میں سے ایک ایک شخص کے ساتھ دو دو سپاہی مقرر کر دو۔ جو تلوار لیئے ان کے ساتھ کھڑے رہیں کہ اگر ہمارے خطبہ کے درمیان ان میں سے کوئی کلام کرے۔ تو فوراً اس کی گردن مار دی جائے۔"

(تاریخ کامل ابن اثیر جلد ۳ صفحہ ۲۰۱)

یہ تمام واقعات جو ہم نے بیعت یزید کے متعلق لکھے ہیں۔ روضتہ الصفا۔ ابن اثیر، طبری اور تاریخ الخلفاء وغیرہ میں بشرح و بسط مرقوم ہیں۔ مکہ۔ مدینہ اور عراق و شام کے علاقوں میں جن جوڑ بندیوں، خفیہ سازشوں۔ بے دریغ قتلوں اور رشوتوں کی بنا پر بیعت یزید کا معاملہ تکمیل کو پہنچا۔ اور زار دمشق و قیصر شام نے جن ذلیل ہتھکنڈوں سے کام لے کر اسلامی خلافت کو قیصریت و کسرویت میں تبدیل کیا وہ واقعات سے ظاہر ہے۔ مگر باایں ہمہ عباسی صاحب کا بیان ہے کہ یزید کی ولی عہدی کا مسئلہ تمام رعایا کی رضامندی سے بخیر و خوبی طے ہو گیا۔ سبحان اللہ کیسی ہی جدید ریسرچ کو دنیا کے سامنے فخریہ پیش کیا جا رہا ہے۔

اگر ہم حقیقت کی نظر سے ان تمام واقعات کو مربوط کر کے ملاحظہ کریں۔ تو نتیجے کے طور پر ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ بیعت یزید کی شہرت بھی امیر شام نے ایسے ہی کروائی جیسے اپنی خلافت کا جھوٹا اور جعلی اعلان دومتہ الجندل یعنی واقعہ تحکیم کے موقع پر کرالیا تھا۔ بیعت یزید پر اجماع نیک نیتی اور صحیح اصول کے ساتھ ہوا یا نہ ہوا وہ ایک جداگانہ بحث ہے۔ لیکن یہ ضرور ہے کہ اس کی حکومت کی اشاعت سر دست ہو گئی۔ اور معاویہ کا مقصود بھی یہی تھا۔ بیعت یزید پر کیا منحصر ہے دومتہ الجندل

کا فیصلہ کس نیک نیتی اور دیانت سے کیا گیا تھا۔ اور اس کے تصفیہ کا اصول کون سا درست تھا جس نے فقط دو فقروں کے ہیر پھیر میں معاویہ کو خلافت دلوا دی۔ سو ہو بہو اسی طرح معاویہ کی عیارانہ چالبازیوں نے حرمین اور دیگر علاقوں میں یزید کی حکومت کا رنگ جما دیا ورنہ صورت واقعہ فقط اسی قدر ہے کہ جو پوری تصریح کے ساتھ اوپر لکھی گئی۔

اسلام کے جلیل القدر مورخ اور شہرہ آفاق معبتر سید اولاد حیدر صاحب فوق بلگرامی بیعت یزید کے تمام و کمال حالات لکھنے کے بعد اپنی کتاب ذبح عظیم میں نتیجے کے طور پر ایک نوٹ تحریر کرتے ہیں۔ جو ان کی ساری بحث کا خلاصہ ہے ہم اسے اپنے ناظرین کے ذوق کے پیش نظر یہاں لکھنا مناسب خیال کرتے ہیں۔ کیونکہ اس اقتباس میں ساری خلافت اسلامی کا حقیقی پس منظر موجود ہے۔

"حقیقت تو یہ ہے کہ اصلی دعویداران رحقداران خلافت کے استحقاق ہر طرح سے نص خدا اور فرمان رسولؐ سے ثابت تھے۔ ان کے مقابلہ میں اجماع شوریٰ وغیرہ وغیرہ کے مصنوعی طریقے صرف اس غرض سے ایجاد کئے گئے تھے کہ ان کی خود غرضی اور طمع دنیاوی ہنکے پردے نافش نہ ہوں۔ اور اتفاق کی آڑ میں اپنی بے لوثی اور استغنا کا اظہار ہو۔ مگر بات یہ ہے کہ قدرت کے انتظام اور انسان کے مخترعات میں بڑا فرق ہوتا ہے۔ اس لئے تین ہی برس کے بعد اس انتظام میں تغیر پیدا ہونے لگا۔ پہلے ہی خلیفہ کے بعد استخلاف کا منسوخ شدہ قانون پھر نافذ ہوا اور حضرت ابوبکر کے وصیت نامہ کے موافق حضرت عمر خلافت کی گدی پر بٹھلائے گئے تعجب ہے کہ اس وصیت نامہ کے لکھنے کے وقت کسی نے بھی حسبنا کتاب اللہ کہکر حضرت خلیفہ اول کو قاعدہ استخلاف کے بار دیگر نافذ کرنے سے ذرا بھی نہ روکا۔ خلیفہ ثانی کے بعد شوریٰ عامہ کا

خلاصہ صرف چھ آدمیوں میں محدود کردیا گیا۔ اس سے سمجھ لینا چاہیے اگر انتظام جدیدہ کے اصول انسانی اغراض و مطالب سے مبرا ہوتے تو اس میں اگر ہمیشہ کے لئے نہیں تو تھوڑے دنوں تک کے لئے تو ضرور کچھ استحکام ہوتا۔ مگر یہاں تو صبح سے شام بھی نہ ہونے پائی کہ اس کے رنگ بیرنگ ہونے لگے۔ اور اس کی ظاہری صفائی اور اتفاق میں خود غرضی اور نفسانیت کی مہیب صورتیں دکھلائی دینے لگیں۔ معاویہ کی خواہ مخواہ خلافت کی حقیقت اس وقت کسی اصول کے قاعدہ سے معلوم نہیں ہوتی ان کے ہوا خواہ ان پر بھی اجماع ثابت کرتے ہیں۔ ایک تو دومۃ الجندل کے فیصلہ کے بعد مگر جب اس فیصلہ کی کوری بے ایمانی ثابت کی جاتی ہے۔ تو پھر آج اس اجماع کو حضرت امام حسن علیہ السلام کی صلح تک اٹھا لے جاتے ہیں۔ اور یہ دکھلاتے ہیں کہ اس صلحنامہ کے بعد ان کی خلافت پر اجماع ہوا۔ مگر اس میں بھی اختلاف ہے۔ عموماً سواد اعظم اہل سنت والجماعت کا اس پر اتفاق ہے کہ خلافت راشدہ کے تیس سال کا زمانہ جناب امام حسن علیہ السلام کی شش ماہہ حکومت پر تمام ہو چکا۔ اب اگر ان کو خلافت ملی بھی تو یہ خلافت نہیں تھی بلکہ ایک معمولی بادشاہت تھی۔ اس سے نہ خلافت اسلامی کا کوئی واسطہ تھا۔ اور نہ اجماع امت سے کوئی سروکار۔ چنانچہ ہمارے مستند ہمعصر خواجہ عبید اللہ بسمل امرتسری تحریر فرماتے ہیں اس کے سوا خلافت راشدہ کا زمانہ منقضی ہو چکا تھا اب سلطنت عضوضہ کے عہد کی صبح ہونے والی تھی۔ معاویہ کے سوا اور کوئی صحابی اس کو پسند نہیں کرتا تھا

خلافت تو یہیں سے رخصت ہو گئی۔ اب اجماع ہوا تو کیا اور نہ ہوا تو کیا

اگر اجماع ہوا بھی تو ان کی معمولی بادشاہی پر نہ کہ خلافت اور نیابت رسولؐ پر۔ تعجب تو یہ ہے کہ جب ان کی خلافت کے ڈھانچے کو ان کے خیر خواہ اجماع اور اتفاق کی کھپچیوں سے درست کرنے میں کامیاب نہیں ہوئے تو اجماع اور استخلاف کے اصول سے دست بردار ہو کر استبداد اور غلبہ کے طریقے سے انکی خلافت کے جسم کو قائم کرتے ہیں۔ اجماع اور استخلاف کے بعد استیلا اور غلبہ خاص کر انہی کی خلافت ثابت کرنے کے لئے انعقاد خلیفہ کے مقررہ اصول میں ایجاد کیا گیا۔ استیلا اور غلبہ حقیقت میں کیا ہے؟ یہ ہے جس کی لاٹھی اس کی بھینس اس جملہ پر غور کر کے ہر شخص بخوبی سمجھ سکتا ہے۔ کہ یہ کلمہ کہاں تک دیانت امانت یا احکام شریعت کے مطابق ہے۔

المختصر معاویہ کے اصولِ خلافت کی تحقیق تو قطب جنوبی کی تحقیق سے بھی زیادہ مشکل ہے جس کی تھوڑی سی کیفیت اوپر بیان کی گئی ہے۔ اب امیر معاویہ نے اپنے بعد اپنے صاحبزادہ بلند اقبال یزید کو سریر خلافت پر بٹھلا کر ان بدعات کے سلسلہ میں ایک کڑی اور جوڑ دی اور بخلاف اجماع و سیرت شیخین صاحبزادے کو کسی نہ کسی طرح بلاد اسلامیہ کا حاکم بنا ہی دیا۔

ہمارے اس مسلسل اور مکمل بیان سے ظاہر ہو گیا کہ اصلی دعویداران خلافت کے جائز حقوق کے مٹانے اور اپنے مصنوعات و مخترعات کو سچا اور صحیح بنانے کے لئے کیسے کیسے طوفان اٹھائے گئے اور کیسی کیسی جی توڑ کوششیں کی گئیں اور کیسے کیسے جوڑ توڑ سے کام لیا گیا۔ ان ذوات مقدسہ کے نام مٹانے اور ان کے فضائل و مناقب مخصوصہ و منصوصہ کو گھٹانے میں کیا کیا فکریں نہ کی گئیں۔ انہی

مظالم کے سلسلہ میں کربلا کے قیامت خیز واقعات کی انتہا ہوئی۔ جس کے اقدام کا آغاز معاویہ کے زمانہ سے ہوا۔ اور اس کی تکمیل کا سہرا یزید کے سر پر باندھا گیا۔ اس کی تفصیل یوں ہے۔ کہ ان اصلی اور جائز مستحقین خلافت کے حقوق پامال کرنے اور ان کے اختیارات منتزع کرنے کے لیئے اجماع۔ استخلاف۔ شوریٰ اور استیلاء وغیرہ کے غیر محدود اصول قائم کیئے گئے۔ اور ابتدا ہی سے استحکام سلطنت کے لیے ان کے ضعف اور اضمحلال پیدا کرنے کی عملی کوششیں کی جانے لگیں اور پھر ان کے ضعیف اور مجبور بنا دینے ہی پر بس نہیں کی گئی۔ بلکہ اس کے بعد ان حضرات کے قتل کرنے اور دنیا سے ان کا نام مٹانے کی بھی فکر کرنے لگے۔ اور معاویہ نے امام حسن علیہ السلام کو زہر دلوا کر سب سے پہلے اس خون ناحق کی ابتدا کی۔ یزید نے اس ایکا[illegible] پدری میں واقعہ کربلا کا خونیں منظر دکھلا کر ایسا کامل اضافہ کر دیا کہ جس نے اس کے نام کو ظلم و تعدی میں باپ کے نام سے ضرور بڑھا دیا۔"

فاضل جلیل علاّمہ رام نگری کی ریسرچ:۔

فاضل جلیل علاّمہ ابو محمد امام الدین رام نگری (بھارت) جنہوں نے محمود عباسی صاحب کی ریسرچ کے تمام تار و پود بکھیر دیئے ہیں۔ وہ اپنی کتاب "حضرت امام حسین شہید" میں یزید کی ولی عہدی کے عنوان پر تبصرہ کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:۔

"یزید کی ولیعہدی تاریخ اسلام کا ایک الم ناک اور غم انگیز واقعہ ہے اسلام نے قیصر و کسریٰ کی خاندانی اور شخصی طرز حکومت کا خاتمہ کر کے ایک اصولی اور جمہوری حکومت کی مثال دنیا میں قائم کی تھی۔ جو خلافت راشدہ اور خلافت علی منہاج النبوۃ جیسے مقدس ناموں سے یاد

کی جاتی تھی۔ یزید کی ولی عہدی اس اصولی اسلامی جمہوریت یا خلافت علی منہاج النبوۃ پر قیصریت کے دوبارہ فتح و غلبہ کا اعلان تھی۔ حکیم اسلام اقبال نے اس حقیقت کو اپنی اس رباعی میں اس طرح پیش کیا ہے۔

عرب خود را بنور مصطفےٰ سوخت — چراغِ مردۂ مشرق برافروخت
ولیکن آں خلافت راہ گم کرد — کہ اوّل مومناں را شاہی آموخت

لیکن محمود عباسی صاحب نے اس قیصر و کسریٰ کی سنت کے احیاء پر دل کھول کر جشن مسرت منایا ہے۔ اور یزید کی ولی عہدی کی داستان کو خوب دل کھول کر لکھا ہے۔

مگر عباسی صاحب نے یزید کی ولی عہدی کی صحت کے جو دلائل پیش کیے ہیں۔ وہ محض ڈھونگ ہیں۔ یزید کی ولی عہدی کا معاملہ حضرت معاویہ کا ایک طے شدہ فیصلہ تھا۔ اس فیصلے کو انہیں بہر حال اور بہر نہج عملی جامہ پہنانا تھا۔ انہوں نے پہنا کر چھوڑا۔ ولی عہدی کا معاملہ حضرت معاویہ اور یزید کے درمیان بہت پہلے طے پا چکا تھا۔ اس معاملہ کے درمیان میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو لانا اور یہ کہنا کہ یزید کی ولی عہدی غلط ہوتی۔ تو وہ خاموش نہ رہتے صحابہ کے ساتھ زیادتی ہے۔ ان کی حق پرستی میں کیا شبہ ہو سکتا ہے۔ لیکن اس کے معنی یہ تو نہیں کہ وہ ہر وقت قبضۂ شمشیر پر ہاتھ رکھے رہتے تھے۔ اور بات بات پر شمشیر برہنہ ہو جاتے تھے۔ "

صحابہ کرام نے جس طرح یزید کی ولی عہدی پر اتفاق کیا۔ اور جس طرح ڈرا دھمکا کر انہیں سکوت پر مجبور کیا گیا۔ اس کے بارے میں فاضل موصوف آگے چل کر لکھتے ہیں۔

حالات نے صحابہ کرام کو جس خنخطے میں ڈال دیا تھا۔ اسے علامہ ابن کثیر کی زبانی سنئے۔

شام میں بیعتِ یزید کی تقریب ہے۔ صوبوں کے وفود حاضر ہیں۔ صحابہ کرام بھی موجود ہیں۔ بعد کی حالت علامہ ابن کثیر اس طرح لکھتے ہیں۔

"پھر امیر معاویہ نے خطبہ دیا اور لوگ ان کے منبر کے نیچے حاضر تھے۔ لوگوں نے یزید کے ہاتھ پر بیعت کی اور یہ (صحابہ خاموش) بیٹھے رہے نہ موافقت کی اور نہ اظہار مخالفت کیا۔ اس لئے کہ ان کو پہلے ہی سے ڈرا دھمکا دیا گیا تھا۔ چنانچہ تمام شہروں میں بیعت ہو گئی۔ اور تمام بڑے بڑے صوبوں کے وفود بیعت کے لئے یزید کے پاس آنے لگے۔

(البدایہ والنہایہ جلد ۸ ص ۸۰)

دیکھا آپ نے، صحابہ کے ساتھ کیا معاملہ ہوا اور یزید کی بیعت کے وقت صحابہ کس پوزیشن میں تھے۔ لیکن عباسی صاحب کی ابن کثیر کے ساتھ خیانت اور صحابہ کے ساتھ ظلم دیکھئے۔ کہ وہ یزید کی بیعت کی کارروائی اس انداز میں لکھتے ہیں۔ گویا صحابہ کرام کی رضامندی اور ان کی تحریک و تائید ہی سے یزید کی بیعت ہوئی۔ اور صحابہ بیعت میں پیش پیش تھے۔ اس غلط بیانی اور تہمت تراشی کے لئے عباسی صاحب نے کیا یہ ہے کہ علامہ ابن کثیر کے بیان کا وہ حصہ جو صحابہ کرام کے متعلق ہے۔ اس کو تو چرا لیا ہے۔ صرف اپنے مقصد کے مطابق یہ حصہ دنیا کے سامنے رکھ دیا ہے: "فاستوثقت البیعۃ لیزید فی سائر البلاد ووفدت الوفود من سائر الاقالیم الی یزید"

عباسی صاحب کی یہ چوری مولانا اویس ندوی استاد تفسیر دارالعلوم ندوہ نے پکڑی ہے۔ (صدق جدید لکھنؤ ۲۰ نومبر ۱۹۵۹ء)

مؤلف سیر الصحابہ کا تحقیقی بیان

یزید کی ولیعہدی کا مسئلہ کیسے طے ہوا۔ اس کے متعلق مولانا معین الدین ندوی کا بیان پڑھئے وہ خود حضرت معاویہ کے حالات میں لکھتے ہیں:-

"۵۶ھ میں مغیرہ بن شعبہ نے یزید کی ولی عہدی کی تجویز پیش کی۔ امیر معاویہ نے قیصری اور کسروی بدعت کو بہت پسند کیا۔ لیکن اسے عملی جامہ پہنانے میں چند در چند مذہبی اور پولیٹیکل دقتیں حائل تھیں اسلام کا نظام جمہوری ہے۔ خلفاء اکابر مہاجرین و انصار کے مشورے سے منتخب ہوتے تھے۔ اس لئے مسلمان موروثی بادشاہت سے بالکل ناآشنا تھے گو اس زمانہ میں بہت سے اکابر صحابہ کی بڑی جماعت اٹھ چکی تھی۔ تاہم بعض جانشینان بساط نبوت موجود تھے۔ اس لئے قطع نظر توارث کی بدعت کے صلاحیت اور اہلیت کے اعتبار سے بھی صحابہ کے ہوتے ہوئے خلافت کے لئے یزید کا نام کسی طرح نہیں لیا جا سکتا تھا۔ اور گو عہد رسالت کے بُعد اور نظام خلافت کی برہمی کی وجہ سے مسلمانوں کا مذہبی جذبہ کسی حد تک سرد پڑ چکا تھا۔ تاہم ابھی عہد رسالت کے جمہوری نظام کو دیکھنے والے موجود تھے۔ اور عجمی شاہ پرستی ان میں پیدا نہیں ہوئی تھی۔ اور اتنے کھلے خطا و ثواب میں حق و باطل کی تمیز باقی تھی۔ کہ یزید کا نام خلافت کے لئے پیش کیا جاتا اور مسلمان اس کو آسانی سے قبول کر لیتے۔ لیکن امیر معاویہ نے ان تمام پہلوؤں اور دشواریوں کو نظر انداز کر کے یزید کی ولیعہدی کا فیصلہ کر لیا۔

اس کے بعد مولانا معین الدین ندوی نے امام طبری اور ابن اثیر کے بیان نقل

کئے ہیں جن کا ماحصل یہ ہے۔

کہ حضرت عبدالرحمٰن بن ابوبکر صدیق اور حضرت عبداللہ بن زبیر وغیرہما کی طرف سے حضرت امیر معاویہ پر سخت اعتراضات ہوئے اور انہوں نے اس ولی عہدی کو صدیق و فاروق کی نہیں بلکہ قیصر و کسریٰ کی سنت قرار دیا۔ لیکن معاویہ سے انحراف کی طاقت کس میں تھی۔ کچھ کو نرمی سے سمجھا کر اور کچھ کو دھمکی سے ڈرا کر یعنی جو طریقۂ کار دمشق میں اختیار کیا گیا تھا۔ اس سے مدینہ میں بھی کام لیا گیا۔ مولانا ندوی حاصل کلام کے طور پر لکھتے ہیں

"غرض کسی نہ کسی طرح ۵۶ھ میں امیر معاویہ نے یزید کی ولی عہدی کی بیعت لے کر اسلام کی جمہوری روح کا خاتمہ کر دیا۔

(سیر الصحابہ جلد ششم ص ۶۹)

اس مقام پر پہنچ کر فاضل موصوف ابوالکلام آزاد کی تالیفات کے اقتباس پیش کرتے ہیں اور ثابت کرتے ہیں۔ کہ خلافت راشدہ کے بعد بنو امیہ کا دور فتن و بدعات شروع ہو جاتا ہے۔ جنہوں نے نظام حکومت اسلامی کی بنیادیں متزلزل کر دیں۔ پھر آگے چل کر لکھتے ہیں۔

"حضرت عبدالرحمٰن بن ابوبکر کے متعلق عباسی صاحب کا دعویٰ ہے کہ وہ یزید کی ولی عہدی سے تین سال قبل انتقال کر چکے تھے۔ اس دعویٰ کو انہوں نے ص ۹۶ پر بھی دہرایا ہے۔ مگر اس دعویٰ کی سند دو مقام میں سے ایک مقام میں بھی پیش نہیں کی ہے۔ حضرت عبداللہ ابن عمر کے متعلق دعویٰ ہے کہ انہوں نے برضا و رغبت یزید کی ولی عہدی کی بیعت کی ص ۲۰ لیکن عباسی صاحب کے وکیل علامہ ابن خلدون ان کے دعوے کی اس طرح تردید کرتے ہیں۔ "رہا یہ مسئلہ کہ اگر ولی عہدی حق تھی تو عبداللہ بن عمر

اس موقع سے کیوں ٹل گئے اور بچ کر چل دیئے تو اس کی وجہ درحقیقت یہ تھی کہ یہ اپنے تقویٰ اور ورع کی بنا پر ہر مباح و ناجائز بات سے بچنا چاہتے تھے۔ اور کسی قسم کا حصہ نہیں لینا چاہتے تھے۔

(ترجمہ ابن خلدون ص۲۱۱)

علامہ ابن خلدون نے عباسی صاحب کی تردید ہی نہیں کی ہمیں یہ بھی بتایا ہے۔ کہ یزید کی ولی عہدی کی بیعت ورع و تقویٰ کے خلاف تھی"

دہم نے سابقہ اوراق میں حوالہ جات سے ثابت کیا ہے کہ عبد اللہ بن عمر نے عطیہ لے کر خاموشی اختیار کر لی تھی)

اب حضرت علامہ شبلی کا ارشاد بھی ملاحظہ ہو:۔

جب ولی عہد ہوا تخت حکومت کا یزید — عامل یثرب و بطحا کو یہ پہنچے احکام
کہ ولی عہد کا بھی اب سے پڑھے نام ضرور — خطبہ پڑھتا ہے حریم نبوی میں جو امام
وقت آیا تو چڑھا پایۂ منبر پہ خطیب — اور کہا یہ کہ یزید اب ہے امیر اسلام
یہ نئی بات نہیں ہے کہ ابوبکر و عمر — جانشیں کر گئے جب موت کا پہنچا پیغام
اٹھ کے فرزند ابوبکر نے فوراً یہ کہا — سر بسر کذب ہے یہ اے خلف نسل مقام
جھوٹ ہے یہ کہ یہ ہے سنت بوبکر و عمر — ہاں مگر قیصر و کسریٰ کی یہ ہے سنت عام
اپنے بیٹے کو بنایا تھا خلیفہ کس نے — ایسی بدعت کا نہیں مذہب اسلام میں نام
یہ طریقہ متوارث ہے تو کفار میں ہے — ورنہ اسلام تو ہے مجلس شوریٰ کا نظام
شان اسلام ہے شخصیت ذاتی سے بعید — شرع میں سلطنت خاص ہے ممنوع و حرام

اس سے بھی قطع نظر نسل عرب ہیں ہم لوگ
وہ کوئی اور ہیں ہوتے ہیں جو شاہوں کے غلام

(حضرت امام حسین شہید ص۸۳)

ابنِ خلدون کا موقف:۔

عباسی صاحب کا اصول بحث نظریہ ہے کہ جس عالم یا مورخ کا بیان اپنے مقصد کے خلاف دیکھتے ہیں۔ اس کو کاذب، مفتری، حاطب اللیل اور ایسے ہی کسی لقب سے نواز دیتے ہیں۔ لیکن علامہ ابن خلدون ان کے مانے ہوئے امام المورخین ہیں۔ چنانچہ یزید کی ولی عہدی کی تائید میں انہوں نے سب سے بڑا اقتباس علامہ ابن خلدون کا دیا ہے۔ علامہ ابن خلدون کے مقدمہ میں یہ بحث بڑے سائز کے ۹ سے زائد صفحوں میں پھیلی ہوئی ہے لیکن علامہ ابنِ خلدون یزید کے نہیں امیر معاویہ کے وکیل ہیں۔ اور ان کے بچانے میں انہوں نے یزید کی مٹی پلید کی ہے۔ اگر عباسی صاحب کی کتاب کے ردّ و جواب میں صرف ابنِ خلدون کی یہ بحث نقل کر دی جائے تو کتاب کا تین چوتھائی حصّہ رد ہو جائے۔ علامہ ابنِ خلدون کا ایک اقتباس جو عباسی صاحب کا تسلیم کردہ ہے ملاحظہ ہو۔

حضرت معاویہ کی تائید و حمایت کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"اولاً تو حضرت معاویہ کا لوگوں کے عمومی اتفاق کے ساتھ ایسا کرنا اس باب میں بجائے خود ایک حجت ہے اور پھر اس کو متہم یوں بھی نہیں کیا جا سکتا کہ ان کے پیشِ نظر یزید کو ترجیح دینے کا مقصد اس کے سوا اور کچھ نہیں تھا۔ کہ امت میں اتحاد و اتفاق ہو۔ اور اہل حل وعقد یزید ہی کو ولی عہد بنانے پر متفق ہو سکتے تھے۔ کیونکہ وہ عموماً بنو امیہ سے تھے۔ اور بنو امیہ اپنے سے باہر کسی اور کی خلافت پر راضی نہیں ہو سکتے تھے۔ اس وقت قریش کا سب سے بڑا طاقت ور گروہ انہیں کا تھا اور قریش کی عصبیت سارے عرب میں سب سے زیادہ تھی۔" (ترجمہ ابن خلدون صفحہ ۲۴)

اسی بحث میں آگے چل کر لکھتے ہیں :-

"اور یہ کہنا کہ ان کا یہ عمل خلفاء اربعہ کے عمل کے خلاف تھا۔ تو ان کی حالت و شان کو خلفاء اربعہ کی حالت و شان سے کیوں ملایا جائے۔ حضرات خلفاء ظاہر ہے کہ ایسے دَور میں تھے کہ خلافت پر سلطنت کا رنگ مطلق نہ چڑھا تھا۔ خلیفہ محض دینی و مذہبی آدمی ہوتا۔ اور دین ہی کی روشنی میں اپنے ہر کام کو انجام دیتا۔ اسی لئے خلفاء اپنا ولی عہد صرف اسی کو بناتے جس کو دین و مذہب میں سب پر پیشوائی نصیب ہوتی۔ اور خلافت کا سہرا اس کے سر باندھتے۔ اب کے بعد معاویہ کا زمانہ آیا۔ تو زمانہ نے اپنا رنگ پلٹا۔ سلطنت کی آن بان بڑھی اور دینی حکومت کی شان گھٹی۔ اور اب ایسے فرماں روا کی ضرورت ہوئی جو سلطنت میں یکتا اور عصبیت میں بے ہمتا ہو۔ لہٰذا معاویہ اگر عصبیت کے تقاضے کے خلاف یزید کے علاوہ کسی اور کو مسند امامت پر لاتے۔ تو ان کی امارت کون قبول کرتا۔ اور دیکھتے دیکھتے وہ ختم ہو جاتی۔ اور قوم جو اختلاف کا شکار ہوتی وہ بھی ظاہر ہے۔

(ترجمہ ابن خلدون ص ۲۴۲)

علامہ ابن خلدون کی طویل دھواں دھار بحث کا مرکزی نقطہ یہی ہے۔ اس سے پہلے اور بعد انہوں نے جو کچھ لکھا ہے، وہ اسی مجمل کا مفصل ہے۔ اس کا ماحصل نکالئے تو صرف یہ نکلے گا کہ خلافت راشدہ کا دور ختم ہو چکا تھا۔ اب سلطنت و ملوکیت کا دَور تھا۔ اسلام کی جگہ بنو امیہ کی عصبیت لے چکی تھی۔ اس دَور میں قیصر و کسریٰ کی سنت کی بجائے خلفائے راشدین کی سنت پر عمل کیا جاتا۔ تو بنو امیہ کی عصبیت اسے کامیاب ہی نہ ہونے دیتی۔ جب صورت حال یہ تھی۔ تو صحابہ کرام کی رضامندی و نارضامندی

ان کی منظوری و نامنظوری اور ان کے کلام و سکوت کا سوال ہی کیا تھا۔

عباسی صاحب تو کیا ہیں۔ علامہ ابنِ خلدون نے اس پہلو سے جتنی بحثیں کی ہیں۔ ان کی کوئی حقیقت باقی نہیں رہتی۔

(حضرت امام حسین شہید صہ۸۳)

فاضل مذکور خاتمہ بحث پر لکھتے ہیں:۔

جس اموی عصبیت نے اسلام سے اس کا اقتدار چھین کر قیصریت جاری کر دی۔ وہ اتنی طاقت ور کیسے ہو گئی۔ کہ اس کے سامنے حضرت معاویہ بھی بے بس و مجبور ہو کر رہ گئے جس میں خود حضرت معاویہ کا بھی بڑا ہاتھ ہے۔ اس موقعہ پر ہم نے اسے بدلائل واقعات ثابت کیا تھا۔ مگر افسوس کہ ہمیں ایسے وسائل میسر نہیں۔ کہ ہم بحث کے لئے قلم کو آزاد چھوڑ دیں اور موٹی سے موٹی کتاب شائع کر سکیں۔ اس لئے ہم اتنے ہی اشارے پر اکتفا کرتے ہیں"۔

معاویہ و ولی عہدیٔ یزید کے مسئلہ پر ہم نے جن علماء اعلام و مفکرین اسلام کے تحقیقی اقتباسات کو اپنی بحث کی تائید میں بطور استشہاد پیش کیا ہے۔ وہ ہمارے ناظرین کے اطمینان کے لئے کافی ہے۔ ہم اگر اس مسئلہ پر بہ تفصیل روشنی ڈالنا چاہیں۔ تو ایک مستقل اور ضخیم تالیف تیار ہو سکتی ہے۔ مگر حوالت اور دیگر موانع کے پیشِ نظر ہم اتنا کچھ ہی پیش کر سکتے ہیں۔ بہر حال محققین کی تصریحات سے یہ بات تو ثابت ہو چکی کہ

● معاویہ نے ولی عہدیٔ یزید کے سلسلہ میں صلحنامہ امام حسنؑ کی شرائط کو پامال کرتے ہوئے نکتش عہد کیا۔ اور اسلامی تعلیمات کے سراسر خلاف مسلمانوں کی گردنوں پر اپنے فاسق و فاجر بیٹے کو محض اس کی محبت میں اندھا ہو کر مسلّط کر دیا جس کے نتیجے

میں اسلامی خلافت کی جگہ قیصریت و کسرویت نے لے لی۔

بیعتِ یزید حصول کی تگ و دو میں مکر۔ چالاکی۔ دغا و فریب۔ قتل و غارت اور رشوت وغیرہ استعمال کی گئی۔ ابن عمر و ابن ابوبکر کو ایک ایک لاکھ روپیہ بطور رشوت پیش کیا گیا۔ عبدالرحمٰن بن خالد کو زہر سے قتل کرا دیا۔ اور حد یہ ہے کہ ام المومنین حضرت عائشہ کو بھی موت کے گھاٹ اتار دیا گیا۔ بیت المال کے روپیہ کو پانی کی طرح بہا کر لوگوں کے ایمان و اسلام کو خرید کیا گیا۔ غرضیکہ میکیاولی اطالوی سیاستدان کے اصول سیاست کے پیش نظر یہ مذموم حرکت ہر ناشائستہ فعل کو استعمال کر کے بقول علامہ آزاد مرحوم اسلامی سلطنت کی بنیادوں کو متزلزل کر دیا۔ اور اسلامی حریت و آزادی کی اقتدار کو مسلمانوں سے چھین کر ان کو ہمیشہ کے لئے غلامی کی زنجیروں میں جکڑ دیا گیا۔ جیسا کہ علامہ اقبال مرحوم نے بھی اس مضمون کو اپنے ایک شعر میں یوں ترتیب دیا ہے ؎

چوں خلافت رشتہ از قرآں گسیخت

حریت را زہر اندر کام ریخت

یزید اور اس کی سیرت و کردار

تاریخ انسانی میں جہاں بہترین سے بہترین سیرت و کردار کے مالک نظر آتے ہیں وہاں بدسرشت اور خبیث ارواح کا تذکرہ بھی ملتا ہے۔ انسانی تاریخ کا ابتدائی دور حضرت آدم ایسے مصطفےٰ بندوں سے شروع ہوتا ہے اور اس پاکیزہ سلسلے کی اہم کڑیاں حضرت نوح، ابراہیم موسیٰ و عیسیٰ، جناب ختمی مرتبت اور ان کی آل اطہار اور اصحاب طاعت شعار وغیرہ ہیں جن کی ہمہ رنگی سیرت اور پاکیزگی کردار کی بہترین مثالیں اور اعلیٰ و ارفع اقدار تاریخ کے اوراق میں ثبت ہیں اور ان مقدس حضرات کے اسوۂ حسنہ کو سامنے رکھ کر انسانیت کی راہ تلاش کرنے والے قیامت تک ان کے اوصاف و محامد کے تذکرے بیان کرتے رہیں گے۔ تاریخ ادبیت میں یہ بات پوشیدہ نہیں ہے کہ ان تمام مصطفےٰ اور مقدس افراد کی مجموعی صفات کے حامل جناب پیغمبر اسلام حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہیں اور ان کی تمام اکمال سیرت طیبہ کے آئینہ دار جناب حضرت حسین ابن علی علیہ السلام ہیں جنہوں نے اپنے سے پہلے تمام انبیاء و اولیاء کی محنتوں کو بچانے کے لئے بے مثال قربانیاں پیش کر کے خدائی نمائندوں کی ترجمانی کا حق ادا کر دیا اور ایک لاکھ چوبیس ہزار انسانوں کی جو بہترین تعلیم ضائع ہو رہی تھی اس کو اپنے کردار سے از سر نو زندہ کر دیا۔ تبھی تو خواجہ غریب نواز کہہ رہے تھے ؏ حقا کہ بنائے لا الہٰ ہست حسینؑ

ان تمام خدا کے چنے ہوئے بندوں کے ساتھ اول سے ہی ابلیسی نظام کے داعی اور شیطان صفت افراد بھی چلے آئے ہیں۔ قابیل، فرعون، نمرود، شداد، ہامان، ابوجہل، ابولہب، ابوسفیان معاویہ بن یزید وغیرہ جن کے تذکروں سے تاریخ کے اوراق سیاہ نظر آتے ہیں۔ ایسے ہیں جو انسانیت کے لئے بدنما داغ ہیں۔ گویا ہر دور میں حق و باطل اور نور و ظلمت کی آویزش جاری رہی اور

بقول اقبال ؎ ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز
چراغِ مصطفوی سے شرارِ بولہبی

مگر ان تمام شخصیتوں میں جس طرح حق کی ترجمانی کے لئے جناب سید الشہداء علیہ التحیۃ والثنا کی ذاتِ مقدس فرد فرید اور بے مثل نظر آتی ہے. اسی طرح ظلمت باطل سے متعارف ہونے کے لئے لفظ یزید کا نام ہی کافی ہے. یزید نے اپنے دور میں. نمرود. ہامان. فرعون. اور ابوسفیان وغیرہ کے اطوار و اوصاف اور ان کی خبیث تعلیم کی پوری پوری ترجمانی کی. ان بدکردار شخصیتوں میں تنہا یزید ہی کی ایسی شخصیت ہے جو اپنی بدکرداری اور بداعمالی کے لحاظ سے ایک ایسا مکمل نمونہ ہے کہ اس کے نام کے تصور سے ہی دنیا کی تمام برائیاں نگاہوں کے سامنے مجسم نظر آنے لگتی ہیں یہاں تک کہ لفظ یزید اپنے معنی کے اعتبار سے برائیوں کے تمام مفہوم پر حاوی و شامل سمجھا جانے لگا ہے. تاریخ اسلام کا مطالعہ کرنے والا اچھی طرح جانتا ہے کہ یزید کے اگر ابتدائی دور کو چھوڑ کر صرف اس کی تین چار سالہ مختصر مدت حکومت پر ہی نظر ڈالی جائے اور اس کے قبیح افعال پر غائرانہ انداز میں نگاہ کی جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ امویوں کے اس لاڈلے خلیفہ نے اس مختصر سے دورِ حکومت میں کیا کچھ نہیں کیا. ماں بہنوں سے نکاح کرنا. شراب و کباب کے دور جاری رکھنا اور اپنے دربار میں حسن و عشق کی محافل بپا کرنا اس کا شعارِ زندگی تھا. مقدس صحابہ اور آلِ رسول کے خونِ مقدس سے اپنی حکومت کی بنیادیں مضبوط کر کے جس طرح سے اس نے اسلامی نظامِ حکومت کو بیخ و بن سے اکھاڑ کر پھینک دیا اور بچے کھچے اسلامی شعاروں کی جس طرح مٹی اس نے پلید کی ہے اس کا اجمالی خاکہ مورخ جلیل علامہ ابن حسن جارچوی کی لفظوں میں سنیئے.

سنہ ۶۱ھ شروع ہونے کو ہے وہ اسلام جو امن و امان کا مترادف سمجھا جاتا تھا خون آشام شاہوں کے ہاتھوں پنڈاریوں کا پنتھ معلوم ہوتا ہے. ہر طرف لوٹ مار کا بازار گرم ہے عرب کی زمین بے گناہوں کے خون سے رنگین ہو رہی ہے. قیصر آئین اور کسریٰ منش اہل لوگ رسول کے

اسلام کی جانشینی کا دعوے کر رہے ہیں۔ لالہ زارِ دمشق کا لاڈلا فرزند اپنے باپ و دادا کے دین کو زندہ کرنے کی فکر میں ہے۔ حریم خلافت "اندر کا اکھاڑا" بنا ہوا ہے۔ رسولؐ کے مقدس صحابہ کچھ تو سفر آخرت اختیار کر چکے ہیں۔ کچھ گنج عافیت میں مقیم ہیں اور مسلمانوں کا خلیفہ سرو قد گلعذار رومی شاہدوں کے جھرمٹ میں تخت خلافت پر جلوہ افگن ہے۔ شراب آلودہ لبوں سے نکلی ہوئی بات قانون الہٰی سمجھی جارہی ہے اور نور آنکھوں کے اشارے حدیث کے مترادف بنے ہوئے ہیں دمشق مرکز خلافت ہے۔ اسلام کی سادہ تہذیب روم ایران کے تمدن سے بدل چکی ہے۔ حریم خلافت کی تقلید میں اب ہر گھر عشرت کدہ بنا ہوا ہے۔ رات صرف اس لئے ہوتی ہے کہ خاندان خلافت اور اس کے متوسلین نام نہاد مسلمانوں کے کام و دہن کو شراب شیراز سے لطف اندوز ہونے کا موقع دے اور صبح صرف اس لئے کہ ان کی خمار آلودہ آنکھوں کو کسی بے گناہ کے رقص مذبوحانہ کا نظارہ دکھلائے۔ دنیا رسول عربی کے کلمہ پڑھنے والوں کی ترکتازیوں سے پریشان ہے۔ امن پسند شہریوں پر عرصہ زندگی ہو رہا ہے ملکوں کی دولت سمٹ سمٹ کر دار الخلافت میں جمع ہو رہی ہے۔ جفاکش دہقانوں اور محنتی تاجروں کی گاڑھی کمائی ملت اسلامیہ کے سود و بہبود کی بجائے چند رند مشرب لوگوں کی عیاشیوں کے لئے وقف ہو کر رہ گئی ہے۔

ایمان جیسی گراں جنس کا سودا چند درہم پر کیا جارہا ہے اور جو اس قیمت پر راضی نہیں ہوتے۔ ان کے لئے تلوار اور زہر کا پیالہ منتظر تیار ہے۔

مسجدیں ویران ہیں۔ میکدوں کی رونق بڑھ رہی ہے۔ خدا پرستی کی جگہ شاہد پرستی نے لے لی ہے۔ لوگ سنت رسولؐ کو فراموش کر چکے علمی مجلسیں برباد ہو چکیں۔ اب ابوسفیان کی مٹی ہوئی سنت زندہ کی جارہی ہے اور ہندہ دہمیہ کی یاد میں دمشق کے گلی کوچے عیاشی اور بوالہوسی کے اڈے بنے ہوئے ہیں۔ جب اسلام کی مقدس تعلیم اس طرح تباہ ہونے لگی اور جب جاہلیت نے پلٹ آنے کی دھمکی دینی شروع کی۔ جب پیکر اسلام میں قیصر و کسرے کی روح نے داخل ہونے کی کوشش کی۔ جب جاہ و جلال اور مال و رسائی کے نشہ نے مسلمانوں کو حواس باختہ کر دیا۔ جب

اسلامی فتوحات کے بڑھتے ہوئے سیلاب نے دنیا کے خرمن میں آگ لگانی چاہی۔ جب جہاد دفاعی حدود سے گزر کر جنگ زرگری کی شکل اختیار کرے گا۔ جب رسول کے نام لیواؤں نے محبت و مساوات کا سبق فراموش کر دیا جب قبیلہ پرستی۔ عربیت۔ عجمیت کے اختیارات ایک دفعہ پھر زندہ ہونے لگے۔ جب دین صرف چند دعاؤں کے دہرانے کا نام رہ گیا۔ جب مذہب کی آڑ میں ذاتی مفاد کا شکار کھیلا جانے لگا۔ جب شاہد پرستی کے ہلاکت آفریں سیلاب نے مسلمانوں کو مانی و مزدک کا پیرو بنا دیا۔ جب عیش و عشرت کی افراط نے ان کے قوائے عمل کو مضمحل کر دیا۔ جب مجسمہ حیا اور پیکر شرم نبی کے پیروؤں نے اپنے اعمال سے کفر کو شرمادیا۔ تو غیرت حق جوش میں آئی اور بنی امیہ کے طلسم خانے کو توڑنے کے لئے آل ابو سفیان کی فرعون سامانیوں کو خاک میں ملانے کے لئے یزید کے دین بواالہوسی پر کاری ضرب لگانے کے لئے نبی عربی کے گھر سے اس زبردست انسان کا ظہور ہوا جس کی قسمت میں ازل سے وہ انقلاب آفرینی لکھی ہوئی تھی جو تاریخ عالم میں اپنی ہی آپ نظیر ہے۔ اگر یزید کا جادو چل گیا ہوتا اگر عرب کا لٹا ہوا دور جاہلیت واپس آ جاتا اگر اسلام کی سیدھی سادی تعلیم عرب کی قدیم توہم پرستی سے بدل جاتی تو آج دنیا کی تاریخ کچھ اور ہوتی۔

اس کے بعد یزید کے کیریکٹر پر مزید روشنی ڈالتے ہوئے فاضل مورخ لکھتے ہیں۔

یزید کون تھا؟ جاہلیت کا علمبردار۔ کفر کا حامی۔ آباد اجداد کی سنت کا احیاء کرنے والا۔ اس کا ارادہ تھا کہ عرب کو اس تاریک دور میں پھر دھکیل دے جس سے وہ خدا خدا کر کے نکلا تھا۔ عفت و پرہیز گاری اس کے نزدیک بے معنی و وہمی چیزیں تھیں وہ دنیا داروں کی طرح عارضی لذتوں سے بہرہ اندوز ہونا چاہتا تھا۔ شراب سے سرور حاصل ہوتا ہے۔ اس کی سمجھ میں نہ آتا تھا کہ آخر اس کے حرام کرنے کا فلسفہ کیا ہے۔ چاندنی رات میں پری چہرہ محبوبوں کے ساتھ بوس و کنار میں وقت گذارنا۔ سادہ رخ شاہدان رومی کے جھرمٹ میں مے گساری کرنا۔ انسانی فطرت کے دلفریب

مشاغل ہیں ان کے عشرت پسند دل میں رہ رہ کر یہ خیال آتا تھا کہ آخر ان باتوں سے ہم کو کیوں روکا جاتا ہے۔

بیشک یزید میں چند خوبیاں بھی تھیں وہ اپنے سن وسال کے لحاظ سے ایک اچھا خاصہ شاعر تھا وہ خوش رو جوان تھا۔ سیر و شکار سے اسے دلی رغبت تھی کسی حسین صورت کو دیکھ کر اس کا دل بے قابو ہو جاتا تھا اور اس حالت میں ماں اور بہن کی تمیز بھی اٹھ جاتی تھی۔ اس کے دم سے میخانے آباد تھے۔ عشرت کدوں کی رونق تھی وہ بے گناہ انسانوں کو قتل کر کے خوش ہوتا تھا۔ وہ مقدسوں کے خون سے ہولی کھیلتا ہے۔ بندر نچانا اور کتے پالنا اس کا دل پسند مشغلہ تھا۔ یہ اس آدمی کا ذکر ہے جس کو اجماع۔ استخلاف شوریٰ اور غلبے کی مجموعی قوتوں نے رسولؐ اسلام کا جانشین بنا دیا تھا۔ یا رسولؐ اللہ اگر آپ کے جانشین کا یہ حال ہو تو ہمیں نیرو (Nero) کے خالی تخت کے لئے کس کو ڈھونڈیں

(فلسفہ آل محمد حصہ دوم ص ۱۳۲/۱۳۳)

فاضل علامہ موصوف نے بنو امیہ کے دور کے جامع کردار اور یزید کے مخصوص حالات و اطوار کو اپنے شستہ اور ادیبانہ طرز بیان سے نہایت وضاحت سے پیش کیا ہے۔ یہ ان کی ناول نگاری اور محض شوخی بیان ہی نہیں بلکہ یہ تمام حالات تاریخ اسلام کی مستند و مصدقہ نقول ہیں جن کو انہوں نے اپنے رنگ میں پیش فرمایا ہے۔ ہم انشاء اللہ اس بارے میں ان تمام امور کو آگے چل کر تاریخ کی مستند شہادتوں اور علماء کرام کے بیانات سے بقید صفحہ وسطر پیش کریں گے یہاں صرف کردار یزید کا اجمالی خاکہ پیش کرنا مطلوب تھا

عباسی صاحب کا یزید کیسا ہے

تمہیدی بیان کے بعد اس مقام پر قبل اس کے کہ یزید کی سیرت و کردار اور اس کے مخصوص حالات پر روشنی ڈالی جائے۔ ہم ان لوگوں کے وہی خیالات کو بھی پیش کرنا مناسب خیال کرتے ہیں جنہوں نے اس قسم کے یزید کو پیغمبرانہ شان سے پیش کیا ہے ایسے انتہا پسند

لوگوں کے ترجمان آج کل محمود احمد عباسی ہیں جنہوں نے یزید کو امیر المومنین خلیفہ راشد عادل متقی اور پرہیزگار انسان ثابت کرنے کے لئے خلافت معاویہ ویزید ایسی ایمان سوز کتاب تحریر کر ڈالی۔ بنو امیہ کی توصیف وتمہید اور کردار یزید کی تعریف میں وہ اس قدر مسرت ہوتے ہیں کہ اپنے اسلام وایمان کے ضائع ہونے کی بھی پرواہ تک نہ کی اپنا ایمان تو خیر ان کا جیسا تھا وہ ظاہر ہے اسلام کی جلیل القدر ہستیوں پر بھی اس سلسلے میں ہاتھ صاف کر حسینؓ واہل بیت سے تو انہیں فطرتی عداوت سہی مگر کمال حیرت تو یہ ہے کہ وہ حضرت عمر ایسے مدبر حکمران پر بھی الزام طرازی سے باز نہ آئے اور صاف صاف لکھ دیا کہ یزید اور حضرت عمر کا سیاسی نظریہ اور مطمع نظر حکمرانی ایک تھا خدا جانے ان کا یہ خیال کہاں تک صحیح ہے ہم اس بحث میں پڑنا مناسب نہیں سمجھتے بہر حال اتنا ضرور ہے کہ مسلمانوں کے جم غفیر کو ان کے اس فقرہ سے قلبی دکھ ہوا ہے اور یہی وجہ ہے کہ مسلمانوں میں سے بعض جلیل القدر ہستیوں نے عباسی صاحب کا منہ توڑ جواب بھی دیا ہے۔ چونکہ ان کی نام نہاد تالیف کا کردار یزید اہم اور مرکزی موضوع ہے اس لئے اس پر کافی زور دیا گیا ہے اور یزید کو نیک انسانوں کی صف میں لانے کے لئے تقریباً یکصد صفحات سیاہ کر ڈالے گئے ہیں صفحہ ۹۴ سے لے کر صفحہ ۱۰۷ تک اور پھر ایک مستقل باب میں صفحہ ۳۸۵ سے لے کر ۴۵۷ صفحہ تک مختلف عنوانوں کے تحت یزید کی فرضی خوبیوں کو گنوایا گیا ہے عباسی صاحب کے اس باب کا مفصل اور منہ توڑ جواب دینے سے قبل ہم عباسی صاحب کے پیش کردہ یزید کے متعلق چند تعارفی جملے اپنے قارئین کی خدمت میں پیش کرنا ضروری خیال کرتے ہیں۔ یزید کا مادری نسب بیان کرتے وقت اور اس کی والدہ کا تعارف کرتے ہوتے لکھتے ہیں۔

۱۔ امیر المومنین یزید کی والدہ ماجدہ یمنی عربوں کی مشہور شاخ بنو کلب سے تھیں اور امیر یزید کی والدہ بڑی دین دار خاتون تھیں احکام شریعت کی بڑی سختی سے پابندی کرتیں۔ (معاویہ ویزید صفحہ ۳۶۱ طبع سوم)

۲. حضرت معاویہ کے اس نکاح کی مصلحت سیاسی ہو یا معاشرتی رشتہ زوجین کے لیے مبارک ہوا۔ اس کلبیہ خاتون کے بطن سے خالق اکبر نے نجیب و ہونہار فرزند عنایت کیا جس کا نام انہوں نے اپنے بڑے بھائی حضرت یزید بن ابوسفیان کے نام پر جنہوں نے فتوحات شام میں نمایاں حصہ لیا تھا یزید رکھا۔ سنہ ولادت کے بارے میں دو روایتیں ہیں بروایت اصح یزید کی ولادت سنہ ۲۲ ہجری میں بعہد خلافت فاروقی ہوئی اور دوسری روایت میں سنہ ولادت سنہ ۲۵ ہجری ہے۔ کتاب عباسی ص ۳۹۰

۳. یزید کا زمانہ رضاعت اپنے ننھیالی قبیلہ کی دایہ کے خیمے میں اموی و ہاشمی گھرانوں کے خاندانی دستور کے مطابق بسر ہوا۔ یزید جیسے غیر معمولی ذہین و فطین طالب علم کے اکتساب علم کے حالات گو تفصیلاً معلوم نہیں تاہم چند واقعات سے جو بعض ثقہ مورخین نے بر سبیل تذکرہ لکھ دیئے اتنا ضرور معلوم ہوتا ہے کہ نو عمری ہی میں لسانیات۔ دینیات میں امتیازی درجہ حاصل کر لیا تھا۔ قرآن شریف کے اچھے قاری تھے اور خطبات جمعہ و عیدین میں جو خطبے قرآن شریف کے رکوع اور سورتیں اس طرح تلاوت کرتے جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ کلام اللہ بھی یاد تھا۔"

آگے چل کر لکھتے ہیں۔

علوم دینیہ و ادبیات کے علاوہ فنون حرب میں کماحقہ مہارت حاصل تھی جو سودی عیسائیوں کے زبردست افواج کے مقابلے میں اس مجاہد اسلام کی تہورانہ و دلیرانہ جہادی سرگرمیوں کے کارناموں سے جو اوراق تاریخ پر ثبت میں بخوبی ثابت ہے" (کتاب عباسی صاحب ص ۴۲)

۴. اس جویائے علم اموی قریشی نوجوان کو علماء صلحا و صحابہ کرام کی صحبتوں سے استفادہ حاصل کرایا تھا۔ دمشق کو جب سنہ ۴۱ھ ہجری میں مستقر خلافت ہونے کا امتیاز حاصل ہوا یزید کی عمر انیس بیس برس کی تھی اور دوسرے اقطاع و ممالک سے صحابہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم امیر المومنین حضرت معاویہ کے پاس دمشق آتے اکثر ان کے پاس مقیم ہوتے فرزند

امیر المومنین کو ان صحابہ رسول اللہ کی خدمت کرنے ان کے فیضان صحبت سے مستفیض ہونے کے لیے بہا مواقع میسر ہوتے جو صحابہ کرام دمشق و شام میں مسکن گزیں تھے۔ ان کے فیض علمی و روحانی سے جیسا سابق میں ذکر ہو چکا ہے۔ اور یزید نے پورا استفادہ کیا تھا۔

خلافت معاویہ و یزید ص۱۰۴

۵. یزید کی خطابت اور شاعری پر زور دے کر لکھتے ہیں۔

صحابہ کرام و علماء و صلحاء کی صحبتوں کے علاوہ جس کا مختصر ذکر ابتدائی اوراق میں ہو چکا ہے امیر یزید ریعان سن سے اپنے والد محترم کی مجالس میں بالالتزام حاضر رہتے جو ان جیسے ذہین و فطین تاثر پذیر اور اخاذ طبیعت کے نوجوان کے لیے درسگاہ کی حیثیت رکھتیں۔ ص۱۰۷

۶. اہل عرب کے خصائص اور فضائل کے رمز شناس جانتے ہیں کہ خطابت اور شاعری کو ان کے یہاں کیسا بلند مرتبہ حاصل تھا امیر یزید کو مبدا فیاض سے خطابت کے ساتھ شعر گوئی اور سخن سرائی کا بھی ذہنی عطیہ مرحمت ہوا تھا۔ ان کا کلام نہایت قلیل و نایاب ہے۔

خلافت معاویہ و یزید ص۱۲۴

۷. عباسی صاحب نے اپنے ممدوح کے حلم و کرم کا تذکرہ یوں کیا ہے۔

ابتدائی اوراق میں بعض ثقہ مورخین کی تحریرات کے اقتباسات آپ نے ملاحظہ کیے ان سے معلوم ہوا کہ امیر المومنین یزید کس درجہ حلیم و کریم تھے الولد سر لابیہ اپنے محترم باپ کی پاکیزہ سیرت سے یہ اوصاف ارثاً بھی ملے تھے۔ اور ان کی مجلس اور صحبت میں بالالتزام اپنے سے اکتساباً بھی حاصل ہوئے تھے۔ کتاب عباسی ص۱۹۱

۸. یہ اس رحمدلی اور دیگر صفات حسنہ کے فطری جذبہ کا اثر تھا کہ امیر یزید نوعمری ہی سے یتیموں اور مسکینوں کی خدمت اور خبر گیری پر مستعد رہتے۔ ص۲۲۳

۹. امیر یزید جیسے پرجوش قریشی نوجوان کو زمانہ شباب میں جہادی سرگرمیوں میں حصہ لینے کی تڑپ بے چین کیے ہوئے تھی۔ آخر کار اپنے والد محترم سے درخواست کی کہ رومیوں

کی عسکری مہم میں مجھے تعینات کریں۔" ص۲۵

۱۰۔ جہادِ قسطنطنیہ کے ذیل میں بشارتِ مغفرت یزید کے عنوان کے تحت دس صفحات میں معاویہ و یزید کو حدیثِ ام حرام کے تحت جنتی ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

خلافت معاویہ و یزید ص۱ تا ص۳۶

۱۱۔ امارتِ حج کے عنوان سے لکھتے ہوئے عباسی صاحب یزید کی امارت حج کو پیش کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ امیر یزید نے تین دفعہ امیر حج کی حیثیت سے حج کیا اور لوگوں کو حج کرایا۔"

کتاب عباسی ص۴۷

۱۲۔ اپنے زمانہ خلافت میں امیر یزید ہمیشہ جامع مسجد دمشق میں نماز پڑھاتے خاص کر امیر المومنین ہونے کی حیثیت سے جمعہ و عیدین کی نمازوں کی تو ظاہر ہے کہ خود امامت کرتے اور بعد ادائے نماز وہیں مجلس علمی منعقد کرتے۔ فقہ و احادیث کے علاوہ علم الا ب میں ان کو خاص مہارت حاصل تھی۔" ص۵۲

۱۳۔ روایت حدیث کے ذیل میں عباسی صاحب کا بیان ہے۔

امیر یزید کبار تابعین میں تھے۔ اپنے محترم والد ماجد کے علاوہ بعض اجلہ صحابہ سے فیض صحبت اٹھایا حضرت نے حضرت ابوایوب انصاری اور دوسرے صحابہ اور اپنے والد ماجد سے حدیث کی روایت کی۔ امیر یزید سے ان کے صاحبزادوں نیز امیر المومنین عبدالملک بن مروان وغیرہ نے روایت کی ہے۔ امیر یزید نے زمانہ طالب علمی ہی سے احادیث نبوی کا گہرا مطالعہ کیا تھا۔ اور اس علم میں ان کو بصیرت خاص حاصل تھی۔ خود ان کو علوم دین میں سمجھ اللہ تعالیٰ نے عنایت کی تھی۔ حدیث و فقہ سے واقفیت کے علاوہ اچھے قاری بھی تھے۔

کتاب خلافت معاویہ و یزید ص۵۳، ۵۵، ۵۶

۱۴۔ یزید کے خطبات کا ذکر کرتے ہوئے عباسی صاحب عقد الفرید کے حوالہ میں لکھتے ہیں۔

ان ہی خطبات کے ساتھ امیر یزید کے چند خطبے بھی شامل کئے ہیں جو امیر المومنین کی حیثیت سے دیئے تھے۔ ان کے مطالعہ سے واضح ہوتا ہے۔ کہ امیر موصوف کو قرآن حفظ تھا خطبہ دیتے ہوئے کلام اللہ سے آیتیں ہی نہیں رکوع اور سورتیں تلاوت کرتے اور سامعین کے قلوب گرماتے اس عہد میں زرو روماں کی بہتات تھی۔ اس لئے ضروری تھا کہ امیر المومنین لوگوں کو عیش پرستی سے اجتناب پر نصیحتیں کریں۔ کتاب مذکور ص۵۵

۱۵۔ یزید کے فضائل محمودہ کے عنوان پر عباسی صاحب کے خرافات ملاحظہ ہوں۔

• علم و فضل۔ تقوٰے و پرہیز گاری۔ پابندی صوم و صلوٰۃ کے ساتھ امیر یزید بحد درجہ کریم النفس حلیم الطبع۔ سنجیدہ و متین تھے۔ ص۶۲

۱۶۔ حضرت عمر کی سیاست کا تذکرہ کرتے ہوئے یزید اور حضرت عمر کے حکمرانی کے مطمح نظر میں یگانگت دکھلائی ہے۔ حکومت و فرمانروائی سے مطلب و مقصد امیر یزید کے نزدیک خدمت خلق تھا اور اس خدمت خلق کا ومطمح نظر امیر المومنین حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی عادلانہ و صالح حکومت تھی و سیاسی امور میں ہی حضرت فاروق کی پیروی کا اہتمام نہ تھا بلکہ طرز معاشرت میں ان کی پیروی کرتے۔ ص۷۶

۱۷۔ یزید کے طرز معاشرت پر مؤلف کتاب معاویہ و یزید کا بیان ملاحظہ ہو۔

زندگی حد درجہ سادہ تھی۔ عام باشندوں کی طرح ان کا لباس سادہ ہوتا حکومت کے طمطراق اور تزک شاہی سے سخت متنفر تھے لاکھوں روپیہ وظائف وعطایا کا دوسروں کو دریا دلی سے دیتے مگر اپنی ذات پر معمولی خرچ کرتے زہاد و عبادات کی مجالس میں شریک ہوتے۔ امیر یزید کے ہم جلیس زہاد و عبادات تھے۔ علماء و فضلا تھے۔ طلاب و شیدائیانِ علم تھے ان ہی کا گھرانہ مسلمانوں کا پہلا گھرانہ ہے جہاں مختلف علوم کا جو اس زمانہ میں مدون ہو چکے تھے کتب خانہ قائم ہوا۔ امیر یزید کے فرزندوں میں کیسے کیسے فاضل اور صالح عالم تھے۔ خاص کر علامہ خالد بن یزید جو مسلمانوں میں علم کیمسٹری کے موجد ہیں جنہوں نے یونان اور

مصر وغیرہ سے یونانی اور سریانی کتب کے ذخیرے فراہم کئے۔ دارالترجمہ قائم کیا خود بھی تصانیف کیں الولدسرٌ لابیہ اولادیں علم وفضل کے حصول کی اس درجہ خواہش اور تڑپ اپنے باپ ہی کی علمی مجالس اور گھر کے ماحول سے پیدا ہوئی جہاں اکثر قال اللہ تعالیٰ الرسول کی آوازیں آتیں نہ بقول کندا بن عناد موسیقی کی"

خلافت معاویہ ویزید ص۹۴، ۹۵

۱۸۔ مدینۃ النبی سے یزید کا انس اور اس کی محبت کی فرضی داستان برائی کرتے ہوئے عباسی صاحب لکھتے ہیں۔

امیر یزید کو مدینۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم اور جوار رسولؐ کے رہنے والوں سے بڑا انس تھا تینوں سال امیر حج کی حیثیت سے جب دمشق سے حرمین شریفین آتے تو مدینہ میں ضرور قیام کرتے اور اہل مدینہ کو بے شمار وظائف اور عطایا دیتے۔

ملاحظہ ہو خلافت معاویہ ویزید ص۷۳ تا ص۷۶

اموئیت نواز محمود عباسی کے مندرجہ بالا خرافات کو پڑھنے کے بعد بادی النظر میں ایسا معلوم ہونے لگتا ہے کہ یزید کے متعلق تیرہ سو سال سے مسلمانوں کا جو متفقہ اور اجماعی عقیدہ چلا آیا ہے وہ سراپا کذب وافتراء ہے اور گویا یزید صدر اوّل میں ایک ایسی فرد المناقب شخصیت تھی جو اپنے علم وفضل اور حلم وکرم، سخاوت وشجاعت اور اخلاق فاضلہ کے اعتبار سے تمام اہل اسلام سے بڑھی ہوئی تھی اور یہ کہ وہ پیغمبر اسلام کی تعلیمات کا مکمل نمونہ تھا مگر حقیقت اس کے سوا ہے جو کچھ عباسی صاحب نے پیش کیا ہے۔ وہ ان کے چند اپنے نظریات ہیں اور یا ابن تیمیہ حرانی وغیرہ متشددین اور متعصبین کے ذہنی رجحان کے چند نتائج اہل اسلام نے ہر زمانہ میں ان خرافات کی تردید کی ہے اور یزید کے فسق وفجور، کفر وضلال اور اس کے الحاد و زندقہ پر بالصراحت شہادتیں پیش کی ہیں اور علانیہ اس پر لعنت کرنے کے فتویٰ کو جرأت پیش کیا ہے ذیل میں ہم عباسی صاحب کے تمام خرافات کا جواب علماء اعلام کے بیانات کی روشنی میں ہدیہ ناظرین کرتے ہیں ہمارا بیان اگرچہ طول ہوگا مگر ہم مجبور ہیں کہ ان قیاسی

مندرجات کا جواب تفصیل سے پیش کریں اس لئے کہ مولف مذکور کا یہ موضوع اہم اور مرکزی ہے۔ اس بنا پر ہم اپنے ناظرین سے معذرت کرتے ہوئے سیرت اور کردار یزید پر ذرا تفصیلی اعتبار سے کچھ پیش کرتے ہیں۔ ارباب عقل و بصیرت اور اہل دانش کا متفقہ بیان ہے کہ کسی شخص کی سیرت و کردار پر روشنی ڈالنی مطلوب ہو تو یہ معلوم کرنا چاہئے۔ اس شخصیت کا خاندان کیسا تھا۔ پس جس قسم کے اس کے خاندان کے مورثان اعلیٰ ہوں گے وراثت کے طور پر ان کے تمام اطوار و خصائل اور ان کی سیرت و کردار کی جھلکیاں اس شخص میں بھی نظر آئیں گی۔ اس کے علاوہ دوسری بات یہ ہے کہ جس انسان کی سیرت زیر بحث ہے اس کے ماحول کا علم حاصل کیا جائے مثلاً یہ کہ اس نے سب سے پہلے کیسی آغوش میں تربیت حاصل کی۔ دودھ کس نے پلوایا۔ بچپن کس ماحول میں گزرا اور ریعان جوانی کے مست الست لمحے کہاں بسر کئے تیسری بات جو اس سلسلے میں پیش نظر رکھنا ضروری ہے۔ وہ یہ ہے کہ خود اس زیر بحث شخصیت نے اپنی بلوغت کے بعد اپنی عملی زندگی میں از خود کیا کچھ کسب کیا اس کا محبوب اور دلپسند مشغلہ کیا رہا اور اس کے کردار نے صفحۂ قرطاس پر کیا نقوش چھوڑے ہیں ان تینوں امور کے متعلق تفصیلاً تو انشاءاللہ بعد میں کچھ عرض کیا جائے گا پہلے ذرا ہمارے ایک فاضل ہمعصر علامہ سبط حسن کا تحقیقی نوٹ سیرت یزید پر ملاحظہ فرمایئے جو انہوں نے انہی امور کو سامنے رکھ کر تحریر فرمایا ہے فاضل محقق مجلہ ارشاد کے شمارہ ذبح عظیم میں لکھتے ہیں

یزید جس خانوادہ کا چشم و چراغ ہے وہ خانوادہ پیغمبر اسلام کا بدترین مخالف رہا ہے اس کے اگلے بزرگوں کی بدکرداریوں سے اگر چشم پوشی کر لی جاوے اور صرف اس کے دادا ابوسفیان و دادی ہندہ کی انسانیت سوز زندگی کو پیش نظر رکھیں تو اس سے یہ امر ظاہر ہوتا ہے کہ یزید نے بدکرداریوں اور برائیوں کو اپنے دادا اور دادی سے میراث میں حاصل کیا تھا۔ ظاہر ہے کہ یہ میراث یزید نے اپنے باپ معاویہ کے ذریعہ سے حاصل کیا جس نے تاریخ اسلام میں ظلم و جور و بدعات و ضلالت کے دروازوں کو کھولا (اس موضوع کے لئے مشہور سنی اسکالر

مولوی حافظ علی بہادر صاحب کی کتاب "معاویہ و یزید" دیکھی جائے) ابوسفیان و ہند کی کینہ پروری، شراب نوشی، زنا و بدکاری، اور حق پرستی و اسلام کے خلاف ان دونوں کی مسلسل جنگ و جدال تاریخ کے یہ وہ ناقابل انکار حقائق ہیں جس سے کوئی سنجیدہ انسان انکار کرنے کی جرأت نہیں کر سکتا۔ کون ہے جو اس سے واقف نہیں کہ ابوسفیان ہی وہ شخص ہے جس نے پیغمبر اسلام اور اسلام کو مٹانے کے لئے پے در پے طاغوتی لشکر کے ساتھ برابر چڑھائی کرتا رہا اور زک پر زک اٹھانے کے بعد بھی وہ آنحضرت سے برسر پیکار رہا اور بالآخر مجبوریوں میں بظاہر اسلام کو ظاہر کر کے اس کے اپنے کفر کے چہرہ پر نفاق کی نقاب ڈالی ہے ان حالات سے سب ہی واقف ہیں یہاں تک کہ علامہ جاحظ بصری (ابو عثمان عمرو بن بحر) جو عثمانی مسلک اور اموی مذہب رکھتے تھے وہ یہ فرماتے ہیں:۔

ابوسفیان رسول اللہ کی دشمنی اور حضرت سے جنگ اور چڑھائی کرنے میں ممتاز تھا۔ ہمیں یہ معلوم ہے کہ وہ کیونکر اور کن حالات میں مسلمان بنا اور اسلام قبول کرنے میں کتنا خلوص تھا، فتح مکہ کے دن لشکرِ اسلام کو دیکھ کر جو کلمہ اس نے نکالا تھا۔ اس کا مطلب بھی سمجھتا ہوں اور اسی طرح غزوہ حنین میں اس نے جو کچھ کہا وہ بھی معلوم ہے اور جب بلالؓ پہلی مرتبہ کعبہ کی چھت پر اذان دینے گئے اور اس موقع پر ابوسفیان نے جو کچھ کہا یہ سب معلوم ہے جس سے اس کا کفر و نفاق ظاہر ہوتا ہے۔ (رسائل الجاحظ، رسالہ بنی فضل، بنی ہاشم علی عبد شمس، مشرح علامہ حسن السندوبی مصری صفحہ ۷۰ طبع مصر) حقیقت یہ ہے کہ ابوسفیان میں کفر کا رنگ انتہائی چوکھا تھا کہ چھپانے سے بھی نہیں چھپتا اور اسلامی سوسائٹی میں طولانی زندگی گذارنے کے بعد بھی اس کے عقیدہ کفر میں اضمحلال نہیں ہونے پایا تھا۔ جبھی تو حضرت عثمان کے خلیفہ ہونے کے بعد جب وہ دربار خلافت میں آیا ہے تو اس کے دل کی آواز خلیفہ کے سامنے یہ نکلی تھی۔

"بنی تیم و بنی عدی (ابوبکر و عمر) کے بعد خلافت اب تم کو پہنچی ہے دیکھو اس کو گیند کی

طرح جدھر چاہے پھراؤ اور بنی امیہ کو اس کی میخیں بنا کر اس کو مستحکم کرو۔ یہ صرف دنیاوی حکومت وسلطنت ہے۔ دین سے کیا لگاؤ" ولا ادری ما جنۃ ولا نارا "میرے نزدیک روز بازپرس جنت و دوزخ یہ سب کچھ نہیں"

(استیعاب فی معرفۃ الاصحاب علامہ ابن عبدالبر جلد دوم صفحات ۶۹۰، ۱۰۰۷ طبع مصر)

عورت عموماً اپنی صنف کی نزاکت کی وجہ سے نرم دل ہوتی ہے لیکن یزید کی دادی ہند اس سے مستثنیٰ ہے۔ عم رسولؐ جناب حمزہ کی شہادت کے بعد جس قساوت قلبی کا مظاہرہ اس عورت نے کیا وہ تمام تاریخوں میں موجود ہے۔ جناب حمزہ کے جگر کو نکال کر اس نے چبایا اور اعضاء و جوارح کاٹ کر انہیں اپنے گلے کا ہار بنایا، اس سج دھج سے وہ قریش کی عورتوں و کنیزوں کی جھرمٹ میں میدان احد میں خوشی کا مظاہرہ کرتی ہوئی نکلی۔ یزید کا باپ معاویہ انہیں دونوں ابوسفیان و ہند کا بیٹا تھا جس ابوسفیان نے خلیفہ سوم کو خلیفہ ہو جانے کے بعد اموی ہونے کی وجہ سے مندرجہ بالا فہمائش کی تھی اس نے اپنے بیٹے معاویہ کو کیا کچھ تعلیم و تلقین نہ دی ہوگی، انہیں دونوں ماں باپ کی تعلیم و تربیت کا نتیجہ تھا کہ بالفاظ علامہ محمد بن عقیل حضرمی۔

"معاویہ اور ان کے ساتھی بظاہر دین کے پابند نہ تھے اور نہ دل میں شریعت اسلام کے معتقد تھے۔ بلکہ یہ لوگ مکاری، خباثت، غداری، جھوٹ اور دھوکا فریب پر عمل کر کے مقصد برآری کرتے رہتے تھے۔ چاہے یہ امور شرعاً جائز ہوں یا ناجائز یا اس سے خدا راضی ہو یا ناراض انہیں اس کی کچھ پرواہ نہ تھی"

النصائح الکافیہ علامہ محمد بن عقیل الحضرمی ص۱۶۸ طبع حیدرآباد

اسلامی تاریخ کے صفحات ایسے حالات سے پُر ہیں جن سے تاریخ کا طالب علم واقف ہے۔ تمام حالات و واقعات کو نظر انداز کرتے ہوئے صرف ذیل کا واقعہ ہی معاویہ کے باطن کی نقاب کشائی کرنے کے لئے کافی ہے۔

"مطرف بن مغیرہ بن شعبہ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں اپنے باپ مغیرہ کے ساتھ معاویہ

کے پاس دمشق گیا) میرے باپ کا دستور تھا، رات کو دربار میں جاتا اور واپس آکر مجھ سے معاویہ کی عقل وفراست کا تذکرہ کرتا اور جن امور کا اس سے مشاہدہ کرتا اس پر حیرت کیا کرتا تھا ایک روز شب کو بہت زیادہ سست واندوہ گیں واپس آئے اور کھانا وغیرہ کچھ نہ کھایا۔ تھوڑی دیر تک میں یہ سمجھ کر کہ ہم پر کوئی حادثہ گزر گیا۔ یا کوئی بات بگڑ گئی خاموش انتظار کرتا رہا لیکن کب تک چپ رہتا بالآخر اس غم اور خاموشی کا سبب پوچھ بیٹھا جواب دیا کہ بیٹا میں اس وقت سب سے بدترین خبیث کے پاس سے آرہا ہوں میں نے پوچھا کہ آخر وہ خباثت کیا ہے جواب دیا کہ میں اس وقت معاویہ کے پاس تخلیہ میں تھا۔ موقع غنیمت سمجھ کر میں نے کہا کہ اے امیرالمومنین آپ نے اپنی آرزوں کو پالیا، حکومت مل گئی۔ اب بڑھاپا آگیا۔ اگر آپ عدل وانصاف اور نیکی اور بھلائی کریں تو بہت اچھا ہوتا۔ اس کے علاوہ اب آپ اپنے ہاشمی بھائیوں کے ساتھ صلۂ رحم فرمائے کیونکہ قسم خدا کی آج وہ اس قابل رہ ہی نہیں گئے جس سے خوف کیا جاوے یہ سن کر وہ کہنے لگے ہائے افسوس کیوں چھیڑا، دیکھو قبیلۂ تیم کے بھائی (ابوبکر) کو حکومت ملی، انصاف اور جو کچھ چاہا کیا۔ مگر بخدا کیا فائدہ ان کی موت کے ساتھ ان کا ذکر بھی مر گیا۔ اب کہنے والا صرف "ابوبکر" کہہ کر یاد کرتا ہے۔ اس کے بعد قبیلۂ عدی کے بھائی (عمر) کو حکومت ملی بڑی کدوکاوش کی، آن بان سے دس سال تک حکومت کی لیکن بخدا نتیجہ میں ان کا بھی یہی حشر ہوا کہ ان کے ہلاک ہونے پر ان کا ذکر بھی مر گیا اور کہنے والا عمر ہی کہہ کر یاد کرتا ہے۔ ان کے بعد ہمارے بھائی عثمان کو سلطنت ملی بے شک یہ ایسے تھے کہ باعتبارِ نسب کے سب سے بہتر تھے کوئی ان کا مثل نہ تھا۔ انہوں نے بھی جو چاہا مگر ان کے مرتے پر ان کا ذکر بھی مر گیا لیکن قبیلۂ ہاشم کے بھائی (حضرت محمدؐ) کا ذکر خیر زندہ ہے اور روزانہ پانچ مرتبہ مؤذن "اشھد ان محمداً رسول اللہ" کا اعلان کرتا ہے۔ اب بتاؤ کہ ان کے مقابلہ میں کس کا کام یا نام باقی رہ سکتا ہے"۔

(تاریخ مروج الذہب علامہ مسعودی جلد دوم ص۲۱۱ طبع اوّل مصر، النصائح الکافیہ محمد بن عقیل ص۹۳)

اس واقعہ سے نہ صرف اس پر روشنی پڑتی ہے کہ معاویہ کی حکومت میں عدل و انصاف کا فقدان تھا۔ اور ان کا سلوک بنی ہاشم (خاندانِ رسالت سے بدترین تھا بلکہ یہ امر بھی واضح ہو جاتا ہے کہ وہ آنحضرت صلعم کے لئے رسالت کی گواہی کو بھی اچھی نظروں سے نہیں دیکھتا تھا اس سے اس کے ایمان بالرسالت کا اندازہ ہو جاتا ہے اور اس کے دلی خواہش کی غمازی بھی ہو جاتی ہے کہ محمد رسول اللہ کے کلمہ کی طرح لوگوں میں اس کا بھی کلمہ پڑھا جاوے اور غالباً معاویہ ہی کے ساز باز کا یہ نتیجہ تھا کہ جب عمرو عاص نے اہل مصر کا ڈیپوٹیشن معاویہ کے دربار میں بھیجا تھا تو ہر ایک نے "السلام علیك یا رسول الله" کہہ کر معاویہ کو سلام کیا تھا۔

(تاریخ طبری الجزء الاول من المجلد الثانی ص۱۶ طبع بریل لیدن)

یہی وجہ ہے کہ معاویہ کے نزدیک اولادِ رسولؐ، اصحاب پیغمبرؐ ذلیل و رسوا تھے۔ ان کو قید کیا جاتا تھا، شہر بدر کئے جاتے تھے۔ زہر یا تلوار سے قتل کر دیا جاتا تھا اور دین کی مختلف طریقوں سے اہانت کی جاتی تھی (دیکھا جائے امام حسین علیہ السلام کا وہ مکتوب جو آپ نے معاویہ کو لکھا اور جس کو مؤرخین نے نقل کیا ہے) غداران اسلام منافقین اور دشمنانِ اسلام یہود و نصاریٰ (ابن سرجون اور ابن اثال وغیرہما) اس کے مشیر و دبیر تھے۔ یہاں تک کہ مرتے وقت معاویہ کے گلے میں صلیب لٹکتی نظر آتی (محاضرات امام راغب اصفہانی)

یہ تھے یزید کے اب و جد جن کی نسلی خصوصیات اور تعلیم و تربیت نے یزید کو واقعی یزید بنا دیا۔

ولادت یزید اور اس کی تربیت

اسلامی تاریخ کے بے بدل ماہر اور بے مثال مبصر جناب سید اولاد حیدر فوق بلگرامی اپنی کتاب ذبح عظیم میں یزید کی ولادت اور اس کے تربیتی ماحول پر لوٹ رقم کرتے ہوئے بیان فرماتے ہیں۔

"اتحاف النبلاء میں تاریخ ابن خلکان کے حوالہ سے لکھا ہے کہ یزید خلیفہ عثمان کے زمانہ خلافت میں پیدا ہوا۔ اس کی ماں کا نام میسونہ بنت بحدل کلبیہ تھا بعض مورخین کا بیان ہے کہ مخبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی خبر شہادت سن کر اور اس پر یہ معلوم کر کے کہ وہ ناخلف میرے ہی صلب سے ہونے والا ہے معاویہ بن ابوسفیان نے عرصہ تک عورتوں سے مقاربت ترک کر دی قضائے کار ایک بار ایسی ضرورت واقع ہوئی جس کا دفعیہ مقاربت نسوانی کے سوا اور کچھ نہیں تھا وہ سفر کا عالم تھا معاویہ تنہا تھا۔ حکمار نے بہت تلاش کے میسونہ کے باپ کو معاویہ کے ساتھ عقد کر دینے پر راضی کیا اور اس نے اپنی لڑکی کا عقد اس سے کر دیا۔ اسی کے بطن سے یزید کی ولادت ہوئی۔

جہاں تک تاریخوں سے تحقیق کیا گیا ہے یہ معلوم ہوا ہے کہ معاویہ کے لئے یہ شادی ہمیشہ طرح طرح کے رنج و غم کا باعث بنی رہی اور کبھی میسونہ سے اور اس سے نہ بنی اگرچہ وہ صحرائی قبیلہ کی لڑکی تھی مفلس اور پریشان حال۔ اب اس وقت شام کے دارالامارۃ اور قصر خضرا کی آرائش کو دیکھ کر یقین تھا کہ وہ نہایت محظوظ ہوگی اور معاویہ کی متابعت محبت والفت میں اپنی زندگی کے دن نہایت آرام و آسانی سے اور فارغ البالی سے بسر کرے گی مگر برعکس ان باتوں کے اس کو معاویہ سے محبت کی جگہ سخت نفرت ہوتی اور یہ نفرت ایسی بڑھی کہ آخر معاویہ کو اس سے قطع تعلق اور کنارہ کشی کرنی پڑے اب اس قطع تعلق کی وجہ علامہ دمیری کتاب حیوٰۃ الحیوان میں یہ لکھے ہیں۔

ولما اتصلت میسون ابنه بحدل الکلبیه ام یزید بن معاویه و نقلها من النجد الی الشام وکانت ذات جمال باهر وحسن غامر ناعجب بها معاویه فلاشرف مقالت لمعاویه علج علوق فلما دخل معاویه عرضته من کانت سامعه یقولها هذا؟ فقال فارضیتی علجا عنوقا فهی طالق ثلاثه ولنا خذ جمیع ما هو فی القصر فانه لها ثم سیرها

الی اھلھا بنجد وکانت حاملۃ فولدتہ وارضعتہ سنین ثم اخذ بہ معاویہ منھا۔

جب میسون بنت بحدل الکلبیہ مادر یزید سے معاویہ نے ملاقات کی تو اس کو نجد سے شام میں بلایا میسونہ بہت بڑی صاحب حسن وجمال اور قبول صورت تھی معاویہ اس پر فریفتہ تھا میسونہ نے معاویہ کی نسبت اشعار کہے اور ان میں اس کو عجل عنوق (ناک چھدے ہوئے بچھڑے) سے تشبیہہ دی۔ معاویہ اس وقت قصر میں آیا جب وہ یہ اشعار پڑھ رہی تھی اس نے ان اشعار کو اسے پڑھتے ہوئے سن لیا تو میسونہ سے پوچھنے لگا کہ کیا تو مجھ سے رضا مند اور خوشنود نہیں ہے کہ مجھ کو ایسے کریہہ الفاظ علج وعنوق سے مثال دیتی ہے پس اس کو تین طلاق دیئے اور جو کچھ اس کا اثاثہ قصر میں تھا اسے دے دیا پس وہ اپنے لوگوں سے نجد میں جا ملی اور اس کو یزید کا حمل ہو چکا تھا پس اس صحرا میں یزید پیدا ہوا اور دو برس تک ماں کے پاس پرورش پاتا رہا۔ اس کے بعد معاویہ یزید کو اس کے پاس لے آیا۔

مورخ ابوالفدا بھی بذیل تذکرہ یزید بن معاویہ لکھتے ہیں۔

یزید کی ماں میسونہ بنت بحدل کلبیہ تھی وہ اپنی ماں کے ساتھ اسی کے کنبہ میں درمیان بادیہ کلب کے رہا کرتا تھا۔ یزید اور اس کی ماں کے بھیجنے کا باعث یہ تھا کہ یزید میسون مذکورہ ایک روز یہ شعر پڑھ رہی تھی۔

وخرق من بنی عمی فقیر احب الیّ من علج علیق

کاش میں بیاہی جاتی اپنے غریب اور نادار چچازاد بھائی کے ساتھ تو اس کو میں اس گوسالہ کافر کے مقابلہ میں بہتر سمجھتی۔ معاویہ نے کہا مجھے گاؤ کافر سے مثال دیتی ہے اگر تجھ کو میرے گھر میں رہنا منظور نہیں ہے تو جا اپنے کنبے میں۔ وہ بنی کلب کے جنگل میں جہاں اس کا ملک تھا چلی گئی۔ یزید کو بھی ساتھ لیتی گئی۔ اس نے اپنے نانا کے گھر پرورش پائی

(تاریخ ابوالفدا مترجم مطبوعہ دہلی ص ۲۶۷)

بعد ازاں سیّد اولاد حیدر مرحوم عرب نے مشہور مورخ مجوسی منصوری کی تاریخ زبدۃ الفکر کے حوالہ سے میسونہ بنت بحدل کلبیہ کے چند اشعار نقل کئے ہیں جس کا آخری شعر وہی ہے جس کا اوپر تذکرہ کیا گیا ہے۔

مگر صاحب ناسخ التواریخ کتاب تجارب السلف سے اس طلاق کا کچھ اور باعث بتلاتے ہیں۔ ترجمہ حسب ذیل ہے۔

پدر میسون بحدل (یزید کا نانا) کا ایک غلام تھا جس کا نام سفاح تھا۔ میسون اس کے ساتھ معاشرت میں کھلی تھی حتیٰ کہ حاملہ ہوگئی اور معاویہ کے گھر آگئی۔ میسونہ دوشیزگی نہ رکھتی تھی اور اس کا حمل ابھی ظاہر نہیں ہوا تھا۔ یہاں تک کہ یہ بات پوشیدہ نہ رہی اور اچانک یزید کی ولادت ہوئی۔ معاویہ نے اس کو اپنا بیٹا قرار دیا اور یزید کا نام رکھا۔ جس وقت معاویہ میسون سے رنجیدہ ہوا تو اس کو طلاق دے دی اور وہ اپنے باپ کے گھر چلی گئی۔ اور صحرائے نجد میں قیام پذیر ہوئی۔

(ناسخ التواریخ جلد ۶ صفحہ ۴۹۵ کتاب دوم مطبوعہ طہران)

مندرجہ بالا روایت عباسی صاحب نے بھی اپنی تالیف کے صفحہ ۲۸۶ پر نقل کی ہے مگر بغیر تنقید رجال وغیرہ کے مورخ کو مفتری لکھ ڈالا۔ البتہ یزید ملعون کے بچپن کا ذکر کرتے ہوئے صفحہ ۲۸۷ میں یزید کی ابتدائی تربیت کا دور ننہالی قبیلہ کے پاس ہونا تسلیم کر لیا ہے جو ہمارے مندرجہ بالا بیان کی تائید کے لئے کافی ہے۔

جہاں تک غور کیا جاتا ہے میسون سے ترک کرنے کی اصلی وجہ یہی معلوم ہوتی ہے ورنہ زبانی مطاعن اور ہجویہ اشعار ایسی عورت سے مفارقت کرنے کے باعث کبھی نہیں ہو سکتے تجارب السلف کی عبارت حقیقت میں اس امر کا تجربہ ہے کہ جب تک خانگی امور میں ایسے ناجائز تعلقات کا کافی ثبوت نہیں پہنچتا۔ مرد اپنی ناموس سے ترکِ تعلق نہیں کرتا یہی وجہ امیر صاحب کی علیحدگی کی بھی ہوئی اور وہ علیحدگی بھی ایسی شدید کہ ایک نہیں تین

طلاق سے چونکہ اس کے حسن و جمال کے شیدائی اور شکل و صورت کے فدائی ہو رہے تھے اس لئے علامہ دمیری کی روایت کے مطابق انتظار نکاح ثانی بھی نہ کر سکے۔ اپنی نفسانی پرخواہش پر پانی بھی ڈال سکے اور میسون پر خلاف حکم شریعت پھر متصرف ہو گئے اور اس طریقہ سے حمل قرار پایا مگر اس روایت سے قطع نظر کرکے تجارب السلف کے اسناد پر اعتبار کیا جائے تو بھی یزید کا وجود حرام سے ثابت ہوتا ہے۔

بہر حال جس طرح بھی دیکھا جائے یزید کی ولادت اصل اور جائز طریقہ سے ثابت نہیں ہوتی۔ اگر درمیان طلاق خلوت صحیحہ ثابت ہو تو بھی حرام اور اگر سفاح کی شرکت پر یقین کیا جائے تب بھی حرام المختصر دنیا میں یزید کا وجود اس طرح قائم ہوا تو پھر اس کے افعال و اعمال کی نسبت اتنا ہی سمجھ لینا کافی ہے۔ ع اصل بد از خطا خطا نہ کند

یزید کا بچپن بادویت اور عیسائیت میں گذرا۔

یہ امر تو ثابت ہو چکا ہے کہ میسون معاویہ کے گھر سے اٹھ کر اپنے گھر چلی گئی۔ اس قبیلہ کے لوگ وادی بنی کلب رہتے تھے جن کی اقامت اس زمانہ میں علاقہ کے نجد کے جنگلوں میں تھی یزید وہاں پیدا ہوا۔ اور اسی صحرا میں اپنے ننہال کے لوگوں کے ساتھ پرورش پائی۔ مولوی عبدالحکیم صاحب جو شہر آرہ کے مشہور حنفی علماء میں سے ہیں مسدس کربلا کے فٹ نوٹ میں لکھتے ہیں کہ یزید کے ظالم خونخوار اور شقی ترین ہونے کی وجہ یہی تھی کہ اس نے شروع ہی سے صحرا میں پرورش پائی تھی۔ ہم کو مولوی صاحب کی تجویز سے پورا اتفاق ہے کہ صحرائی آب و ہوا نے یزید کی طبیعت سے انسانیت کے جوہر نکال کر حیوانیت کے تمام اجزا کوٹ کوٹ کر بھر دیئے تھے۔ اس میں نہ تہذیب تھی نہ شائستگی نہ اخلاق تھے نہ آداب اور اس کی خالص وجہ یہی تھی کہ وہ ایک عرصہ تک اہل عرب کی اعلیٰ سوسائٹی سے بالکل الگ رہا تھا نہ اس قبیلہ میں کوئی پڑھا لکھا تھا نہ تعلیم و تہذیب تھی اور نہ ایسے لوگوں کی وہاں آمد و رفت تھی اور نہ اس قبیلہ سے ایسے لوگوں کے ساتھ کوئی ارتباط و اتحاد تھا جس کی وجہ سے یزید کی تعلیم و تربیت کی کوئی امید

کی جاسکے۔ یزید سن شعور کو پہنچ کر کبھی اپنی ماں کے پاس رہتا اور کبھی باپ بھی شفقت پدری کے تقاضا سے اس کو شام میں بلا لیتا تو یہ چند روز کی عارضی محبت اس کے اخلاق و آداب کو کہاں تک درست کر سکتی تھی بہر حال اسی تاریک حالت میں ابتدا سے انتہا تک رہا اور دنیا کے محاسن سے اس محروم ازلی کو کوئی حصہ نہ مل سکا اس قبیلہ میں جو کچھ اس نے سیکھا وہ ظلم شقاوت اور مردم آزاری کے سوا کچھ بھی نہ تھا۔ یہ تھا یزید کا ماحول بد۔

اس میں شک کی گنجائش ہرگز نہیں کہ یزید اپنی نسلی خصوصیات اور تعلیم و تربیت و ماحول کے اثرات کے اعتبار سے بالکل بے دین تھا اجداد کی طرف سے شک فی الدین اور نفاق کو ورثہ میں پایا اس کی ماں میسون کلبیہ ایک صحرائی بنی کلب کی بدویہ عورت تھی بنی کلب بادیہ نشین قبیلہ تھا جو قبل اسلام عیسائی مذہب پر تھا۔ ان کے عادات و اطوار صحرائی و جنگلی بدوؤں کے سے تھے جن پر عیسائیت کی رنگ آمیزی بعد اسلام بھی پائی جاتی تھی۔ یزید اپنے بچپنے اور جوانی کی ابتدائی منزلوں میں یہیں رہا اور نھیالی اطوار و کردار کو قبول کرتا رہا جس کی وجہ سے بربریت اور اسلام سے بغاوت اس کی سرشت میں داخل ہو گئی۔ صرف یہی نہیں بلکہ اس کے مہربان باپ نے اپنے فرزند کی تربیت کے لئے اتالیق بھی ایک عیسائی کو ہی مقرر کیا تھا اس لئے یزید کی تعلیم و تربیت اور نشوونما بالکل اسلام کے خلاف ہوئی۔

ڈاکٹر حسن ابراہیم حسن پروفیسر جامعہ ازہر لکھتے ہیں۔

یزید ایک بدویہ عورت سے پیدا ہوا خلیفہ ہونے سے پہلے معاویہ نے اس سے نکاح کیا تھا چونکہ وہ دمشق کے سماجی ماحول کو برداشت نہ کر سکی اس لئے معاویہ نے اسے اس کے خاندان میں بھجوا دیا پس یزید کی تربیت اس کی ماں نے بدوی معتقدات کے مطابق کی جس میں عیش و عشرت اور قوانین سے بے پرواہی شامل تھی۔

تاریخ الاسلام السیاسی ص ۱۷۰

یزید کی ولادت عیسائی ماحول میں ہوئی اور بچپنے کے لمحات بھی یہیں گذرے یہی وجہ ہے کہ اس نے بعد میں جاکر عیسائیوں کو اپنا مقرب خاص بنایا اور عیسائی تربیت سے وہ اتنا متاثر ہوا کہ اپنی اولاد کے اتالیق بھی عیسائی مقرر کئے جن کی وجہ سے وہ بعد میں جاکر اسلامی تعلیمات کے خلاف اعلانیہ بغاوت کرنے پر آمادہ نظر آیا اور تخت اسلام پر بیٹھ کر بغیر کسی شرم وحیا کے اسلام اور اہل اسلام کا مذاق اڑانا اس کا شعار زندگی بنا رہا

علامہ عبداللہ العائلی مصری حنفی یزید کے عیسائی ماحول کے اثرات پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

" یزید عیسائیوں کو بہت زیادہ اپنا مقرب بنائے ہوئے تھا اور بہت سے عیسائیوں کو اپنا محرم اسرار بنالیا تھا۔ چنانچہ مورخین کہتے ہیں کہ وہ نصرانیوں سے اتنا مانوس تھا کہ خود اس نے بھی مثل اپنے باپ کے اپنے بیٹے (خالد) کا اتالیق ایک عیسائی کو مقرر کیا تھا۔ اس امر کے متعلق مورخین میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ یہ صرف اس وجہ سے تھا کہ خود یزید کی تعلیم و تربیت مسیحیت بدویت اور جاہلیت پر ہوئی تھی۔ اسی وجہ سے وہ مشہور عیسائی شاعر اخطل وغیرہ سے بہت زیادہ ارتباط و اتحاد رکھتا تھا۔ بہ یقین کے ساتھ کہا جاسکتا ہے کہ یزید کی تربیت و پرورش خالص مسیحیت کے اوپر تھی۔ نہ خالص اسلام پر اس بنا پر یزید کا اسلام سے کنارہ کش ہونا۔ قانون اسلام سے بغاوت کرنا شریعت اسلام کو حقیر سمجھنا اور اس کی نگاہ میں اسلامی اعتقادات و پابندی مذہب کا کوئی وزن نہ ہونا بعید از عقل امور نہیں ہیں بلکہ اگر وہ پابند اسلام ہوتا تو بعید از عقل تھا اس لئے میں مورخین کی اس روایت کی صحت کا یقین رکھتا ہوں جو اس نے لکھا ہے کہ یزید نے ابن زیاد کو امام حسین علیہ السلام کو قتل کرنے کا حکم دیا تھا۔

(سمو المعنی فی سمو الذات صفحہ طبع بیروت)

یزید کی ولادت اس کی تربیت و پرورش اور اس کی ابتدائی زندگی کے مراحل

پر ہم نے سابقہ اوراق میں کافی روشنی ڈالی ہے اور تاریخی شہادتوں سے ثابت کر دکھایا ہے کہ یزید کی ولادت ہی ناجائز طریق سے عمل میں لائی پھر اس پر بدویانہ ماحول کے تاثرات نے مزید کفر کا رنگ چڑھایا اور اس کی والدہ میسون کے جنگلی اور بدوی اثرات نے بھی یزید کے کیریکٹر پر کافی گہرا اثر ڈالا۔ مگر عباسی صاحب نے ان تمام مسلم تاریخی شہادتوں کو ٹھکرا دیا ہے اور لکھا ہے کہ یزید کی والدہ بڑی مقدس خاتون تھیں اس سلسلے میں عباسی صاحب نے اپنے ممدوح کی والدہ کی تعریف میں زمین و آسمان کے قلابے ملائے ہیں اس حقیقت کو کچھ تو ہم پیش کر چکے ہیں۔ اور مزید اطمینان کے لئے حافظ علی بہادر خان کی تحقیق بھی ذیل میں درج کرتے ہیں اس بحث میں فاضل مجیب نے میسون کے کردار اور یزید پر اسکے اثر کا نتیجہ اور ساتھ ہی عباسی صاحب کی مفروضہ داستانوں کو بھی طشت از بام کیا ہے۔ ان کا بیان ملاحظہ ہو۔

یزید کی ماں کے اثرات

یزید کی ماں میسون کا اثر یزید کے کیریکٹر پر کافی پڑا ہے اس لئے یزید کے حامیوں نے اس عورت کی تعریف میں زمین و آسمان کے قلابے ملائے ہیں مثلاً محمود عباسی صاحب نے تو یہاں تک ثابت کر دیا ہے کہ امام باقر بن زین العابدینؒ سیدہ میسون سے حدیث روایت کیا کرتے تھے۔ اب غور فرمائیے کہ امام باقر کی عمر حضرت امام حسین کی شہادت کے وقت صرف چار برس کی تھی۔ واقعہ شہادت کے چند ہی برس بعد یزید مر گیا اور اگرچہ میسون کی وفات کے متعلق قطعی شہادتیں نہیں ملتی ہیں لیکن مورخین نے اندازہ کیا ہے کہ یزید کی خلافت سے پہلے ہی وفات ہو چکی تھی (انسائیکلوپیڈیا آف اسلام) تو یہ کیونکر ہو سکتا ہے کہ امام باقر نے میسون سے احادیث روایت

کی ہوں لیکن عباسی صاحب نے "خلافت معاویہ و یزید" کے صفحہ ۲۸۴ پر ایک اردو کتاب کی سند سے یہ عجیب بات لکھ دی ہے کہ یزید کی والدہ "سیدہ میسون" سے روایت کرنے والوں میں حضرت محمد (الباقر) بن علی (زین العابدین) ابن الحسین بھی ہیں"

عباسی صاحب نے اپنی کتاب میں ابن کثیر کی "البدایہ والنہایہ" سے بہت مدد لی ہے۔ حالانکہ ابن کثیر کی یہ کتاب مجموعہ خرافات ہے۔ بالکل فضول یا طلسم ہوشربا معلوم ہوتی ہے۔ اسی کتاب سے عباسی صاحب نے یہ دلچسپ روایت صفحہ ۲۷۸ پر پیش کی ہے۔ ذرا اس روایت سے یزید کی شان ملاحظہ ہو۔

" بعض مورخین نے لکھا ہے کہ یزید جب بطن مادر میں تھا، ماں نے خواب دیکھا کہ اس کوکھ سے چاند برآمد ہوا جس کی تعبیر یہ کی گئی تھی کہ بیٹا پیدا ہوگا جو عظیم المرتبت ہوگا

(ص ۲۲۷ البدایہ والنہایہ)

وہ بعض مورخین کون ہیں جنہوں نے میسون کی کوکھ سے یہ چاند برآمد کرایا اسے ابن کثیر اور عباسی دونوں نے راز میں رکھا ہے۔ غالباً اس لئے کہ وہ کوئی بھی نہیں۔

لیکن عباسی صاحب نے اپنی مقبول کتاب "البدایہ والنہایہ" کی ایک اور روایت چھوڑ دی، وہ بھی بڑی دلچسپ ہے ملاحظہ ہو۔

" جب معاویہ نے نائلہ سے نکاح کیا تو میسون سے کہا کہ جاؤ اندر جاؤ اور اپنے چچا کی بیٹی[1] کو دیکھو۔ میسون نے اندر جا کر دیکھا اور واپس آئی تو معاویہ نے پوچھا کہو کیسا پایا۔ میسون نے کہا دیکھنے میں تو حسین ہے مگر میں نے اس کے زیر ناف ایک تل پایا۔ جس کا اثر یہ ہوگا کہ اس کا شوہر قتل ہوگا اور یہ مقتول کو گود میں لے کر بیٹھے گی۔ یہ سن کر معاویہ نے نائلہ کو طلاق دے دی"

---

[1] نائلہ بھی قبیلہ کلب کی تھی اس لئے چچا کی بیٹی کہا۔ اور ممکن ہے چچیری بہن ہی ہو۔

ابن کثیرؒ کی البدایہ والنہایہ سے یہ اقتباس بھی دیدیا جاتا تو خلافت معاویہ
یزید کی وقعت اور بڑھ جاتی۔ یزید کی اماں صرف ثقہ رواۃ حدیث میں سے ہی نہیں
بلکہ وہ نجومی رمال سب کچھ تھیں۔ جو اہن کو دیکھنے گئیں تو اس کے ناف کے نیچے کے حصے
دیکھ ڈالے اور انہیں دیکھ کر ایک عجیب سی پیشین گوئی بھی کر ڈالی۔

یہ روایت بعض اور تاریخوں مثلاً طبری وغیرہ میں بھی ہے اور اس کے بعد یہ بھی ہے
کہ معاویہ کے طلاق دینے کے بعد نائلہ حبیب بن مسلمہ کے نکاح میں آئی اور اس
کے بعد نعمان بن بشیر الانصاری سے اس کا نکاح ہوا جو قتل ہوا اور وہ مقتول کو گود
میں لے کر بیٹھی۔ گویا کہ پیشین گوئی پوری ہو گئی۔

یہ روایت مختصراً تبصرہ کی مقتاضی ہے کیونکہ اس سے میسون اور معاویہ دونوں
کے کیرکٹر کے بعض پہلوؤں پر روشنی پڑتی ہے۔

پہلی بات تو یہ ہے کہ روایت سرے سے بے بنیاد ہو اور مورخین نے
زیب داستان کے لئے بڑھائی ہو جس کے نتائج سے نہ ہم بے نیاز ہو سکتے ہیں اور
نہ ہی تاریخ کو آیات قرآنی کی طرح شبہ سے بالاتر سمجھ سکتے ہیں۔ کچھ عربی تاریخوں پر
ہی منحصر نہیں انگریزی تاریخوں کا بھی یہ حال ہے۔ ان تاریخوں کو بہت چوکنا ہو کر پڑھنا
پڑتا ہے۔ اس کتاب میں تاریخوں کے حوالے دیتے ہوئے اس کا پورا لحاظ کیا جا رہا ہے

دوسری بات یہ ہے کہ روایت بے بنیاد نہیں ہے اس زمانہ کے سماجی و مذہبی
حالات کی روشنی میں اسے دیکھئے تو معلوم ہوتا ہے کہ ایسا واقعہ غیر ممکن نہیں۔ یہ اپنے
اقتدار اور حکومت کے متعلق معاویہ کے مزاج میں انتہائی احتیاط تھی۔ انہوں نے
جہاں اور بدعات جاری کی تھیں وہاں وہاں ایک یہ تھی کہ مسجد تک میں نماز کے لئے اپنا
ایک خاص مقام بنایا تھا جس کی حفاظت کے لئے ان کے خاص اعتماد کے آدمی
ہوتے تھے۔ وہ جب کہیں جاتے تھے خواہ نماز کے لئے ہی جائیں تو خاص محافظ

اڈی گاڈ) آگے پیچھے ہوتے تھے پس یہ ہو سکتا ہے کہ میسون نے معاویہ کے مزاج کی
احتیاط پیش نظر رکھتے ہوئے یہ چال چلی ہو کہ زیر ناف تل کی موجودگی کی بنیاد پر اس
کے کسی عقیدہ کا تذکرہ کیا ہو اور معاویہ نے احتیاط اس میں پائی ہو کہ طلاق دے کر
ی والی پیشین گوئی کے خوف سے نجات حاصل کر لی جائے۔

کچھ بھی ہو یہ روایت عباسی صاحب کی مقبول تاریخ "البدایہ والنہایہ" میں ہے
ورخ شیعہ نقطہ نظر کا دشمن ہے لہٰذا یہ کہہ کر وہ نہیں چھوٹ سکتے کہ شیعوں
ہ یہ روایت تاریخوں میں داخل کر دی ہے۔

اس زمانہ میں نکاح و طلاق آسان تھے۔ عرب میں لکھنو کی تہذیب نہیں تھی
ماں طلاق بہت کم ہوتی ہے اور مطلقہ ہونا بڑا عیب ہوتا ہے عرب میں آج بھی
اح و طلاق دونوں آسان ہیں لہٰذا معاویہ کے لئے کوئی رکاوٹ نہیں تھی۔ اور
سون نے یہ چال چل کر ایک رقیب سے چھٹکارا پالیا۔

اس روایت کا ایک اور پہلو یہ بھی ہے کہ نائلہ کا یہ واقعہ میسون کے نکاح سے پہلے
کو صرف بالواسطہ شہادت اس بات کی ہے کہ میسون کا نکاح معاویہ کے قبضہ
انت سے پہلے جلد ہی ہو گیا تھا کیونکہ یزید کی پیدائش حضرت عثمان یا بروایت
ض حضرت عمر کے زمانہ میں ہوئی تھی لیکن ہو سکتا ہے کہ نائلہ کا نکاح اس سے بھی
لے کا واقعہ ہو اور میسون نے اس حیلہ سے طلاق دلا کر اپنے لئے جگہ پیدا کی ہو اور معاویہ
ے نائلہ کو طلاق دے کر میسون سے شادی رچائی ہو۔

بہر کیف میسون اور نائلہ کے متعلق یہ روایت مزید تحقیق کی محتاج ہے۔

میسون اور معاویہ کا اختلاف

میسون اور معاویہ کے اختلاف کی بحث بھی
یزید کی ابتدائی اور بعد کی زندگی کو سمجھنے
لے لئے ضروری ہے۔ کیونکہ مورخین نے اس اختلاف کو یزید کی تنہائی زندگی کی بنیاد

قرار دیا ہے۔

اس اختلاف پر مبصرین دو گروپ میں بٹ گئے ہیں۔ ایک وہ جو سمجھتے ہیں معاویہ نے طلاق دے دی تھی۔ دوسرے وہ جن کا خیال ہے کہ صرف جدائی ہوئی تھی طلاق تک نوبت نہیں پہنچی تھی۔ اب تیسرا مکتب خیال پیدا ہو رہا ہے جسے یزید سے متعلق ہر چیز میں خوبی ہی خوبی نظر آتی ہے۔ اس گروپ کے نزدیک جس کے ایک ممبر محمود احمد عباسی ہیں۔ یزید کی ماں اتنی نیک تھی کہ اس کے متعلق معاویہ سے اختلاف کی تمام روایات شیعوں کی ایجاد ہیں اور سنی مؤلفین و مفسرین نے آنکھیں بند کر کے ان روایات کو قبول کر لیا ہے۔

محمود احمد عباسی نے میسون کی "دینداری" اور احکام شریعت کی "پابندی" میں اتنا مبالغہ کیا ہے کہ معاویہ کی بھی توہین کی ہے۔ ایک موقع پر معاویہ صحیح مسئلہ قرآن کے مطابق بتاتے ہیں مگر میسون ان کی اصلاح کر کے مسئلہ کی غلط پوزیشن پیش کر دیتی ہے محمود احمد عباسی والدہ یزید کی دینداری کے زیرِ عنوان لکھتے ہیں۔

"امیر یزید کی والدہ بڑی دیندار خاتون تھیں۔ احکامِ شریعت کی سختی سے پابندی کرتیں۔ ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ معاویہ اپنے عہدِ خلافت میں دربارِ عام سے اٹھ کر زنان خانہ میں آئے اس وقت ایک زنخا خادم بھی ساتھ چلا آیا۔ سیدہ میسون نے اس زنخے خادم سے بھی پردہ کیا

"ایک دن حضرت معاویہ ان کے (میسون) کے پاس گئے۔ اس وقت ایک زنخا خادم بھی ان کے ساتھ تھا۔ انہوں نے اس سے پردہ کیا اور (حضرت معاویہ سے پوچھا) یہ کون شخص آپ کے ساتھ ہے؟ انہوں نے جواباً کہا یہ زنخا ہے۔ تم اس کے سامنے آسکتی ہو اس پر سیدہ میسون نے کہا کہ زنخا ہونے سے خدا نے جو حرام کیا ہے حلال نہیں ہو سکتا۔ پھر انہوں نے اس سے پردہ کیا (ص۱۵۸ ج ۸ البدایہ والنہایہ)

ایسی دیندار اور پابند احکام شریعت مسلمان خاتون کے بارے میں طرح طرح کی واہی و نخیف ادائیں وضع کی ہیں۔ کہتے ہیں کہ حضرت معاویہ کی یہ زوجہ سیدہ میسون اور حضرت عثمان کی زوجہ سیدہ نائلہ دونوں مذہباً حریت پسند عیسائی (ہ ہ ہ ہ ہ) تھیں (صفحہ ۱۹۵ تاریخ عرب مؤلفہ ہتی بحوالہ اغانی)

(خلافت معاویہ و یزید صفحہ ۲۸، ۲۷۹)

اس اقتباس میں میسون کی دینداری کا نمونہ عباسی صاحب نے اپنی محبوب کتاب "البدایہ والنہایہ" سے دیا ہے جس میں قرآن مجید کے ایک کھلے حکم کو میسون نے بدل ڈالا ہے اور جب معاویہ نے ٹھیک مسئلہ بتایا تو اپنے شوہر کو بھی یہ کہہ کر جھڑک دیا ہے کہ خصی ہونے سے خدا نے جو حرام کیا ہے حلال نہیں ہو سکتا۔"

قرآن میں "سورہ نور" میں عورتوں کی زینت چھپانے کے لئے جو حکم ہے اور جس سے پردہ کا مسئلہ نکالا گیا ہے۔ اس میں ان عورتوں کی بھی تفصیل ہے جن سے زینت چھپانے کی ضرورت نہیں۔ اسی فہرست میں "اوالتابعین - - - - - - - -" بھی ہیں یعنی مردوں میں سے وہ لوگ جن کو جنسی خواہش نہیں ہوتی۔ تمام مفسرین کا اتفاق ہے کہ خصی مردوں پر اس کا اطلاق ہوتا ہے اسی لئے معاویہ نے میسون کو بتایا کہ یہ مرد جو میرے ساتھ آیا ہے خصی ہے اس کے سامنے تم آسکتی ہو لیکن میسون نے یہ تشریح قبول نہیں کرتی اور قرآن کی آیت کے خلاف کہتی ہے کہ خصی ہونے سے حرام حلال نہیں ہو جاتا۔

دینداری کی یہ مبالغہ آمیز داستان اس واقعہ کی تردید کے لئے گھڑی گئی ہے کہ میسون "حریت پسند" عیسائی تھی اور اہلسنت کے جذبات مشتعل کرنے کے لئے حضرت عثمان کی بیوی نائلہ کو بھی عیسائیت کے ایمان میں شامل کر دیا ہے۔ اس قسم کی اشتعال انگیزی عباسی صاحب کی کتاب میں جگہ جگہ پائی جاتی ہے۔

خواہ میسون عیسائی تھی یا نہیں لیکن یہ بات متفق علیہ ہے کہ اس کا قبیلہ بنو کلب اسلام سے قبل عیسائی قبیلہ تھا اور یہ بھی متفق علیہ ہے کہ یہ قبیلہ عہدِ رسالت میں مسلمان نہیں ہوا تھا بلکہ عہدِ رسالت کے بعد جب شام فتح ہوا تھا تو یہ قبیلہ دائرہ اسلام میں آیا تھا پس مورخین جس بات پر زور دے رہے ہیں وہ اتنی بات ہے کہ میسون کی پرورش ایسے ماحول میں ہوئی تھی جو عیسائی رسم و رواج سے متاثر تھا۔

عیسائی پادریوں نے صرف اس لئے یزید کی حمایت کی ہے کہ وہ یزید کو عیسائی ماحول کی پیداوار سمجھتے تھے۔ عمر ابوالنصر لکھتا ہے۔

وما استاذ یزید او اساتذۃ اذا کانوا غیر واحد فانھم مجھولون[1] وقد اسف لامنس المشترق الیسوعی لھذا النقص التاریخی[2] لانه یعتقد ان استاذ یزید، لا یبعد ان یکون مسیحًا من مشارقۃ النصاریٰ خصوصًا و یزید نفسه قد کلف کاھنا مسیحًا بتثقیف ولدہ خالد۔ و ھذہ ظاھرۃ تروج الیٰ انه قد یکون تلقی العلم عند واحد منھم[2]

اور یزید کے استاد یا اساتذہ اگر ایک سے زائد ہوں تو ان کا کوئی علم نہیں اس تاریخی نقص پر عیسائی مستشرق لامنس نے بہت افسوس کیا ہے۔ کیونکہ اس کا عقیدہ ہے کہ یہ بات بعید نہیں کہ یزید کے استاد عیسائی ہوں مشارقہ نصاریٰ میں سے خصوصًا جب کہ خود یزید نے اپنے بیٹے خالد کی تعلیم و تربیت کے لئے ایک مسیحی کاہن کو مقرر کیا تھا۔ اس سے بھی پتہ چلتا ہے کہ اس نے ان (عیسائی استادوں) میں سے علم حاصل کیا ہوگا۔

---

[1] معاویہ از لامنس صد ۳۵۶

[2] الآداب العربیہ (ھوار) صد ۴۱

یہ بات تو غلط معلوم ہوتی ہے کہ میسون عیسائی تھی لیکن اس میں بھی شک نہیں کہ یزید کی زندگی پر ابتدائی اثرات ایسے ماحول کے پڑے ہیں جس میں عیسائی تہذیب رائج تھی۔

یزید تو درکنار خود معاویہ کی زندگی میں بھی عیسائی تہذیب کے اتنے اثرات نمایاں ہیں جتنے قرب وجوار کی عیسائی سوسائٹی کے پڑ سکتے تھے۔ مثلاً جو اقتباس "البدایہ والنہایہ" کا پیش کیا جا چکا ہے۔ اس میں خصی ملازم کا واقعہ اسی پر دلالت کرتا ہے۔ خصی مردوں کو شاہی حرم میں رکھنے کا رواج رومی حکمرانوں کا شعار تھا۔ اسلامی تہذیب میں اس کا کوئی وجود نہیں۔ یہ بدعت بھی معاویہ ہی نے اسلام میں شروع کی جو بعد میں خلفائے اسلام کی حرم سراؤں میں رائج ہو گئی۔ چنانچہ نام نہاد خواجہ سراؤں کا تذکرہ مسلم فرمانرواؤں کی زندگیوں کا لازمہ ہو گیا۔

بہرکیف یزید پر مسیحی تہذیب کے اثرات کافی تھے اور اس کی بعض عادات مثلاً شراب نوشی اسی تہذیب کا عطیہ تھیں۔

یزید نے نہ صرف اپنے بیٹے کے لئے مسیحی استاد مقرر کئے بلکہ اس نے مسیحی ایجنٹوں کو دیگر کاموں کے لئے بھی استعمال کیا۔

ڈاکٹر طٰہٰ حسین نے "ادب الجاہلی" میں لکھا ہے۔

عثمان کی شہادت، اسلامی شیرازہ کی پراگندگی اور خانہ جنگیوں کے بعد بالآخر پورے طور پر بنی امیہ کا اقتدار اور تسلط تاریخ کی واضح حقیقتیں ہیں۔

اب وہ وقت آ گیا تھا جب خلیفہ کی سیاسی پالیسی میں تبدیلی ہو گئی۔ زیادہ گہرے الفاظ میں یوں کہئے کہ "وہ پالیسی جو عمر نے اختیار کی تھی بے کار کر دی گئی اور اسے ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا۔"

یعنی ان عادتوں اور کینوں کو یاد دلانے کی شدید روک تھام جو قبل اسلام پائی

جاتے تھے۔ اب عرب قوم اپنی بدترین عداوتوں کی طرف پھر لوٹ آئے جو عہد جاہلیت میں ان کے ساتھ مخصوص تھی۔ مقابلہ، موازنہ، مفاخرت اور ہجویات کی وبا پوری اسلامی دنیا میں ایک سرے سے دوسرے سرے تک پھیل گئی۔

اس سلسلہ میں امیر معاویہ اور یزید بن معاویہ کے حضور شعرائے انصار اور دیگر شعرائے عرب کے درمیان جو رقابتیں رونما ہوئی تھیں ان کا تذکرہ کردینا ہی یہ اندازہ کرنے کے لئے کافی ہوگا کہ عربی قوم کس حد تک اپنی عصبیت کی طرف واپس آچکی تھی شاید آپ کی نظر سے وہ روایت بھی گذری ہوگی جو ہمیں خبر دیتی ہے کہ حسان بن ثابت کے بیٹے عبدالرحمٰن نے بنو امیہ کو رسوا اور ذلیل کرنے کے لئے امیر معاویہ کی بیٹی برملہ کا نام لے کر تشبیب کے کچھ اشعار کہے (یعنی اس کو اپنی جنسی خواہشات کا مقصود ٹھہرایا)

امیر معاویہ نے تو اپنی عادت کے موافق درگزر سے کام لیتے ہوئے صرف اتنا کہا۔

" اس کی دوسری بہن ہند سے اور تم سے کوئی بات اللہ نہیں ہے؟" لیکن یزید بن معاویہ پورا پورا اپنے دادا ابوسفیان کے اوپر پڑا تھا۔ عصبیت۔ اقتدار کی ہوس بے باکی اور اسلام کے بنائے ہوئے اصول و قواعد سے بیزاری اس کی فطرت کے جوہر خصوصی تھے وہ کہاں برداشت کر سکتا تھا؛ اس نے کعب بن جعیل کو انصار یوں کی ہجو کرنے پر ابھارا، کعب بن جعیل نے یہ کہتے ہوئے انکار کر دیا کہ

" کیا تو مجھے پھر کفر کی طرف واپس لوٹانا چاہتا ہے؟" پھر یزید نے اخطل سے کہا مذہباً عیسائی ہونے کی وجہ سے اخطل نے اس کی خواہش قبول کرتے ہوئے انصار کی شدید ترین ہجو کہہ ڈالی جو آناً فاناً مشہور ہو گئی۔

(ادب الجاہلی ترجمہ انجمن ترقی اردو ص ۲۰۶، ص ۲۰۷)

ڈاکٹر طہٰ حسین جیسے غیر جانبدار آزاد ناقد کی کتاب سے یہ طویل اقتباس یہاں اس لئے بھی پیش کیا گیا ہے کہ یزید سے قبل معاویہ کے دور کے تغیرات کا اندازہ ہو اور اس لئے کہ یزید کے عیسائی ایجنٹوں کی کارروائیوں پر روشنی پڑے۔ انصار کی ہجو کرنے سے جب مسلم شاعر انکار کرتے ہیں تو یزید کو عیسائیوں کی خدمات حاصل کرنے میں کوئی پس و پیش نہیں۔ عبدالرحمٰن نے اگر یزید کی بہن کی توہین اپنے اشعار میں کی تھی تو یزید کو حق تھا کہ عبدالرحمٰن کو سزا دلاتا یا اس کی ذاتی ہجو کہلاتا لیکن تمام انصار کی ہجو سے کیا مطلب تھا؛ اس نے ذرا پرواہ نہ کی کہ انصار کی شان میں رسول اللہ کیا کیا فرما گئے ہیں۔ اس نے نہ صرف عبدالرحمٰن پر جواب میں حملے کرائے بلکہ تمام انصار پر کیچڑ اچھلوائی

اس سے یہ بھی اندازہ ہوتا ہے کہ اس قسم کے عیسائی اس کی مصاحبت اور ملازمت میں رہتے تھے جن سے وہ اسلام پر حملے کرانے سے نہیں چوکتا تھا۔

عیسائیت کا یہ اثر اس کی ماں میسون کے قبیلہ سے اس میں ابتدائی زندگی گزارنے کے سبب آیا تھا۔ بچپن ہی میں اس کی ماں دمشق سے لے گئی تھی جہاں سے تاریخی معلومات کے مطابق ۳۳ھ میں دمشق واپس آیا تھا جس کا مطلب یہ ہوا کہ تقریباً بارہ تیرہ یا شائد تیرہ چودہ برس کی عمر تک وہ قبیلۂ بنو کلب کے اثر میں رہا جو عہدِ رسالت کے بعد دائرہ اسلام میں آیا تھا۔ اور غالباً اس وقت تک بھی اس میں عیسائیوں کی کچھ تعداد باقی تھی۔ میسون پر یزید سے زیادہ اثر ہوگا کیونکہ اس کی ساری زندگی اسی تمدن و تہذیب میں گزری تھی۔ دوسرے وہ عورت تھی اور عورتیں اپنے سماجی میلانات و رسوم کو مذہب بدلنے کے بعد بھی آسانی سے نہیں بدلا کرتیں۔

یہ بھی واضح رہے کہ بنو کلب کے طور و طریق زیادہ تر بدوی نہج پر تھے اور بالخصوص

یزید کے متعلق تو ثابت ہے کہ وہ دمشق سے گیا تو ابتدائی زندگی اس کی بادیہ میں گزری
یہ امر قرآن سے ثابت ہے کہ عرب کے بادیہ نشین اسلامی اصول ذرا آہستہ ہی جذب
کرتے تھے۔ سورہ حجرات میں ہے

قالت الاعراب اٰمنّا
لم تؤمنوا ولکن قولوا اسلمنا
(الحجرات)

اعراب کہتے ہیں کہ ہم ایمان لے آئے ہیں۔
ان سے کہو کہ تم ایمان کے درجہ پر نہیں
پہنچے ہو۔ لیکن تم کہو کہ ہم اسلام لائے ہیں
(یا اسلام کے تابعدار ہو گئے ہیں)

اس آیت اور دوسری آیات سے بھی جن میں اعراب (بادیہ نشین عرب) کا
لفظ آیا ہے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ بادیہ نشین اول صرف اطاعت اسلام کرتے تھے پھر
آہستہ آہستہ ان میں اسلامی عقائد رچتے تھے۔

بنو کلب بھی بادیہ نشین تھے اس لئے یہ بھی توقع کی جا سکتی ہے کہ عیسائی مذہب
کے اثرات سے ہوں گے اور ان اثرات سے یزید کا کیریکٹر متاثر ہوا ہوگا۔

اب اُن اشعار کا سوال پیدا ہوتا ہے جو میسون کی طرف منسوب کیے جاتے جن میں
دمشق کی زندگی سے بیزاری اور صحرائی زندگی کی یاد ہے اور کہا جاتا ہے کہ معاویہ نے ان
اشعار کو سن کر میسون کو رخصت کر دیا اور وہ اپنے بچہ یزید کو لے کر میکے چلی گئی۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ ثبوت دینا مشکل ہے کہ یہ اشعار میسون کے ہی ہیں
ساتھ ہی اس کا بھی کوئی ثبوت نہیں کہ یہ اشعار میسون کے نہیں۔ اور نہ اس کا قطعی
ثبوت ہے کہ کسی اور کے اشعار ہیں جن کو اپنے جذبات کے مطابق پا کر میسون نے پڑھا
ہوگا۔

ان اشعار میں کوئی ایسی بات نہیں جو غیر معمولی ہو۔ ایک عورت جس کی زندگی صحرا
کی آزاد فضا میں گزری ہو دمشق کی زندگی کے رسم و قیود سے تنگ آ کر اپنی سابقہ صحرائی

زندگی کو یاد کر سکتی ہے عربی اشعار گزشتہ صفحات میں دیئے جا چکے ہیں ذیل میں ان اشعار کا وہ ترجمہ بھی دیا جا رہا ہے جو محمود احمد عباسی صاحب نے اپنی کتاب "خلافت معاویہ و یزید" میں دیا ہے۔ یہ ترجمہ منظوم ہے۔

دخترِ صحرا کی آواز

خیمۂ صحرا کہ جس میں چلتی ہے ٹھنڈی ہوا
قصر والوں سے ہے بڑھ کر پُر فضا میرے لئے

رکھتی تھی بے چین مجھ کو گرچہ وہ اونی قبا
نرمِ جاہلیت بھی تھی راحت فزا میرے لئے

خشک ٹکڑے کھانا خیمے کے ہی اندر بیٹھ کر
بڑھ کے نانِ تازہ سے ہے خوش مزا میرے لئے

وادیوں میں ہے ہوا کی سنسناہٹ جس قدر
دف و نقارہ سے بڑھ کر خوش نوا میرے لئے

بھونکنا کتے کا نو آمد مہماں کو دیکھ کر
گربۂ مانو سے بھی خوش نوا میرے لئے

بار اٹھائے پشت پر یہ بن بیاہی اونٹنی
تیز رو خچر سے بھی ہے خوش ادا میرے لئے

سیدھا سادہ نیک دل غربت کا مارا ابن عم
اجنبی سرکش میاں سے خوش ادا میرے لئے

زندگی صحرا کی گو کتنی ہی پُر تکلیف وہ
خوشگوار ہیں ناز و نعمت سے سوا میرے لئے

اب قیام اس بے وطن کا اس جگہ ممکن نہیں
ہے وطن کی سرزمیں راحت فزا میرے لئے

ہم نے "فرائد الدہر" سے جو اشعار نقل کئے تھے ان سے یہ تعداد زیادہ ہے لیکن اصل شعر جس کا سارا جھگڑا ہے وہ دونوں میں موجود ہے یعنی

وحرق من بنی عمی ففیر
احب الی من علج عنیف

اس کا ترجمہ عباسی صاحب کی کتاب میں یہ ہے۔

سیدھا سادہ نیک دل غربت کا مارا ابن عم
اجنبی سرکش میاں سے خوش ادا میرے لئے

یہ منظوم ترجمہ غلط ہے۔ اوّل تو اس میں "میاں" کے لفظ کا اضافہ کر دیا گیا ہے جو عربی میں نہیں ہے۔ شعر میں معاویہ پر بالراست حملہ نہیں ہے لیکن "میاں" کے لفظ نے یہ حقیقت واضح کردی ہے کہ گویا شعر میسون کا ہے جو اپنے شوہر پر بالراست حملہ کر رہی ہے۔ میسون نے "علج عنیف" کہہ کر صرف اشارہ کیا ہے۔ عبارت کا مطلب "سنڈ مسنڈ گدھے" سے پورا ہو جاتا ہے۔ اس شعر میں کسی چچیرے بھائی کا بھی ذکر ہے جس سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ میسون کی شادی اپنے چچیرے بھائی سے ہونے والی تھی مگر پھر کس طرح معاویہ سے ہو گئی۔ وہ خواہش کی زندگی سے تنگ آ کر سوچتی ہے۔ اگر بجائے اس سنڈ منڈ گدھے کے اس غریب سے ہو جاتی تو زندگی زیادہ خوشی سے کٹتی۔

ان اشعار اور ان سے متعلقہ واقعات کی صحت کی گارنٹی بے شک مشکل ہے لیکن "خلافت معاویہ و یزید" میں ان اشعار کی تردید میں بھی کوئی واضح دلیل نہیں دی گئی۔ صرف لامنس کی یہ رائے پیش کی گئی ہے۔ "یہ اشعار نہ میسون کے ہیں اور نہ یہ صحیح ہے کہ یہ شعر اس نے کہے ہوں۔" اس رائے کو پیش کرتے ہوئے عباسی صاحب نے اس عیسائی مورخ کو محقق لامنس کا خطاب دیا ہے لیکن اسی "محقق" نے متعدد باتیں مخالفت میں بھی لکھی ہیں مثلاً اس کی یہ قطعی رائے ہے کہ "یزید پر عیسائیت کے اثرات پڑے تھے کیونکہ قبیلہ بنی کلب عیسائی سے مسلمان ہوا تھا۔" (یزید بن معاویہ ص ۹۲)

بہرکیف یزید کی ابتدائی زندگی اور عین شباب کے حالات و واقعات اور اس کے خصوصی مشاغل پر اگر نظر ڈالی جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ نوخیز اور الھڑ قریشی نوجوان نام نہاد مسلمانوں کے گھر میں پیدا ہونے کے باوجود اسلام سے روشناس نہ ہو سکا اور اپنے ماحول کے اثر کی وجہ سے عیسائیت کو ہی اپناتا رہا۔ اس لئے اس کا یہ ترانہ کانا"

لعبت ھاشم بالملک فلا

خبر جاء ولا وحی نزل

(محمد ہاشمی حصول سلطنت کے لیے ایک کھیل کھیلتے تھے دراصل نہ ان پر کوئی وحی نازل ہوئی اور نہ کوئی آسمانی خبر آئی۔ دلیل ہے اس امر کی کہ یزید اپنے عقائد کی بناء پر کفر پر ہی رہا۔ یا اس کا یہ کہنا "اے ساقی مجھے خوب شراب پلا کچھ پرواہ نہ کر اگر یہ دین محمدی میں حرام ہے تو ہو لے دو۔ دین مسیحی میں تو حلال ہے، اور مجھے ستار و سارنگی کے نغموں سے اذان کی آواز سننے کی فرصت کہاں یا بانگ دہل یہ اقرار کرنا۔

یہ جو دوسری زندگی کے قصے سنتے ہونگے۔ یہ بار بہ خیالات اور محض خرافات باتیں جو انسان کے خیال کو نادانی میں مبتلا کرتے ہیں۔ یہ تمام امور حیرت و استعجاب کا سبب نہیں ہیں یزید کی شخصیت کو ایسا ڈھالا گیا تھا کہ وہ یہ سب کچھ کہتا اور اسلام سے بغاوت کرتا۔ اسلامی تعلیم سے بغاوت اس کی اس قدر بڑھ گئی کہ اس نے انسانیت کی اقدار و قوانین کو بھی پس پشت ڈال دیا اور وہ علانیہ اپنی ماں بہنوں اور بیٹیوں کو شہوت کا نشانہ بناتا۔ چنانچہ عبداللہ بن حنظلہ غسیل الملائکہ جب یزید کے پاس سے ہو کر آیا تو صاف طور پہ بتلایا کہ مجھے خوف ہے کہ آسمان سے کہیں عذاب کے پتھر نہ برسیں یزید تو انتہا بے دین ہے کہ۔ انہ رجل ینکح الامہات الاولاد والبنات والاخوات ویشرب الخمر ویدع الصلوٰۃ۔

ماں بیٹیوں۔ بہنوں سے اپنی خواہش پوری کرتا ہے۔ علانیہ شراب پیتا ہے اور تارک نماز ہے۔ (صواعق محرقہ ابن حجر ص ۱۳۲ طبع مصر)

یزید کا اپنی پھوپھی پر عاشق ہونا

ہم اپنے مندرجہ بالا بیان کی تائید میں ایک تاریخی شہادت پیش کرنا چاہتے ہیں جس میں یہ صاف طور پہ لکھا ہے کہ یزید کا اپنی ماں۔ بہنوں اور بیٹیوں سے خواہشات نفس کا پورا کرنا کوئی عجیب امر نہیں ہے اس کے شب و روز کے مشاغل زندگی ہی اس قسم کے تھے کہ وہ اپنی باپ کی مدخولہ سے بھی منہ کالا کرنے میں باز نہ رہتا تھا۔ چنانچہ صاحب مناقب فاخرہ

مولوی احمد شاہ صاحب لاہوری لکھتے ہیں۔

"یزید اپنی پھوپھی پر عاشق ہو گیا اور اپنے عشق کو اس سے چھپائے رکھا ایک دن وہ اپنی پھوپھی کو لے کر باغ میں گیا اور ایک گوشہ میں بیٹھ کر حکم دیا گیا کہ سانڈ گھوڑا مست گھوڑی پر چھوڑا جائے۔ جب گھوڑے نے جفتی کی اور اس کی پھوپھی نے بھی دیکھا تو وہ بے قابو ہو گئی یزید نے اس کی مستی کو تاڑ لیا اور پھوپھی کو وہاں سے الگ لے جا کر ایک خاص مقام پر اس سے منہ کالا کیا لیکن اس کو باکرہ نہ پایا یزید نے سبب پوچھا تو معشوقہ نے کہا کہ تیرے باپ نے کسی کا کنوارا پن چھوڑا بھی ہے؟ (مناقب فاخرہ ص۴۶)

ام المومنین عائشہ سے خواستگاری کا ارادہ

غرضیکہ جو دماغ ان ہی خیالات میں پرورش پا رہا ہو اور جس شخص کی بے لگام طبیعت ایسے قسم کے مذاق میں پل رہی ہو اس کے نتائج کیا ہوں گے ہر وقت صبح عیش بپا رہتی تھی شراب رومی کے دور پر دور چل رہے تھے شاہدان پری پیکر کے ہر وقت جھرمٹ لگے رہتے تھے اور پریوں کے اس اکھاڑہ میں خلافت اسلامی کا یہ رنگیلا اور البیلا ولی عہد داد و عیش لے رہا تھا۔ یزید کا سن پورے عروج پر تھا اور کچھ اس کا سن ہی شباب پر نہیں تھا بلکہ اس کی تمام آرزوئیں۔ تمنائیں۔ خواہشیں اور امیدیں پوری حد تک پہنچی ہوئی ہیں۔ ہائے جوانی کمینے کا پورا پورا عالم تھا اس پر سے جنون کے زمانے میں اس کو کسی شے کی خبر نہ تھی اگر دنیا و ما فیہا سے کچھ یاد تھا تو بس اپنے سامان عیش کی فراہمی۔ اپنے رنگین جلوؤں کی ترتیب اپنی تمام آرزوہائے دلی کا بر لانا وغیرہ قسمت سے باپ بھی ایسا ملا جو ضرورت سے زیادہ شفیق اور مہربان و مطیع تھا جو ہر وقت تعمیل فرمان کے لئے کمر بستہ رہتا تھا اور جس کا مرتے دم تک یہی مقولہ تھا کہ "از پئے ہمراہئے یزید مے کنم" (روضۃ الصفا)

پھر ان کی مجنونانہ خواہش کی دست درازیوں کا کیا پوچھنا اپنے نشہ کی حالت میں ہاتھ بڑھا کر اگر یہ اپنے حسابوں آسمان کو چھو لیتا تو کیا تھوڑا تھا اسی مجنونانہ حالت

میں اس کی سرکش مغرور اور سرتند طبیعت نے اس کو ایک ایسی ناشائستہ حرکت کے اقدام کی طرف جرأت دلائی جو معاذ اللہ کبھی کسی مسلمان سے تو نہیں ہو سکتی۔ اس کے اسی کے ایک فعل سے خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا انکار قطعی طور پر ثابت ہو جاتا ہے اپنی ولی عہدی کے زمانہ میں اس نالائق نے ام المومنین عائشہ سے عقد کا پیغام کہلا بھیجا اور ایسی حالات میں کہ ان کا سن بڑھاپے کے قریب پہنچ گیا تھا اور وفات کا تھوڑا عرصہ ہی بعد میں رہ گیا تھا۔ یہ غریب تو سر پیٹ کے رہ گئیں مگر مسلمانوں میں عام شورش پھیل گئی اور تمام اکابرین اسلام نے "وازواجہ امھاتکم" کی نص صریح دکھلا کر اس بدبخت ازلی کو بہت کچھ لعنت ملامت کی معاویہ کو اس کی خبر لگی تو اس نے کسی نہ کسی طرح اس بڑھتے ہوئے فتنے کو روک دیا اور ہر شخص کو اپنے اپنے مقام پر خاموش کر دیا۔ اس واقعہ کا ذکر شاہ عبدالحق صاحب محدث دہلوی نے اپنی کتاب مدارج النبوۃ میں اس مقام پر کیا ہے جہاں یزید کے جوال مرگ مرنے کی وجہیں لکھی ہیں۔ ایک تو یہی ام المومنین سے عقد کی خواستگاری دوسرے سبط رسول الثقلین جناب امام حسین علیہ السلام کا خون ناحق۔ شاہ عبدالحق محدث دہلوی کا اپنا بیان ملاحظہ ہو۔

خداوند عالم نے بنص "ازواجہ امھاتھم" پیغمبر کی ازواج کو آنحضرت کی تعظیم و تکریم کے لئے امت پر حرام گردانا ہے اس لئے کہ یہ عورتیں بہشت میں بھی پیغمبر کی زوجیت میں ہوں گی نیز فرمایا "وما لکم ان تؤذوا رسول اللہ ولا ان تنکحوا ازواجہ من بعدہ ابداً" روضۃ الاحباب میں ہے کہ ایک دفعہ طلحہ بن عبیداللہ نے کہا تھا کہ پیغمبر کی وفات پر میں عائشہ سے نکاح کروں گا چنانچہ طلحہ کے اس ارادہ پر مذکورہ آیہ نازل ہوئی اور بعض کتب میں یہ بھی لکھا ہے کہ یزید ملعون نے بھی ام المومنین عائشہ سے عقد کی خواستگاری کی تھی۔ لوگوں نے اسے یہ آیت پڑھ کر سنائی اور وہ رک گیا۔

(مدارج النبوۃ جلد اول ص ۱۲۶ طبع نولکشور)

اس کی یعنی یزید کی یہ نالائق حرکت کس بناء پر تھی ہم کچھ نہیں کہہ سکتے مگر اتنا ضرور کہیں گے کہ عباسی صاحب جس یزید کو صالحین امت میں کھڑا کرنے کی کوشش کر رہے ہیں اور حافظ قرآن وقاری حدیث ثابت کر رہے ہیں اگر وہ قرآن کے احکام پر ایمان لایا ہوتا اور اس کی آنکھوں میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کچھ بھی حرمت ہوتی تو وہ کبھی بھی ایسی ناشائستہ حرکت پر جرات نہ کرتا۔

یزید کے بارے میں عالم اسلام کے خیالات

یزید کے آباؤ اجداد اور اس کی ولادت کے تاریک حالات نیز اس کی تربیت پر جامع تبصرہ اور اس کے مشاغل پر سیر حاصل بحث کرنے کے بعد اب ہم اس کے مخصوص عقائد ونظریات اور اس کے افعال واعمال پر قرآن وحدیث کی شہادتیں اور علماء اسلام کے تاریخی تبصرے جو انہوں نے اپنی اپنی تالیفات وتصانیف میں پیش کئے ہیں پیش کرتے ہیں اور اپنے ناظرین کے سامنے یہ امر ثابت کئے دیتے ہیں کہ یزید خدا اور رسول اور تمام امت اسلامیہ کے نزدیک بالاجماع قابل نفرین وملامت ہے اور اپنے مخصوص حالات کی بدولت قیامت تک مبغوض خلائق رہے گا۔ عباسی صاحب ایک نہیں بیسیوں یزید پر ہزار کتابیں لکھ ڈالیں یزید یزید ہی رہے گا۔ عباسی صاحب کے ان زور دار بیانوں سے کبھی بھی وہ مسلمانوں کی نظر میں قابل مدح نہیں ہو سکتا۔ اس سلسلے میں سب سے پہلے ہم قرآن حکیم کی شہادت پیش کرنا ضروری سمجھتے ہیں کیونکہ یہ پاک کلام مسلمانوں کا متفقہ دستور العمل ہے اس لئے جو امر اس پاکیزہ کلام کی شہادت سے ثابت ہوگا وہ اہل اسلام کے نزدیک تو ضرور قابل قبول ہوگا۔ عباسی صاحب مانیں تو مانیں ورنہ ان کی مرضی۔ چنانچہ یزید کی شخصیت اسلام میں جو خدا کے نزدیک ہے وہ بقول امام

احمد بن حنبل ملاحظہ ہو۔

یزید قرآن کے آئینہ میں

امام احمد بن حنبل کے بیٹے صالح نے امام موصوف سے کہا کہ کچھ لوگ ہم لوگوں کو یزید کا دوستدار کہتے ہیں تو امام احمد نے جواب دیا کہ اے فرزند جو شخص خدا پر ایمان لا چکا ہے وہ یزید کا دوست دار نہیں ہو سکتا اور جب یزید پر خدا لعنت کر چکا ہے تو دوسرے کیوں نہ کریں بیٹے نے پوچھا کہ خدا نے قرآن میں یزید پر کس آیت میں لعنت کی ہے امام موصوف نے فرمایا کہ آیہ کریمہ

فہل عسیتم ان تولیتم ان تفسدوا فی الارض وتقطعوا ارحامکم اولئک الذین لعنہم اللہ فاصمہم واعمیٰ ابصارہم۔ (سورہ محمد پ ۲۶ آیت ۲۲)

کیا وہ زمانہ نزدیک آگیا ہے کہ تم لوگ جب حکومت کروگے تو زمین میں فساد کروگے اور عزیزوں کے ساتھ بدسلوکی کروگے یہی لوگ ہیں جن پر خدا نے لعنت کی ہے اور (قیامت میں) ان کی آنکھوں کو اندھی اور زبانوں کو گونگی کر دے گا۔ امام احمد نے کہا کہ قتل حسین سے بڑھ کر کوئی فساد نہیں ہو سکتا۔ (صواعق محرقہ ص ۱۳۲ مطبوعہ مصر)

بنوامیہ کے پورے خاندان کو خداوند عالم نے شجر ملعونہ سے تعبیر کیا ہے اور اموی حکومت پر بیٹھنے والوں کو بندروں سے تشبیہ بھی دی ہے اس لئے قرآن حکیم کی جن آیات میں بنوامیہ کی مذمت موجود ہے وہ تمام کی تمام یزید پر بھی حاوی ہیں کیونکہ تمام بنوامیہ میں سے یزید اپنے کردار و اعمال کی بنا پر بڑھا چڑھا ہوا ہے اور اس واسطے یہ تمام آیات یزید پر دیگر بنوامیہ کی نسبت بدرجہ اولیٰ صادق آتی ہیں ذیل میں ہم چند ایک آیات کی تفسیر علماء اسلام کی تائید و تصدیق سے پیش کرتے ہیں۔

ان المفسرین اتفقوا علی ان المراد بالشجرۃ الملعونۃ فی القرآن بنوامیہ۔ (روضۃ المناظر برحاشیہ کامل جلد ۱۱ ص ۱۸۵)

تمام مفسرین نے اتفاق کیا ہے اس بات پر کہ شجرہ ملعونہ قرآن حکیم میں بنوامیہ کو

قرار دیا گیا ہے۔ چونکہ تمام بنو امیہ کے مرکزی کردار یزید بن معاویہ ہیں اس لحاظ سے آیہ مذکورہ کا مکمل اطلاق یزید پر بدرجہ اتم قرار پاتا ہے۔ اس کے علاوہ سورۂ قدر و سورۂ کوثر وغیرہ کی تفاسیر جن کو ہم بنو امیہ کے باب میں کتاب کی جلد اول میں بیان کر چکے ہیں وہ سب کی سب یزید پر بھی صادق آتی ہیں ان آیات کی مزید تفسیر و تشریح کتاب ہذا کی پہلی جلد ص ۱۳۶ میں ملاحظہ فرماویں۔

یزید احادیث نبوی میں

ہم اوپر لکھ چکے ہیں کہ جن آیات کلام مجید میں بنو امیہ کی مذمت موجود ہے ان میں یزید بدرجہ اولیٰ داخل ہے اسی طرح مخبر صادق کی جن پیشین گوئیوں اور اقوال میں سے بنو امیہ کے قبیلہ کی مذمت ظاہر ہوتی ہے۔ وہ سب کی سب یزید پر بھی حاوی ہیں بلکہ یہ کافر شعار انسان ان تمام پیشگوئیوں کا بدرجۂ اولیٰ مصداق ہے۔ بنو امیہ کے حالات اور ان کی مذمت پر مشترکہ احادیث و اقوال کو ہم نے کسی اور مقام پر درج کیا ہے۔ یہاں صرف ان اقوال پیغمبرؐ اور احادیث نبویؐ کو درج کیا جاتا ہے جو فقط یزید سے متعلق ہیں ملاحظہ ہوں۔

۱۔ حضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا کہ یزید طعان و لعان میں خدا برکت نہ دے۔

(کنز العمال ج ۶ ص ۲۲۳ سطر ۲۵)

۲۔ حدیث ابو داؤد میں ہے کہ جناب پیغمبر اسلام نے فرمایا کہ سب سے پہلے جو شخص میرے دین کو بدلے گا وہ ایک شخص بنو امیہ سے ہوگا جس کا نام یزید ہوگا۔

تاریخ الخلفاء ذکر یزید ص ۱۳۶ چھاپہ مجیدی کانپور

صواعق محرقہ ص ۱۳۲ مطبوعہ مصر

۳۔ مندرجہ بالا حدیث کو تھوڑے سے اختلاف کے ساتھ ابن کثیر شامی نے بھی اپنی مشہور تاریخ میں ایک دوسرے صحابی ابو عبیدہ سے روایت کیا ہے۔

لا یزال امر ھذہ الامۃ قائماً — میری امت کا امر حکم عدل کیسا تھ قائم رہیگا

بالقسط حتی یکون اول من یثلمه رجل من بنی امیه یقال له یزید۔

یہاں تک کہ پہلا شخص جو اسے تباہ کرے گا وہ بنو امیہ سے ہوگا جسے یزید کہا جائیگا۔

(البدایہ والنہایہ جلد ہشتم صفحہ ۲۳۱)

۱۲۔ آنحضرت نے فرمایا کہ جس کو امام ترمذی نے عبداللہ بن عمر سے مرفوعاً روایت کیا ہے کہ میری امت پر ایک ایسا زمانہ آئے گا جو بنی اسرائیل پر آیا تھا جیسے کہ جوتا ایک پاؤں کا دوسرے پاؤں کے برابر ہوتا ہے یہاں تک کہ کسی نے اپنی ماں سے زنا کیا ہے تو میری امت میں بھی ایسا ہی ہوگا۔

(مشکوٰۃ جلد اول صفحہ ۲۷۔ صواعق محرقہ صفحہ ۱۴۲)

مندرجہ بالا حدیث نبوی سے ثابت ہوتا ہے کہ جس طرح بنی اسرائیل میں ہوتا رہا اسی طرح بقول پیغمبر امت محمدیہ میں بھی لازماً ہوگا۔ بنو اسرائیل کے دیگر افعال میں سے چونکہ اپنی ماؤں سے زنا کرنا بھی تھا اس واسطے اس امت میں بھی اس قبیح فعل کا ہونا مخبر صادق کے قول کے مطابق لازمی تھا۔ اور یہ زمانہ یزیدی حکومت کا ہے۔ یزید کے متعلق جیسا کہ لکھ آئے ہیں مشہور و متواتر ہے کہ وہ اپنی ماؤں، بہنوں اور بیٹیوں سے منہ کالا کرتا تھا۔ خواجہ حسن نظامی مرحوم نے اپنے رسالہ طمانچہ بر رخسار یزید صفحہ ۳ میں بدلائل قاہرہ ثابت کیا ہے کہ یزید نے اپنی ماں مرجانہ سے زنا کیا تھا۔

امارۃ الصبیان والی حدیث

قطع نظر ان احادیث کے کہ جن میں یزید کا نام لیکر اس کی خدمت کی گئی ہے صرف ان احادیث کے مجموعہ پر اگر نگاہ ڈالی جائے جن میں یزید کی حکومت اس کی نوعیت اس کے فسق آمیز اقدامات اور کفر انگیز خیالات کی ترجمانی موجود ہے تو یزید کے متعلق ہمارے موجودہ عنوان کے تحت کسی اور چیز کے ذکر کرنے کی چنداں ضرورت نہ رہے گی اس لئے ذیل میں ہم فاضل اہلسنت

علامہ قاری محمد طیب مہتمم دارالعلوم دیوبند کی جامع بحث جو اسی موضوع پر انہوں نے تحریر فرمائی ہے پیش کرنے پر اکتفا کرتے ہیں۔

اس سلسلہ میں احادیث نے یزید کی حکومت اس کی نوعیت اور اس کے فسق آمیز اقدامات کی کلی اور اصولی الفاظ میں ایک پوری تاریخ ذکر کر دی ہے جس کو واقعاتی ترتیب کے ساتھ جوڑ کر دیکھا جائے۔ تو اس کے فسق کی یہ پوری تاریخ ۔۔۔ سامنے آجاتی ہے مثلاً سب سے اول بخاری کی اس حدیث پر نظر ڈالیے۔

قال ابو هريرة سمعت الصادق المصدوق صلى الله عليه وسلم هلكة امتي على ايدي غلمة من قريش (بخاری کتاب الفتن، ص ۱۰۴۶/۲)	فرمایا ابوحریرہ نے میں نے صادق مصدوق صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ میری امت کی بلا کی چند قریش لڑکوں کے ہاتھوں ہوگی۔

اس حدیث سے اتنا واضح ہے کہ امت کی تباہی کا ذریعہ چند قریش لڑکے بنیں گے۔ لڑکوں کا لفظ تصغیر کے ساتھ لایا جانا ان کی توہین و تحقیر کی طرف اشارہ ہے کیونکہ امت جیسی عظیم و جلیل چیز کو تباہ کر دینے والا تعظیم و توقیر کا مستحق کیسے ہو سکتا تھا؟ چنانچہ فتح الباری کی پیش کردہ ایک روایت میں ان غلمہ کی صفت سفہاء ذکر کی گئی ہے یعنی یہ تباہی بدعقل لڑکوں کے ہاتھوں ہی ہوگی جن میں سفاہت ہوگی جس سے ان کا بدعمل ہونا بھی ضروری ہے اسی لئے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی روایت میں جو اسی سیاق میں وارد ہوتی ہے ان لڑکوں کو صبیان سے تعبیر کرتے ہوئے ان کی عملی کیفیت بیان فرمائی گئی ہے۔

اضاعوا الصلوٰة واتبعوا الشهوات فسوف يلقون غيا (البدایہ والنہایہ ص ۲۳۰/۸)	جو نمازوں کو ضائع کریں گے اور شہوات نفس کی پیروی کریں گے اور قریب ہی وادی جہنم میں پھینک دیئے جائیں گے

اسی لئے حافظ ابن حجر نے صبیان اور غلمہ کے لفظ کی مراد بتلاتے ہوئے فرمایا ہے کہ

قلت وقد يطلق الصبيّ والغليم بالتصغير على الضعيف العقل والتدبير والدين ولو كان محتلماً وهو المراد هنا

میں کہتا ہوں کہ صبی اور غلیم (چھوٹا لڑکا) کا لفظ تصغیر کے ساتھ کبھی ضعیف العقل ضعیف التدبیر اور ضعیف الدین کے لئے بھی بولا جاتا ہے گو وہ جوان بھی ہو ا

اور یہاں یہی مراد ہے۔

یعنی یہ امت کے دشمن نوخیز لڑکے عمر کے لحاظ سے تو بالغ ہوں گے مگر عقل و تدبیر اور دین کے لحاظ سے حقیر کمزور اور طفلِ مکتب ہوں گے۔

بہر حال حدیث بخاری نے چند بدعقل اور سمیّ التدبیر لڑکوں کے ہاتھوں امت کی تباہی کی خبر دی ہے۔ ان کا کردار بھی احادیث نبوی ہی نے متعین کر دیا ہے۔ کہ وہ امت کو اس لئے تباہ کریں گے کہ خود بھی دین عقل تدبیر اور کردار کے لحاظ سے تباہ حال ہوں۔

پھر اس حدیث بخاری میں یہ امت کا لفظ اس طرف بھی مشیر ہے کہ یہ ہلاکت شخصی یا انفرادی قسم کی نہ ہو گی۔ کیونکہ ایک دو یا سو پچاس افراد کی ہلاکت امت کی ہلاکت نہیں جا سکتی۔ بلکہ اجتماعی قسم کی ہلاکت ہو گی۔ جس کی زد پوری امت پر پڑے گی اور اس کا اجتماعی شیرازہ اس ہلاکت کا شکار ہو گا۔ اور جب کہ اجتماعیت ہی کی شیرازہ بندی کے لئے اسلام نے خلافت رکھی ہے۔ تو امت کی اجتماعیت کی ہلاکت کے معنی صاف لفظوں میں خلافت کی تباہی کے نکل آتے ہیں۔ گو یا حدیث نے چند قریشی لڑکوں کے ہاتھوں خلافت دین کی تباہی کی خبر دی ہے۔ (شہید کربلا اور یزید ص ۱۵۹ تا ص ۱۶۲)

۶۔ من اخاف اهل المدينة ظلماً اخافه الله وعليه لعنة الله والملٰئكة والناس اجمعين (مسلم شریف) جو شخص خوف زدہ کرے گا مدینہ والوں کو اللہ تعالیٰ اسے خوفزدہ کرے گا۔ اور اس پر اللہ تعالیٰ کی لعنت فرشتوں اور تمام لوگوں

کی ہے۔ (صواعق محرقہ)

اہل علم حضرات بخوبی واقف ہیں کہ اہل مدینہ نے جب یزید کی بدکرداریوں کی وجہ سے اس کی بیعت کو فسخ کیا تو یزید کے حکم سے کس طرح اس کے بدبخت لشکریوں نے اہل مدینہ کے مقدس خون سے ہاتھ رنگے واقعہ حرہ کی تفصیل آئندہ آئے گی۔ اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ اگر اس حدیث کا مصداق یزید پلید اور اس کے لشکری نہیں تو اور کون ہے ایک اور حدیث میں وارد ہوا ہے کہ چھ شخص ہیں جن پر خدا نے لعنت کی ہے۔ اور ہر نبی مستجاب الدعوات نے بھی لعنت کی ہے۔ وہ یہ ہیں۔

۱۔ خدا کی کتاب میں تحریف اور کمی بیشی کرنے والا

۲۔ قضا و قدر کا منکر اور تکذیب کرنے والا۔

۳۔ وہ شخص جو لوگوں پر غلبہ و تسلط مسلط ہو اس لئے کہ جس کو خدا نے ذلت دی اسے وہ عزت دے اور جس کو خدا نے عزت دی ہے وہ اسے ذلت دیتا ہے۔

۴۔ میری عترت و اولاد کی بے حرمتی کرنے والا۔

۵۔ خدا کے حرم کی بے حرمتی کرنے والا۔

۶۔ میری روش چھوڑنے والا۔

(تفسیر المعانی جلد ۸ صفحہ ۱۵۲ صواعق محرقہ صفحہ ۱۳۲)

مندرجہ بالا دونوں احادیث نبویہ کا مصداق یزید لعین اس کی ظالمانہ حکومت ہے اس پلید نے اپنی مختصر سی مدت حکومت میں جو جو ظلم کئے وہ اظہر من الشمس ہیں اور ان کی مثال کسی اور جابر و ظالم حکمران کی حکومت میں نہیں حتیٰ پہلے سال ۶۱ھ میں اس نے ظلم و استبداد کا وہ مظاہرہ کیا کہ جس کو یاد کر کے دنیا آج تک روتی ہے۔ اس نے فرزند رسول حضرت امام حسین علیہ السلام اور خاندان رسالت کے ایک ایک فرد کو ظلم و ستم تین دن کا بھوکا پیاسا کربلا کے میدان میں شہید کر دیا اس کے بعد خیام اہلبیتؑ کو آگ لگا کر خاکستر کر دیا پھر اولاد

رسولؐ اور نبی زادیوں کو مثل کفار قید کر کے شہر بشہر پھرا کر توہین کی اور ان کو طوق وسلاسل میں جکڑ کر بازاروں میں تشہیر کروا کر اپنے بھرے دربار میں پیش کیا اور نوک نیزہ سے حسینؓ کی بے ادبی کی۔ اس کے بعد دوسرے سال مدینہ رسول پر فوج کشی کی۔ تین دن تک قتل وغارت کا بازار گرم رہا۔ شہر لٹ گیا۔ اصحاب پیغمبر قتل کئے گئے۔ مسجد نبوی کی بے حرمتی کی گئی۔ اصحاب رسولؐ کی بیٹیوں کی عصمت دری کی گئی۔ سات سو مہاجر وانصار قتل ہوئے اور دس ہزار عوام اہل مدینہ موت کے گھاٹ اتار دیئے گئے۔ تیسرے سال مکہ معظمہ پر حملہ کیا گیا کعبہ پر منجنیق سے پتھر برسائے گئے۔ آگ کی وجہ سے غلاف کعبہ جل گیا۔ یزید کے ان شرمناک مظالم کے ہوتے ہوئے بھلا مندرجہ بالا احادیث کا مصداق سوائے اس خبیث کے اور کون ہو سکتا ہے؟

یزید صحابہ کی نظر میں جب یزید ملعون اپنے گوناگوں مظالم اور جبر واکراہ سے تخت حکومت پر متمکن ہو گیا تو اس نے بے خوف وخطر ہو کر پہلے سے بھی زیادہ فسق وفجور اور عیش وطرب میں زندگی گزارنی شروع کر دی اور اس کے شب وروز ایسے قسم کے ہی مشاغل میں بسر ہوتے صحابہ کرام اس وقت موجود تھے۔ انہوں نے ان حالات وواقعات کی تفتیش وتحقیق کے لئے ایک وفد مدینہ سے دمشق روانہ کیا تاکہ وہ یزید کے پورے حالات کا پتہ لے کر مسلمانان مدینہ کو آگاہ کرے۔ چنانچہ مہاجر وانصار کے اس وفد نے دمشق سے واپس آ کر یہ اعلان کر دیا تھا۔

تدمنا من رجل لیس لہ دین یشرب الخمر وتعزب عندہ القینات بالمعازف۔ ہم ایسے شخص کے پاس سے آ رہے ہیں جس کا کوئی دین نہیں بالکل بے دین ہے۔ شراب پیتا ہے اور کنیزیاں اس کے سامنے رقص کرتی ہیں عبداللہ بن حنظلہ غسیل الملائکہ رئیس انصار نے صاف طور سے بتلایا تھا کہ مجھے خوف ہے کہ آسمان سے کہیں عذاب کے پتھر نہ برسیں۔ یزید تو اتنا بڑا بے دین ہے کہ انہ رجل ینکح الامہات

الاولاد والبنات والاخوات ولیشرب الخمر ویدع الصلوٰۃ" ماں بیٹیوں بہنوں سے اپنی خواہش پوری کرتا ہے علانیہ شراب پیتا ہے اور تارک نماز ہے۔

(تاریخ الخلفا صفحہ ۱۴۶) صواعق محرقہ صفحہ ۱۳۲ مطبوعہ مصر وطبقات ابن سعد ترجمہ عبداللہ بن حنظلہ)

خاتم المحدثین حضرت شاہ عبدالحق دہلوی نے بھی اس واقعہ کو لکھا ہے۔

اصحاب نبی کا ایک گروہ جو اس کے زمانہ میں موجود تھا اور ان کی اولاد سب اس کے منکر اور اطاعت سے خارج تھے۔ ایک جماعت مدینہ سے جبراً و قہراً شام میں اس کے پاس گئی اور اس نے بہت خاطر داری کی جب انہوں نے اس کا حال دیکھا اور مال کی برائی معلوم کی تو پھر آئے اور اس کی بیعت توڑ دی اور کہا کہ وہ یزید پلید اللہ کا دشمن ہے۔ تارک الصلوٰۃ ہے۔ شراب خور۔ زانی۔ فاسق اور حرام عورتوں کا حلال کرنے والا ہے۔ (رسالہ اعتقاد تکمیل الایمان اردو صفحہ ۹۳)

یزید تابعین صحابہ کے نزدیک

حسن بصری جو سید التابعین کے نام سے مشہور ہیں اور اہل علم میں ان کی کافی شہرت ہے فرماتے ہیں کہ یزید نے مدینہ میں بہت سے صحابہ کو قتل کرایا اور مدینہ کو لٹوایا اور ایک ہزار کنواری لڑکیوں کو بے عزت کرایا کیونکہ جب اس کے بے حد گناہ کرنے کی خبر اہل مدینہ کو ملی تو انہوں نے اس کی بیعت توڑ دی۔

(صواعق محرقہ صفحہ ۱۳۲، تاریخ الخلفا صفحہ ۱۴۶)

عمر بن عبدالعزیز جو عموماً سواد اعظم میں خلیفہ راشد تسلیم کئے گئے ہیں اور سادات تابعین میں ہونے کے علاوہ اموی خاندان کے چشم و چراغ بھی تھے ان کا زمانہ یزید کے زمانے کے بہت قریب تھا۔ وہ یزید کے حالات سے کما حقہٗ واقف تھے۔ ان کے سامنے کسی نے یزید کو امیر المومنین کہا تو آپ نے اس کو ڈانٹا اور

اسے بیس کوڑے لگوائے۔ یہ واقعہ صواعق محرقہ تہذیب التہذیب اور تاریخ الخلفا
مصنفہ جلال الدین سیوطی ص۱۳۶ مطبع مجیدی کانپور۔ میں موجود ہے۔ حافظ ابن حجر عسقلانی
اس روایت کے راویوں کی تہذیب۔ التہذیب میں توثیق فرماتے ہیں جس سے اس
واقعہ کی صحت کا انکار نہیں کیا جاسکتا۔ عمر بن عبدالعزیز کا یزید کو امیرالمومنین
کہنے پر ناراض ہونا اور کہنے والے پر حد جاری کرنا۔ یزید کی پوزیشن کو واضح کر رہا ہے
اور آئندہ یزید کو ایسا کہنے والے کے واسطے شرعی سزا بھی بتلا رہا ہے۔ ہمارے
خیال میں اگر آج عمر بن عبدالعزیز حاکم اور قاضی ہوتے تو محمود عباسی ایسے نام نہاد
مسلمانوں کو تختہ دار پر لٹکوا دیتے جنہوں نے یزید کو امیرالمومنین ہی کہنے پر اکتفا
نہیں کیا بلکہ اسے عادل پرہیزگار متقی خلیفہ راشد بلکہ اس سے بھی زیادہ اسے
پیغمبرانہ شان سے پیش کیا ہے اور اس کے مقابل میں فرزند رسول حضرت امام
حسین علیہ السلام کو باغی حصول اقتدار کا طلب گار اور خدا جانے کیا کیا نہیں لکھا۔

آئمہ اربعہ اور یزید

علامہ دمیری نے حیوٰۃ الحیوان میں یزید کے بارے کیا الہراسی کا فتوے کا نقل کیا ہے جس کے دیکھنے سے پتہ چلتا
ہے۔ کہ یزید کے بارے میں آئمہ اربعہ یعنی امام مالک۔ امام احمد بن حنبل۔ امام شافعی
اور امام ابوحنیفہ جو آئمہ مجتہدین کے نام سے سواد اعظم میں مشہور ہیں اور عالم تسنن کے
بنیادی چہار مذاہب کی بنیاد انہی حضرات کے فقہیات پر مبنی ہے کا مسلک کیا
ہراسی کا فتویٰ ملاحظہ ہو۔

"الکیا ہراسی فقیہ شافعی سے سوال کیا گیا کہ یزید بن معاویہ صحابہ میں سے ہے
یا نہیں آیا اس پر لعنت جائز ہے یا نہیں تو انہوں نے جواب دیا کہ یزید صحابہ
میں سے نہیں تھا۔ کیونکہ اس کی ولادت حضرت عثمان کے زمانہ میں ہوئی۔ رہا سلف
صالحین کا قول اس کی لعنت کے بارے میں تو اس میں امام ابوحنیفہ امام مالک

اور امام احمد بن حنبل کے دو قسم کے قول ہیں ایک تصریح کے ساتھ دوسرا تلویح کے ساتھ اور ہمارے نزدیک ایک ہی قول ہے یعنی تصریح نہ تلویح (یعنی صراحت کے ساتھ لعنت کرنا) اور کیوں نہ ہو جبکہ یزید کی کیفیت یہ تھی کہ وہ چیتوں سے شکار کھیلتا شطرنج سے بازی لگاتا اور شراب خوری کرتا تھا۔ (حیوٰۃ الحیوان جلد ۲ صفحہ ۱۹۵)

اس عبارت سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ امام شافعی یزید پر صراحت کے ساتھ لعنت کرنے کا فتوٰے دیتے تھے کیونکہ ان کے مسلک کا ایک فاضل مقلد ہی قول نقل کر رہا ہے۔ اس کے علاوہ امام احمد بن حنبل کا مسلک تو واضح ہے ہم پہلے لکھ چکے ہیں کہ وہ تو کتاب خدا سے یزید پر لعنت کرنے کا استنباط کیا کرتے تھے۔ جب ان کے بیٹے صالح نے ان سے یزید کے بارے میں دریافت کیا تو امام موصوف نے فرمایا اے بیٹا کیا کوئی اللہ پر ایمان لانے والا ایسا بھی ہو گا جو یزید کی دوستی کا دم بھرے اور میں اس پر لعنت کیوں نہ کروں جس پر اللہ تعالےٰ نے اپنی کتاب میں لعنت کی ہے۔

(صواعق محرقہ صفحہ ۱۳۲)

حضرت امام احمد بن حنبل کے نزدیک ایمان باللہ اور حب یزید کا اجتماع ناممکنات سے ہے جیسا کہ ان کے مذکورہ بالا فرمان سے واضح ہے۔

امام شافعی اور امام احمد بن حنبل کے علاوہ امام مالک اور امام ابو حنیفہ کا مسلک بھی وضاحت کا محتاج نہیں ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ یہ دونوں امام یزید پر صراحت کے ساتھ لعنت کرنے کا حکم نہیں دیتے ورنہ یزید کا فسق و فجور اور کفر و زندقہ تو ان کے نزدیک بھی مسلم ہے۔ یہی تو وجہ ہے کہ یزید پر لعنت کرنے کا سوال پیدا ہوا اور اگر ایسا نہ ہوتا تو فاضل علامہ فقیہہ شافعی الکیا ہراسی ابو حنیفہ اور امام مالک کے مسلک کو واشگاف الفاظ میں بیان کر دیتے کہ ان حضرات کے نزدیک یزید مسلمان تھا اور اس کے افعال و کردار بہترین تھے لہٰذا اس پر لعنت کرنا کسی صورت میں بھی جائز نہیں ہے۔

یزید کے گھر سے آواز

یزید لعین کی سیرت و کردار کے باب میں جو کچھ ہم نے سابقہ اوراق میں بقید حوالہ جات تاریخیہ نقل کیا ہے۔ ان تمام کی تصدیق کے لئے ہم صرف یزید کے گھر سے ہی ایک شہادت نقل کرنا چاہتے ہیں۔ وہ اس لئے کہ خصم کو مجال انکار باقی نہ رہے۔ اور یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ کسی شخص کے حالات کا جائزہ خود گھر والے اچھا لے سکتے ہیں۔ اور انہیں اپنے باپ دادا یا اولاد کا کریکٹر اچھی طرح معلوم ہوتا ہے۔ یزید ملعون کے مرنے کے بعد تخت حکومت کا وارث اس کا بیٹا معاویہ ثانی جانشین ہوا اس خدا کے بندے نے جو پہلا خطبہ ممبر پر چڑھ کر بیان کیا اور اپنے باپ دادا کے کردار کا نقشہ کھینچا۔ وہ ابن حجر مکی جیسے متعصب کے قلم سے ملاحظہ فرمائیے۔ ہم صرف ترجمہ پر اکتفا کریں گے۔ اصل عبارت صواعق محرقہ ص ۲۲۲ مطبوعہ مصر ۱۳۱۲ھ میں ملاحظہ فرمائیے۔

"ابتدائے سلطنت یزید ۶۰ھ اور اس کی موت آغاز ۶۴ھ میں واقع ہوئی۔ اس کے بعد اس کا بیٹا معاویہ ابن یزید اس کا ولی عہد و وارث منبر پر گیا اور کہا کہ خلافت حبل اللہ ہے۔ اور ہمارے دادا (معاویہ) نے اس خلافت کے اصلی حقدار کے ساتھ نزاع کی اور جناب علی علیہ السلام اس کے لئے سب سے زیادہ مستحق تھے، اور تم لوگ ان کی نسبت سب کچھ جانتے ہو پس اس کی موت آگئی اور وہ قبر میں اپنے گناہوں کے عوض میں گرفتار ہے پس اس کے بعد میرے باپ نے یہ امر اختیار کیا، اور وہ بھی اس کے لئے کسی طرح کا اہل نہ تھا۔ اور اس نے بنت رسول اللہ صلعم کے فرزند کے ساتھ نزاع کی آخر اس کی عمر ختم ہوئی اور اس کی نسل قطع ہونے کا سامان ہو گیا۔ اور وہ بھی اپنی قبر میں عذاب میں گرفتار ہے یہ کہہ کر وہ رونے لگا اور کہنے لگا کہ سب اس سے سوا ہماری خسارت کا اور کون سا امر ہو گا کہ ہم کو اس کی سخت پاداش اور بری سزا کا علم ہے کیونکہ اس نے عترت رسول صلعم کو قتل کیا۔ شراب کو مباح کیا اور خانہ خدا کو غارت کیا اور اس

خلافت کا کوئی مزا نہ اٹھایا۔ پس میں اس میں سے کوئی حصّہ نہ لوں گا۔ اور اس کی تلخی ہرگز نہ چکھوں گا۔ اب تم جانو اور تمہارا کام جانے۔ قسم خدا کی اگر دنیا سراپا خیر ہے تو ہم اس میں سے کافی حصّہ لے چکے اور اگر دنیا سراسر شر ہے تو آلِ ابوسفیان کو جو کچھ اس میں سے مل چکا وہی بہت ہے۔ یہ کہہ کر وہ اپنے محل میں چلا گیا۔ اور چالیس دن کے بعد مر گیا۔

یزید کا کیریکٹر اس کے لائق صاحبزادے کی زبانی معلوم ہوا جو شیطان کے گھر میں ولی ہونے کی عزت رکھتا ہے اس لئے علامہ ابن حجر مکی نے اس کا تمام حال لکھ کر اس کو رحمۃ اللہ علیہ کے خطاب سے مخاطب فرمایا اور ہم بھی ابن حجر کی رائے سے اتفاق کر کے ضرور کہیں گے کہ یزید کے زبوں افعال اور شامت اعمال کے سیاہ دھبے ایسے ہی تھے جو اس کے خاص گھر والوں سے نہ چھپائے گئے اور تمام مصائب کو اس کے مرنے کے چند ساعت بعد ہی خود اس کے بیٹے نے تمام اہل اسلام کے سامنے علی الاعلان بیان کر دیا اور کچھ باپ ہی پر نہیں دادا تک کے افعال کی قلعی بھی اسی تفصیل سے کھول دی۔

یزید کے فسق و فجور پر تاریخ کا فیصلہ یزید بن معاویہ کا فسق و فجور اور کفر و زندقہ تمام اہل اسلام کے نزدیک ایک مسلمہ حقیقت ہے۔ ہاں ہر زمانہ میں کچھ ایسے لوگ بھی پیدا ہوتے رہے جو تاریخ کی واضح اور بین شہادتوں کے باوجود یزید کو ان الزامات سے بری الذمہ قرار دیتے رہے ہیں اور ان کا یہ مسلک رہا ہے کہ یزید سے متعلقہ الزامات کو وہ بنو امیہ کے مخالفین کا پروپیگنڈا ظاہر کرتے رہے وہ ہر بات پر یہی کہتے رہے کہ شیعوں نے فرضی روایات تاریخ میں داخل کر دی ہیں اور سنی مورخین نے آنکھیں بند کر کے ان کو اپنی کتابوں میں درج کر دیا اگر ان کے ان بیانات کو درست تسلیم کر لیا جائے تو سب کے سب سنی مورخ نالائق قرار

پاتے ہیں اور ان کا تمام تاریخی لٹریچر دریا برد کرنے کے قابل ہو جاتا ہے۔ حالانکہ ان میں ایسے مؤرخین بھی ہیں جن کی حیثیت محض مؤرخانہ ہی نہیں بلکہ وہ تفسیر وحدیث اور علمِ کلام میں بھی مستند مانے گئے ہیں۔ اگر ایسے مؤرخین کو شیعہ کہا گیا تو پھر اہل سنت کا تمام لٹریچر ہی ناقابلِ اعتماد ہو جاتا ہے۔ مزید تعجب خیز امر تو یہ ہے کہ ان سنی مؤلفین میں ایسے بھی ہیں جو علانیہ شیعوں کی مخالفت کرتے ہیں۔ مگر اس الزام میں وہ بھی برابر کے شریک ہیں۔ ظاہر ہے کہ یہ الزام مضحکہ خیز ہے۔ ایک دو روایتوں کی بناء پر اگر ان کے لٹریچر کو مشتبہ قرار دیا جائے تو سینکڑوں بلکہ ہزاروں روایات کو الحاقی واضافی ماننا پڑتا ہے۔ ذیل میں ہم مورخین کی تسلیم شدہ شہادتوں کو پیش کرتے ہیں۔ جو انہوں نے یزید کے فسق وفجور پر اپنی اپنی تالیفات میں لکھی ہیں۔ تاریخ اسلام کے بعض مورخین کے بیانات درج ذیل ہیں۔

مؤرخ جلیل علامہ طبری کا بیان

تاریخ طبری میں ایک سے زیادہ روایتیں یزید کے فسق وفجور کے متعلق ہیں۔ ان میں سے ایک کے الفاظ یہ ہیں۔

(یزید کے عامل مدینہ) نے اہل مدینہ کا ایک وفد یزید کے پاس بھیجا۔ جس میں عبداللہ بن حنظلہ الغسیل الانصاری عبداللہ بن ابی عمرو بن حفص بن المغیرہ المخزومی، منذر بن زبیر اور اشراف اہل مدینہ سے متعدد آدمی تھے۔ یہ لوگ یزید بن معاویہ کے پاس پہنچے جس نے ان کی بہت عزت کی۔ اور حسن سلوک سے پیش آیا۔ اور بہت عطیات دیئے۔ اس کے پاس سے لوٹ کر یہ وفد مدینہ پہنچا۔ تو اہل مدینہ کے سامنے یزید کو بُرا بھلا کہا۔ اور یہ بیان دیا کہ جس شخص کے پاس سے ہم آرہے ہیں اس کا کوئی دین نہیں۔ شراب پیتا ہے۔ طنبور سے بجاتا ہے گویّے اس کو گھیرے رہتے اور گاتے بجاتے رہتے ہیں۔ کتوں سے کھیلتا ہے۔ اور راتوں کو بدمعاشوں سے گپ شپ

کرتا ہے۔ اور ہم شہادت دیتے ہیں کہ ہم نے اس کو معزول کر دیا ہے۔ یہ سن کر مدینہ کے لوگوں نے ان کی بات مان لی۔ (تاریخ طبری جلد ہفتم ص۴)

اس جلیل القدر مؤرخ کی نسبت عباسی صاحب کا دعویٰ ہے کہ وہ شیعہ تھا حالانکہ اس دعویٰ پر وہ کوئی دلیل نہیں پیش کر سکے۔ اس میں شک نہیں۔ کہ طبری نام کا ایک شیعہ مؤرخ بھی ہو گذرا ہے۔ اور اس کی تصانیف بھی ہیں۔ لیکن اس کا نام محمد بن جریر بن رستم آملی ہے۔ یہ شیعہ تھا۔ جس کی اہم تصانیف میں سے الایضاح للمرشد وغیرہ ہے۔ دوسرا طبری جو اہل سنت کا محدث، مفسر اور مورخ بلکہ امام و مجتہد ہے اس کا نام محمد بن جریر بن غالب طبری جعفر ہے۔

شبلی نعمانی اپنی کتاب الفاروق کے دیباچہ میں لکھتے ہیں:۔

"ابو جعفر محمد بن جریر الطبری المتوفی ۳۱۰ھ یہ حدیث وفقہ میں امام مانے جاتے ہیں۔ چنانچہ ائمہ اربعہ کے ساتھ لوگوں نے ان کو مجتہدین کے زمرہ میں شمار کیا ہے۔ تاریخ میں انہوں نے ایک نہایت مفصل اور بسیط کتاب لکھی تھی۔ جو ۱۳ ضخیم جلدوں میں ہے۔ اور یورپ میں بمقام لیڈن نہایت صحت و اہتمام کے ساتھ چھپی ہے۔"

(الفاروق ج ۱ ص۱۷)

علامہ ابن اثیر صاحب کامل

ابن اثیر مشہور مورخ ہے۔ اس نے تاریخ الکامل میں اس مندرجہ بالا واقعہ کو ذرا تفصیل و صراحت سے پیش کیا ہے، ملاحظہ ہو۔

"اس نے یزید کے پاس ایک وفد بھیجا۔ جس میں اہل مدینہ میں سے عبداللہ بن حنظلہ غسیل الملائکہ عبداللہ بن ابی عمرو بن حفص بن مغیرہ المخزومی، منذر ابن الزبیر اور کثیر التعداد اشراف شہر شامل تھے۔ وہ سب جب یزید کے پاس پہنچے۔ تو یزید نے ان کی بہت عزت کی۔ ان سے حسن سلوک سے پیش آیا۔ اور بڑے بڑے انعامات

دیئے۔ چنانچہ عبداللہ بن حنظلہ کو جو ایک شریف النسب اور فاضل و عابد شخص تھے۔ ایک لاکھ درہم اور ان کے آٹھ بیٹوں کو جو ان کے ساتھ تھے۔ دس ہزار درہم فی کس دیئے۔ وہاں سے وہ سب واپس مدینہ آ گئے۔ مگر ابن زبیر عراق پہنچ کر ابن زیاد سے ملے۔ یزید نے ان کو بھی ایک لاکھ درہم انعام دیا تھا۔ غرضیکہ اس وفد کے افراد وہاں سے واپس مدینہ پہنچے۔ تو انہوں نے لوگوں میں کھڑے ہو کر یزید کو سب و شتم کیا۔ اور اس کی عیب جوئی کی۔ اور کہا کہ ہم ایک ایسے شخص کے پاس سے آرہے ہیں۔ جس کا کوئی دین نہیں ہے۔ وہ شراب پیتا ہے۔ طنبورہ بجاتا ہے۔ مغنّی و مطرب اس کے پاس بیٹھے گاتے بجاتے رہتے ہیں۔ وہ کتوں سے کھیلتا رہتا ہے۔ اور رات میں اس کے پاس بدمعاش جمع ہو کر غپ شپ کیا کرتے ہیں۔ ہم تمہارے سامنے گواہی دیتے ہیں کہ ہم نے اسے خلافت سے علیحدہ کر دیا ہے۔ عبداللہ بن حنظلہ غسیل الملائکہ نے کھڑے ہو کر کہا کہ میں تمہارے پاس ایک ایسے شخص کے ہاں سے آیا ہوں۔ کہ اگر ان لڑکوں کے سوا میرے ساتھ کوئی اور نہ ہوتا۔ تو میں ضرور اس سے جہاد کرتا۔"

اس کے بعد منذر ابن زبیر کے کوفہ پہنچنے کے حالات ہیں۔ ان کے گہرے تعلقات ابن زیاد کے باپ سے تھے۔ یزید کو جب اطلاع پہنچی۔ کہ وفد مدینہ کے ارکان نے علم بغاوت بلند کر دیا ہے۔ تو اس نے ابن زیاد کو حکم دیا۔ کہ منذر ابن زبیر تمہارے پاس کوفہ میں ہے۔ اسے گرفتار کر کے بھیج دو۔ ابن زیاد نے دیرینہ تعلقات کی بنا پر ابن زبیر کو فرار ہونے کا موقع دے دیا۔ یہ اس طرح بچ کر مدینہ آ گئے۔ اس کے آگے ابن اثیر لکھتے ہیں:-

" انہوں نے لوگوں سے مدینہ آکر کہا۔ کہ یزید نے مجھے ایک لاکھ انعام دیا ہے مگر اس کا یہ احسان مجھے اس امر سے باز نہیں رکھ سکتا کہ میں تم کو اس کا حال سناؤں۔ خدا کی قسم وہ شراب پیتا ہے۔ بخدا اسے اس قدر نشہ ہو جاتا ہے کہ وہ نماز ترک کر دیتا ہے،

اور اسی طرح کی اور باتیں کر کے اپنے دیگر ہمراہیوں کے مانند نہایت سختی سے یزید کے عیوب ظاہر کئے۔ (تاریخ الکامل ابن اثیر جلد چہارم مترجم اردو ص۲۲۵)

تاریخ کے دو جلیل القدر ائمہ مورخ طبری اور ابن اثیر کی گواہیوں سے ایک تو یہ بات کھل کر سامنے آ گئی۔ کہ یزید کے دور حکومت کے وقت جو صحابہ تھے۔ ان کے نزدیک یزید ہر قسم کی برائیوں کا مجموعہ اور فسق کا مجسمہ تھا۔ جیسا کہ ہم "یزید صحابہ کی نظر میں" کے عنوان میں ثابت کر چکے ہیں۔ اور دوسری بات جو یہاں قابل ذکر ہے۔ وہ یہ ہے کہ ان پر دو مورخین کے نزدیک یزید ایسا ہی ہے۔ جیسا کہ ان کی ذکر کردہ روایات سے ظاہر ہے۔ کیونکہ کسی فاضل مورخ کا کسی روایت کو بلا نکیر درج کر دینا اس کے قبول کرنے کی دلیل ہوتی ہے۔ لہٰذا مورخ طبری اور ابن اثیر جیسے مشہور مورخین کے نزدیک یزید ایسا ہی تھا۔ جیسا کہ ذکر کیا جا چکا ہے۔

جلال الدین سیوطی

علامہ جلال الدین سیوطی اپنی تاریخ الخلفاء میں لکھتے ہیں "ذہبی لکھتے ہیں کہ جب یزید نے اہل مدینہ کے ساتھ یہ معاملہ کیا (یعنی ان کا قتل عام کر ڈالا) اور شراب اور دیگر برائیاں پہلے ہی سے کرتا تھا۔ تو تمام آدمی اُس سے برافروختہ ہو گئے۔ اور چاروں طرف سے اس کے برخلاف اُٹھ کھڑے ہوئے

(ترجمہ تاریخ الخلفاء ص۲۳۴)

ابو حنیفہ احمد بن داؤد الدینوری

اس مورخ کی مشہور تاریخ "الاخبار الطوال" ہے یہ مؤرخ حضرت علیؓ اور اولاد علیؓ کا طرفدار نہیں ہے۔ لیکن اس کی تاریخ سے بھی اندازہ ہوتا ہے کہ یزید کے فسق و فجور کے واقعات زبان زد خاص و عام تھے۔

"الاخبار الطوال" میں جہاں یزید کی اُن ہدایات کا ذکر ہے جو مدینہ پر حملہ کرنے والے لشکر کو دی گئی تھیں۔ تین دن تک مدینہ کے قتل عام کے حکم کے بعد یزید نے یہ اشعار

پڑھے:-

ابلغ ابا بکر اذا الخیل انبری وسارت الخیل الی واد القری

اجمع السکران من الخمر تری

اور جب بازار قتال گرم ہو گیا۔ تو دینوری نے ایک شاعر کے یہ جذبات پیش کئے ہیں۔

ان فی الخندق المکلل بالمجد لضربا یغیر بالسنوات

لست منا ولیس خالک منا یا مضیع الصلوٰۃ للشھوات

ان تمام اشعار سے معلوم ہوتا ہے کہ لوگ یزید کو شرابی اشہوت پرست کہتے تھے۔ اسی کتاب میں ہے کہ یزیدی فوج کے کمانڈر مسلم بن عقبہ نے تین دن کے قتل وغارت کے بعد جب مدینہ کے عمائدین کی گردنیں ماری ہیں۔ تو ان میں سے بعض کو یہ طعنہ دے کر ہی قتل کیا ہے۔ کہ تم یزید پر شراب نوشی کا الزام لگاتے تھے۔ عبداللہ بن حنظلہ امیرالانصار اور عمرو بن حزم الانصاری قاضی مدینہ جیسے لوگ تو مدینۃ النبی کو دفاع کرتے ہوئے ہی شہید ہو گئے تھے مگر جو وفد مدینہ گیا تھا۔ اس کے ایک رکن محمد بن ابی الجہم بن حذیفہ العدوی تھے۔ فتح کے بعد مسلم بن عقبہ نے ان کو بلا کر کہا۔

انت الذی وفدت علی امیرالمومنین یزید فاکرمک وحباک فرجعت الی المدینۃ تشھد علیہ لیشرب الخمر (الاخبار الطوال ص۲۶۳) تو ہی ہے جو امیرالمومنین یزید کے پاس وفد میں شامل تھا۔ تیری انہوں نے عزت کی اور اچھا برتاؤ کیا۔ لیکن جب تو مدینہ لوٹا تو اس کے لئے یہ گواہی دی کہ شراب پیتا ہے۔

اس طرح سخت سست کہہ کر ان کی گردن ماردی۔

معاویہ وصیت کر گئے تھے کہ مدینہ والے چون وچرا کریں تو ان پر مسلم بن عقبہ کی بلا نازل کردینا۔ معاویہ کی یہ وصیت تقریباً تمام تاریخوں میں موجود ہے۔ مسلم بن عقبہ کے ظلم وستم کی عجب شان ہے نہایت بے حیائی اور ڈھٹائی کے ساتھ ظلم کرتا تھا۔ طبری، ابن اثیر

بیہقی وغیرہ نے لکھا ہے کہ:۔

ان معاویۃ قال لیزید ان لک من اہل المدینۃ لیوما فان فعلوا فارمہم بمسلم بن عقبۃ معاویہ نے یزید سے کہہ دیا تھا کہ اگر اہل مدینہ سے ایسا معاملہ آپڑے تو اُن پر مسلم بن عقبہ کو سزا دینے کو بھیج دینا۔

اس شخص کے متعدد خطاب تھے۔ کوئی مسرف کوئی مجرم کہتا تھا۔ اس کا نامۂ اعمال سیاہ تھا۔ اور قساوتِ قلب کے لئے مشہور تھا۔ مدینہ والوں کی گردنیں یہ کہ کر ماریں۔ کہ تم امیرالمومنین پر شراب وغیرہ کے الزام لگاتے ہو

مدینہ کی فتح کے بعد یزید کی بیعت اللہ و رسولؐ کے احکام پر نہیں لینا تھا بلکہ یزید کی غلامی کی بیعت کا مطالبہ کرتا تھا۔

دینوری کی الاخبار الطوال میں لکھا ہے:۔

استباح اہل الشام المدینۃ ثلاثۃ ایام بلیالیہا فلما کان الیوم الرابع جلس مسلم بن عقبۃ فدعاہم الی البیعۃ فکان اول من اتاہ یزید بن عبد اللہ بن ربیعۃ بن الاسود وجدتہ ام سلمۃ زوج النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال لہ مسلم بایعنی قال ابایعک علی کتاب اللہ وسنۃ نبیہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال مسلم بل بایعنی انکم فیئی لامیرالمومنین یفعل فی اموالکم وذراریکم مایشاء فابی ان یبایع علی ذالک فامر بہ فضربت عنقہ۔ (الاخبار الطوال ص۲۶۵) اہل شام نے مدینہ میں تین دن رات اپنے لئے قتل و غارت مباح کر لیا۔ جب چوتھا دن آیا تو مسلم بن عقبہ نے بیٹھ کر بلایا پہلا آدمی جو اس کے پاس آیا۔ یزید بن عبداللہ بن ربیعہ بن الاسود تھا۔ جو ام سلمٰی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ کا پوتا تھا۔ اُس سے مسلم نے کہا کہ میری بیعت کرو۔ انہوں نے کہا کہ میں تیری بیعت کتاب اللہ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت پر کرتا ہوں۔ مسلم نے کہا نہیں بلکہ اس بات پر بیعت کرو۔ کہ تم امیرالمومنین کا مالِ غنیمت ہو۔ وہ تمہارے مال و اولاد کا جو چاہیں کریں۔ انہوں نے

اس پر بیعت کرنے سے انکار کیا۔ تو اُس نے اُن کی گردن مارنے کا حکم دے دیا۔ اور اُن قتل کر دیا گیا۔

ابن حجر الہیتمی اس مصنف کا نام شہاب الدین احمد بن حجر الہیتمی ہے یہ شارح بخاری ابن حجر عسقلانی سے مختلف شخصیت ہے۔ کثیر التصانیف ہے۔ مگر اکثر ضعیف بلکہ موضوع احادیث تک اپنی کتابوں میں لانے کا عادی ہے۔ اس کی کتاب الصواعق محرقہ سے یزید کے متعلق اُس کے بیانات نقل کرنے کے دو سبب ہیں۔ ایک یہ کہ یہ مصنف اہل تشیع کا بڑا مخالف ہے۔ پس اس کی شہادت کی اس لحاظ سے خاص قدر و قیمت ہو جاتی ہے۔ اگر شیعوں کے مستند مخالف بھی یزید کے فسق و فجور کی شہادت دیں۔ تو یہ بڑا ثبوت اس کا ہے کہ یزید فاسق و فاجر تھا۔ دوسرا سبب یہ ہے کہ یزید کے متعلق ابن حجر الہیتمی کے جو اقوال ذیل میں نقل کئے جا رہے ہیں۔ وہ قابل اعتماد ماخذ میں بھی موجود ہیں۔

ابن حجر الہیتمی اپنی کتاب "الصواعق محرقہ" میں لکھتا ہے :۔

لاسرافہ فی المعاصی خلعہ اھل المدینۃ فقد اخرج الواقدی من طرق ان عبد اللہ بن حنظلۃ الغسیل قال واللہ ما خرجنا علی یزید حتی خفنا ان نرمی بالحجارۃ من السماء ان رجلاً ینکح امہات الاولاد والبنات والاخوات و یشرب الخمر ویدع الصلوٰۃ وقال الذہبی ولما فعل یزید باھل المدینۃ ما فعل مع شربہ الخمر واتیانہ المنکرات اشتد علیہ الناس (الصواعق محرقہ ص۱۳۲)

(یزید کے گناہوں کی زیادتی کے باعث اہل مدینہ نے اُن کی خلافت سے انکار کر دیا۔ واقدی نے متعدد طریقوں سے روایت کی کہ عبد اللہ بن حنظلہ الغسیل نے کہا کہ واللہ جب ہم یزید کے پاس سے نکلے تو یہ ڈر لگ رہا تھا کہ آسمان سے پتھروں کی بارش نہ ہونے لگے۔ کیونکہ یہ شخص ماؤں، اولاد بیٹوں اور بہنوں کا آپس میں نکاح کر دیتا ہے۔ شراب پیتا اور نماز چھوڑتا ہے۔

اور ذہبی نے کہا کہ شراب خواری اور منکرات کے ساتھ ساتھ جب اہل مدینہ کے ساتھ یزید نے کیا جو کیا تو لوگ اس کے خلاف ہو گئے۔

ابن حجر الہیتمی نہ صرف یزید کی سیاہ کاریوں کی طرف توجہ دلاتا ہے بلکہ یزید پر لعنت کے جواز و عدم جواز کی بحث میں تسلیم کرتا ہے۔ کہ یزید کے فسق و فجور پر اہل علم میں کوئی اختلاف نہیں۔ اگر اختلاف ہے تو صرف اس پر کہ فسق و فجور کے باوجود لعنت جائز ہے یا نہیں۔

بعد اتفاقہم علی فسقہ اختلفوا فی جواز لعنہ بخصوص اسمہ (اس کے فسق پر اہل علم کے اتفاق کے بعد اہل علم نے اس پر اختلاف کیا ہے۔ کہ خاص اس کا نام لے کر لعنت کرنا جائز ہے یا نہیں) کچھ لوگوں نے جائز قرار دیا اور بعض نے ناجائز۔

(الصواعق محرقہ ص۱۳۵) (یزید بن معاویہ ص۹۵ تا ص۱۰۰)

کُتبِ اسماء الرّجال کی شہادت

یزید کے فسق و فجور پر کتب اسماء الرجال کی شہادت بھی موجود ہے۔ وہ تابعی تھا جس کے زمانہ میں صحابہ کثیر تعداد میں موجود تھے۔ اس کے لئے احادیث روایت کرنے کا سنہری موقع تھا لیکن ماہرین فن حدیث نے اس کی روایت اسی لئے قبول نہیں کی ہے۔ کہ وہ ثقہ نہیں تھا۔ اور اس کے عادات و اطوار اچھے نہیں تھے۔

امام احمد بن حنبل سے پوچھا گیا۔ کہ کیا یزید سے حدیث کی روایت ہوتی ہے انہوں نے جواب میں فرمایا "نہیں"۔

یہ قول امام ابن تیمیہ نے اپنے مقالہ "الوصیۃ الکبریٰ" میں لکھا ہے۔ حالانکہ ابن تیمیہ یزید کے دفاع میں کافی دور تک جانے کی کوشش کرتے ہیں۔ انہوں نے ہی امام احمد بن حنبل کا یہ قول بھی صالح بن احمد بن حنبل کی روایت سے لکھا ہے۔

قال صالح بن احمد بن حنبل قلت لابی ان قوماً یقولون انهم یحبون یزید قال یا بنی وهل یحب یزید احد یؤمن بالله والیوم الآخر فقلت یا ابتی فلما ذا لا تلعنه قال یا بنی ومتی رایت اباك یلعن احداً۔ صالح بن احمد بن حنبل نے کہا۔ میں نے اپنے باپ سے کہا کہ بعض لوگ کہتے ہیں۔ کہ انہیں یزید سے محبت ہے۔ انہوں نے کہا۔ کہ اے بیٹے کیا کوئی اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھنے والا یزید سے بھی محبت کر سکتا ہے۔ میں نے کہا پھر آپ اس پر لعنت کیوں نہیں کرتے۔ جواب دیا کہ تم نے اپنے باپ کو کسی پر بھی لعنت کرتے دیکھا ہے؟

امام احمد بن حنبل اُسے بُرا تو سمجھتے تھے۔ مگر انہوں نے اپنا اصول بنا رکھا تھا۔ کہ کیسا بھی فاسق و فاجر ہو اس پر نام کے ساتھ لعنت نہ کی جائے۔ چونکہ اس مسئلہ پر مفصل بحث آئے گی۔ یہاں صرف اتنا لکھنا کافی ہے۔ کہ امام احمد بن حنبل یزید کو حدیث روایت کرنے کے قابل نہیں سمجھتے تھے۔

تقریب التہذیب حافظ ابن حجر عسقلانی کی مشہور کتاب اسماء الرجال میں ہے اس میں یزید کے متعلق حسب ذیل تصریح ہے۔

یزید ابن معویہ بن ابی سفیان الاموی ابو خالد ولی الخلافۃ سنۃ ستین ومات سنۃ اربع وستین ولم یکمل الاربعین ولیس باھل ان یروی عنہ من الثالثۃ (یزید بن معاویہ بن ابی سفیان اموی ابو خالد ۶۰ھ میں خلیفہ ہوا ۶۴ھ میں مر گیا۔ چالیس پورے نہیں کئے وہ اس کا اہل نہیں تھا۔ کہ اُس سے روایت کی جائے ثالثہ طبقہ میں سے)

امام خزرجی کی کتاب خلاصہ تذہیب تہذیب الکمال فی اسماء الرجال جو اس فن کی متعدد کتابوں کا خلاصہ ہے۔ اُس میں یزید کے متعلق یہ لکھا ہے۔

(تمییز) یزید بن معاویہ بن ابی سفیان ولی العہد من ابیہ واساح

المدینة فلم یمهله الله تعالیٰ هلک سنة اربع وستین۔

(ترجمہ (تمیز) یزید بن معاویہ بن ابی سفیان۔ باپ نے ولی عہد بنایا۔ مدینہ میں ق
عام کی اجازت دی۔ اللہ نے اس کو چھوڑا نہیں ۶۴ھ میں مر گیا۔

شاید قارئین تعجب کریں کہ اسماء الرجال کی کتاب میں یزید کے متعلق یہ کیسی عبارت
ہے۔ ہونا تو یہ چاہئے تھا۔ کہ اس کی روایتوں کا کچھ ذکر ہوتا اور یہ بتایا جاتا۔ کہ کس اہم
کتاب حدیث میں یزید کی روایت لی گئی ہے۔ اور وہ ثقہ ہے یا غیر ثقہ۔ وغیرہ وغیرہ
لیکن واقعہ یہ ہے کہ مصنف نے ابتدائی لفظ "تمیز" میں یہ بتایا گیا ہے۔ کہ اس کی روا
کسی محدث نے نہیں لی۔ مصنف نے کتاب شروع کرتے ہوئے کتب احادیث کے لئے
حروف مقرر کر دیئے ہیں۔ اور "تمیز" کا لفظ یہ بتانے کے لئے منتخب کیا ہے۔ کہ کسی محدث
نے یزید کی روایت نہیں قبول کی ہے۔

چونکہ عباسی صاحب نے ایک اردو کتاب کے حوالے اور عربی کتابوں کے نا
بغیر حوالے پیش کر کے یزید کو راوی حدیث کا درجہ بھی دیدیا ہے۔ اس لئے خلاصہ
"تذہیب تہذیب الکمال" کے پہلے ہی صفحہ سے "تمیز" کی تشریح نقل کئے دیتے ہیں
ملاحظہ ہو۔

ومن ذکر فی هذه الکتاب ولیست له روایة فی الکتب فالرمز علیه (تمیز)

(ترجمہ) اور جس شخص کا ذکر تو اس کتاب میں آیا ہے مگر اس کی کوئی روایت کتابوں
میں (حدیث کی) نہیں ہے۔ تو اس کے لئے پہچان لفظ "تمیز" ہے۔

حدیث کی جن کتابوں میں یزید کی کوئی روایت نہیں ہے۔ ان کی فہرست کتاب کے
پہلے ہی صفحہ پر موجود ہے۔ تو یہ ہے:۔

صحیح بخاری، تعلیقات بخاری، جزء القرأت، رفع یدین۔ الادب المفرد، افعال العبا
مسلم، مقدمۂ مسلم، سنن ابی داؤد۔ مراسیل ابی داؤد۔ القدر۔ الناسخ والمنسوخ (ابو داؤد)

سنن ابی داؤد، فضائل الانصار (ابوداؤد) مسائل احمد (ابوداؤد) مسند مالک، جامع الترمذی۔ شمائل ترمذی، سنن نسائی، کتاب عمل یوم و لیلۃ (نسائی) خصائص علی، مسند مالک (نسائی) سنن ابن ماجہ۔ تفسیر ابن ماجہ

"تمیز" کا لفظ جس نام پر ہے۔ اس کی کوئی روایت ان کتابوں میں نہیں لی گئی ہے۔ اس لئے عباسی صاحب یا دائرۃ المعارف کا یزید کو راوی حدیث کی حیثیت سے پیش کرنا اور ستم بالائے ستم یہ کہ امام محمد باقر کو یزید کی روایت کا حامل بتانا بڑی عجیب بات ہے۔

ابن حجر عسقلانی

ابن حجر عسقلانی کی مشہور عالم کتاب فتح الباری بشرح صحیح البخاری ہے۔ اس کتاب میں یزید بن معاویہ کے فسق و فجور کی بالراست و بالواسطہ شہادت موجود ہے۔

اس کی ایک حدیث کو عباسی صاحب نے "خلافت معاویہ و یزید" میں اس لئے نمایاں کیا ہے۔ کہ اس میں عبداللہ بن عمر اپنے خاندان کے لوگوں کو جمع کر کے یزید کی بیعت توڑنے سے روکتے ہیں۔ جبکہ اہل مدینہ بیعت توڑنے پر متفق ہو گئے۔ اس حدیث پر بحث آگے آئے گی۔ یہاں اتنا کہہ دینا کافی ہے۔ کہ مدینہ میں سینکڑوں صحابہ مہاجرین و انصار موجود تھے۔ لیکن اُن کی متفقہ رائے کے مقابلہ میں ایک عبداللہ بن عمر کی رائے کی کوئی وقعت نہیں مگر اس وقت ہمارے سامنے یزید کے فسوق و فجور کا سوال ہے اس حدیث کی جو شرح ابن حجر عسقلانی نے کی ہے۔ اس سے فسق و فجور کی شہادت ملتی ہے۔ ابن حجر کہتے ہیں:-

وفی ھذا الحدیث وجوب طاعۃ الامام الذی انعقدت لہ البیعۃ والمنع من الخروج علیہ ولو جار فی حکمہ وانہ لا ینخلع بالفسق (اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ اگر امام کی بیعت ہو چکی ہو۔ تو اس کی اطاعت واجب ہے اور اُس کے خلاف نہیں اٹھنا چاہیئے۔ خواہ وہ ظلم کرے۔ اور فسق کی وجہ سے بیعت نہیں ٹوٹتی۔

چونکہ اس تشریح کا تعلق یزید کی بیعت سے ہے اس لئے فسق بھی یزید کا ہی مقصود ہے۔

عبداللہ بن عمر یہ سمجھانا چاہتے تھے۔ کہ وہ فاسق تو ہے۔ لیکن امام کا فسق و فجور بیعت توڑنے کی دلیل نہیں ہے۔

حدیث کی تشریح میں ابن حجر عسقلانی نے بھی اہل مدینہ کے اُس وفد کا واقعہ دُہرایا ہے۔ جو یزید سے مل کر آیا تھا۔ اور اُس نے یزید کے فسق و فجور کی رپورٹ دی تھی۔

ابن حجر عسقلانی نے اس امر کی بھی تصدیق کی ہے۔ کہ معاویہ نے یزید کو وصیت کی تھی۔ کہ مدینہ والے سرتابی کریں۔ تو اُن پر مسلم بن عقبہ کو چھوڑ دینا۔ اس امر کا بھی ذکر کیا ہے۔ کہ مسلم بن عقبہ نے فتح کے بعد یزید کی غلامی کے لئے بیعت لی۔ اور جنہوں نے اللہ کی کتاب اور رسولؐ کی سنت پر بیعت کرنے پر اصرار کیا۔ اُن کی گردن ماردی گئی۔

سیّد امیر علی

سیّد امیر علی دنیائے اسلام کے مشہور و ممتاز مصنف ہیں۔ لیکن شیعہ ہیں۔ اس لئے شاید بعض لوگ اس خاص مسئلہ میں ان کی شہادت کو ناقابلِ قبول قرار دیں۔ بہرحال دو وجوہ سے ان کی شہادت پیش کی جاتی ہے۔ اوّل اس لئے کہ جدید دنیا کے مستشرقین کے نزدیک اُن کی شہادت کی اہمیت ہے۔ کیونکہ وہ نہ صرف مورخ تھے بلکہ قانونی دماغ رکھتے تھے۔ اور حالات کا تجزیہ کرنا بلحاظ پیشہ اُن کی عادت ہو گئی تھی۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ وہ اُن چند مسلم مؤرخین میں سے ہیں۔ جن سے مسلم و غیر مسلم انگریزی دان طبقہ استفادہ کرتا ہے۔

بہرکیف اگر کچھ لوگ صرف اس لئے اُن کی شہادت کو رد کریں۔ کہ وہ شیعہ تھے۔ تو یہ اُن کی خوشی ہے۔ یزید کے فسق و فجور کا ثبوت ان شیعہ مؤرخین کی شہادت پر موقوف نہیں ہے۔"

سیّد امیر علی یزید کے متعلق لکھتے ہیں:۔

"اُس کے دل لگی کے ساران اُس کے مصاحبوں کی طرح کمینہ اور لغو ہوتے تھے۔ وہ علمائے دین کی توہین و ہتک اس طرح کرتا۔ کہ جہاں جاتا ایک سجائے ہوئے شامی گدھے پر ایک بندر کو علماء کے سے کپڑے پہنا کر ساتھ لئے پھرتا۔ سارا

دربار سجاوی عیش میں ڈوب گیا۔ اور دارالخلافہ کے گلی کوچوں میں قدرتاً اس کی تقلید ہونے لگی۔ (تاریخ اسلام از سید امیر علی)

مسعودی یہ ایک اور شیعہ مورخ ہے۔ لیکن اس درجہ کا ہے کہ سنّی مصنفین نے بھی اس پر پورا اعتماد کیا ہے۔ بعض کے نزدیک تو مسعودی دنیائے اسلام کا بہترین مورخ ہے۔ شبلی نعمانی لکھتے ہیں :-

"فنِ تاریخ کا امام ہے۔ اسلام میں آج تک اس کی برابر کوئی وسیع النظر مورخ پیدا نہیں ہوا۔ وہ دنیا کی اور قوموں کی تواریخ کا بھی بہت بڑا ماہر تھا۔ اس کی تمام تاریخی کتابیں ملتیں تو کسی اور تصنیف کی کچھ حاجت نہیں ہوتی۔ یورپ نے بڑی تلاش سے دو کتابیں مہیا کیں۔ ایک "مروج الذہب۔ اور دوسری کتاب الاشراف والتنبیہ" مروج الذھب مصر میں چھپ گئی ہے۔"

(الفاروق حصہ اوّل صفحہ ۷)

ظاہر ہے کہ "الفاروق" کے مصنف پر شیعوں کی حمایت کا الزام عاید نہیں کیا جا سکتا۔ مسعودی کی عظمت سب تسلیم کرتے ہیں۔ اس کی کتاب "مروج الذہب" میں یزید کے متعلق بتایا گیا ہے :-

"یزید عیش پرست اور کتوں سے کھیلنے والا تھا۔ بندروں کا شوقین اور شراب کا عادی تھا۔ ایک روز شراب کی مجلس میں بیٹھا تھا۔ اور ابنِ زیاد اس کے دائیں پر تھا یہ قتل حسینؓ کے بعد کا واقعہ ہے ساقی کی طرف متوجہ ہو کر کہنے لگا۔

اسقنی شربۃ تروی مشاشی ثم مل فاسق مثلھا ابن زیاد
صاحب السر والامانۃ عندی ولتسدید مغنمی وجھادی

پھر اس نے گویوں کو حکم دیا تو وہ گانے لگے۔ اور وہ بڑا فسق و فجور کرتا تھا۔ اسی رنگ میں یزید کے رفقا اور عمال بھی رنگے گئے تھے۔ اس کے دور میں مکہ و مدینہ میں بھی گانے بجانے کا زور ہو گیا تھا۔ بیہودگیوں کا زور ہو گیا۔ اور لوگوں نے

شراب علانیہ پینا شروع کر دی۔ اُس کے پاس ایک بندر تھا جس کی کنیت ابی قیس رکھی گئی تھی۔ وہ اُس کی مجلسِ عیش میں موجود رہتا تھا۔ اُس کو تکیہ لگا کر بٹھا دیتا تھا۔ وہ بندر بہت خبیث تھا..... ۔“ (مروج الذہب ص۹۵)

اس بندر کے متعلق مسعودی نے اور تفصیلات لکھی ہیں۔ جن کو بنظر اختصار حذف کیا جاتا ہے۔

شیخ کمال الدین الدمیری

دمیری بڑا بلند پایہ مصنف ہے اُس نے بھی اپنی مشہور کتاب "حیاۃ الحیوان الکبریٰ" میں یزید کی نسبت بتایا ہے کہ عبداللہ ابن زبیر نے اس بنا پر یزید کی بیعت سے انکار کیا تھا۔ کہ وہ شراب و لہو کا عادی تھا۔ کتوں سے کھیلتا تھا۔ اور دین کی اہانت کرتا تھا (صفحہ ۷۶)

دمیری نے اور مواقع پر بھی یزید کے خلاف متعدد باتیں لکھی ہیں۔ جن سے اُس کے چال چلن کی حقیقت بے نقاب ہوتی ہے لیکن بخوف طوالت ان کو نظر انداز کیا جا رہا ہے۔

انسائیکلوپیڈیا آف اسلام

"انسائیکلوپیڈیا آف اسلام" میں یزید کی طرف سے دفاع پیش کیا گیا ہے۔ جو اسلامی نقطہ نظر سے دفاع نہیں قرار دیا جا سکتا۔ ایک غیر مسلم عیسائی کے لحاظ سے شاید اُسے دفاع کہہ سکیں۔ وہ لکھتا ہے :۔

"یزید ایسا عیاش اور بے فکر حاکم نہیں تھا۔ جیسا کہ ان مورخوں نے پیش کیا ہے۔ جو شیعوں کے بغض سے متاثر ہیں۔ وہ خود شاعر تھا اور موسیقی کا شائق تھا۔ وہ شاعروں اور فنونِ لطیفہ کے فن کاروں کا بڑا سرپرست ہو گیا تھا (ص۱۱۶۲)

اس عیسائی مصنف کو یہ نہیں معلوم کہ جن مورخین کو وہ شیعوں سے متاثر بتاتا ہے۔ وہ اُس "سرپرستی" کو ہی عیاشی بتاتے ہیں۔ جس کا اُس نے ذکر کیا ہے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ

اس مصنف نے جسے "آرٹس" (فنونِ لطیفہ) کہا ہے۔ اسی کو مسلم مورخین رقص و سرود وغیرہ کہتے ہیں۔

کہا جائے گا کہ موجودہ زمانہ کے معیار کے لحاظ سے یزید کو فنونِ لطیفہ کی سرپرستی کے لئے مجرم نہیں قرار دیا جا سکتا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اول تو یزید کے کیرکٹر کا فیصلہ موجودہ دور کے حالات کی روشنی میں کرنا غلط ہوگا۔ کیونکہ وہ جہاد کا زمانہ تھا۔ اور اسلام زرعہ میں تھا۔ وہ کوئی موزوں وقت "رقص و سرود کی سرپرستی" کا نہیں تھا۔ دوسرے اس قسم کی سرپرستی اسلامی قدروں کے خلاف تھی۔ نیز یہ کہ عیاشی اور سرپرستی میں کوئی قابلِ ذکر فرق نہ تھا۔

عیسائی مصنفین جب یزید کے کیرکٹر پر لکھتے ہیں۔ تو ان میں سے اکثر کا جذبہ خاص ہوتا ہے۔ بات یہ ہے کہ یزید کی ابتدائی تربیت عیسائی روایات کے ماحول میں ہوئی تھی۔ اور اس کی اکثر بری عادتوں کا ذمہ دار یہی ماحول تھا۔ اس لئے عیسائی مورخین خصوصاً جن کا تعلق مشنری تنظیم سے رہا ہے۔ اس کی ابتدائی تربیت کو قابلِ فخر ثابت کرنا چاہتے ہیں۔ ان ہی میں سے ایک مصنف لامنس ہے۔ اس نے اس بات پر اظہارِ افسوس کیا ہے۔ کہ یزید کے ابتدائی زندگی کے اساتذہ کا حال نہ معلوم ہو سکا۔ جو اس کے نزدیک یقیناً عیسائی تھے۔ یزید کی ننہال کا قبیلہ پہلے عیسائی تھا۔ اگرچہ شام کی فتوحات کے زمانہ میں اس قبیلہ کے اکثر لوگ دائرۂ اسلام میں آ گئے تھے۔ مگر عیسائی تہذیب و تمدن باقی تھا۔ جس نے یزید کی عادات پر اثر ڈالا۔

ابوالفلاح عبدالحی ابن العماد الحنبلی اس مصنف کی کتاب "شذرات الذہب فی اخبار من ذہب" ہے اس میں لکھتے ہیں کہ یزید اس قابل نہیں تھا۔ کہ اس سے کسی حدیث کی روایت کی جائے۔

اس مصنف نے اس حدیث پر بحث کی ہے جس میں بتایا گیا ہے کہ قریش کے بعض نوجوانوں کے ہاتھوں میری امت ہلاک ہوگی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث میں یزید کی طرف

اشارہ ہے۔ اور جب اسے ۶۰ھ کی آفتوں والی حدیث سے ملائیے۔ تو صاف یزید پر ہی منطبق ہو جاتی ہے۔ ابوہریرہ بازاروں میں یہ کہتے پھرتے تھے اللھم لا تدرکنی سنۃ ستین (اے اللہ مجھ پر ۶۰ھ نہ آئے) محدثین نے اس حدیث کی تشریح میں یزید کا ہی ذکر کیا ہے۔

ابن تیمیہ جو لوگ یزید کے حامی ہیں۔ ابن تیمیہ کے اقوال اکثر پیش کیا کرتے ہیں خصوصاً ان کی کتاب "منہاج السنۃ" کے فقرات ان کے گرد و پیش سے منقطع کر کے اس طرح پیش کرتے ہیں۔ گویا کہ ابن تیمیہ کے نزدیک مورخین کے تمام الزامات یکسر غلط ہیں۔ اور اس میں خوبیاں ہی خوبیاں تھیں۔ مثلاً کتاب "خلافت معاویہ و یزید" میں "منہاج السنۃ" کے حوالے اسی رنگ میں پیش کئے گئے ہیں۔

دراصل ابن تیمیہ یزید کے اخلاق اسلامی کے متعلق بین بین رائے رکھتے تھے۔ وہ یزید کو بحیثیت مجموعی برا آدمی ہی سمجھتے تھے۔ مگر نہ اتنا برا جتنا بعض مورخین لکھتے ہیں۔ وہ اسے قابل تعریف نہیں قرار دیتے تھے مگر وہ اس پر لعنت بھیجنے کے مخالف تھے۔ لعنت کے خلاف اُن کی دلیل یہ نہیں تھی۔ کہ یزید برا نہ تھا۔ بلکہ دلیل یہ تھی کہ اگر فاسق و فاجر تھا۔ تب بھی لعنت جائز نہیں۔ ابن تیمیہ نے یزید پر لعنت کی مخالفت کرتے ہوئے دلیل میں بخاری کی یہ حدیث پیش کی ہے۔ کہ ایک شخص جو شرابی تھا۔ اور اُسے لوگ اہانت کے لئے گدھا کہتے تھے۔ ایک روز رسول اللہ کی خدمت میں آیا۔ بعض لوگ کہنے لگے۔ کہ لعنت ہو اس پر یہ کیوں رسول اللہ کی طرف آیا ہے۔ حضرت نے فرمایا۔ کہ اس پر لعنت نہ کرو۔ کیونکہ یہ اللہ اور اُس کے رسول سے محبت کرتا ہے۱۔

اس دلیل میں یہ کمزوری واضح ہے کہ یزید کا اللہ اور رسول سے محبت کرنا ثابت نہیں۔ اور حدیث پیش کردہ میں شرابی پر لعنت کرنے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس دلیل سے روکا تھا۔ کہ وہ شخص شرابی ہونے کے باوجود اللہ اور رسول سے محبت کرتا تھا۔

---

۱ ابن تیمیہ نے یہ دلیل اپنے رسالہ الوصیۃ الکبریٰ کے صفحہ ۳۰۲ پر دی ہے۔

یزید کے متعلق ابن تیمیہ کی یہ رائے نہیں ہے۔ کہ وہ اللہ اور رسولؐ سے محبت کرتا تھا۔
وہ صرف اتنا ہی کہتے ہیں۔ کہ اُسے کافر و زندیق سمجھنا غلط ہے۔ وہ فرماتے ہیں:-

فیزید عند علماء ائمۃ المسلمین ملک من ملوک لا یحبونہ محبۃ الصالحین
واولیاء اللہ ولا یسبونہ فانھم لا یحبون لعنۃ المسلم المعین

(الوصیۃ الکبریٰ ص۳۰۲)

یزید علمائے ائمۃ المسلمین کے نزدیک ایک بادشاہ تھا۔ بادشاہوں میں سے۔ وہ اُس سے
ایسی محبت نہیں کرتے جیسی نیک لوگوں سے کی جاتی ہے، اور نہ ایسی جیسی اولیاء اللہ سے۔
اور نہ وہ اُسے سب وشتم کرتے ہیں۔ کیونکہ وہ کسی مسلم کو معین کر کے لعنت پسند نہیں کرتے۔

ممکن ہے کسی کو یہ غلط فہمی ہو کہ ابن تیمیہ نے اولیاء اللہ کا لفظ اس معنی میں استعمال کیا
ہو جس معنی میں عام ہندوستانی استعمال کرتے ہیں اور یہ کہا جائے کہ اولیاء اللہ کا تو بڑا مرتبہ
ہوتا ہے۔ اولیاء اللہ کے مرتبہ سے نیچے رہتے ہوئے بھی یزید نیک آدمی ہو سکتا ہے۔ لیکن
ابن تیمیہ نے اولیاء اللہ کا لفظ ہندوستانی عوام کے رائج الوقت معنی میں نہیں لکھا ہے۔ بلکہ
متقی مسلمان کے معنی میں استعمال کیا ہے۔ اور اُن کا مطلب یہ بتانا ہے۔ کہ علماء و ائمۃ المسلمین
یزید کو متقی مسلمان نہیں سمجھتے۔ یہ محض ہمارا گمان نہیں ہے۔ بلکہ اگلے ہی صفحہ پر ابن تیمیہ نے
اولیاء اللہ کا مفہوم بتایا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:-

اولیاء اللہ الذین ھم اولیاؤہم ھم الذین اٰمنوا وکانوا یتقون (الوصیۃ الکبریٰ ص۳۰۴)

اولیاء اللہ وہ ہیں جو اُس کے اولیاء ہیں۔ یعنی جو اللہ پر ایمان لائے اور اُن میں تقویٰ ہو۔
(یا جو اللہ سے ڈرتے ہیں)

اس قوم میں ابن تیمیہ نے قرآن کی یہ آیت سامنے رکھی ہے۔

الا ان اولیاء اللہ لا خوف علیھم ولا ھم یحزنون۔ الذین اٰمنوا وکانوا یتقون (قرآن)

یاد رکھو اولیاء اللہ وہ ہیں جن کو خوف اور حزن نہیں ہوتا۔ وہ وہ ہیں۔ جو ایمان لائے

اور اللہ سے ڈرتے رہے۔

مطلب یہ ہے کہ جب ابنِ تیمیہ یزید کو اولیاء اللہ کے درجہ سے نکال رہے ہیں۔ تو اولیاء اللہ کا وہ درجہ پیشِ نظر نہیں ہے۔ جو ہندوستان کے لوگ اس سے سمجھتے ہیں۔ بلکہ اُس کا مطلب نیک مسلمان سے ہے۔

ابن تیمیہ کسی ولی اللہ یا صحابی کی طرف نسبت کے بھی خلاف ہیں۔ ابنِ تیمیہ کے نزدیک یہ درست نہیں کہ کوئی فاروقی، صدیقی، علوی، حنفی، شافعی، حنفی، نقشبندی وغیرہ کہلائے۔ چنانچہ انہوں نے اپنے اس خیال کی تائید میں حضرت ابن عباس اور معاویہ کا ایک مکالمہ پیش کیا ہے۔

قد روینا عن معاویۃ ابن ابی سفیان انہ سأل عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فقال انت علی ملۃ علی او ملۃ عثمان فقال لست علی ملۃ علی ولا علی ملۃ عثمان بل انا علی ملۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وکذالک کان کل من السلف والوصیۃ الکبری ص۳۰ معاویہ بن ابوسفیانؓ کی روایت ہے کہ انہوں نے عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے سوال کیا کہ تم علی کی ملت پر ہو یا عثمان کی۔ انہوں نے جواب دیا کہ میں نہ علی کی ملت پر ہوں نہ عثمان کی بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ملت پر ہوں۔ اور سلف کے تمام لوگ بھی اسی مسلک پر تھے۔

اس مکالمہ سے جسے ابنِ تیمیہ نے جو شیعوں کے بہت بڑے مخالف ہیں۔ اندازہ ہوتا ہے کہ معاویہ کا ذہن کس نہج پر کام کرتا تھا۔ وہ ملت اسلامیہ کو دو ملتوں میں تقسیم کرنا چاہتا تھا۔ ابنِ تیمیہ نے جس انداز میں یہ واقعہ لکھا ہے۔ اُس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ وہ معاویہ کے اس ذہنی رجحان کو پسند نہیں کرتے تھے۔ غالباً اسی جذبہ کے تحت عبارت میں انہوں نے ابنِ عباس کے لئے رضی اللہ عنہما لکھا ہے۔ اور معاویہ کو صرف معاویہ بن ابی سفیان لکھ کر چھوڑ دیا۔

ابن تیمیہ کی نسبت چند اور باتیں بھی اس بحث میں قابل لحاظ ہیں۔ ایک یہ کہ وہ قابل ہونے کے باوجود شیعوں کے بڑے مخالف تھے۔ اور جب کسی ایسے مسئلہ پر لکھتے ہیں۔ جو اہل سنت و اہل تشیع کے درمیان مابہ النزاع ہے تو ان کے مخالفت کے جذبات نمایاں ہو جاتے ہیں۔ اور وہ یہ کوشش کرتے نظر آتے ہیں کہ جہاں تک بھی ہو سکے شیعہ نقطۂ نظر کی حمایت کا پہلو نہ پیدا ہو۔ لیکن چونکہ علم و فضل میں ان کا ایک بلند مقام ہے۔ جس کا انہیں لحاظ رہتا ہے اس لئے ان کا ذہن سمجھوتے کی بین بین راہ پر آکر ٹھہر جاتا ہے۔ پس وہ یزید کی برائی کرتے کرتے یہ بھی لکھ جاتے ہیں۔ کہ اسے برا کہنے میں غلو بھی نہیں کرنا چاہئے۔ اوپر جو حوالے ان کے رسالہ "الوصیۃ الکبریٰ" سے پیش کئے گئے ہیں۔ ان میں وہ صاف اعتراف کرتے ہیں۔ کہ وہ صالح نہیں تھا۔ وہ متقی نہیں تھا۔ وہ محض ایک بادشاہ تھا۔ لیکن صالح و متقی ہونے کی نفی کر کے وہ یہ بھی کہتے ہیں۔ کہ وہ کافر و زندیق بھی نہ تھا۔ ان کا یہ خیال بھی معلوم ہوتا ہے۔ کہ یزید امام حسینؓ کے قتل کا ذمہ دار نہیں تھا۔ اس کے لئے ان کے پاس کوئی دلیل نہیں صرف یہ منفی اعلان ہے کہ یہ ثابت نہیں کہ یزید نے امام حسینؓ کے قتل کا حکم دیا ہو۔

دوسری بات ابن تیمیہ کی نسبت یہ ہے کہ ان کی وفات ۷۲۸ھ میں ہوئی نیز وہ مورخ نہیں تھے۔ انہوں نے یزید پر جو کچھ لکھا ہے وہ تاریخ کی حیثیت سے نہیں بلکہ مناظرہ کی حیثیت میں لکھا ہے۔ ان کی مشہور کتاب "منہاج النبوۃ" تو تمام تر شیعوں کے خلاف لکھی گئی۔ جیسا کہ خود ابن تیمیہ نے کتاب کی تمہید میں ذکر کیا ہے۔ "الوصیۃ الکبریٰ" بھی تاریخ نہیں ہے۔ بلکہ مناظرانہ انداز میں عقائد کی کتاب ہے۔ جو کتابیں مناظرانہ جذبات کے ساتھ لکھی گئی ہوں ان تک میں یزید کے جرائم میں سے بعض کی صفائی پیش کرتے ہوئے وہ کوئی تاریخی ثبوت نہیں پیش کر سکے۔ حالانکہ ان سے قبل کی لکھی ہوئی تاریخیں موجود تھیں۔

غرض اس تفصیل سے یہ ہے۔ کہ ابن تیمیہ کی اعلیٰ قابلیت کے باوجود اس مسئلہ پر ان کی کتابیں پڑھتے ہوئے ان واقعات کو سامنے رکھنا چاہئے جس طرح شیعہ مصنفین کی کتابوں

کے بارے میں بھی احتیاط کریں۔ جن کا رنگ مناظرانہ ہے۔ مؤرخانہ نہیں ہے۔

لیکن ایسے قابل اہل سنت کے قلم سے اگر کوئی بات یزید یا معاویہ کے خلاف لکھی گئی ہے تو اس کی اہمیت بڑھ جاتی ہے۔ پس جس حد تک ابن تیمیہ یزید کے کیرکٹر کی مذمت کرتے ہیں اُسے فوراً قبول کر لینا درست ہوگا۔ اور جس حد تک وہ اس کے کیریکٹر کا دفاع کرتے ہیں اُس حد تک یہ دیکھنا ہوگا۔ کہ کچھ دلائل بھی دیتے ہیں۔ اگر دیتے ہیں۔ تو وہ کتنے وزنی ہیں۔ ہم پاتے ہیں کہ یزید کی حمایت میں انہوں نے کوئی ثبوت نہیں دیا ہے۔ صرف اتنا کہہ کر چھوڑ دیا ہے کہ وہ صالح تو نہیں تھا۔ مگر کافر و زندیق بھی نہیں تھا۔ اہل سنت میں ابن الجوزی (متوفی ۵۹۷ھ) اور شیعوں میں مسعودی (متوفی ۳۴۶ھ) اُن سے بہت پہلے تھے۔ ابن الجوزی یزید پر لعنت کا قائل تھا۔ اور مسعودی نے یزید کے فسق و فجور پر بہت کچھ لکھا ہے۔ اگر ابن تیمیہ اپنے قبل کے نامور مصنفین کے بیانات کے خلاف کچھ کہنا چاہتے ہیں۔ تو ان کو محض اظہار بیان پر اکتفا نہیں کرنا چاہیئے۔ بلکہ تاریخی شواہد سے ثبوت دینا چاہیئے۔

اس بحث میں ابن تیمیہ کی تنقیص مد نظر نہیں ہے۔ اُن کا علمی رتبہ بہت اعلیٰ ہے۔ لیکن ایک محقق اُن کی رایوں کو اُسی زاویۂ نظر سے دیکھے گا۔ جو ہمارے سامنے ہے۔ وہ شخصیتوں سے مرعوب نہ ہوگا۔ بلکہ تحقیق و تنقید کے معیاروں پر جانچ کرے گا۔ مختصر یہ ہے کہ ابن تیمیہ نے یزید کے خلاف جو کچھ لکھا ہے۔ وہ اصول تنقید پر پورا اترتا ہے۔ اور جس حد تک دفاع کیا ہے اُس کے لئے ثبوت درکار ہیں۔

الدکتور حسن ابراہیم حسن

الدکتور حسن ابراہیم حسن جامعہ مصریہ میں تاریخ اسلامی کے پروفیسر ہیں۔ انہوں نے اپنی کتاب "تاریخ الاسلامی السیاسی" میں لکھا ہے:

ولد یزید من امرأۃ بدویۃ تزوجھا معاویۃ قبل تولیتہ الخلافۃ غیر انھا لم تحتمل المعیشۃ فی دمشق فردھا معاویۃ الی اھلھا فنشأ یزید علی ما عود

علیہ امہ من معشیۃ البدو وحب اللھو وعدم مراعاۃ القوانین (ص ۴۱۷)

یزید ایک بدوی عورت سے پیدا ہوا۔ خلیفہ ہونے سے پہلے معاویہ نے اس سے نکاح کیا تھا۔ چونکہ وہ دمشق کے سماجی ماحول کو برداشت نہ کر سکی۔ اس لئے معاویہ نے اُسے اُس کے خاندان میں بھیج دیا۔ پس یزید کی تربیت اُس کی ماں نے بدوی معشیت کے مطابق کی جس میں عیش و عشرت اور قوانین سے بے پروائی شامل تھی۔

اس مصنف نے صفحہ ۴۰۸ پر ایک دلچسپ بات یہ بتائی ہے۔ کہ زیاد ابن ابیہ نے یزید کے متعلق جب سنا کہ اسے ولی عہد بنایا جا رہا ہے۔ تو معاویہ کو لکھا کہ اس بارے میں احتیاط لازم ہے۔ کیونکہ یزید میں خلافت کے شرائط نہیں پائے جاتے۔

اس سے بھی دلچسپ و معنی خیز یہ ہے کہ:۔

قاصد دمشق واپس آیا تو یزید کو اس معاملہ میں زیاد کی رائے سے مطلع کیا۔ تو اُس نے جو حرکات کیا کرتا تھا۔ اُن میں اکثر سے پرہیز کیا۔ (تاریخ الاسلام السیاسی)

صفحہ ۴۰۹ پر اس مصنف نے لکھا ہے کہ جب مسجد میں معاویہ کے عامل نے لوگوں کے سامنے یزید کی ولیعہدی کے لئے خط پڑھ کر سنایا۔ تو لوگوں نے سخت احتجاج کیا۔ اور کہا کہ معاویہ اُمت محمدؐ کو ہرقلیت میں بدل دینا چاہتا ہے۔ کہ ہرہرقل جب مرتا ہے۔ تو نیا ہرقل آجاتا ہے۔

معاویہ کو یزید کے فسق و فجور کا احساس تھا۔ اور زیاد نے جب معاویہ کو لکھا کہ یزید میں وہ اوصاف نہیں جو ایک خلیفہ کے لئے ضروری ہیں۔ تو معاویہ نے اوّل تو احتیاط کی۔ مگر پھر خاندانی اقتدار کا جذبہ غالب آگیا۔ تاہم معاویہ نے لوگوں کے دلوں سے اس خیال کو دُور کرنے کے لئے یزید کے مشاغل پر پابندیاں عاید کرنے کی کوشش کی۔

ان ہی کوششوں میں سے ایک یہ تھی۔ کہ یزید کو امیر الحج بنا کر بھیجنا شروع کیا۔ یزید نے اس کوشش کو بھی ناکام بنا دیا۔ اور حج کے راستہ میں اپنے اشغال فاسقانہ جاری رکھے۔

دمشق میں معاویہ نے یزید کے لئے اپنے کمرے کے قریب جو کمرہ مقرر کیا تھا۔ جب اس پر نگرانی ہونے لگی۔ تو یزید نے اپنا عیش خانہ الگ بنالیا۔ نیز یہ کہ وہ دمشق سے باہر جا کر ان مشاغل کا سلسلہ جاری رکھتا تھا۔ جب معاویہ کا انتقال ہوا۔ اس وقت بھی یزید عیش و عشرت کے مقصد سے ہی باہر گیا ہوا تھا۔ معاویہ کا مرض الموت بھی اسے اپنے اشغال سے نہ روک سکا معاویہ کو یزید کے حالات کا علم تھا۔ مگر وہ اس مرض کو ناقابلِ علاج سمجھ کر آخر کار خاموش ہو گئے تھے۔ (ماخوذ از یزید بن معاویہ علی بہادر خان ص۱۲۶)

یزید کا فسق و فجور اور نظامِ اسلام

فسق و فجور کے باوجود یزید کے لئے ولیعہدی کی بیعت نے نظام اسلامی کے ایک اہم پہلو کو تباہ کر ڈالا۔ آئندہ حکمرانوں کے لئے اپنے بیٹوں کو ولی عہد بنانے کی سند مل گئی جب اتنا فاسق و فاجر بیٹا ولی عہد ہو سکتا ہے تو اب کسی بھی شاہزادہ کے لئے ولیعہد بننا آسان ہو گیا۔ چنانچہ ہم تاریخ میں پاتے ہیں کہ یزید کی ولیعہدی کے وقت تو یہ سوال ضرور اٹھا کہ وہ فاسق و فاجر ہے۔ لیکن اس کے بعد کسی خلیفہ کے وقت میں بھی یہ ضروری نہیں سمجھا گیا کہ ولی عہد کے اخلاقی حالات کا جائزہ لیا جائے۔ بلکہ ایسی سنّت قائم ہو گئی کہ ہر خلیفہ اپنا ولی عہد مقرر کرتا تھا۔ اور لوگ اسے معمولی بات سمجھ کر تسلیم کر لیتے تھے۔ اسلام میں جو شوریٰ کا نظام تھا۔ وہ ختم ہو گیا۔ حدیث من سن سنۃ سیئۃ کے مطابق قیامت تک اس کا گناہ معاویہ و یزید کے نامۂ اعمال میں لکھا جاتا رہے گا۔

اس سلسلہ میں یہ امر بھی قابلِ غور ہے کہ چونکہ گانے بجانے کا فن اس زمانہ میں عیسائیوں میں زیادہ رائج تھا۔ اور وہ بہترین ماہرین فن دے سکتے تھے۔ لہٰذا اسلامی معاشرہ میں یزید کی سرپرستی کی بدولت وہ داخل ہو گئے۔ چنانچہ یزید جب امیر الحج بن کر دمشق سے چلا تھا۔

توراۃ میں دل بہلانے کے لئے اُس نے عیسائی گویّوں کو لیا تھا جس کی تفصیل تاریخوں میں موجود ہے۔

غنا و رقص عہدِ رسالت میں بھی تھا، لیکن اُس میں خاص سادگی تھی۔ مثلاً حبشیوں کا ناچ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بی بی عائشہؓ کو دکھایا تھا۔ یا یہ کہ عید کے دن جب حضرت ابوبکرؓ بی بی عائشہؓ کے گھر میں داخل ہوئے تو لڑکیاں گانے میں مشغول تھیں۔ حضرت ابوبکرؓ نے تعجب سے کہا کہ ارے یہ کیا نبیؐ کے گھر میں بھی شیطان؟ اُس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی دوسری طرف منہ کئے لیٹے تھے۔ انہوں نے کروٹ بدل کر حضرت ابوبکرؓ کو روکا۔ اور فرمایا۔ یا ابابکر لکل قوم عیداً اھذا عیدنا۔ (اے ابابکر ہر قوم کے لئے ایک دن عید کا ہوتا ہے اور آج ہماری عید کا دن ہے) اس طرح رسول اللہ نے گانے کی اجازت دی۔

ایک اور بھی مثال حدیث میں ہے وہ یہ کہ بی بی عائشہؓ نے ایک لڑکی کے نکاح کا بندوبست کیا تھا۔ جب برات کے آنے کا وقت ہوا تو رسولؐ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے۔ آپؐ نے فرمایا۔ کہ دُولہا کہاں ہے۔ اُن کو بتایا گیا کہ انصار میں سے ہے۔ حضور نے ارشاد فرمایا کیا تم کو نہیں معلوم کہ انصار تفریح پسند کرتے ہیں۔ چنانچہ اُسی وقت گانے والیاں آئیں۔ اور انہوں نے گیت گائے۔ سیرت ابن ہشام میں وہ گانے بھی دیئے ہیں۔ جو اُس وقت گائے گئے تھے۔ یہ نہایت سادہ گانے ہیں۔ جن میں بہادری کے کارناموں یا باہمی تعلقات کا سادہ بیان ہے۔

اس قسم کا گانا عید یا شادی کے موقع پر جائز ہے۔ لیکن یزید نے عیسائی مغنیوں کو اسلامی سوسائٹی میں داخل کر کے بالکل نقشہ ہی بدل دیا۔ اور اسلامی معاشرہ کی صورت ہی مسخ ہو گئی۔

نکلسن (Nicholson) نے اپنی تاریخ ادبیات عرب (----

(Literary History of The Arabs.) میں اس مسئلہ پر روشنی ڈالی ہے کہ اموی دور میں کس طرح گانے بجانے اور دیگر فنون لطیفہ کا رواج ہوا۔ اُس نے عیسائی شاعر الاخطل کا خاص تذکرہ کیا ہے۔ اور بتایا ہے کہ امویوں نے اُسے اپنا خاص شاعر بنا لیا تھا۔ یہ ہی شاعر یزید کے حکم پر انصار اور بعض صحابہ کی ہجو لکھا کرتا تھا۔ اور یہ یزید کے ساتھ اُس کے حج کے قافلہ میں بھی ہوتا تھا۔

دکتور حسن ابراہیم حسن نے بھی اس مسئلہ پر بحث کی ہے۔ اُس نے بتایا ہے کہ مکہ مدینہ گانے والوں سے خالی تو نہ تھے۔ مگر اموی حکمرانوں نے ان شہروں میں بھی باہر کے اثرات داخل کر دیئے۔

موجودہ دور میں جبکہ فنون لطیفہ پر خاص توجہ ہے۔ یزید کے اس شوق و ذوق کے نتائج و اثرات کا احساس نہ ہوگا۔ لیکن اس وقت ان فنونِ لطیفہ کی سرپرستی سے اسلامی معاشرہ بہت بھیانک اثرات پڑے تھے۔

بنو امیہ نے اسلامی قدروں کو ملیامیٹ کر دیا۔ اقبال نے کہا ہے کہ "اسلامی تعلیم میں شمشیر و سناں کا مرتبہ اوّل اور چنگ و رباب کا مرتبہ بعد میں ہے۔ لیکن یزید نے اپنی زندگی میں چنگ و رباب کا درجہ اوّل تسلیم کر لیا تھا۔

مزید مورخین کی رائیں یزید کے فسق و فجور کے ثبوت میں دی جا سکتی ہیں۔ لیکن طوالت سے بچنے کے لئے ان چند پر اکتفا کیا جاتا ہے (یزید بن معاویہ ص۱۰۳ تا ص۱۲۸ مولفہ علی بہادر خان)

ابن کثیر شامی

یزید کی شہوت پرستی کا اقرار صراحت یا اجمال سے ہر مورخ نے کیا ہے۔ اموی نواز مورخ ابن کثیر شامی پردہ پوشی کرتے ہوئے اس حقیقت کو ان مجمل الفاظ میں ظاہر کرنے پر مجبور ہوئے ہیں:-

"وکان فیہ ایضا اقبال علی الشھوات وترک بعض الصلوٰۃ فی بعض الاوقات واماتتھا فی غالب الاوقات" (البدایہ والنہایہ جلد ۸ ص۲۳۰)

یزید شہوات کی طرف بھی متوجہ تھا۔ اور بعض اوقات بعض نمازوں کو ترک کر دیتا تھا اور اکثر اوقات تو تاخیر کرنا ہی تھا۔"

دوسرے مقام پر بھی ابن کثیر شامی لکھتا ہے:۔

قد اشتہر بالمعارف و شرب الخمر و الغناء و الصید و اتخاذ الغلمان و القیان و الکلاب و النطاح بین الکباش و الدباب و القرود"

یزید ناچ باجے، شراب خواری اگانا، شکار، لونڈے، کنچنیوں اور کتے پالنے مینڈھے اور ریچھ بندر پالنے اور لڑانے کے شوق میں شہرت رکھتا تھا۔

اور بالآخر اس شامی مورخ کو یہ کہنا پڑتا ہے کہ:۔

قلت یزید بن معاویہ اکثر ما نقم علیہ فی عملہ شرب الخمر و اتیان الفواحش"

میں کہتا ہوں کہ یزید شراب خوری و بدکاری میں اس سے کہیں زیادہ تھا۔ جتنا اس کے بارے میں کہا جاتا ہے۔

مورخ ابن خلدون کی تصدیق

عباسی صاحب نے یزید کی دینداری اس کے زہد و ورع اور اس کے تقوی و تقدس کا اس زور سے ڈھول پیٹا کہ پاک و ہند کی زمین دہل گئی۔ لیکن ذرا دیکھئے حضرت امیر معاویہ کی صفائی پیش کرتے ہوئے علامہ ابن خلدون کیا فرما رہے ہیں:۔

"وہ فسق و فجور جو یزید سے اس کی خلافت کے عہد میں صادر ہوا۔ کیا وہ بروقت تقرری ولیعہدی معاویہؓ کے علم میں تھا، حقیقت یہ ہے۔ کہ معاویہؓ کی شخصیت باعتبار فضیلت و عدالت اس قسم کی بدگمانی سے پاک ہے۔ وہ تو اپنے حین حیات میں یزید کو گانا سننے سے بھی روکتے تھے۔" (ص ۲۴۲)

دیکھا آپ نے: عباسی صاحب کے تقدس مآب امیر و امام اور بنی امیہ کے گل سرسبد

یزید کے فسق و فجور کی نسبت علامہ ابن خلدون کیا فرماتے ہیں لیکن عباسی صاحب پوری ڈھٹائی سے ان لوگوں کو کذاب کہتے ہیں۔ جو یزید کی طرف غنا اور موسیقی کی نسبت کرتے ہیں۔

عمر ابو النصر مورخ لبنان

عمر ابو النصر دور حاضر میں دنیا اسلام کا مشہور مورخ ہے۔ اس کی بہت سی تصانیف اردو میں ترجمہ ہو چکی ہیں۔ اس مورخ کی کتاب یزید بن معاویہ، عربی زبان میں ۱۹۲۹ء میں چھپی ہے۔ بالکل آزاد مؤلف ہے۔ نہ شیعوں کو بخشتا ہے اور نہ سنیوں کو معاف کرتا ہے۔ یہ نام سے ظاہر ہے۔ کہ کم از کم شیعہ نہیں۔ حقیقت میں اسی مورخ کی تالیف "الحسین" محمود عباسی سے خلافت معاویہ و یزید لکھوانے کی باعث ہوئی۔ "یزید بن معاویہ" کتاب میں عمر ابو النصر نے یزید کے فسق و فجور اور عادات پر مختلف ذرائع سے روشنی ڈالی ہے۔ مگر ایک دلچسپ بات یہ بھی لکھی ہے۔ کہ معاویہ نے یزید کی عیاشیوں کو ختم کرنے یا کم از کم ان میں رکاوٹ ڈالنے کے لئے یزید سے بغیر اپنے اشتغال کے کیسے کٹتا۔ اس لئے اس نے گانے بجانے اور شراب وغیرہ کا انتظام کر لیا تھا۔ اور سفر میں یہ مشاغل جاری رہے۔ یہی مورخ اپنی دوسری تالیف "الحسین" میں یزید کے کیرکٹر پر یوں روشنی ڈالتا ہے۔

"مسلمانوں نے یزید کی بادشاہی کو اچھی نظر سے نہیں دیکھا۔ امیر معاویہ ہی کے عہد میں یزید کے برے خصائل کی شہرت ہر طرف پھیل چکی تھی۔ اور لوگوں کو معلوم تھا۔ کہ یزید کو لہو و لعب اور عیش و عشرت کی زندگی بسر کرنے کے سوا کوئی کام نہیں ....

یزید کو بادشاہی تو حاصل ہو گئی۔ لیکن اس نے اپنے چند سالہ دور حکومت میں نہ صرف یہ کہ مسلمانوں کے سواد اعظم کو اپنا مخالف اور دشمن بنا لیا بلکہ قیامت تک کے لئے اپنے آپ کو مردود و مشاہیر کی صف اوّل میں شامل کر لیا۔ مدینہ منورہ کی حرمت کو توڑنا۔ مکہ مکرمہ کا محاصرہ کرنا اور حضرت حسینؓ کو شہید کرانا معمولی جرائم نہیں۔ ان جرائم میں سے کسی ایک کا بھی ارتکاب

ہمیشہ کے لئے کسی شخص کو مسلمانوں کی نگاہوں میں ذلیل بنا دینے کے قابل تھا۔

(الحسین ص ۴۷/۴۸)

یزید کے بارے میں علمائے تاریخ اور کتب رجال کے مؤلفین کے بیانات سے ثابت ہو چکا کہ یزید فاسق و فاجر اور مجموعۂ خباثت تھا۔ مزید ضرورت تو نہ تھی۔ کہ ہم ایسے پلید کی سیرت خبیثہ پر کچھ تحریر کریں۔ مگر یہ امر بھی ضروری ہے کہ ہم محققین علماء امت اور محدثین کے افادات کی روشنی میں بھی یزید کے بارے میں فقہ و کلام کی حیثیت سے بھی تحقیق کریں۔ چنانچہ ذیل میں مولوی محمد یوسف مؤلف رسالہ حسین و یزید کے حوالے چند ایک علمائے اسلام کے نظریات پیش کئے جاتے ہیں۔

مجدد الف ثانی سرہندی

یزید بدبخت فاسقوں کے زمرہ سے ہے۔ اُس کی لعنت میں توقف کرنا اہل سنت کے مقررہ اصل کے باعث ہے۔ کیونکہ انہوں نے معین شخص کے لئے اگرچہ کافر ہو لعنت جائز نہیں کی۔ مگر جب یقیناً معلوم کریں۔ کہ اس کا خاتمہ کفر پر ہوا ہے جیسے کہ ابو لہب جہنمی اور اس کی عورت۔ نہ یہ کہ وہ لعنت کے لائق نہیں۔ الذین یؤذون اللہ ورسولہ لعنھم اللہ فی الدنیا والاخرۃ۔

"جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کو ایذا دیتے ہیں۔ اُن پر دنیا اور آخرت میں اللہ کی لعنت ہے۔" (مکتوب ۲۵۱ دفتر اول ص ۴۴۴)

حضرت مولانا عبدالحی صاحب لکھنوی

مولانا یزید پر لعنت وعدم لعنت پر بحث کرنے کے بعد فرماتے ہیں:۔

سب سے اچھا مسلک یہ ہے کہ اس شقی کو ترحم اور مغفرت سے یاد نہ کرے۔ اور لعنت جو کافروں کے لئے مخصوص ہے۔ اس سے بھی اپنی زبان کو آلودہ نہ کرے۔ کیونکہ باوجود کفر کے شیطان پر بھی لعنت نہ کرنا برا نہیں (مجموعۃ الفتاویٰ مطبوعہ مجیدی کانپور ص ۱۰۵)

امامِ اہلسنت والجماعت حضرت علامہ ابنِ تیمیہ:۔ الحق انہ کان ملکا من ملوك المسلمین لہ حسنات ولہ سیأت والقول فیہ کالقول فی امثالہ من الملوك لانحبہ ولانسبہ (مجموعہ فتاوی مصریہ ص۲۱)

ترجمہ:۔ اور حق بات یہ ہے کہ وہ (یعنی یزید) ایک بادشاہ ہے مسلمان بادشاہوں سے کہ اس کی نیکیاں بھی ہیں اور نافرمانیاں بھی۔ اور اس کی مثال اس جیسے بادشاہوں کی ہے نہ ہم اس کو اچھا سمجھتے ہیں۔ اور نہ ہی اس کو گالی دیتے ہیں۔

امام ابن تیمیہ کے نزدیک عام شاہانِ اسلام کہ جن میں اچھائی اور برائی دونوں پائی جاتی ہیں کی مانند ہے۔ جس کا مطلب دوسرے لفظوں میں کہ یزید اہل سنت والجماعت کے نزدیک اچھائی اور برائی کا جامع ہونے کی وجہ سے فاسق وفاجر سمجھا جائے گا۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کی ذات گرامی محتاج تعارف نہیں۔ کہ ہندوستان کو علوم اسلامیہ سے سب سے پہلے روشناس کروانے والی صرف آپکی ذاتِ بابرکات ہے۔ آج اگر ہندوستان کی علومِ اسلامیہ کی تابانی کے سامنے تمام ممالک اسلامیہ کی آنکھیں خیرہ ہیں۔ تو وہ آپ ہی کے خاندان کی قربانی کا ثمرہ ہے۔ اُن کا یزید کے بارے میں نظریہ ملاحظہ کیجئے۔

حضرت حذیفہؓ کی روایت شدہ حدیث کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

ثم ینشاء دعاۃ الضلال کا مصداق یزید ومختار کو ٹھہراتے ہیں۔ ودعاۃ الضلال یزید بالشام ومختار بالعراق (حجۃ اللہ البالغۃ جلد ثانی ص۲۱۰) اور گمراہی کی طرف بلانے والا یزید ملک شام میں اور مختار عراق میں“

اس کا فیصلہ ناظرین کرام پر چھوڑتا ہوں۔ کہ جب یزید محض یہی نہیں کہ وہ خود گمراہ ہے۔ بلکہ گمراہی کا داعی ہے۔ کیا گمراہی کی جانب دعوت دینے والا متقی وپارسا وشرعی خلیفہ ہونے کے قابل تصور کیا جا سکتا ہے۔ ع چو کفر از کعبہ برخیزد کجا ماند مسلمانی

حضرت شاہ عبد العزیز محدث دہلوی

حضرت شاہ عبد العزیز صاحب بھی اپنے والد بزرگوار کی طرح ہندوستان کی عظیم ترین شخصیت ہے۔ وہ لعنت یزید میں توقف کی وجہ ان الفاظ سے بیان فرماتے ہیں۔

"در لعن یزید توقف ازاں جہت است کہ روایات متعارضہ و متخالفہ ازاں پلید در مقدمۂ شہادت امام علیہ السلام وارد شدہ (فتاوی عزیزی ص۱)

(ترجمہ) یزید پر لعنت میں توقف اس وجہ سے ہے کہ امام حسینؓ کی شہادت کے واقعہ میں اس پلید کی جانب سے ایک دوسری کے مخالف و متعارض روایات وارد ہیں"

اس عبارت سے حضرت شاہ عبد العزیز صاحب کا نظریہ یزید کے بارے میں صاف ظاہر ہے۔ اُن کی عبارات میں جہاں یزید کا تذکرہ ہے۔ وہ اس کو پلید کے لفظ سے ہی تحریر فرماتے ہیں۔ جیساکہ دوسری جگہ امام حسینؓ کے خروج کے بارے میں ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

"وہنوز اہل مدینہ واہل مکہ واہل کوفہ بہ تسلط یزید پلید راضی نہ شدہ بودند"

(فتاوی عزیزی ص۲)

حضرت مولانا شیخ عبد الحق محدث دہلوی

حضرت مولانا شیخ عبد الحق محدث دہلویؒ یزید کے بارے میں طویل بحث کے بعد فرماتے ہیں:۔

"حاصل یہ ہے کہ ہمارے نزدیک یزید پلید سب آدمیوں سے زیادہ بدتر و مبغوض ہے۔ اور اس بے سعادت نے وہ کام کئے ہیں۔ کہ اس اُمت میں کسی نے نہیں کئے۔ بعد قتل امام حسینؓ کے اور اہل بیت کی اہانت کی۔ اُس نے مدینہ منورہ کے خراب کرنے کو اور وہاں کے رہنے والوں کے قتل کرنے کو لشکر

بھیجا اور بقیہ اصحاب و تابعین کے قتل ۔۔۔ کا حکم دیا اور مدینہ طیبہ کی تخریب کے بعد مکہ معظمہ اور اس کی حرم شریف پر قبضہ کرنے کا اور عبداللہ بن زبیر کے قتل کا حکم دیا۔ انہیں دنوں اسی حالت میں وہ مر گیا۔ (نور الایمان ترجمہ نور الایقان مصنفہ حضرت مولانا عبدالحق محدث دہلوی ص ۴۲)

حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی

حضرت مولانا گنگوہی ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں۔

لہٰذا یزید کے وہ افعال ناشائستہ ہر چند موجب لعن کے ہیں۔ مگر جس کو محقق اخبار سے اور قرائن سے معلوم ہو گیا۔ کہ وہ ان مفاسد سے راضی و خوش تھا۔ اور ان کو مستحسن اور جائز جانتا تھا۔ اور بدوں توبہ کے مر گیا۔ تو وہ لعن کے جواز کے قائل ہیں۔ اور مسئلہ یوں ہی ہے۔ اور جو علماء اس میں تردد رکھتے ہیں۔ کہ اول میں وہ مومن تھا۔ اس کے بعد ان افعال کا وہ مستحل تھا یا نہ تھا۔ اور ثابت ہوا یا نہ ہوا تحقیق نہیں ہوا۔ پس بدوں تحقیق اس امر کے لعن جائز نہیں۔ لہٰذا وہ فریق علماء کا بوجہ حدیث منع لعن مسلم کے لعن سے منع کرتے ہیں۔ اور یہ مسئلہ بھی حق ہے۔

(فتاوی رشیدیہ ص ۴۹)

اس عبارت سے حضرت مولانا گنگوہیؒ کا نظریہ یزید کے بارے میں ظاہر ہے کہ اہل سنت والجماعت کے لعنت یزید کے بارے میں دو گروہ ہیں ایک گروہ اس پر جواز لعنت کا قائل ہے۔ اور دوسرا گروہ عدم جواز کا قائل ہے۔ اور حضرت مولانا گنگوہی بھی عدم جواز لعنت کے قائل ہیں۔ بہر صورت فسق یزید پر تمام کا اتفاق ہے۔ لیکن حضرت مولانا گروہوں کی تصویب فرما کر ترجیح عدم جواز لعنت کو دیتے ہیں۔ جیسا کہ آگے انہوں نے خود اس کی تصریح کی ہے۔

حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ

حضرت مولانا تھانوی حضرت امام حسینؓ کے خروج کے بارے میں ایک طویل سوال کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

یزید فاسق تھا اور فاسق کی ولایت مختلف فیہ ہے۔ دوسرے صحابہ نے جائز سمجھا۔ حضرت امام نے ناجائز سمجھا۔ اور گو اکراہ میں انقیاد جائز تھا۔ مگر واجب نہ تھا۔ اور متمسک بالحق ہونے کے سبب سے یہ مظلوم تھے۔ اور مقتولِ مظلوم شہید ہوتا ہے۔ شہادت غزوہ کے ساتھ مخصوص نہیں۔ پس ہم اسی بنائے مظلومیت پر ان کو شہید مانیں گے۔

باقی یزید کو اس قتال میں اس لئے معذور نہیں کہہ سکتے۔ کہ وہ مجتہد سے اپنی تقلید کیوں کراتا تھا۔ بخصوص جبکہ حضرت امام آخر میں فرمانے بھی لگے تھے۔ کہ میں کچھ نہیں کہتا۔ اس کو تو عداوت ہی تھی۔ چنانچہ امام حسنؓ کے قتل کی بنا یہی تھی۔ اور مسلط کی اطاعت کا جواز الگ بات ہے۔ مگر مسلط ہونا کب جائز ہے۔ خصوص نا اہل کو۔ اس پر خود واجب تھا کہ معزول ہو جاتا۔ پھر اہل حل وعقد کسی اہل کو خلیفہ بناتے (فتاوی امدادیہ ج ۵ ص ۵۷۳)

حضرت مولانا تھانوی نے اتنی عبارت میں بہت سے اشکالات کا حل فرمادیا منیب کے لئے تو اس بھی کافی ہے۔ ضدی کے لئے تمام قرآن بھی ناکافی ہے۔

ان حضرات کے علاوہ استاذی المکرم حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدنی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بھی فسقِ یزید کے قائل ہیں۔ اور حضرت مولانا ثناء اللہ پانی پتی کفر یزید کے قائل ہیں۔ جیسا کہ تفسیر مظہری ج ۵ ص ۲۱۹ میں انہوں نے کفر یزید پر دلائل پیش کئے ہیں۔

علماء محققین کے پیش کردہ نظریات کے پیش نظر جبکہ بعض ان میں سے لعن یزید کے قائل ہیں۔ یزید کے لئے کون سی خوبی ہے۔ جس کو ثابت کرنے کے واسطے عباسی صاحب نے نامحمود کوشش فرمائی ہے۔ جب نصوص احادیث و تاریخ اسلامی و علماء کی زبانی یزید کی بدکرداریوں کی وجہ سے اس کا مذکورہ بالا مقام متعین ہو چکا ہے۔ پھر اس کو وہاں سے اٹھا کر بلند مقام پر لے جانا عباسی صاحب کے بس کی بات نہیں ہے۔

یزید کی سیاسی قابلیت

محمود احمد عباسی نے اپنے ممدوح کی سیاسی قابلیت منوانے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور صرف کیا ہے۔ اور اسی سلسلے میں انہوں نے کہا ہے۔ کہ یزید کی سیرت و کردار اور اس کی سیاسی بصیرت کے ضمن میں مستشرقین یورپ کے بیانات کو ہی بطور سند تسلیم کیا جاتا ہے۔ ذرا اس دعویٰ کی حقیقت بھی جدید مفکر اسلام فاضل عمر ابو النصر کے بیان میں ملاحظہ فرمایئے۔

متعدد مستشرقین نے یزید کے لئے وجہ اعتذار تلاش کرنے کی کوشش کی ہے اور اس کے حلم و علم، سیاست و لیاقت وغیرہ کی مفروضہ داستانیں اپنی کتابوں میں بیان کی ہیں۔ حالانکہ تمام مورخین عرب کی کتابیں یزید کے ان مفروضہ خصائل سے یکسر خالی ہیں۔ اس معاملے میں مشہور مستشرق لامنس سب سے بڑھا ہوا ہے۔ اس نے یزید کے متعلق ایک پوری کتاب لکھ ماری ہے۔ جس میں اس کی حکومت اور اس کے عہد سے تعلق رکھنے والی ہر قسم کی رطب و یابس روایات جمع کر دی گئی ہیں۔ اور یزید کو نہایت نیک اور یکسر معصوم عن الخطا ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

بعض مستشرقین کہتے ہیں۔ کہ یزید کو اپنے سے پہلے افراد بنی امیہ کے افعال کی سزا بھگتنی پڑی۔ وہ غیظ و غضب اور جوش و خروش جو ایک عرصے سے عامۃ المسلمین کے دلوں میں پنہاں تھا لیکن امیر معاویہ کی سیاست کے باعث باہر آ سکتا تھا۔ اس نے یزید کے عہد میں نکلنے کے لئے راہ پالی۔

مجھے اس رائے پر تنقید کرنے کی ضرورت نہیں۔ کیونکہ میں اپنی کتاب میں یزید کے حالات بیان نہیں کر رہا۔ بلکہ صرف وہی واقعات درج کر رہا ہوں۔ جن کا یزید سے تعلق تھا۔ پھر بھی میں یہ کہنے سے باز نہیں رہ سکتا۔ کہ مستشرقین کا یہ خیال حقیقت سے کوسوں دور ہے۔ یزید نے حکومت حاصل ہوتے ہی ایسے کام شروع کر دیئے۔ جن سے معلوم ہوتا ہے کہ اس میں سیاسی سوجھ بوجھ نام کو بھی نہ تھی۔ اس نے مختلف علاقوں میں اپنے عمال مقرر کرتے ہوئے نہ عقلمندی کا ثبوت دیا۔ نہ انہیں لوگوں سے نرمی اور محبت سے پیش آنے کی تلقین کی۔ ان حالات کی موجودگی میں جو کچھ

اس کے زمانے میں ہوا اور اس کے عمال نے جو جو کارروائیاں کیں۔ ان سب کا ذمہ دار یزید ہے۔ اگر یزید اپنے عمال کو لوگوں سے نرمی اور تلطف کرنے کا حکم دیتا۔ تو عبید اللہ بن زیاد اور دوسرے عمال کی مجال نہ تھی۔ کہ وہ اس کے حکم سے سرتابی کرتے بخصوصاً اس حالت میں جب یزید کے خلاف نفرت نے شدت اختیار نہ کی تھی۔ اور معاملہ عام ناراضی سے زیادہ نہ بڑھا نفاق تلوار نکال کر مسلمانوں کا قتل عام شروع کر دینا اور اپنے عمال اور قائدین کھلی چھٹی دے دینا کہ وہ لوگوں سے جس قسم کا سلوک چاہیں کریں۔ ایسی فاش غلطی تھی جو کسی صورت میں معاف نہیں کی جا سکتی۔ اور یہ ایسی سیاست تھی جس نے اوائل ہی میں اسلامی سلطنت کو اتنا زبردست نقصان پہنچایا۔ کہ بعد میں اس کی تلافی ممکن نہ رہی۔ (الحسین صفحہ ۴۸، ۴۹)

تکفیر یزید پر علماء امت کے اختلافات کی نوعیت

تاریخ اسلام کی مستند شہادتوں اور متکلمین اسلام کے بالصراحت بیانات سے یزید کا فسق و فجور مسلّم طور پر ہم نے پیش کر دیا ہے۔ اور یہ بتا دیا ہے کہ ان جلیل القدر مورخین کے نزدیک یزید کی شخصیت ہرگز قابلِ مدح نہیں۔ فرق صرف اتنا ہے کہ بعض فسق و فجور کے ہوتے ہوئے اسے کافر کہنا مناسب نہیں سمجھتے۔ اور بعض محققین نے تو کھل کر یزید کا کفر ثابت کیا ہے۔ اور اس شخص پر شخصی لعنت بھی کی ہے۔ مگر ان میں سے کچھ ایسے بھی ہیں جنہوں نے بعض مصالح کی بنا پر کفر ثابت کرنے کے بعد بھی لعنت سے احتیاط کی ہے۔ ذیل میں ہم ان تمام محققین کی جامع بحث جو یزید کے کفر و عدم کفر اور جواز لعنت و عدم جواز لعنت اور استشہاد یزید پر اہانت اہل بیت وغیرہ پر مشتمل ہے امام اہل سنت فاضل جلیل علامہ محمد طیب حکیم الاسلام مہتمم دارالعلوم دیوبند کے افادات کی روشنی میں پیش کرتے ہیں۔ فاضل موصوف نے "شہید کربلا اور یزید" کے عنوان سے ایک کتاب بلا کی

صاحب کے خرافات میں حال ہی میں رقم فرمائی ہے۔ ہم اسی کتاب سے ان مباحث کو نقل کر رہے ہیں۔ فاضل علامہ یزید اور اس کا کردار کے عنوان کے تحت لکھتے ہیں:۔

"یزید کا ذاتی فسق و فجور بھی کچھ کم نہ تھا۔ دیانات میں اس کا قصور اور فتور حافظ ابن کثیر فقیہ الہراسی وغیرہ نے نہایت صفائی اور وضاحت سے نقل کیا ہے۔ جو کسی موقع پر آئے گا لیکن جس فسق نے اسے مبغوض خلائق بنایا وہ اس کا اجتماعی رنگ کا فسق تھا جس نے امت میں فتور پیدا کر دیا۔ ذاتی فسق سے تو صرف ذات تباہ ہو جاتی ہے۔ لیکن اجتماعی فسق سے اُمت اور اجتماعیت تباہ ہو کر رہ جاتی ہے۔ اس لئے علماء اور فقہاء نے زیادہ تر یزید کے اسی فسق کا ذکر کیا ہے۔ اور اسی پر احکام مرتب کئے ہیں۔ پھر اس میں بھی قبیح ترین فسق جس نے امت میں اس کی طرف سے ذہنی اشتعال پیدا کر دیا۔ وہ قتل حسینؓ ہے۔ جو اس کی امارت کا شاہکار ہے۔ ابن کثیر کہتے ہیں:۔

وقد تقدم انہ قتل الحسین واصحابہ علی یدی عبید اللہ ابن زیاد

(البدایہ والنہایہ ص ۲۲۲/۸)

(ترجمہ) اور یہ گذر چکا ہے کہ یزید نے حسینؓ اور اُن کے ساتھیوں کو عبید اللہ ابنِ زیاد کے ہاتھ سے قتل کیا۔

کوئی وجہ نہیں کہ قاتلِ حسین کو اس قتل پر خوشی نہ ہو۔ قسطلانی شارح بخاری نے علامہ سعد الدین تفتازانی سے نقل کیا ہے کہ:۔

والحق ان رضا یزید بقتل الحسین واستبشارہ بذلک واھانتہ اھل البیت النبی صلی اللہ علیہ وسلم مما تواتر معناہ وان کان تفاصیلہ احادا (قسطلانی ص ۱۲۴، ۱۲۵/۵)

اور حق بات یہ ہے کہ یزید کا قتل حسینؓ سے راضی ہونا اور اس سے خوش ہونا اور اہانت اہل بیت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان چیزوں میں سے جو معنوی طور پر تواتر کے ساتھ ثابت شدہ ہیں۔ اگرچہ ان کی تفصیلات اخبار احاد ہیں۔

قسطلانی کا بلانکیر تفتازانی سے یہ عقیدہ اور واقعہ نقل کرنا اس عقیدہ اور واقعہ سے خود ان کی موافقت کی کھلی دلیل ہے۔ کیونکہ نہ انہوں نے اس قول کی تردید کی۔ نہ اس پر نکیر کی۔ بلکہ اسے بطور استشہاد پیش کیا ہے۔ ایک محدث اور ایک متکلم کے اتفاق سے یزید کی رضا بقتل الحسین اور اس کا فسق ثابت ہوتا ہے۔ پھر جبکہ تفتازانی فسق یزید کو جو جواز لعن سے واضح ہے متفق علیہ اور اس واقعہ رضا بالقتل کو معنی متواتر بھی فرما رہے ہیں۔ تو ان دونوں ائمہ حدیث و کلام کے نزدیک یہ بطور ایک متواتر عقیدہ و چیز کے واجب التسلیم ثابت ہوتا ہے۔ جو دو کا مسئلہ نہ رہا بلکہ اجماعی بات ہو گئی۔

فسق تو فسق بعض ائمہ کے یہاں تو یزید کی تکفیر تک کا مسئلہ بھی زیر بحث آ گیا یعنی جن کو ان کے قلبی و داعی اور اندرونی جذبات کھلنے پر ان کی اطلاع ہوئی تو انہوں نے اس پر کفر تک کا حکم لگا دیا۔ گو یا جمہور کا مسلک نہیں۔ لیکن اس سے کم از کم اس کے فسق کی تصدیق اور تائید تو ضرور ہو جاتی ہے۔

شرح فقہ اکبر میں محقق ابن ہمام کا حسب ذیل بیان نقل کیا گیا ہے۔

قال ابن همام واختلف فی اکفار یزید قیل نعم لما روی عنه ما یدل علی کفره من تحلیل الخمر ومن تفوهه بعد قتل الحسین واصحابه انی جازیتهم بما فعلوا باشیاخ وصنادید هم وبدر وامثال ذالك ولعله وجه ما قال الامام احمد بتکفیره لما ثبت عنده نقل تقریره (شرح فقہ اکبر ص۸۸) (ترجمہ) ابن ہمام فرماتے ہیں۔ کہ یزید کی تکفیر میں اختلاف کیا گیا ہے۔ بعض نے اسے کافر کہا کیونکہ اس سے وہ چیزیں مروی ہوئیں۔ جو اس کے کفر پر دلالت کرتی ہیں۔ کہ اس نے شراب کو حلال سمجھا۔ اور قتل حسین اور ان کے ساتھیوں کے قتل کے بعد اس نے منہ سے نکالا۔ کہ میں نے (حسین وغیرہ سے) بدلہ لے لیا ہے۔ جو انہوں نے میرے بزرگوں اور رئیسوں کے ساتھ بدر میں کیا تھا۔ یا ایسی ہی اور باتیں۔ شاید یہی وجہ ہے۔ امام احمد کی اسے کافر کہنے کی۔ کہ ان کے نزدیک کی اسکی تقریر کی نقل ثابت ہو گی۔

اس سے واضح ہے کہ اختلاف اگر ہے تو یزید کی تکفیر میں ہے تفسیق میں نہیں۔ اور امام احمد بن حنبل جب کہ یزید کے کفر تک کے بھی قائل ہو گئے۔ تو فسق کے تو بطریق اولیٰ قائل تسلیم کئے جائیں گے۔ اس لئے یزید کے فسق پر اتفاق علماء کے ساتھ ایک امام مجتہد کی مہر بھی لگ جاتی ہے۔

یزید کا یہی وہ ذاتی اجتماعی اور مسلّمہ کل فسق ہے جس سے اس کے مستحق لعنت ہونے کا مسئلہ ائمہ کے زیر بحث آیا۔ اور علماء نے اس پر فقہی حیثیت سے کافی مبسوط اور مفصل کلام کیا۔ ہمیں یزید پر لعنت کرنے نہ کرنے سے بحیثیت مسئلہ کوئی تعرض کرنا نہیں۔ تاہم یہ ضرور ہے کہ مستحق لعنت اشد قسم کا فاسق ہی ہو سکتا ہے۔ اس لئے یہ استحقاق لعنت کا مسئلہ درحقیقت یزید کے فسق کی ایک مستقل دلیل ہے۔ پس لعنت یزید کے جواز کے دلائل جو آگے آرہے ہیں وہ لعنت کی ترغیب دینے کے لئے نہیں بلکہ اس کے فسق کے اثبات کے سلسلے میں ہیں۔

چنانچہ علامہ ابن حجر مکی ہیثمی جو متاخرین شوافع اور شوافع کے مرجع خلائق علماء میں سے ہیں فرماتے ہیں۔

وبعد اتفاقهم على فسقه اختلفوا فی جواز لعنه بخصوص اسمه فاجازه قوم منهم ابن الجوزی ونقله عن احمد وغیره (کتاب الصواعق المحرقہ ص ۱۳۲) (ترجمہ) اور یزید کے فسق پر متفق ہو جانے کے بعد اختلاف ہوا ہے۔ اس پر نام لے کر لعنت کرنے میں بعض نے اسے جائز دکھلایا ہے۔ ان میں ابن جوزی ہیں اور انہوں نے یہ جواز امام احمد سے نقل کیا ہے۔

اس عبارت سے یزید کا فسق متفق علیہ ہو جاتا ہے۔ البتہ نام لے کر لعنت کرنے میں علماء مختلف الرائے ہیں۔ بعض جواز کے قائل ہیں اور بعض نہیں۔

مورخین میں سے فخر المورخین حافظ عماد الدین ابن ابی کثیر جو عباسی صاحب کے یہاں بھی قابل اعتبار مورخ ہیں۔ گو منصوبوں کے خلاف ان کے اقوال سامنے آنے پر ممکن ہے کہ وہ اعتبار بحالہ قائم نہ رہے۔ اس بارے میں حسب ذیل بیان دے رہے ہیں۔

واستدل بهذا الحدیث وامثاله من ذهب الی الترخیص فی لعنة یزید

بن معاویۃ وھو روایۃ عن احمد بن حنبل اختارھا الخلال وابوبکر عبدالعزیز والقاضی ابویعلیٰ وابنہ القاضی ابوالحسین وانتصر لذلک ابوالفرج ابن الجوزی فی مصنف مفرد وجوّز لعنتہ۔ (البدایہ والنہایہ صفحہ ۲۲۳) (ترجمہ) اور جو لوگ یزید پر لعنت کرنے کو جائز سمجھتے ہیں۔ انہوں نے اس حدیث (جو گذری) اور اس جیسی اور روایات سے استدلال کیا ہے اور یہی روایت ہے احمد بن حنبل سے جسے خلال ابوبکر عبدالعزیز قاضی ابویعلیٰ اور ان کے بیٹے قاضی الحسین نے اختیار کیا ہے اور اس کی مدد سے ابوالفرج ابن الجوزی نے ایک مستقل تصنیف کی اور اس میں یزید پر لعنت کا جواز ثابت کیا۔

بہرحال لعنت کے مسئلہ سے یزید کے فسق پر کافی گہری روشنی پڑتی ہے جو ان محققین کے کلام سے واضح ہے۔

کتب عقائد میں سے صاحب نبراس شارح شرح عقائد لکھتے ہیں:۔

وبعضھم اطلق اللعن علیہ منھم ابن الجوزی المحدث وصنف کتاباً سماہ الرد علی المتعصب العنید المانع عن ذم یزید ومنھم الامام احمد بن حنبل ومنھم القاضی ابویعلیٰ (الخ نبراس علی شرح العقائد صفحہ ۵۵۳) (ترجمہ) اور بعض نے یزید پر لعنت کا اطلاق ثابت کیا ہے۔ (نام لے کر یا بلا نام کے) انہیں میں سے ابن جوزی محدث بھی ہیں اور انہوں نے اس بارے میں ایک مستقل کتاب تصنیف کی ہے۔ جس کا نام رکھا الردّ علی المتعصب العنید المانع عن ذم یزید۔ اور انہیں میں سے امام احمد بن حنبل اور انہیں میں سے قاضی ابویعلیٰ بھی ہیں۔

علامہ دمیری حیوۃ الحیوان میں یزید کے بارے میں کیا الہراسی کا قول نقل کر رہے ہیں جس سے یزید کے بارے میں سلف اور ائمہ مجتہدین کا مسلک واضح ہو جاتا ہے۔

سئل الکیا الھراسی الفقیہ الشافعی عن یزید بن معاویۃ ھل ھو من الصحابۃ ام لا، وھل یجوز لعنہ ام لا؟ فاجاب انہ لم یکن من الصحابۃ لانہ ولد فی ایام عثمان

رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ واما قول السلف ففیہ لکل واحد من ابی حنیفۃ ومالک واحمد قولان تصریح وتلویح ولنا قول واحد التصریح دون التلویح وکیف لایکون کذالک وھو المتصید بالفھد واللاعب بالنرد ومدمن الخمر ومن شعرہ فی الخمر

اقول لصحب ضمت الکاس شملھم وداعی صبابات الھوی یترنم خذوا بنصیب من نعیم ولذۃ فکل وان طال المدی یتصرم وکتب فصلاً طویلاً اضربنا عن ذکرہ ثم قلب الورقۃ وکتب ولو مددت ببیاض لاطلقت العنان وبسطت الکلام فی مخازی ھذا الرجل انتھی (حیواۃ الحیوان ج ۲ ص ۱۹۵ و ۱۹۶) (ترجمہ) الکیا الہراسی فقیہ شافعی سے سوال کیا گیا۔ کہ یزید بن معاویہ صحابہ میں سے ہے یا نہیں تو انہوں نے جواب دیا کہ یزید صحابہ میں سے نہیں تھا۔ کیونکہ اس کی ولادت زمانہ عثمان غنی رضی اللہ عنہ میں ہوئی ہے۔ اب رہا سلف صالحین کا قول اس (کی لعنت) کے بارے میں تو اس میں امام ابو حنیفہ، امام مالک اور امام احمد بن حنبل کے دو قسم کے قول ہیں۔ ایک تصریح کے ساتھ، ایک تلویح کے ساتھ اور ہمارے نزدیک ایک ہی قول ہے۔ یعنی تصریح نہ کہ تلویح۔ (یعنی صراحتہً لعنت کا جواز) اور کیوں نہ ہو۔ جب کہ یزید کی کیفیت یہ تھی۔ کہ وہ چیتوں کے تو شکار میں رہتا۔ اور نرد سے کھیلتا۔ اور شراب خوری کرتا۔ چنانچہ اسی کے اشعار میں سے ہے کہ میں اپنے ساتھیوں سے کہتا ہوں جن کی جماعت کو دور جام شراب نے جمع کر دیا ہے۔ اور عشق کی گرمیاں ترنم کی آواز سے پکار رہی ہیں۔ کہ اپنی نعمتوں اور لذتوں کے حصہ کو حاصل کر لو۔ کیونکہ ہر انسان ختم ہو جائے گا۔ اگرچہ اس کی عمر کتنی ہی طویل کیوں نہ ہو۔ لہٰذا وقت تھوڑا ہے جو عیش کرنا ہے کر لو۔ کہ پھر یہ زندگی ہاتھ نہ آئے گی۔ (بابر بعیش کوش کہ عمرت دوام نیست) اور اس پر الہراسی فقیہ نے ایک لمبی فصل لکھی ہے۔ جسے طول کی وجہ سے ہم نے چھوڑ دیا ہے۔ پھر انہوں نے ایک ورق پلٹا۔ اور لکھا کہ اگر اس ورق میں کچھ اور بھی جگہ چھوٹی ہوئی ہوتی۔ تو میں قلم کی باگ ڈھیلی کر دیتا۔ اور اس شخص (یزید) کی رسوائیاں کافی تفصیل سے لکھتا۔

اس عبارت سے ائمہ مجتہدین کا مسلک واضح ہو جاتا ہے کہ یہ سب حضرات یزید کے فسق

کے قائل تھے۔ اس لئے لعنت کا مسئلہ زیر غور آیا۔ حتی کہ امام احمد بن حنبل نے تو قرآن پیش کرکے کہا، کہ اللہ نے اپنی کتاب مبین میں ہی یزید پر لعنت بھیجی ہے۔

ثم روی ابن الجوزی عن القاضی ابو یعلی انه روی فی کتابه المعتمد فی الاصول باسناده الی صالح بن احمد بن حنبل قال قلت لابی ان قوما ینسبونا ان توالی یزید فقال یا بنی وهل یتولی یزید احد یومن بالله ولم لا العن من لعنه الله فی کتابه فقلت واین لعن الله یزید فی کتابه، فقال فی قوله تعالیٰ فهل عسیتم ان تولیتم ان تفسدوا فی الارض وتقطعوا ارحامکم اولئک الذین لعنهم الله فاصمهم واعمی ابصارهم فهل یکون فساداً عظیم من هذا القتل (کتاب الصواعق المحرقہ ص۱۳۲)

(ترجمہ) پھر ابن جوزی نے قاضی ابو یعلی سے روایت کی ہے کہ قاضی صاحب نے اپنی کتاب المعتمد فی الاصول میں اپنی سند سے جو صالح بن احمد بن حنبل تک پہنچتی ہے روایت کیا ہے کہ صالح نے اپنے والد احمد بن حنبل سے کہا ہے کہ بعض لوگ ہم پر الزام لگاتے ہیں۔ کہ ہم یزید کے حمایتی ہیں۔ تو امام احمد نے فرمایا۔ کہ بیٹا کیا کوئی اللہ پر ایمان لانے والا ایسا بھی ہوگا۔ جو یزید سے دوستی کا دم بھرے اور میں اس پر لعنت کیوں نہ کروں جس پر اللہ نے اپنی کتاب میں لعنت کی ہے۔ میں نے عرض کیا کہ اللہ نے اپنی کتاب میں یزید پر کہاں لعنت کی ہے۔ فرمایا اس آیت میں (ترجمہ آیت) پھر تم سے یہی توقع ہے کہ اگر تم کو حکومت مل جائے تو خرابی ڈالو۔ اور قطع کرو اپنی قرابتیں ایسے لوگ ہیں جن پر اللہ نے لعنت کی۔ پھر کردیا ان کو بہرا اور اندھی کردیں آنکھیں اُن کی۔

اس عبارت سے اول تو یہ واضح ہوا۔ کہ امام احمد کے نزدیک قتل حسینؓ میں بلا شبہ یزید کا ہاتھ کارفرما تھا۔ کیونکہ امام احمد اسے فساد عظیم فرما کر یزید کو اس پر مستحق لعنت قرار دے رہے ہیں جس کے معنی یزید کے قاتل حسینؓ ہونے کے صاف نکلتے ہیں۔ خواہ امر قتل سے وہ قاتل ہے یا رضا بالقتل سے قاتل ٹھہرے۔ اسے بھی حکماً قاتل ہی کہا جائے گا۔ جیسا کہ ابن کثیر نے اسی نوعیت سے اسے قاتل حسین کہا ہے۔ جو گذر چکا ہے۔ پس اس سے بڑھ کر جیسے دنیا میں کوئی فتنہ و فساد نہیں کہ قتل ناحق

کا ارتکاب کیا جائے۔ ایسے ہی اس سے بڑھ کر کسی شخص کے لئے کوئی فسق و فجور بھی نہیں۔ کہ وہ قاتل صحابی قرار پائے۔ گو عباسی صاحب نے یزید تک پہنچ کر امام احمد کو چھوڑ دیا۔ صرف اسی حد تک ان کا دامن سنبھالے رہے۔ جس حد تک ان کے ایک غریب قول سے امام حسینؓ کے تابعی ہو جانے کی کچھ توقع تھی۔ دوسرے یہ کہ امام احمد بن حنبل نے تو قرآن کریم کی ایک پوری آیت ہی اس پر منطبق کر کے اس عموم سے بدلالت قرآنی یزید کو مورد لعنت قرار دیا۔ کیونکہ حکومت مل جانے کے بعد اسی نے ملک میں خرابی ڈالی قطع قرابت کے سامان اپنے فسق کے ذریعہ پھیلائے اس لئے وہ پوری مطابقت کے ساتھ اس آیت کا مصداق بن گیا۔ اور آیت کے عموم نے اپنے عمومی اشارے سے ایسے ملعونین یزید کو بھی داخل کر لیا۔ یہ سب شہادتیں ہم نے اس لئے نہیں پیش کیں۔ کہ ہمیں یزید پر لعنت کرنے سے کوئی خاص دلچسپی ہے۔ نہ ہم نے آج تک کبھی یزید پر لعنت کی۔ نہ آئندہ ارادہ ہے۔ اور نہ ہی اس لعنت ثابت کرنے والے علماء و ائمہ کا منشا یزید کی لعنت کو بطور وظیفہ کے پیش کرنا ہے۔ ان کا منشا یزید کو اس کی ان غیر معمولی ناشائستگیوں کی وجہ سے مستحق لعنت قرار دینا زیادہ سے زیادہ لعنت کا جواز ثابت کرنا ہے۔ لعنت کو واجب بتلانا نہیں۔ ادھر بعض دوسرے ائمہ علم یزید پر لعنت کرنے اور یزید تو یزید حجاج جیسے ظالم پر حتیٰ کہ ابلیس پر بھی لعنت کرنے کو پسند نہیں فرماتے۔ جیسا کہ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:—

فی لعن الاشخاص خطر فلیجتنب فلا خطر فی السکوت عن ابلیس فضلاً عن غیرہ (احیاء العلوم ص۱۲۶ ج۳) (ترجمہ) لوگوں پر لعنت کرنے میں خطرہ ہی خطرہ ہے۔ اور لعنت سے بچ جانے اور زبان روک لینے میں (حتیٰ کہ) لعنت ابلیس سے بھی رُک جانے میں کوئی خطرہ نہیں۔ چہ جائیکہ اس کے سوا کسی پر لعنت بھیجنے میں خطرہ ہو۔

کفرِ یزید اور اُس پر لعنت کا جواز

اسلام کا اجماعی مسئلہ ہے

حقیقت تو یہ ہے کہ یزید فریقین کے نزدیک کافر، فاسق، فاجر پورے طور سے ثابت ہے۔ مگر سوادِ اعظم اہلسنّت میں بعض ایسے علماء نے جو بہت شدّت سے اپنے قرار دادہ اصولِ خلافت کے معین اور معتقد ہیں یزید کی نسبت ایک عجیب بے چینی پیدا کر دی ہے۔ اُس کی حرکات پر نظر کرتے ہیں۔ تو وہ ضرور کافر ثابت ہوتا ہے۔ اور اُس کی خلافت پر نظر ڈالتے ہیں۔ تو بقاعدہ مقررہ استخلاف و اجماع و غلبہ جمیع شرائط اُس پر کامل اُتر کر خلیفہ برحق بھی مانتے ہیں۔ تو اب یہ اجتماعِ ضدین کہ کافر بھی اور فاسق بھی، فاجر بھی پھر خلیفہ برحق بھی۔ امیر المومنین بھی، خلیفۃ المسلمین بھی۔ اسلامی پیشوا بھی اور دنیاوی فرمانروا بھی۔ غرض یہ کشمکش در پیش ہے کہ ع نہ جائے ماندن نہ پائے رفتن

اکثر علمائے تو کھل کر بلا روو رعایت اُس کو کافرِ مطلق سمجھ کر عام طور سے اس کو لعنت کا مستحق ٹھہرایا ہے۔ اور بعض نے آگا پیچھا سوچ کر پھر اُس کے اطوارِ ناہموار پر غور کر کے اس کو کافر، بہت بڑا فاسق اور فاجر سمجھا ہے۔ بعض ان میں سے ایسے ہیں جو اپنی شدّتِ تعصب اور کورانہ تقلید کی وجہ سے اس کو جناب امام حسین علیہ السلام کے معاملات میں برسرِ خطا نہیں سمجھتے اور خطائے اجتہادی کے ذریعہ سے اس کو بھی مغفرتِ الٰہی کا امیدوار سمجھتے ہیں۔ مگر ان اختلافات کا اُن ہی علمائے نے پھر فیصلہ بھی کیا ہے۔ اور آپس میں آستینیں چڑھا کر ایک دوسرے سے دست و گریبان ہو گئے ہیں۔ اور آخر میں اُس کے کفر پر اتفاق بھی ہو گیا ہے۔ مگر پھر اپنی بنائی ہوئی خلافت کی پاسداری اور تحفظ کے خیال سے اتنی لم ضرور لگا دی

گئی ہے کہ وہ کافر تو ہے مگر لعن نہ کہو کیونکہ شیطان کے لعن کہنے میں بھی احتیاط کا حکم ہے۔
مگر اس ضمن میں اس فتوی پر امت اسلامیہ کا عملدرآمد نہیں ہوا۔ اور شیعہ سنی مل کر علی الاعلان جو کچھ یزید کے حق میں کہتے ہیں۔ وہ سب کو معلوم ہے۔ کیونکہ یہ حکم سراسر خلاف نص ہے۔ اور لعن شیطان پر نص صریح موجود ہے۔ پھر دائرۂ اسلام میں کوئی حکم عام اس سے کہ کسی کا ہو خلاف نص قابل قبول نہیں۔ ہم اپنی اس بحث کو شیعہ عالم کی تالیف و تصانیف سے نہیں لکھیں گے۔ کیونکہ کوئی بدبخت شیعہ ایسا نہ ہوگا۔ جو یزید کو کافر مطلق اور لعنت کا مستحق نہ سمجھتا ہو۔ اب ہم جو کچھ اس مبحث میں لکھیں گے۔ وہ خاص اہل سنت کے اقوال سے۔ اور اس سلسلہ میں بھی حسب وعدہ ہر زمانہ اور ہر صدی کی ترتیب ضرور مدنظر رکھیں گے۔ جیسا کہ اوپر عرض کر آئے ہیں۔ چنانچہ امام احمد بن حنبل جو ایک فرقہ مخصوص کے پیشوا ہیں۔ اور تیسری صدی ہجری کے بہت بڑے امام اور علم الحدیث کے بڑے نقاد ہیں۔ عام طور سے یزید پر لعنت کرنے کی اجازت دیتے ہیں۔ اور اس کے مستحق لعنت ہونے پر نص قرآنی سے استدلال کرتے ہیں۔

اسی قول کو علامہ ابن حجر نے بھی صواعق محرقہ میں تحریر کیا ہے۔ اور صواعق محرقہ کی اسناد سے امام قندوزی بلخی نقشبندی نے بھی اپنی کتاب ینابیع المودۃ مطبوعہ بمبئی کے صفحہ ۲۸۱ میں مندرج کیا ہے۔ بہرحال تیسری صدی تک کے علماء کے اقوال تو افعال یزید کے متعلق معلوم ہو چکے۔ اب ہم چوتھی صدی کے علماء کے قول ذیل میں لکھتے ہیں:۔

علامہ ذہبی جن کی وفات ۳۹۳ھ میں واقع ہوئی ہے تحریر فرماتے ہیں:۔

ولما فعل یزید باھل المدینۃ ما فعل مع شربہ الخمر واتیانہ المنکرات اشتد علیہ الناس یزید نے جو کچھ اہل مدینہ کے ساتھ کیا۔ اور اس کی شراب خوری اور اس کا ممنوعات شرعیہ کا ارتکاب اس کا باعث ہوا۔ کہ کل آدمی اس کے برخلاف ہو گئے

پانچویں صدی کے علماء و عالم علامہ سبط ابن جوزی کے اقوال اوپر لکھے جا چکے۔

چھٹی صدی کے بہت بڑے معتبر و مستند فاضل امام کیا ہراسی جو اپنی قابلیت اور

جامعیت کے اعتبار سے سوادِ اعظم اہلِ سنّت والجماعت میں ثانی غزالی کے معزز خطاب سے مخاطب کئے جاتے ہیں تحریر فرماتے ہیں :-

سئل الکیا ھراسی الفقیہ الشافعی عن یزید ابن معویۃ ھل ھو من الصحابۃ ام لا وھل یجوز لعنۃ ام لا فاجاب انہ لم یکن من الصحابۃ لانہ ولد فی ایام عثمان واما قول السلف فی لعنہ ففیہ لکل واحد من ابی حنیفۃ ومالک و احمد قولان تصریح وتلویح ولنا قول واحد بالتصریح دون التلویح وکیف لا یکون کذالک وھو المتصید بالفھد واللاعب بالنرد ومدمن الخمر۔

علامہ کیا ہراسی فقیہ شافعی سے پوچھا گیا۔ کہ یزید صحابی تھا یا نہیں۔ اور اس پر لعن کرنا درست ہے یا نہیں۔ انہوں نے جواب دیا۔ کہ نہیں وہ صحابی نہیں تھا۔ وہ خلیفہ عثمان کے وقت میں پیدا ہوا اور اس پر لعنت بھیجنے میں دو قول مشہور ہیں۔ امام حنیفہ سے دو قول ہیں۔ تصریح وتلویح۔ تصریح کرنے کے بارے میں۔ تلویح اس کے عدم میں۔ اور ایسا ہی امام مالک اور امام احمد سے منقول ہے۔ لیکن میرا ایک ہی قول ہے۔ یعنی اس پر لعنت بھیجنا۔ اور یہ قول میرا کیوں نہ ہو؟ وہ چیتے سے شکار کھیلتا اور دائم الخمر تھا۔

ساتویں صدی میں ابن خلکان نے بھی علامہ موصوف کی اسناد سے یہی اقوال درج کئے ہیں۔ (دیکھو شہادت جناب امام حسین علیہ السلام صفحہ ۵۱)

آٹھویں صدی کے عالم متبحر امام سعدالدین مسعود ابن عمر الملقب بہ امام تفتازانی یزید کی لعنت کی صریح اجازت دیتے ہیں۔ چنانچہ وہ شرح عقائد نسفی میں لکھتے ہیں۔

فنحن لا نتوقف فی شانہ بل فی ایمانہ لعنۃ اللہ علیہ وعلی انصارہ وعلی اعوانہ یعنی ہم اس پر لعنت بھیجنے کے بارے میں ذرا بھی توقف نہیں کرتے بلکہ اس کے بیدین اور بے ایمان ہونے میں بھی شبہ نہیں کرتے شرح عقائد صفحہ ۱۱۷۔ پھر کچھ آگے چل کر علامہ موصوف لکھتے ہیں۔ واتفقوا علی جواز اللعن علی من قتلہ او امر بہ او اجازہ او رضی بہ

علماء کا اس پر اتفاق ہے۔ کہ لعنت کرنا ان کے قاتل پر اور اس پر جس نے اُن کے قتل کا حکم دیا۔ یا اجازت دی یا اس پر راضی ہوا۔ جائز ہے۔ علامہ زرندی بھی یہی لکھتے ہیں۔ آٹھویں صدی کے علماء میں عالم متبحر علامہ ابن حجر بھی ایسا ہی لکھتے ہیں۔

نویں صدی کے علماء میں عالم معتبر اور مستند علامہ دمیری نے حیوٰۃ الحیوان میں یزید کی لعنت پر نہایت وضاحت سے اجازت لکھی ہے۔ جس کو ہم اوپر لکھ آئے ہیں۔

دسویں صدی کے تمام علماء کی تقریب قریب یہی رائے پائی جاتی ہے۔ امام جلال الدین سیوطی باوجودیکہ یزید کو خلفائے اثنا عشر میں شمار کرتے ہیں۔ تاہم اُس پر لعنت بھیجنے کی صریح اجازت دیتے ہیں۔ وہ واقعاتِ کربلا کو بیان کرتے ہوئے تحریر کرتے ہیں۔ لعن اللّٰہ قاتلہ وابن زیاد معہ ویزید ایضاً خدا جناب امام حسین علیہ السلام کے قاتل اور ابنِ زیاد اور یزید سب پر لعنت کرے۔

امام سمہودی جواہر العقدین میں بھی ایسا ہی لکھتے ہیں۔ فی جواھر العقدین اتفقوا علماء علی جواز من قتل الحسین علیہ السّلام او امر بقتلہ علماء کا اتفاق ہے اُس پر لعنت بھیجنے میں جس نے جناب امام حسین علیہ السلام کو قتل کیا۔ پھر لکھتے ہیں او اجازہ اور ضی بہ غیر تعیین۔ علماء کا اتفاق ہے اُس پر لعنت بھیجنے میں جس نے امام حسین علیہ السلام کو قتل کیا یا اُس کے فعل کو جائز رکھا۔ یا اُس کی اجازت دی۔ یا اُس سے راضی ہوا۔ البتہ تعیین کی ضرورت نہیں۔

گیارھویں صدی کے علماء بھی اس امر پر اتفاق کر چکے ہیں۔ ملک العلماء دولت آبادی مناقب السادات میں واضح طور سے تحریر فرماتے ہیں۔ الامۃ اجتمعت والائمۃ اتفقت علی الکفر واللعن لقاتل الحسین علیہ السّلام یعنی امّت اسلام نے اس پر اجماع کیا۔ اور ائمہ اسلام نے یزید قاتل جناب امام حسین علیہ السّلام کے اور اُس کے جواز لعن پر اتفاق کیا ہے۔

شیخ الاسلام قسطنطنیہ امام قندوزی ینابیع المودۃ میں تحریر فرماتے ہیں :-

واضح ہو کہ اہل سنت والجماعت کے عقاید میں یزید ابن معاویہ کی نسبت جو معاویہ کے بعد اس کا قائم مقام ہوا۔ اختلاف ہے۔ ایک فرقہ اس کو کافر کہتا ہے۔ جس میں سبط ابن جوزی وغیرہ ہیں۔ ان کے استدلال یزید کے اشعار پر ہیں۔ جیسا کہ مشہور ہے کہ جناب امام حسین علیہ السلام کا سر مبارک آیا۔ تو تمام اہل شام جمع تھے۔ اس نے آپ کا سر مبارک چوب خیزران سے ٹھکرایا۔ اور یہ شعر پڑھے (ترجمہ اشعار)

کاش ہمارے مقتولین بدر دیکھتے۔ یہ ابیات مشہور و معروف ہیں۔ مگر انہوں نے لکھے نہیں۔ البتہ مجھے پورے مل گئے۔ اور ان میں سے دو شعر تو صریح کفر پر دال ہیں۔ اور وہ شعر یہ ہیں۔ (ترجمہ) کاش کہ میرے وہ بزرگوار جو بدر میں قتل ہوئے دیکھتے اضطراب کرنے کو قبیلہ خزرج کے تیروں کے پڑنے سے تو وہ چلاتے اور غل مچاتے بسبب خوشی کے۔ پھر کہتے کہ اے یزید تیرا ہاتھ شل نہ ہو جیو۔ بہ تحقیق کہ ہم نے تمہارے سرداروں کے افسر کو قتل کیا۔ اور بدر کے واقعہ کی کجی ہم نے برابر کی بس درست ہو گئے۔ یعنی ہم نے جنگ بدر کا بدلہ لیا۔ میں اولاد خندف سے نہیں ہوں۔ اگر اولاد احمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بدلہ نہ لوں۔ اس کا جو کچھ انہوں نے کیا۔ پھر ابن جوزی تحریر کرتے ہیں۔ اور ایسے ہی . . . . . . لکھتے ہیں۔ کہ ابن زیاد کا جناب امام حسین علیہ السلام سے لڑنا کچھ تعجب کی بات نہیں ہے۔ مگر جناب امام حسین علیہ السلام کے ساتھ یزید کا مخالفت کرنا اور ان جناب کی ذلت کرانا اور آپ کے دندان مبارک پر چھڑی رکھنا اور اہلبیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مقید کر کے شتران بے کجاوہ پر اسیر کرا کے بلوانا نہایت تعجب انگیز ہے۔ صاحب ینابیع المودۃ کا بیان ہے کہ علامہ ابن الجوزی نے ان باتوں کے علاوہ اور بھی بہت سی ایسی باتیں لکھی ہیں جو یزید کے بارے میں شدت کے ساتھ مشہور ہیں جس سے یزید کا اظہار معائب ان کا اصلی مقصود ہے اور کیوں نہ ہو۔ اگر یزید کے دل میں اہل بیت علیہم السلام کا کینہ اور واقعہ بدر کے انتقام کی خواہش نہ ہوتی۔ تو وہ جناب

امام حسین علیہ السلام کے فرق مبارک کا احترام کرتا اور اہل بیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آتا۔ (دیکھو ینابیع المودۃ صفحہ ۲۸)

یزید کے ایک ایسے ہی شعر کا ذکر تاریخ ابن وردی اور کتاب الوافی بالوفیات میں بھی درج ہے۔ کہ جب اسیران اہلبیت علیہم السلام دمشق سے قریب ہوئے۔ اور مقام جیرون کے ٹیلے پر چڑھے تو شہیدوں کے سر بلند ہوئے۔ اور کوّے ان کو دیکھ کر کائیں کائیں کرنے لگے۔ اس وقت یزید نے دو شعر پڑھے جن کا آخیر مصرعہ یہ ہے۔ فقد اقضیت من الرسول دیونی۔ یعنی میں نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اپنا بدلہ لے لیا۔ سید آلوسی بغدادی نے بھی اپنی معتبر تالیف روح المعانی جلد ہشتم صفحہ ۱۲۶ میں اس واقعہ کو درج کیا ہے۔ (دیکھو شہادت حسین علیہ السلام صفحہ ۵۹) مولوی مبین صاحب کتاب وسیلۃ النجات میں بذیل تذکرۂ یزید تحریر فرماتے ہیں۔

چنانچہ یزید بد بخت ستون دین و بنیاد خانۂ جناب سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ اجمعین را بر انداخت و امارت ایمانی و قصر امن و امان را منہدم ساخت۔ بزرگے نوشتہ کہ کارے کہ یزید کرد کسے کافر فرنگ ہم نہ کردہ باشد۔ و بعد شہادت آنحضرت علیہ السلام خانہ کعبہ را نیز خراب کردہ و در آنجا بدعتہا پدید آورد و مدینۂ منورہ را حکم دار الحرب داد و در مسجد نبوی اسپہا بست و صحابہ سید الوریٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم را کہ آنجا بودند ہمہ را کہ بے عزت و بے حرمت کردہ۔ و زنان آنہا را مباح گردانید (دیکھو وسیلۃ النجات مطبوعہ مطبع گلشن فیض لکھنؤ صفحہ ۲۹۳)

اسی طرح یزید کی نسبت مولوی عبدالحی صاحب بھی اپنے مجموعہ فتاوی میں تحریر فرماتے ہیں۔ مولانا نے یزید کی خوب خبر لی ہے۔ اور صاف لکھ دیا ہے کہ از روئے تحقیق و انصاف کفر و ملعونیت سے بھی اس مردود خبیث کا درجہ بڑھا ہوا ہے۔ اور ہرگز ہرگز اس یزید پلید کو مغفرت و رحم سے یاد نہ کرنا چاہئے۔ اگرچہ از روئے احتیاط جس طرح کہ ابلیس لعین کی لعن سے

زبان کو ردکنے میں کوئی مضائقہ نہیں۔ اسی طرح اس کی لعن سے بھی زبان کو آلودہ نہ کرنا چاہئے
(دیکھو شہادتِ حسین علیہ السلام صفحہ ۵۲ مطبوعہ لاہور)

کوئی عاقل اس میں شک نہیں کرے گا۔ کہ یزید ابن معاویہ قاتلِ جناب امام حسین علیہ السلام ہے۔ کیونکہ اُسی نے ابن زیاد کو آپ کے قتل کا حکم دیا۔ اور اس پر مستعد کیا۔

علامہ سعد الدین تفتازانی شرح عقاید نسفیہ میں تحریر کرتے ہیں:۔

والحق ان رضا یزید بقتل الحسین علیہ السلام واستبشارہ بذالک واھانۃ اھل بیت النبی صلی اللہ علیہ والہ وسلم مما تواتر معناہ وان کان تفاصیلہ احادا
(دیکھو شرح عقاید ص ۱۱۷)

حق یہ ہے کہ یزید کا امام حسین علیہ السلام کے قتل پر راضی ہونا اور آپ کے قتل کئے جانے سے اس کا راضی ہونا اور خوش ہونا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اہل بیت علیہم السلام کی اہانت و بے حرمتی کرنا متواتر معنوی ثابت ہے۔ اگرچہ اس واقعہ کی تفصیلیں خبر احاد سے معلوم ہوئیں۔ اور ایسا ہی سید آلوسی بغدادی تفسیر روح المعانی جلد ہفتم ص ۱۲۵ میں فرماتے ہیں:۔

ورضا بقتل الحسین ابن علی علی جدہ وعلیہ الصلوٰۃ والسلام واستبشارہ بذالک واھانتہ لاھل بیتہ مما تواتر معناہ وان کان تفاصیلہ احادا

پس جب یہ ثابت ہو گیا۔ کہ یزید بے شک قاتل جناب امام حسین علیہ السلام و توہین اہلبیت اور دشمن آل نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے۔ تو یہی بڑی دلیل اس کے کفر کی ہے۔ اہلبیت طہارت کی اہانت و بے حرمتی۔ اُن کو ستانا اور سید شباب اہل الجنۃ۔ لختِ دلِ مصطفیٰ، جگر گوشہ علی مرتضیٰ، راحتِ جانِ زہرا، محبوبِ خالقِ ارض وسما شاہ کونین سیدنا و مولانا حضرت امام ہمام جناب امام حسین صلوات اللہ وسلامہ وعلی جدہ و امہ واخیہ وعلیہ وعلی محبیہ و متبعیہ اجمعین الی یوم الدین کو اس ظلم وجفا اور اس بے حرمتی سے قتل کرنا کفر ہے۔

جناب امام حسین علیہ السلام حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لاڈلے نواسے تھے۔ اُن کے ذرا سے رونے سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تکلیف ہوتی تھی۔ اب غور کیا جا سکتا ہے۔ کہ حسین مظلوم علیہ السلام کی اس بیکسی و مصیبت میں ایسی بے حرمتی سے قتل کئے جانے سے روح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کیسی کچھ اذیت پہنچی ہوگی۔ جس کا ایک شمہ حضرت عباس اور حضرت ام سلمہ علیہا السلام کا خواب ہے پس جناب امام حسین علیہ السلام پر ظلم میں جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ظلم ہے۔ اور آپ کی اہانت و ایذا دہی ہے۔ کون کہہ سکتا ہے۔ کہ جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایذا دہی اور اہانت بہت ہی بڑا کذب اور بے دینی نہیں ہے۔ نعوذ باللہ من ذالک۔ اسی لئے اکثر محققین کہتے ہیں۔ کہ انہ کفر حین امر بقتل الحسین علیہ السلام (دیکھو شرح عقائد ص۱۱۷) یعنی یزید ٹھیک اسی وقت کافر ہو گیا۔ جس وقت اُس نے جناب امام حسین علیہ السلام کے قتل کا حکم دیا۔ اور علامہ تفتازانی پھر لکھتے ہیں فنحن لا نتوقف فی شانہ بل فی ایمانہ۔ (دیکھو شرح عقائد صفحہ ۱۱۷) یعنی ہم اُس کے لعنت کرنے میں ذرا توقف نہیں کرتے۔ بلکہ اُس کے بے دین و بے ایمان ہونے میں بھی کوئی شبہ نہیں کرتے۔

سید آلوسی بغدادی کی تحقیق

جلیل القدر علامہ اور مفسر قرآن سید آلوسی بغدادی اپنی مشہور تفسیر روح المعانی میں کفر یزید اور اس پر لعنت کے جواز کے سلسلہ میں فرماتے ہیں۔ صرف اردو عبارات پیش کی جاتی ہے۔

یعنی بنا بریں قول لعن یزید میں کوئی توقف نہیں ہے۔ بسبب اُس کی کثرت اوصاف خبیثہ اور ارتکاب کبائر کے اور اُس کی لعنت کے لئے کافی ہیں۔ وہ مظالم جو اُس نے اپنے غلبہ کے زمانہ میں اہل مکہ اور اہل مدینہ پر کئے۔ کیونکہ امام طبرانی نے بسند حسن روایت کی ہے۔ کہ جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ خدایا جو اہل مدینہ پر ظلم کرے۔ اور ان کو خوف زدہ کرے۔ تو بھی اُسے خوف زدہ کر۔ اور اُس پر خدا کی اور تمام ملائکہ کی اور

تمام لوگوں کی لعنت ہو جیو۔ اور اس شخص سے نہ صرف اور نہ عدل (یعنی کوئی نیکی) قبول نہ ہو گی۔ اور بڑی قیامت تو اُس نے یہ برپا کی۔ کہ اہلبیت علیہم السلام کے ساتھ سخت سے سخت ظلم و ستم سے پیش آیا۔ اور انہیں ایذا دی۔ اور سیدنا جناب امام حسین علیہ السلام کو قتل کیا۔ جو بتواتر معنی ثابت ہے۔ اور حدیث شریف میں ہے۔ کہ چھ شخص ہیں۔ جن پر خدا نے لعنت کی ہے۔ اور ہر نبی مستجاب الدعوات نے بھی لعنت کی ہے۔ وہ چھ شخص یہ ہیں:۔

(۱) خدا کی کتاب میں تحریف اور اس میں کمی بیشی کرنے والا۔

(۲) قضا و قدر کا منکر اور تکذیب کرنے والا۔

(۳) وہ شخص جو لوگوں پر بغلبہ مسلط ہو۔ اس لئے کہ جسے خدا نے ذلت دی ہے۔ اُسے وہ عزت دے۔ اور جس کو خدا نے عزت دی وہ اُسے ذلت دے۔

(۴)۔ میری عترت و اولاد کی بے حرمتی کرنے والا۔

(۵)۔ خدا کے حرم کی بے حرمتی کرنے والا۔

(۶)۔ میری روش چھوڑنے والا۔

(یہ دونوں حدیثیں یزید پر لعنت کرنے کی مؤید ہیں کیونکہ اہل مدینہ پر اُس نے سخت ظلم کیا۔ اور خوف زدہ کیا۔ اور مسلط بالجبروت بھی تھا۔ خدا کے معزز بندوں کو ذلیل اور ذلیلوں کو معزز بنایا۔ اور حرم بلکہ حرمین کی سخت بے حرمتی کی۔ اور اہانت کی۔ علیہ لعنۃ اللہ و النبیین والملئکۃ والناس اجمعین۔

یہ لکھ کر صاحب تفسیر روح المعانی فرماتے ہیں۔ کہ علماء کی ایک جماعت نے یزید کے کفر کا یقین کیا۔ اور اُس پر لعنت بھیجنے کی تصریح فرمائی ہے۔ مثل حافظ ابن جوزی و قاضی ابو یعلی وغیرہم کے اور علامہ تفتازانی کہتے ہیں کہ ہم لوگ اُس پر لعنت کرنے کے بارے میں بلکہ اُس کا ایمان نہ کر رہے ہیں بھی کچھ توقف نہیں کرتے اور اُس پر اور اُس کے اعوان و انصار پر خدا کی لعنت ہو! اور جلال الدین سیوطی نے بھی اُس پر لعنت کرنے کی تصریح کی ہے۔ چنانچہ جیسا کہ علامہ سید آلوسیؒ فرماتے ہیں۔

امام جلال الدین سیوطی تاریخ الخلفا صفحہ ۱۴۱ میں واقعہ کربلا کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں لعن اللہ قاتلہ وابن زیاد معہ ویزید ایضاً کہ خداوند تعالیٰ وسبحانہٗ امام حسین علیہ السلام شہید دشتِ کربلا کے قاتل اور ابنِ زیاد اور یزید سب لعنت کرے۔

سیّد آلوسی بغدادی نے اس کے بعد تاریخ ابن وردی وکتاب الوافی بالوفیات سے نقل کیا ہے۔ کہ جب اسیرانِ اہلبیت دمشق سے قریب ہوئے اور مقام جیرون کے ٹیلے پر چڑھے۔ تو شہیدوں کے سر بلند ہوئے اور کوّے کائیں کائیں کرنے لگے۔ اس وقت یزید نے دو شعر پڑھے جن کا آخری مصرع یہ ہے "فقد اقتضیت من الرّسول دیونی کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اپنا بدلہ لے لیا۔ دیکھو روح المعانی جلد ہشتم ص ۱۲۶) پھر اُن اشعار کا بھی ذکر کیا ہے جو الاتحاف لحب الاشراف ووسیلۃ النجات ومفتاح النجاۃ ودیگر کتب میں منقول ہیں۔ کہ لیت اشیاخی ببدر شہدوا الخ کا مطلب یہ ہے کہ جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جنگ بدر میں میرے آبا کو قتل کیا تھا۔ اُس کے بدلے میں ہم نے آج اُن کی اولاد کو قتل کیا۔ اور خوب ہی بدلہ لیا۔ کاش میرے وہ اشیاخ (بزرگ) جو بدر میں قتل کئے گئے۔ زندہ ہوتے اور دیکھتے کہ ہم نے کیسا بدلہ لیا۔ اور آخر میں دو شعر اور بھی ہیں۔ جن کا مطلب یہ ہے۔ کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے پاس نہ کوئی وحی نازل ہوئی نہ فرشتہ آیا۔ یہ سب بنی ہاشم نے ملک گیری کے ڈھنگ نکالے تھے۔

یہ اشعار پُر از کفر اُس کی زبان سے نکلے ہیں۔ جیسا کہ علماء نے لکھا ہے۔ تو بے شک اُس کے کافر ومردود ہونے میں ذرا بھی کوئی شبہ باقی نہیں ہے۔ جیسا کہ صاحب تفسیر روح المعانی و صاحب الاتحاف لحب الاشراف وصاحب تاریخ وردی وصاحب کتاب الوافی بالوفیات وغیرہم من العلماء نے فرمایا ہے۔ سیّد آلوسی بغدادی اپنی تفسیر روح المعانی جلد ہشتم ص ۱۲۶ میں اسی کی نسبت علماء کا بیان کر کے فرماتے ہیں۔ کہ میرے گمان غالب میں بھی یہی ہے کہ وہ خبیث ہرگز مسلمان ومصدق رسالت نہیں تھا۔ جب اُس کی تمام حرکات وافعال پر نظر کرتے ہیں۔ اور

دیگر قرآن و دلائل سے واضح ہوتا ہے۔ اور اگر بالخصوص تسلیم بھی کر لیا جائے۔ کہ وہ کافر نہیں ہُوا۔ تو اس میں کوئی شبہ اور اختلاف نہیں ہو سکتا۔ کہ وہ ایک ایسا مسلم ہے جس نے اتنے فواحش اور کبائر غیر محیط کو جمع کیا ہے۔ اور ایسا ہی ابن حجر صواعق محرقہ میں فرماتے ہیں (ملاحظہ ہو صواعق محرقہ ص۹۴)

وعلی القول بانہ مسلم فھو فاسق شریر۔ متکبر سکیر جائر۔ اس قول کی رو سے کہ وہ مسلم ہے۔ مسلم فاسق۔ شریر۔ متکبر۔ بدمعاش نشہ باز۔ ظالم ہے۔ سید آلوسی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ کہ ہم اس کی لعنت کے جواز میں تامل نہیں کرتے۔ اور نیز ابن زیاد۔ ابن سعد اور اس کی جماعت پر لعنت کرنے میں ہمیں توقف نہیں۔ یہ لوگ یزید سے ملحق ہیں۔ فلعنۃ اللہ عزوجل علیہم اجمعین وعلی انصارھم واعوانھم وشیعتھم ومن مال الیھم الی یوم الدین مادمعت عین علی ابی عبد اللہ الحسین علیہ السلام یعنی خدا کی لعنت ہو یزید۔ ابن زیاد ابن سعد اور اس کی جماعت پر اور اُن لوگوں کے اعوان و انصار پر اور اُن کے پاسداروں پر اور جو جو اُن لوگوں کی طرف مائل ہوں تا قیامت تک جب تک کہ آنکھیں جناب امام علیہ السلام کو روتی رہیں۔ اور آخر میں لکھتے ہیں کہ جو اس طرح یزید اور یزیدیوں پر بوجہ احتیاط لعنت کرنے میں مضائقہ کرے۔ وہ یوں کہے کہ خدا اس پر لعنت کرے۔ جو قتل جناب امام حسین علیہ السلام سے راضی ہُوا۔ اور جس نے اہل بیت علیہم السلام کو ایذا دی۔ بلا قصور ستایا۔ اُس نے اُن کا حق غصب کر لیا۔ اُس پر خدا لعنت کرے۔ اس طرح لعنت کرنے کا کوئی بھی مخالف نہیں ہے۔ شاید اس شخص پر لعنت کرنا بھی جو قتل جناب امام حسین علیہ السلام سے راضی و خوش ہُوا ہو۔ جائز ہے۔ وذالک لعمری ھو الضلال البعید الذی یکاد یزید علی ضلال یزید۔ (دیکھو تفسیر روح المعانی جلد ہشتم صفحہ ۱۲۹) واللہ یہ بڑی گمراہی ہے۔ جو یزید کی ضلالت سے بھی بڑھی چڑھی ہوئی ہے۔

مسند امام احمد کی اسناد سے اوپر لکھا جا چکا ہے۔ کہ حضرت اُمّ سلمہ سلام اللہ علیہا نے

بھی قاتلِ امام حسین علیہ السلام پر لعنت کی۔ اُن کا ارشاد مشہور ہے کہ قتلوہ قتلھم اللہ عزوجہ
دادتوہ لعنھم اللہ جن لوگوں نے اُن کو (جناب امام حسین علیہ السلام کو) قتل کیا۔ اور آپ
کے ساتھ جنگ کی۔ اور آپ کی تحقیر کی۔ اُن پر خدا اپنی لعنت کرے۔ ان کے علاوہ حضرت امام احمد
بن حنبل۔ حضرت امام مالک وبروایتے حضرت امام اعظم ابوحنیفہ اور علامہ کیا ہراسی۔ غزالی ثانی
اور قاضی ابویعلیٰ اور علامہ ابن جوزی اور علامہ اسفرابنی اور سید سمہودی اور علامہ برزنجی اور علامہ
زرندی اور علامہ سعد الدین التفتازانی اور علامہ جلال الدین سیوطی اور علامہ سید آلوسی اور
مولوی حیدر علی فیض آبادی اور مولوی محمد مبین لکھنوی اور ملک العلماء دولت آبادی وغیرہم
من العلماء المحققین والمتورعین سب کے سب یزید پر لعنت کرنے کی پوری اجازت دیتے ہیں۔
(دیکھو شہادت حسین علیہ السلام ص۶۱) (ماخوذ از ذبح عظیم سید اولاد حیدر مرحوم)

یزید قتلِ حسینؓ سے راضی تھا

محمود عباسی نے ایک بے تکی یہ بھی کہہ دی کہ یزید ملعون شہادت حسین علیہ السلام سے بالکل راضی نہ تھا۔ اس نے
جب اس حادثہ کی خبر سنی تو افسوس کیا۔ چنانچہ یوں گوہر فشاں ہیں۔

"امیر یزید کو حضرت حسینؓ کے حادثہ کا صدمہ و قلق تھا۔ ابو مخنف وغیرہ
شیعہ راویوں تک نے لکھا ہے۔ کہ اس حادثہ کی خبر سنتے ہی رنج سے بیتاب
ہو گئے۔ اور آنکھوں میں آنسو بھر آئے"۔

(خلافت معاویہ و یزید ص۱۸۰)

ہم کردار یزید میں اس کی سیرت خبیثہ پر روشنی ڈالتے ہوئے یہ بات ثابت کر چکے ہیں۔ کہ
وہ ملعون قتل حسینؓ سے راضی ہوا۔ اسی بنا پر تمام علماء اسلام نے اس کو کافر و ملعون کہا ہے۔ چنانچہ
علامہ سعد الدین تفتازانی شرح عقائد نسفیہ میں تحریر کرتے ہیں۔

والحق ان رضا یزید بقتل الحسینؓ استبشارہ بذالک واھانتہ اھلبیت النبی
صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مما تواتر معناہ (ترجمہ) حق یہ ہے۔ کہ یزید کا قتل حسین علیہ السلام

سے راضی ہونا اور خوش ہونا اور اہلبیت نبویؐ کی اہانت و بے حرمتی سے راضی ہونا تو اتر معنوی سے ثابت ہے۔" (شرح عقائد ص۱۱۷)

مفسر قرآن سید محمود آلوسی بغدادی بھی اپنی تفسیر روح المعانی جلد ۲ ص۱۲۵ میں ایسا ہی تحریر کرتے ہیں۔

حضرت امام حسین علیہ السلام کا جب سر مبارک دربار یزید میں آیا۔ تو تمام اہل شام جمع تھے۔ یزید ملعون نے آپ کے سر مبارک کو چوب خیزران سے ٹھکرایا۔ اور یہ شعر پڑھے" کاش ہمارے بدر کے مقتول ہوتے۔۔۔۔"

اس واقعہ کو ابن حجر مکی یوں پیش کرتے ہیں۔

"انہ لما جاء راس الحسین رضی اللہ عنہ جمع اہل الشام رجعل ینکث راسہ بالخیزران بنشد ابیات"

"لیت اشیاخی ببدر شھدوا۔۔۔۔"

(ترجمہ) جس وقت حسین رضی اللہ عنہ کا سر مبارک پہنچا۔ اہل شام جمع تھے۔ یزید ملعون نے چوب خیزران سے سر مبارک کو ٹھکرایا۔ اور یہ مصرعہ کہا۔ کاش ہمارے بدر کے مقتول ہوتے (اور آج دیکھتے کہ کس طرح میں نے احمدؐ سے بدلہ لیا ہے۔ (صواعق محرقہ ص۲۱۸)

یہی علامہ ابن حجر پھر کہتے ہیں۔

لیس العجب من قتال ابن زیاد للحسین علیہ السلام وانما العجب من خذلان یزید وضربہ بالقضیب ثنایا الحسین علیہ السلام وحملہ آل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سبایا علی اقتاب الجمال وذکر اشیاء من قبیح ما اشتہر عنہ ثم قال وما کان مقصودہ الا الفضیحۃ ولو لم یکن فی قلبہ احقاد جاہلیۃ واضغان بدریۃ لاحترم الراس الشریف المبارک واحسن الی الرسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم (ترجمہ) ابن زیاد کا جناب امام حسین علیہ السلام سے لڑنا کچھ تعجب کی بات نہیں

ہے۔ مگر جناب امام حسینؑ کے ساتھ یزید کا مخالفت کرنا اور ان جناب کی ذلت کرنا اور آپ کے دندانِ مبارک پر چھڑی رکھنا۔ اور اہل بیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قید کر کے شترانِ بے کجاوہ پر اسیر کرا کے ملوا دانہایت حیران کن ہے۔ ابنِ حجر کا بیان ہے کہ ابنِ جوزی نے ان باتوں کے علاوہ اور بھی بہت سی ایسی باتیں لکھی ہیں۔ جو یزید کے بارے میں شدت کے ساتھ مشہور ہیں۔ اور یزید کا ان امور سے مقصد حسینؑ کی تذلیل تھا۔ اگر یزید کے دل میں اہلبیت علیہم السلام کا کینہ اور واقعہ بدر کے انتقام کی خواہش نہ ہوتی۔ تو وہ جناب امام علیہ السلام کے سر مبارک کا احترام کرتا اور اہلِ بیت کے ساتھ حسنِ سلوک سے پیش آتا۔"

(صواعق محرقہ ص ۲۱۸ مطبوعہ مصر ۱۳۷۵ھ وینابیع المودۃ ص ۲۸۰)

پیش کردہ عبارتوں سے صاف ظاہر ہے کہ یزید ملعون قتل حسین اور اہانت اہل بیت علیہم السلام سے راضی تھا۔ ظاہری تاسف کے کلمات اور ابن زیاد پر غضب محض دربار کے غیر ملکی سفیروں کی ملامت اور عوام الناس جن سے یہ واقعہ مستور رکھا گیا تھا۔ کے مشتعل ہو کر آمادۂ بغاوت ہونے کے خوف سے تھا۔

مزید اطمینان کے لئے چند اور شہادتیں

حافظ علی بہادر خان اپنی تالیف یزید بن معاویہ میں اس موضوع پر تبصرہ کرتے ہوئے خود ابنِ زیاد قاتل حسین اور عبد اللہ بن عباس و عبد اللہ بن جعفر وغیرہ صدرِ اسلام کے اکابرین کی تاریخی شہادتیں پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

یزید کی وفات کے بعد جب بصرہ اور کوفہ والے ابن زیاد کے خلاف ہو گئے۔ اور اسے جان بچا کر بھاگنا پڑا۔ وہ بھاگ کر شام جا رہا تھا۔ اور بنو ازد کے کچھ لوگ اس کے ساتھ تھے۔

ابنِ اثیر کی تاریخ الکامل کی جلد چہارم سے یہ روایت نقل کی جاتی ہے۔ جو اس سفر سے متعلق ہے:۔

اس اثنا میں وہ رات کے وقت سفر کرتے کرتے بولا۔ کہ اونٹ پہ چلتے چلتے ہیں

تھک گیا ہوں۔ اب مجھے کوئی سم دار سواری تو اچھا ہے۔ ساتھیوں نے اُسے ایک گدھا مہیا کر دیا۔ جس پر وہ چلنے لگا۔ مگر بہت خاموش تھا۔ مسافر بن شریح کا بیان ہے۔ کہ میں نے سوچا کہ شاید وہ سونے لگا ہے۔ بہتر ہوگا کہ اسے جگا دوں۔ میں نے پوچھا کہ کیا تم سو رہے ہو۔ جواب دیا کہ نہیں میں اپنے دل ہی دل میں باتیں کر رہا تھا۔ اُس نے کہا میں بتا دوں کہ آپ دل سے کیا باتیں کر رہے تھے۔ کہا۔ ہاں بتاؤ کہ میرے دل میں کیا خیال آ رہے تھے۔

میں نے کہا کہ آپ یہ سوچ رہے تھے۔ کہ کاش میں نے حسین کو نہ قتل کرایا ہوتا"

ابن زیاد نے کہا" اور بتاؤ"

میں نے کہا کہ آپ یہ سوچ رہے تھے۔ کہ کاش میں نے جس جس کو قتل کیا۔ نہ قتل کیا ہوتا۔

ابن زیاد۔" اور کیا؟

میں: کاش میں قصر بیضا کی مرمت نہ کرتا۔

ابن زیاد:" اور کیا"

میں: کاش میں اس سے زیادہ سخی ہوتا جتنا تھا۔

ابن زیاد: میرے حسینؑ کو قتل کرنے کا تو جواب یہ ہے کہ یزید نے اشارتاً یہ بات مجھے جتا دی تھی۔ کہ میں انہیں قتل کر ڈالوں۔ ورنہ وہ مجھے قتل کر ڈالے گا۔ میں نے یہی پسند کیا۔ کہ اسی کو قتل کر ڈالا جائے۔

قصر بیضا میں نے عبداللہ بن عبدالرحمٰن الثقفی سے خریدا تھا۔ اور یزید نے مجھے دس لاکھ کی رقم بھیجی تھی۔ جسے میں نے اسی پر صرف کیا۔ میں نے سوچا کہ وہ بچ گیا تو میرے اہل و عیال کا ہوگا۔ اور اگر فنا ہو گیا۔ تو مجھے اس کا رنج نہ ہوگا۔

اس بیان سے صاف ظاہر ہے کہ یزید نے امام حسینؑ کے قتل کا حکم ابن زیاد کو دیا تھا۔ نیز یہ کہ شہادت حسینؑ کے بعد یزید نے اس کے حسن کارکردگی کے لئے دس لاکھ کی رقم بھیجی تھی۔

مزید یہ بات ہے کہ یزید نے امام حسینؓ کے قتل پر خبر سنتے ہی اظہار افسوس نہیں کیا تھا بلکہ اظہار مسرت کیا تھا لیکن بعد میں جب اُس نے دیکھا کہ اس واقعہ کے سبب وہ بدنام ہونے لگا۔ اور اُس کے اقتدار پر اثر پڑنے لگا۔ تو اُس نے ایسی باتیں بھی کرنی شروع کر دیں۔ جن سے لوگوں کو اس کے عزائم کے متعلق غلط فہمی ہونے لگے۔

وہ روایت بھی ہمارے سامنے ہے۔ جس میں بتایا گیا ہے۔ کہ جب کربلا کا لٹا پھٹا قافلہ کوفہ کی بے عزتیاں سہتا۔ دمشق یزید کے پاس پہنچا۔ تو وہاں نوبت بج رہی تھی۔ یزید نے علی بن حسینؓ سے کہا۔ کہ یہ ہمارے اقتدار کی نوبت ہے۔ تمہارے پاس کیا رکھا ہے۔ اُس وقت علی بن حسین چپ ہو گئے۔ مگر جب مؤذن نے اذان دی تو انہوں نے فرمایا۔ میرے نانا کی نوبت یہ ہے جو قیامت تک جاری رہے گی۔

ہمارے سامنے یہ بھی روایت ہے کہ یزید امام حسینؓ کے سر پر اور خصوصاً دانتوں پر چھڑی مار رہا تھا۔ ابوبرزۃ الاسلمی نے کہا کہ کیا تو اُن دانتوں پر چھڑی مار رہا ہے جن کو رسول اللہ میرے سامنے چومتے تھے۔ انہوں نے یہ بھی کہا کہ اے یزید قیامت میں تیرا شفیع ابن زیاد ہوگا۔ اور حسین کے شفیع محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہوں گے۔

پھر تاریخ الکامل میں ابن اثیرؒ نے یہ روایت بھی دی ہے۔ اس سے اندازہ کیجئے کہ یزید کو اس واقعہ پر کوئی ملال تھا یا نہیں۔ قطعی جواب ہوگا۔ کہ کوئی ملال نہیں تھا۔ روایت یہ ہے۔

اہل شام میں سے ایک شخص نے کھڑے ہو کر کہا کہ اس لڑکی (فاطمہؓ) کو مجھے دیدو۔ فاطمہؓ اپنی بہن زینبؓ سے لپٹ گئیں جو ان سے بڑی تھیں۔ حضرت زینبؓ نے کہا۔ تو جھوٹ بکتا ہے تو بدبخت ہے۔ یہ کام نہ تجھے جائز ہے اور نہ اس (یزید) کو یزید نے غصہ میں آکر کہا۔ کہ اللہ کی قسم تم خود جھوٹی ہو۔ خدا کی قسم یہ بات میرے اختیار میں ہے۔ اور اگر میں ایسا کرنا چاہوں۔ تو کر سکتا ہوں۔ زینبؓ نے کہا خبردار اللہ نے یہ کام تمہارے لئے جائز نہیں کیا ہے۔ الا یہ کہ تم ملت ہی سے خارج

ہو جاؤ۔ اور کوئی اور دین ہمارے دین کے سوا اختیار کرلو۔

یزید غصہ کے مارے دیوانہ ہو گیا۔ اور کہنے لگا تم مجھ سے اس طرح بات کرتی ہو۔ دین سے تو تمہارا باپ (حضرت علیؓ) خارج ہوا تھا۔ اور تمہارا بھائی (امام حسینؓ) خارج ہوا تھا حضرت زینبؓ نے جواب دیا۔ کہ تم نے اور تمہارے باپ دادا نے اللہ میرے نانا اور میرے باپ اور بھائی کے دین سے ہی تو ہدایت پائی تھی۔ یزید نے کہا۔ اے خدا کی دشمن تو جھوٹ بکتی ہے۔ انہوں نے کہا تیرے پاس اقتدار ہے ظلم کر رہا ہے اور گالیاں دے رہا ہے۔

یزید خجل ہو کر خاموش ہو گیا۔

اس روایت سے صاف ظاہر ہے۔ کہ یزید کے دل میں امام حسین کے قتل پر ذرا تاسف نہ تھا۔ فاطمہؓ رسول کی سب سے پیاری بیٹی تھیں۔ وہ "سیدۃ النساء اہل الجنتہ" اُن کی بیٹی کی شان میں ایک شامی بے حیا ایسا جملہ کہتا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ لونڈی بنانا چاہتا ہے۔ اور یزید بجائے اُس شامی کو سزا دینے کے حضرت زینبؓ سے اُلجھتا ہے اور ان پر سب و شتم کرتا ہے اُس سے ثابت ہے کہ وہ امام حسینؓ کے قتل کا ذمہ دار تھا۔ اور اُس کے دل میں ایمان کا کوئی شائبہ بھی نہیں تھا۔

ایک اور روایت ابن اثیر کی تاریخ الکامل سے ملاحظہ ہو:-

تجب اہل کوفہ سر کو لے کر شام پہنچے۔ تو یحییٰ بن حکم نے اُن سے حال پوچھا۔ یحییٰ بن حکم یہ کہتا ہوا چلا گیا۔ کہ قیامت کے دن تم محمد صلعم سے منہ چھپاتے پھرو گے میں ہرگز تم کو کسی معاملہ میں جمع نہ کروں گا۔ جب وہ یزید کے پاس پہنچے۔ تو یحییٰ بن حکم نے یہ اشعار پڑھے۔

"مقام طف میں جن لوگوں کے سر ہیں۔ وہ ابن زیاد جیسے غلام اور کھوٹے نسب والوں سے بہتر قرابت دار ہیں۔ سمیہ کی نسل تو سنگریزوں کی تعداد سے بھی زیادہ

ہو گئی ہے۔ مگر مصطفیٰ کی نسل میں سے آج کوئی بھی باقی نہیں ہے"
یزید نے اس کے سینہ پر ہاتھ مار کر کہا "بس چپ رہو"
یزید کے اس طرز عمل سے اندازہ ہوتا ہے۔ کہ وہ اس خوشی کے موقع پر ماتم کے الفاظ نہیں سننا چاہتا تھا۔ اور جو بدبخت کوئی انعام واکرام کی امیدوں کے ساتھ آئے تھے۔ اُن کے جوش مسرت کو ایسے اشعار سے ٹھنڈا نہیں کرنا چاہتا تھا۔

پس اگر بعض روایات ایسی بھی ہوں جن سے معلوم ہو کہ یزید کو امام حسینؑ کے قتل پر رنج ہوا۔ یا یہ کہ اس نے حسینی قافلہ کی عورتوں، بچوں کے ساتھ کسی حد تک کسی معنی میں بھی اچھا سلوک کیا۔ تو متضاد روایتوں کی صرف یہ ہی تشریح ممکن ہے۔ جو بعض مورخین نے بھی کی ہے۔ کہ جب یزید کو اندازہ ہوا کہ حادثہ فاجعہ کربلا سے اس کے اقتدار کی بنیادیں ہلنے لگیں۔ تو اس نے کسی موقع پر ہمدردی کا ڈھونگ رچایا ہو۔ ایک روایت عمر بن سعد کی نسبت بھی تو یہ ہے۔ کہ وہ قتل حسینؑ پر اتنا رویا۔ کہ داڑھی آنسوؤں سے تر ہو گئی۔ بحیثیت مجموعی تاریخی شہادت یہ ہی ہے۔ کہ یزید قتل حسینؑ کا ذمہ دار تھا۔ اور اس کے دل میں کفر ہی کفر بھرا تھا۔

ابن عباسؓ کی شہادت

یزید اور حسینؑ کے مسئلہ میں ابن عباسؓ کے ایک خط سے اہم شہادت ملتی ہے۔ یہ خط جو یزید کو بھیجا گیا تھا۔ اس لیئے اور بھی اہم ہے۔ کہ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ابن عباس کا یزید کی بیعت کرنا تو درکنار وہ یزید کے سخت مخالف تھے۔ اور یہ کہ اگر انہوں نے امام حسینؑ کو کوفہ جانے سے روکا تھا۔ تو وہ محض برنائے مصلحت تھا۔ اُن کے حقیقی جذبات اس خط سے ظاہر ہوتے ہیں جو تاریخ الکامل وغیرہ میں موجود ہیں۔ ابن اثیر نے اس خط کا جو سبب نزول لکھا ہے وہ بھی قابل غور ہے۔

"شقیق بن سلمہ کہتے ہیں کہ جب امام حسینؑ شہید ہو گئے۔ تو عبد اللہ ابن زبیر اُٹھ کھڑے ہوئے اور ابن عباس کو اپنی بیعت کی دعوت دی۔ انہوں نے بیعت کرنے سے انکار کر دیا۔

یزید کو جب اس کی خبر ملی۔ تو اس نے عبداللہ ابن عباس کے اس انکار سے یہ مطلب
لیا۔ کہ وہ یزید کی بیعت پر قائم ہیں۔ پس یزید نے اُن کو یہ خط لکھا۔

" اما بعد! میں نے سنا ہے کہ۔۔ ابن زبیر نے آپ کو بیعت کی دعوت دی۔ مگر تم
ہماری بیعت پر قائم ہو۔ اور وفادار رہنا چاہتے ہو۔ اے میرے عزیز اللہ تم کو صلۂ رحمی
اور وفاداری کے لئے جزائے خیر دے۔ میں تمہاری نیکی اور صلہ کو کبھی فراموش نہیں
کروں گا۔ تم اس کے مستحق ہو۔ تم ان لوگوں پر نظر رکھو جو ابن زبیر کے جادو کے اثر میں
تمہارے خلاف مختلف مقامات سے اٹھیں گے ان کو ابن زبیر کے معاملے سے متنبہ
کر دو۔ کیونکہ وہ سب سے زیادہ تمہاری فرمائش کا اثر قبول کریں گے "

اب واقعہ یہ ہے کہ ابن عباس نے ابن الزبیر کی بیعت اس لئے نہیں کی تھی کہ اُن کے دل
میں یہ بات گھر کر گئی تھی کہ امام حسینؑ کو کوفہ جانے کی شہ دینے والوں میں عبداللہ بن زبیر بھی شامل تھے۔
اور مقصد یہ تھا کہ حجاز سے ایک رقیب چلا جائے۔ مگر یزید نے اس انکار کے دوسرے معنی لئے۔
ابن عباس نے یزید کو حسب ذیل خط لکھا۔

اما بعد۔ تمہارا خط مجھے ملا۔ میں نے جو ابن زبیر کی بیعت سے انکار کیا ہے اس
سے یہ مطلب نہیں تھا کہ تمہاری خوشنودی حاصل کروں۔ میری نیت کا علم تو خدا کو
ہے۔ اب رہا تمہارا یہ دعویٰ کہ احسان و اکرام کے وقت تم مجھے نہ بھولو گے۔ تو اے
شخص تو مجھ سے اپنی نیکی کو دور ہی رکھ۔ اور میں اپنی نیکی تجھ سے دور رکھوں گا۔ تم
چاہتے ہو کہ میں لوگوں کو ابن زبیر کا دشمن اور تمہارا دوست بنا دوں۔ میں ایسا ہرگز نہیں
کروں گا۔ نہ خوشی سے نہ مہربانی کے اثر میں۔ اور مجھ سے یہ کیونکر ممکن ہے۔ جبکہ تم نے
حسینؑ اور عبدالمطلب کے جوانوں کو قتل کر دیا ہے (اس جملہ پر توجہ کی ضرورت ہے
ابن عباس یزید کو ہی قاتل قرار دے رہے ہیں۔ مؤلف) جو مصابیح ہدایت اور نجوم
اعلام تھے۔ تمہاری فوج نے تمہارے حکم سے ایک ہی میدان میں اُن کو خاک میں ملا

دیا۔ وہ خون آلود ہو گئے ایسی حالت میں کہ پیاسے تھے۔ اُن کو تم میں سے کسی نے نہ دفن کیا۔ نہ تکیہ دیا۔ اُن پر خاک اڑتی رہی۔ اور سنگلاخ زمین کے جانور سونگھتے رہے۔ یہاں تک کہ ایک گروہ نے جو اُن کے قتل میں شریک نہ تھا۔ اللہ کی توفیق سے اُن کو کفن دے کر دفن کیا۔ میں تو اُن سے محبت کرتا ہوں۔ میں کیسے تمہاری مجلس میں شریک ہو کر عزت حاصل کروں۔ تمہاری مجلس میں اس بات کو میں کیسے بھلا دونگا۔ کہ تم نے حسینؑ کو حرم رسولؐ اللہ سے حرم اللہ کی طرف بھگایا۔ پھر برابر تم اُن کے پیچھے لگے رہے۔ یہاں تک کہ عراق جانے پر مجبور کیا۔ وہ عراق سے خوف زدہ واپس آنے لگے۔ تو اُن کے خلاف تم نے فوج کشی کی۔ کیونکہ تم کو اللہ اور اس کے رسولؐ اور رسولؐ کے اہلبیتؑ سے عداوت ہے۔ جن کو اللہ تعالےٰ نے تمام آلائشوں سے پاک کرکے طاہر و مطہر بنایا تھا۔ حسینؑ نے تم کو صلح کا پیام دیا۔ تو تم نے اُن کے انصار کی قلت سے فائدہ اٹھا کر اہلبیت کے استیصال کے موقع کو غنیمت جانا اور اُن کے خلاف ایسے اقدامات و تعاون کئے۔ گویا کہ تم کسی مشرک و کافر خاندان کی بیخکنی پر تلے ہو۔

مجھے اس سے زیادہ حیرت انگیز کوئی بات نہیں معلوم ہوتی کہ تم میری دوستی طلب کر رہے ہو۔ حالانکہ تم نے میرے باپ کی اولاد کو قتل کیا ہے۔ میرا خون تمہاری تلوار سے ٹپک رہا ہے۔ تم ہی میرا خون بہانے والوں میں سے ہو۔ تم اس زعم میں نہ رہنا کہ آج تم ہم پر فتح پا چکے ہو۔ ہم بھی ضرور ایک دن تم پر فتح پائیں گے۔ والسلام۔

(کامل ابن اثیر جلد چہارم)

یہ تو رہے عبد اللہ ابن عباس۔ اب عبد اللہ بن جعفر کے جذبات کا اندازہ کیجئے۔ تاریخ طبری کا یہ اقتباس پڑھئے:۔

عبد اللہ بن جعفر کو حسینؑ کے ساتھ اپنے دونوں بیٹوں کے قتل ہونے کی خبر جب پہنچی۔

تو اُن کے خدام اور دیگر لوگ پُرسا دینے کو اُن کے پاس آئے۔ اُن کا آزاد کردہ غلام حسن کا نام شاید ابوالسلاس تھا۔ کہنے لگا کہ یہ رنج حسینؓ کے باعث ہوا۔ انہوں نے ہی یہ مصیبت ڈالی۔ عبداللہ بن جعفر نے یہ سُن کر اس کو جوتا کھینچ مارا۔ اور بولے او بےخبر شاد حسین کی نسبت ایسا کلمہ کہتا ہے۔ واللہ اگر میں خود وہاں ہوتا۔ تو بغیر شہادت حاصل کئے ہرگز اُن سے جدا نہ ہوتا۔ وہ ایسے تھے کہ میں ان فرزندوں کے علاوہ خود اپنی جان اُن پر فدا کر دیتا۔ میں ان دو فرزندوں کی قربانی کو کوئی مصیبت نہیں سمجھتا۔ انہوں نے میرے بھائی میرے ابن عم کے ساتھ صبر و رضا کے اصول پر اُن کی رفاقت میں اپنی جان قربان کی ہے۔ پھر فرمایا۔ اللہ کا شکر ہے کہ حسینؓ کی نصرت اگر میں نہ کر سکا۔ تو میرے فرزندوں نے تو کی۔

عباسی صاحب نے عبداللہ بن جعفر کے اقوال کو بہت اچھالا ہے لیکن اس بیان کو دبا دیا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ جو لوگ قرابتداران حسین میں سے سفر کوفہ کے خلاف تھے۔ اُن کو یہ اندازہ نہیں تھا کہ اس طرح کربلا میں اُن کو قتل کر دیا جائے گا۔

کیا یزید کو حسینؑ کے خلاف تلوار اٹھانے کا حق تھا؟

حسینؓ کے دشمن اور یزید کے حامی محمود عباسی تحریر کرتے ہیں:۔

"حضرت علی المرتضیٰ کی تلوار اگر حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ زوجہ مطہرہ و حبیبۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف بے نیام ہو سکتی ہے اور اس ہودج پر تیر برسائے جا سکتے ہیں۔ جس میں تمام امت کی ماں تشریف فرما ہو۔ اور ماں بھی وہ جو حجت دینیہ کے تحت میدان میں آئی ہو۔ تو حضرت حسینؓ کے خلاف تلوار کیوں نہیں اٹھائی جا سکتی۔ (خلافت معاویہ و یزید صفحہ ۱۸)

محمود عباسی نے اس جگہ پر اپنے کینہ وحسد کا اچھی طرح اظہار کر دیا ہے جو انہیں خاندانِ رسالتؐ سے فطری طور پر ودیعت ہوا ہے۔ اس مقام پر اہل سنت حضرات کے جذبات سے بھی عباسی صاحب نے کھیلنا چاہا ہے۔ مگر انہیں یاد رہے کہ اہل سنت حضرات آپ کی شاطرانہ چالوں سے بخوبی واقف ہو چکے ہیں۔ وہ اس پھندے میں نہیں پھنستے۔ ہمارا تو خیال تھا کہ ہم اس مقام سے خاموش ہی گذر جاتے۔ مگر احقاقِ حق کے لئے تھوڑا بہت عرض کرنا ضروری ہے۔

ہم سابقہ اوراق میں حضرت امیر علیہ السلام کی خلافتِ ظاہریہ کے انعقاد کے سلسلے میں وضاحت کے ساتھ روشنی ڈال چکے ہیں کہ حضرت امیر علیہ السلام تمام مہاجرین وانصار کے اتفاق سے خلیفہ بن چکے تھے۔ طلحہ و زبیر وغیرہ نے جناب امیر علیہ السلام کو امام تسلیم کر لیا تھا۔ ابھی تک فقط معاویہ ایسا تھا جو انکار کر رہا تھا۔ اب جبکہ اہل سنت حضرات کے مسلمہ اصول کے مطابق جناب امیر علیہ السلام خلیفہ مقرر ہو چکے تھے۔ تو اب نہ تو حاضر کو اختیار تھا اور نہ غائب کو اس امر کا جواز تھا۔ کہ وہ حضرت کے خلاف خروج کرتا۔ چاہے وہ کتنی ہی مقتدر شخصیت کیوں نہ ہو۔ پیغمبر اسلام کی نصوص متواترہ من حارب علیاً فقد حاربنی، من فارق علیاً فقد فارقنی" (قرۃ العینین فارسی ص۴۲) یعنی جس نے علیؑ کے ساتھ جنگ کی اُس نے میرے ساتھ جنگ کی جس نے علیؑ کو چھوڑ دیا۔ اس نے مجھے چھوڑ دیا۔ نیز علی مع القرآن والقرآن مع علیؑ (صواعق محرقہ ص۱۲۲) علیؑ قرآن کے ساتھ اور قرآن علیؑ کے ساتھ ہے۔ والحق مع علیؑ وعلیؑ مع الحق (صواعق محرقہ ص۱۲۴) حق علیؑ ساتھ ہے اور علیؑ کے ساتھ ہے اور علیؑ حق کے ساتھ ہے۔ ایسی ہیں جن کے ہوتے ہوئے کسی مسلمان کو حق نہیں پہنچتا۔ کہ علیؑ کے مقابلہ میں جنگ کے لئے آمادہ ہو۔ طلحہ و زبیر بیعت کر چکے تھے۔ انہوں نے نکثِ عہد کیا۔ ام المومنین حضرت عائشہ کے پاس کوئی دینی یا شرعی ایسی حجت نہ تھی۔ جو جناب امیر علیہ السلام کے مقابلہ میں برسرپیکار ہوتیں۔ علاوہ اس کے عورتوں کے لئے جہاد بھی ساقط

ہے۔ اور خصوصاً ازواجِ نبی کو تو قرآن مجید میں یہ تنبیہ بھی ہے کہ "قرن فی بیوتکن" اے نبیؐ کی عورتو۔ تم اپنے گھروں میں قیام کرو۔ لہٰذا انہیں ایک تو حرمتِ رسولؐ برقرار رکھتے ہوئے گھر سے باہر نہیں نکلنا چاہیئے تھا۔ دوسرے اس لحاظ سے بھی انہیں حضرت امیر علیہ السلام کے کے خلاف خروج کرنے کا جواز مطلق نہ تھا کیونکہ حضرتِ امیرؑ مہاجرین و انصار اور اہل حل و عقد کے مشورہ سے خلیفہ منتخب ہو چکے تھے۔ جیسا کہ ابن حجر مکی فرماتے ہیں۔

ان احقق بالخلافة بعد الائمة الثلاثة هو الامام المرتضیٰ والولی المجتبیٰ علی بن ابی طالب باتفاق اهل الحل والعقد علیه کطلحه والزبیر وغیره (ترجمہ) تحقیق حضرات ثلاثہ کی امامت کے بعد علی المرتضیٰ وولی مجتبیٰ علیؑ بن ابی طالب اہل حل وعقد جیسے طلحہ و زبیر وغیرہ ہیں۔ کے اتفاق سے امام ہیں۔ وفی شرح المقاصد عن بعض المتکلمین ان الاجماع انعقد علی ذالك بعض متکلمین کے نزدیک تو حضرت امیرؑ پر اجماع ہو چکا تھا۔

(صواعق محرقہ ص۱۲۷ مطبوعہ مصر)

ابن حجر مکی کی صراحت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت امیر علیہ السلام کی خلافت پر امت کا اجماع ہو چکا تھا۔ لہٰذا حضرت عائشہ یا کسی اور انسان کو کوئی ۔ ۔ ۔ حق نہیں پہنچتا تھا۔ کہ وہ ان کے خلاف خروج کرتے۔ نیز خود جناب سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جناب امیر علیہ السلام کو اطلاع دے دی تھی کہ انك تقاتل علی تاویل القرآن کما قاتلت علی تنزیله۔ اے علیؑ تو تاویلِ قرآن کے منکرین سے جنگ کرے گا جس طرح میں تنزیلِ قرآن کے منکروں سے لڑ چکا ہوں (صواعق محرقہ ص۱۲۱ مصر)

حدیث مذکورہ کے الفاظ سے یہ نتیجہ نکلتا ہے۔ کہ جس طرح رسول اسلام تنزیلِ قرآن کے منکروں سے مقابلہ میں حق پر تھے۔ اسی طرح حضرت امیر علیہ السلام تاویلِ قرآن کے منکرین کے مقابلہ میں حق پر تھے۔ شرعی طور پر وہ تلوار اٹھانے کا حق رکھتے تھے۔ نیز حضرت امیر علیہ السلام بنصِ رسول ناکثین، قاسطین اور مارقین کے ساتھ جنگ کرنے میں مامور تھے۔

جیسا کہ شاہ ولی اللہ دہلوی نے قرۃ العینین فارسی ص۱۴۲ میں ایک حدیث نقل کی ہے کہ:-
قال لہ انک تقاتل الناکثین والقاسطین والمارقین یعنی اے علیؑ تو ناکثین قاسطین اور مارقین سے جنگ کرے گا۔ اس صفحہ کے حاشیہ پر یہ بھی تحریر ہے کہ ناکثین سے مراد عہد توڑنے والے اور اہل جمل ہیں۔ قاسطین سے مراد اہل شام اور مارقین سے اہل نہروان ہیں۔ چنانچہ ان تینوں لڑائیوں میں حضرت امیر علیہ السلام مامور تھے اور بنص رسول حق پر تھے۔ قرآن حکیم کی تنصیص ینقضون عھد اللہ من بعد میثاقہ و یقطعون ما امر اللہ کے مطابق جنگ جمل کے محاربین جو حضرت علیؑ کے مخالف تھے نکث عہد کرنے والے تھے۔ لہٰذا اس طرح سے حضرت علیؑ کو حضرت عائشہ وغیرہ کے ساتھ شرعی طور پر تلوار اٹھانے کا حق تھا۔ مگر اس کے خلاف یزید ملعون کو امام حسینؑ کے خلاف تلوار اٹھانے کا مطلق جواز نہ تھا۔ کیونکہ تمام صحابہ کرام اور اہلبیت عظام و صاحبانِ شوریٰ اس کی خلافت پر متفق نہیں تھے۔

کیا امام حسینؑ کو غلطی کا احساس ہو گیا تھا؟

عباسی صاحب یہ بھی فرماتے ہیں۔ کہ جب کوفہ والوں کی غداری کا حضرت امام حسین علیہ السلام کو علم ہو گیا تھا۔ تو آپ نے اپنی غلطی کا احساس کر لیا تھا۔ چنانچہ ان کا اپنا بیان ملاحظہ ہو:-

"حضرت حسین کی یہ سعادت کبریٰ ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو خروج عن الجماعت کے شر سے محفوظ رکھا۔ اور بالآخر اس کی توفیق ارزانی فرمائی۔ کہ جماعت کے فیصلے کی حرمت کا اعلان کر دیں۔ اقدام خروج میں آپ نے غلطی کی تھی۔ مگر آخر میں جب خروج پر ابھارنے والوں کی غداری عیاں ہو گئی۔ تو آپ نے وہی کیا۔ جو آپ کے برادر بزرگوار حضرت حسنؓ نے منشا کے مطابق خیر خواہوں اور ہمدردوں کی رائے کے موافق اور کتاب و سنت کی روشنی

میں واجب جاتا۔ بہرحال حضرت حسینؓ کی طہارت طینت کی برکت تھی۔ کہ آپ نے بالآخر اپنے موقف سے رجوع کر لیا۔ (خلافت معاویہ و یزید صفحہ ۱۶۸، ۱۶۹)

عباسی صاحب کے نزدیک حضرت امام حسین علیہ السلام کی شخصیت اتنا گھٹیا درجہ رکھتی ہے۔ کہ وہ جاہل اور بیوقوف لوگوں کے بھڑکانے سے بھڑک اٹھے۔ اور یزید کے خلاف خروج کر بیٹھے ہاں بعد میں انہیں اپنی غلطی کا احساس ہو گیا۔ اس لئے کہ پہلے کتاب و سنت کی روشنی سے ناواقف تھے۔ استغفر اللہ۔

حضرت امام حسینؓ عزم بالجزم کے مالک تھے۔ زبانہ رسالتمآب سے اپنی شہادت کی خبریں سن چکے تھے۔ اپنے باپ علی المرتضیٰ سے واقعات کربلا کا تذکرہ بطور پیشین گوئی سماعت فرما چکے تھے۔ ہم نے ان تمام واقعات کو ثبوت شہادت کے عنوان میں مفصل لکھا ہے۔ حضرت امام علیہ السلام کو اپنی شہادت کا یقین تھا مدینہ و مکہ سے چلتے وقت قریب قریب تمام لوگوں نے ازراہ شفقت منع کیا۔ مگر اپنے موقف سے رجوع نہ فرمایا۔ کوفیوں کی بدعہدی کا تو ان کو پہلے ہی سے تجربہ تھا۔ وہ محض کوفیوں کی دعوت پر نہیں جا رہے تھے۔ بلکہ حسب وعدہ اپنی شہادت گاہ پر جانا ان کا مقصد تھا۔ مدینہ سے چل کر اپنی شہادت کے وقت تک کبھی یہ اظہار نہیں کیا کہ ہائے افسوس میں نے غلطی کی۔ مجھے یزید کی بیعت کر لینی چاہئے تھی۔ کربلا کے مقام میں جو آنحضرتؑ نے یہ فرمایا تھا۔ کہ مجھے واپس جانے دیا جائے۔ یا یزید کے پاس بھیج دیا جائے۔ تو وہ بنابر اتمام حجت کے تھا۔ جناب امام حسین علیہ السلام بالیقین جانتے تھے۔ کہ یہ لوگ مجھے یہاں سے ایک بالشت بھی کہیں نہ جانے دیں گے۔ حضرت امامؑ کا ان چند شرطوں کو پیش کرنا اس لئے تھا۔ کہ کل قیامت کے روز یہ لوگ عذر نہ کریں کہ اگر امام حسین علیہ السلام ہم سے اجازت مانگتے۔ تو ہم انہیں کربلا سے چلے جانے کی اجازت دیدیتے۔ ان تمام صورتوں پر جناب سید الشہداء علیہ التحیۃ والثناء نے نظر کر کے یہ الفاظ کہے تھے ورنہ حقیقتاً انہوں نے کسی مقام پر بھی اپنے موقف سے رجوع کا اظہار نہیں کیا۔ ہم ذیل میں علامہ ابو اسحٰق اسفرائنی کا ایک بیان قلمبند کرتے ہیں۔ جس سے

پتہ چل جائے گا۔ کہ حضور امام علیہ السلام کو اپنی شہادت کا یقین تھا۔ اور انہیں یہ بھی علم تھا کہ میری شہادت یہیں ہوگی۔ اور اس شہادت کی حقانیت پر جناب رسالت مآبؐ اور وحی کی تصدیق بھی تھی۔ تو پھر کیونکر کوئی مسلمان باور کر سکتا ہے۔ کہ حضرت امام حسین علیہ السلام نے حق سے باطل کی طرف رجوع کر لیا۔

علامہ اسفرائنی ارشاد فرماتے ہیں:۔

کہ ارض کربلا میں جناب امام حسین علیہ السلام کی سواری کا گھوڑا رک گیا آپ نے ہرچند اُسے آگے بڑھانے کی کوشش کی۔ مگر وہ ایک قدم بھی آگے نہ بڑھا۔ تب امام عالیمقام نے استفسار فرمایا۔ کہ اس زمین کا کیانام ہے۔ لوگوں نے جواب میں عرض کیا۔ کہ اس زمین کو کربلا کہتے ہیں۔ اس سے یہ جواب سُن کر جناب امام حسین علیہ السلام نے ارشاد فرمایا۔ قسم خدا کی یہی زمین مصیبت و بلا کی ہے۔ اور یہی وہ زمین ہے جہاں ہمارے مردوں کے خون بہائے جائیں گے۔ اور ہماری عورتیں بیوہ بنائی جائیں گی یہ وہی مقام ہے جہاں ہماری قبریں بنیں گی۔ اور جہاں سے ہم قیامت کے دن اُٹھائے جائیں گے۔ اور تمام باتوں کی خبر میرے جد بزرگوار احمد مختار صلعم نے مفصل فرمادی ہے۔ یہ فرما کر آپ گھوڑے سے اُتر پڑے آپ نے ایک مشت خاک وہاں سے اٹھائی اور اس خاک کو اس خاک سے ملایا۔ جس کو آپ نے اپنی جیب سے نکالا پہلے دونوں کے رنگ کو ملایا۔ پھر دونوں کی بُو سونگھ کر فرمایا۔ کہ یہی وہ مٹی ہے۔ جو جناب جبرئیل علیہ السلام خدا کی جانب سے میرے نانا کے پاس لائے تھے۔ پھر فرمایا کہ یہی وہ زمین ہے۔ جہاں میرے حرم قید کئے جائیں گے۔ واللہ اسی جگہ میرے بچے ذبح کئے جائیں گے۔ واللہ یہی ہماری قبروں کی جگہ ہے۔ واللہ یہی زمین ہمارے حشر و نشر کی ہے۔ یہی وہ مقام ہے جہاں ہمارے عزیز ذلیل ہوں گے۔ قسم بخدا یہی وہ زمین ہے جہاں میرے گلے کی شہ رگیں کاٹی جائیں گی۔ اور میری داڑھی خون سے خضاب ہوگی۔ اسی زمین پر میرے دادا نانا اور میرے ماں باپ کو ملائکہ تعزیت کریں گے قسم بخدا یہی وہ مقام ہے جس کا پروردگار عالم نے میرے نانا سے وعدہ کیا ہے۔

اور خدا تعالےٰ اپنے وعدے کے خلاف نہیں کرتا۔ (مقتل امام ابو اسحٰق اسفرائنی عربی ص۲۶ و اردو ترجمہ مطبوعہ بنارس ص۳)

امام ابو اسحٰق اسفرائنی اہل سنت کے مشہور و مسلم امام ہیں۔ ان کی توثیق علامہ شبلی یوں فرماتے ہیں:۔

"ابو اسحٰق اسفرائنی کا نام ابراہیم ابن محمد ہے۔ شافعیوں میں کوئی شخص ان کا ہمسر نہ تھا۔ محدثین بھی ان کو امام وقت تسلیم کرتے تھے ۴۱۸ھ میں وفات پائی"

(الکلام شبلی ص۵۵ جلد اوّل)

مقتل ابی مخنف میں بھی یہ عبارت مرقوم ہے۔

اب بتائیے کیا امام حسینؑ خدا اور رسول کے وعدے کے مطابق اپنی شہادت سے گریز کر سکتے تھے۔ اور بقول عباسی حق سے باطل کی طرف رجوع فرما سکتے تھے۔ نیز تاریخ طبری میں بھی لکھا ہے کہ امام حسین علیہ السلام نے فرمایا کہ میں نے رسولؐ خدا کو خواب میں دیکھا تو آنحضرتؐ نے ایک امر کے لئے مامور فرمایا جس کی میں تعمیل کرنے والا ہوں۔ اور اس کو انجام دینے والا ہوں۔

(بحوالہ تاریخ احمدی ص۲۶۰)

ابن حجر مکی نے جو اس مقام پر روایت پیش کی ہے اس سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ جب ابن زیاد کے لشکر نے بیعت یزید کا مطالبہ کیا، تو حضور امامؑ نے صاف انکار کر دیا، چنانچہ علامہ ابن حجر مکی تحریر کرتے ہیں:۔

"فلما وصلوا الیہ التمسوا منہ نزولہ علی حکم ابن زیاد وبیعتہ لیزید فابی"

جب لشکر ابن زیاد کی ملاقات حضرت امام حسینؑ سے ہوئی۔ تو انہوں نے ابن زیاد کے حکم سے اترنے کو کہا۔ اور یزید کے لئے بیعت کا مطالبہ کیا۔ مگر حضرت امام حسینؑ نے صاف انکار کر دیا"

(صواعق محرقہ ابن حجر مکی ص۱۱۵ مطبوعہ مصر)

شاہ عبدالعزیز دہلوی نے لکھا ہے کہ ابن زیاد ملعون نے امام حسینؑ کی طرف ایک خط بھیجا۔

جس میں بیعت یزید کا مطالبہ کیا گیا تھا۔ امام حسینؑ نے وہ خط پڑھ کر پھینک دیا۔ اور ایلچی کو کہا کہ میرے پاس اس کا جواب نہیں ہے۔ (سر الشہادتین مترجم ص ۱۸/۱۹)

اگر بقول عباسی صاحب حضرت امام حسین علیہ السلام نے اپنی غلطی کو محسوس فرما لیا تھا۔ اور یزید کی بیعت پر رضامند ہو گئے تھے۔ تو پھر لشکر ابن زیاد نے آنحضرتؑ کو معہ ساتھیوں کے کیوں شہید کر دیا۔ پھر تو چاہئے تھا کہ حضرت امام کو عزت و احترام کے ساتھ دمشق میں یزید کے پاس پہنچا دیتے۔ سب ان کا مطالبہ ہی یہی تھا۔ کہ امام حسینؑ یزید کی بیعت کر لیں۔ تو ہم چھوڑ دیتے ہیں۔ تو پھر ایسا کیوں نہ کیا گیا۔ اگر مخالف کا یہ خیال ہو کہ امام حسینؑ تو واقعی یہی چاہتے تھے۔ عمر بن سعد بھی اس بات پر رضامند تھا۔ مگر فرزندان عقیل جو اپنے بھائی مسلم کے قتل ہونے پر مشتعل ہو چکے تھے۔ انہوں نے جنگ کی صورت پیدا کر دی۔ مگر یہ صورت غلط معلوم ہوتی ہے۔ کیونکہ عمر بن سعد کے پاس کئی ہزار افراد پر مشتمل مسلح فوج تھی۔ وہ آن واحد میں ان پر قابو پا سکتے تھے۔ انہیں گرفتار کر لیتے اور معہ امام حسینؑ کے ان کو باعزت طور پر دمشق پہنچ دیتے۔ مگر یہ بات صورت پذیر نہ ہوئی۔ کیونکہ عمر بن سعد تو خاندان رسالت کو تباہ و برباد ہی کر کے دم لینا چاہتا تھا۔

یزید کی بیعت کیلئے آمادگی کی غلط روایات

امام حسینؑ نے عمر بن سعد کے سامنے ایک چارہ کار یہ بھی پیش کیا تھا کہ اگر مکہ کی طرف واپسی کی اجازت نہیں دیتے۔ تو مجھے یزید کے پاس دمشق ہی جانے دو۔ تاکہ میرا اس کے ساتھ وہاں فیصلہ ہو جائے۔

عباسی صاحب نے اس پر بھی پروپیگنڈا کی عمارت کھڑی کی ہے۔ ایک روایت میں یہ بھی ہے۔ کہ امام حسینؑ نے فرمایا کہ مجھے یزید کے پاس جانے دو۔ تاکہ میں اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ میں دیدوں۔

اس سے عباسی صاحب نے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ امام حسینؓ کو اپنے مؤقف کی غلطی کا احساس ہو گیا تھا۔ اور وہ سمجھ گئے تھے۔ کہ انہیں یزید کی بیعت کر لینی چاہیئے۔

اول تو اس روایت میں بھی "بیعت" کا کوئی ذکر نہیں ہے۔ جب امام حسینؓ مجبور ہو گئے۔ تو انہوں نے یزید کے پاس اس لئے جانے کا ذکر کیا۔ کہ وہاں دونوں کے درمیان فیصلہ ہو جائے گا۔ ہاتھ میں ہاتھ دینے سے بیعت کا کنایہ پیدا ہونا اس امر کی قطعی دلیل نہیں۔ کہ وہ یزید کی بیعت کے لئے تیار تھے۔ لیکن عباسی صاحب نے اپنی عادت کے مطابق یہاں بھی آدھی بات کہی۔ اور اپنے قارئین کو فریب دینے کی کوشش کی۔ کیونکہ طبری میں جہاں ہاتھ میں ہاتھ دینے کی روایت ہے۔ وہاں یہ بھی لکھا ہے۔ کہ دوسرے لوگ اس سے انکار کرتے ہیں۔ اور ساتھ ہی یہ روایت جو اس مسئلہ پر برہان قاطع ہے۔ موجود ہے۔

"ابو مخنف نے کہا کہ عبدالرحمٰن بن جندب نے مجھ کو بتایا۔ کہ عقبہ بن سمعان نے کہا کہ میں حسینؓ کے ساتھ ہی رہا۔ ان کے ساتھ مدینہ سے مکہ گیا اور مکہ سے اُن کے ساتھ عراق گیا۔ اور اُن کے قتل ہونے تک اُن سے جدا نہیں ہوا۔ اور انہوں نے لوگوں سے جو خطاب کئے۔ اُن میں سے ایک کلمہ بھی ایسا نہیں جو میں نے نہ سنا ہو۔ خواہ یہ خطاب مدینہ میں ہوا۔ یا مکہ میں۔ یا راستہ میں یا عراق میں۔ یا لشکر میں قتل کے دن تک۔ خدا کی قسم انہوں نے کبھی یہ نہیں کہا۔ جیسا بعض لوگ سمجھتے ہیں۔ کہ وہ اپنا ہاتھ یزید بن معاویہ کے ہاتھ میں دیدیں گے۔ یا یہ کہ وہ مسلمانوں کے کسی قلعہ میں چلے جائیں گے۔ بلکہ انہوں نے تو یہ کہا تھا۔ کہ میں اس وسیع زمین میں کہیں چلا جاؤں۔ یہاں تک کہ ہم دیکھ لیں کہ مسلمانوں کے اس مسئلہ کا انجام کیا ہوتا ہے۔ (طبری جلد ششم ص۲۳۵)

جس روایت کی بنیاد پر یہ کہا جاتا ہے کہ امام حسینؓ نے کہا۔ کہ میں اپنا ہاتھ یزید کے ہاتھ میں دیدوں۔ وہ بھی ابو مخنف ہی سے مروی ہے۔ اُس کو جس طرح روایت ملی۔ راویوں کے

نام کے ساتھ پیش کر دی۔

ایک اور بات یہ قابلِ ذکر ہے۔ کہ یزید کے ہاتھ میں ہاتھ دینے کی روایت محض ظن و گمان پر مبنی ہے۔ اس لئے کہ یہ بات روایت کے لحاظ سے امام حسینؓ نے عمر بن سعد سے اُس حالت میں کہی تھی۔ جب دونوں اکیلے تھے اور سب کو قریب سے ہٹا دیا گیا تھا۔ اُس کے بعد یہ افواہیں اڑیں کہ انہوں نے ایک چارۂ کار یہ بھی پیش کیا تھا۔ تاریخ طبری اور تاریخ ابنِ اثیر دونوں میں یہ صراحت ہے کہ یزید کے ہاتھ میں ہاتھ دینے کی بات علانیہ نہیں کہی تھی۔ تاریخ طبری سے یہ ضروری اقتباس پیش کیا جاتا ہے:۔

"حسین علیہ السلام نے عمرو بن قرظہ بن کعب انصاری کو عمر بن سعد کے پاس بھیجا کہ آج رات کو فوجوں کے درمیان ملاقات کرو۔ وہ بیس سوار لے کر آیا اور امام حسینؓ بھی بیس سوار لے کر آئے۔ پھر حسینؓ نے اپنے سواروں کو اور عمر بن سعد نے اپنے سواروں کو قریب سے دُور ہٹا دیا۔ جہاں وہ باتیں نہ سُن سکیں۔ دونوں کی باتیں بہت طویل ہوئیں۔ جس سے کافی رات گذر گئی۔ پھر دونوں اپنے اپنے سواروں کے ساتھ اپنے اپنے لشکر میں واپس چلے گئے۔ لوگوں نے اپنے اپنے وہم و گمان سے کہنا شروع کیا کہ حسینؓ نے عمر بن سعد کے سامنے یہ تجویز رکھی کہ تو میرے ساتھ یزید کے پاس چل۔ اور دونوں طرف کے لشکر یہیں رہ جائیں۔ عمر بن سعد نے کہا کہ اگر ایسا کروں تو میرا گھر تک کھود دیا جائے گا۔ اس پر امام حسینؓ نے کہا کہ میں دوسرا بنوا دوں گا۔ اس نے عذر کیا کہ میری تمام جائدادیں چھین جائیں گی۔ امام حسینؓ نے کہا کہ میں تجھے اس سے زیادہ قیمتی چیزیں دوں گا۔ جو حجاز میں ہیں۔ عمر بن سعد نے منظور نہیں کیا۔ پھر لوگوں میں اس گفتگو کا چرچا ہوا۔ بغیر اس کے کہ وہ جانتے ہوں۔ یا انہوں نے سنا ہو۔

قال فتحدث الناس بذالک وشاع فیھم من غیر ان یکونوا سمعوا من

ذالک شیئا ولا علموہ کہا ایس لوگ چہ میگوئیاں کرنے لگے اس گفتگو کے متعلق اور ان میں شائع ہوئیں۔ وہ باتیں جو انہوں نے سنی تھیں اور نہ ان کی بابت کچھ جانتے تھے۔

اس کے بعد ایک اور روایت ابو مخنف کی ہے۔ جس میں اس نے بعض راویوں کی سند پر یہ بتایا ہے۔ کہ یزید کے ہاتھ میں ہاتھ دوں۔ تاکہ میرے اور اس کے درمیان جو قضیہ ہے اس میں اس کی رائے معلوم ہو۔

واما ان اضع یدی فی ید یزید ابن معاویہ فیری فی ما بینی وبینہ رایہ میں اپنا ہاتھ یزید بن معاویہ کے ہاتھ میں دوں اور وہ غور کرے کہ میرے اور اس کے مابین قضیہ میں اس کی رائے کیا ہے۔

ان تمام روایتوں سے اندازہ ہوتا ہے۔ کہ امام حسینؓ نے یزید کی بیعت کا کوئی فیصلہ نہیں کیا تھا۔ اور یہ پروپیگنڈا بے بنیاد ہے کہ انہوں نے اپنے موقف کی غلطی کو تسلیم کر لیا تھا۔ اور یزید کی بیعت کے لئے تیار ہو گئے تھے۔

ابو مخنف کو یہ کہنا کہ وہ شیعہ راوی تھا۔ اور اس کی روایات قابلِ اعتماد نہیں ہیں۔ اور پھر اسی "شیعہ" راوی کی روایت پر اعتماد کر کے امام حسینؓ کی نسبت یہ کہنا کہ وہ یزید کی بیعت پر تیار ہو گئے تھے۔ بالکل غلط طریقہ ہے۔ ابو مخنف کے شیعہ ہونے کی کوئی دلیل نہیں۔ اس زمانہ میں شیعہ سنی کا فرق نہیں تھا۔

(یزید بن معاویہ ص ۱۲۶ تا ص ۱۴۳)

کیا فرزندِ رسولؐ کا دماغ صحیح نہیں تھا؟

حضرت امام حسین علیہ السلام قرآن وحدیث کی نصوص متواترہ کے اعتبار سے معصوم عن الخطا مسلمانوں کے دینی پیشوا تھے۔ اور آج تک مسلمان اُن کی عظمت کے آگے سر تسلیم خم کرتے نظر آتے ہیں۔ مگر عباسی صاحب نے ان کی شخصیت کو بہت ہی کم کر کے دکھانے کی کوشش کی ہے۔ جہاں انہوں نے یہ لکھا کہ آخر کار امام حسین علیہ السلام کو اپنی غلطی کا احساس ہو گیا تھا۔ اور وہ یزید کی بیعت کے لئے تیار ہو گئے تھے۔ وہاں اپنے استدلال کو مضبوط بنانے کے لئے یہ بھی لکھ دیا۔ کہ وہ صحیح دماغ کے مالک نہ تھے۔ اور ان کا دماغ مرض سرسام (ذات الجنب) یا ورم غشائے سینہ کی وجہ سے غور وفکر کے قابل نہ تھا۔ عباسی صاحب نے نہایت دبے الفاظ میں حسین علیہ السلام کے شرعی اقدام کو ہذیان پر محمول کیا ہے۔ ان کا خیال ہے کہ یزید کے بالمقابل حسینؑ کا میدان میں آنا اُن کا ایک جنون تھا۔ جو بغیر سوچے سمجھے ان کو میدانِ جنگ میں کشاں کشاں لے آیا۔ فاضل گوپا جہان آبادی عباسی کی اس عبارت کو ان الفاظ میں رد کرتے ہیں:۔

"حضرت امام حسینؑ کا عباسی صاحب کے نزدیک دماغ صحیح نہیں تھا۔ ورنہ وہ یزید کی مخالفت میں قدم نہ بڑھاتے۔

فرماتے ہیں کہ حضرت امام حسینؑ کو عارضہ برسام اپنے والد کی موجودگی ہی عراق میں عارض ہو گیا تھا۔ حاشیہ میں لکھتے ہیں کہ مامون الرشید عباسی کے مشہور عراقی طبیب علی بن العباس المجوسی لکھتے ہیں

(کامل الصناعۃ طبع مصر صـ۳۵۷)

کہ حجاب حاجز کے ورم کو برسام کہتے ہیں۔ اس ورم سے بالمشارکت دماغ

کو صدمہ پہنچتا ہے۔ اور ذہن میں اختلال واقع ہو جاتا ہے۔ (عباسی صاحب طب سے ناواقف ہونے کی وجہ سے اختلال ذہن کے بجائے ترجمہ میں اور اصل میں دونوں جگہ اختلاط ذہن لکھ گئے ہیں۔ اختلاط کے یہاں کوئی معنی ہی نہیں ہیں۔ لفظ اختلاط کے شمول سے عبارت کا مفہوم خبط ہو جاتا ہے)
نہیں معلوم یہ ذرا سی بات معلوم کرنے کے لئے کہ برسام کی طب میں تعریف کیا ہے۔
کیوں آج سے سات آٹھ سو برس پہلے پہنچے۔ ہر معمولی طبیب جانتا ہے۔ ہر معمولی طب کی کتاب میں اور طبی لغات میں برسام کے معنی ذات الجنب کے لکھے ہیں۔ ذات الجنب ورم غشائی کو کہتے ہیں۔ جو پھیپھڑوں سے متصل جھلی ہے۔ اس میں ورم آ جاتا ہے۔ اُسی کو پسلی کا عارضہ بچوں میں کہتے ہیں۔ یہ کوئی دماغی عارضہ نہیں ہے۔ ویسے ہر جسمانی تکلیف سے دماغ عارضی طور پر متاثر ہوتا ہے۔ مگر انہیں تو اس تمہید سے کچھ اور نتیجہ نکالنا تھا۔ کہتے ہیں۔ کہ اس عارضہ کے اثر سے ان کی زبان اور آلات تکلم (اعصاب معاون تکلم کہنا چاہئے تھا۔) متاثر تھے۔ درپردہ عباسی صاحب کو کہنا یہ تھا۔ کہ امام حسینؑ کا دماغ متاثر تھا اعصاب معاون تکلم و زبان کے افعال میں نقص تو ایک محدود قسم کا (Locae L) فالج ہوتا ہے۔ جس کا ذات الجنب سے کوئی تعلق نہیں، ہو سکتا ہے کہ اس کا اثر اتنا دماغ پر ہو۔ کہ دماغ کے افعال میں اختلال پیدا ہو جائے گھما پھرا کے دبے الفاظ میں عباسی صاحب کہنا یہی چاہتے ہیں۔ کہ امام حسینؑ صحیح الدماغ نہیں تھے۔ بریں عقل و دانش ۔۔۔۔ (تواریخ المعادیہ ص۱۱۸ تا ۱۱۰)

کردار عمر بن سعد

قاتلانِ حسین علیہ السلام کے محبوب مداح محمود عباسی نے جس طرح یزید اور ابن زیاد ملعون کو قتلِ حسین سے بری قرار دیا ہے اور کہا کہ ان کا کوئی مطلق قصور نہ تھا۔ اسی طرح کربلا کے یزیدی جرنیل عمر بن سعد کے متعلق بھی لکھا کہ وہ ثقہ راوی تھا اور کربلا کے معاملات کو بڑی حد تک اس نے سلجھانے کی کوشش کی۔ مگر ابن زیاد، مسلم اور کوفی ساتھیوں کی حرکت سے یہ معاملہ طے نہ ہو سکا۔ مورخین اہل سنت پر اتہام لگایا۔ کہ عمر

بن سعد کے متعلق یہ جو مشہور ہے۔ کہ اس نے ملک رے کے لالچ میں فرزندِ رسولؐ کو قتل کیا۔ یہ سب غلط ہے۔ اور بے اصل واقعات ہیں۔

(خلافت معاویہ و یزید ص۲۰۸ تا ص۲۲۴)

عمر بن سعد کے خیالات جو قتل حسینؓ اور ملک رے کی خواہش میں اس سے ظاہر ہوئے۔ ہم مقتل ابو اسحٰق اسفرائنی کے حوالہ سے نقل کرتے ہیں۔ یاد رہے کہ اسفرائنی کے متعلق پہلے ہم علامہ شبلی کے قلم سے توثیق کر چکے ہیں۔ کہ وہ اہل سنت حضرات کا مسلم امام اور پیشوا ہے۔ چنانچہ وہ ارشاد فرماتے ہیں۔

حر بن یزید الریاحی کا خط پاکر ابن زیاد نے کوفہ میں منادی کرا دی۔ کہ جو شخص امام حسین علیہ السلام کا سر لائے گا اس کو میں دس برس کے لئے ملک رے دیدونگا۔ اور ایسی ہی منادی شہر بصرہ میں بھی ہو گئی۔ عمر بن سعد ابن زیاد کے پاس آیا۔ اور کہا کہ میں جناب امام حسین علیہ السلام کا سر لاؤں گا۔ ابن زیاد نے کہا کہ بہتر ہے۔ جاؤ امام حسین علیہ السلام پر پانی بند کرو۔ اور ان کا سر میرے پاس لاؤ۔ اس نے کہا کہ قبول کیا۔ پس اس وقت اس نے ایک علم کھڑا کیا اور چھ ہزار آدمی ساتھ لے کر کربلا کو روانہ ہونے کے لئے تیار ہوا۔ پس عمر ابن سعد اپنے گھر آیا۔ اور تو اس کے بعد مہاجرین اور انصار کی اولاد آئی۔ اور اس سے کہا کہ افسوس ہے تجھ پر اے عمر تو ہرگز امام حسین سے لڑنے نہ جا۔ اس نے کہا اچھا میں ایسا نہ کروں گا۔ اس کے بعد ملک رے کی طمع اور حضرت امام حسینؓ کی لڑائی میں متفکر ہو کر سوچتا رہا۔ جب اس کے پس و پیش کی خبر ابن زیاد کو پہنچی۔ اس نے عمر بن سعد کو بلا کر سرزنش کی۔ آخر کار اس نے ملک رے کو اختیار کیا اور اپنی تشویش کے اظہار میں چند شعر نظم کئے جن کا ترجمہ یہ ہے۔

خدا کی قسم متفکر اور متامل ہوں۔ اور کچھ نہیں جانتا ہوں دو بڑے امور

ہیں آیا ملک رے کو ترک کر دوں۔ اور اپنی تمنا کو چھوڑ دوں۔ یا حسین علیہ السلام کے قتل کرنے کا گنہگار رہوں۔ پس اگر انہوں نے سچ کہا جو یہ کہتے ہیں کہ توبہ قبول ہو جاتی ہے۔ تو میں توبہ کر لوں گا۔ خدا سے اگرچہ بڑی ہی توبہ ہو گی۔ اور اگر وہ جھوٹے ہیں۔ پس میں دنیائے دنی میں کامیاب رہا۔ اور ملک عقیم ہے وہ کسی کا پاس و لحاظ کرتا ہی نہیں۔ خبردار ہو کہ دنیا ایک خوبی معجل ہے۔ یعنی نقد اور کوئی عاقل ایسا نہیں ہوتا۔ جو موجود کو قرض کے عوض فروخت کرے۔ اگر میں اس کو قتل بھی کر دوں گا۔ تو اپنے خیالات میں تو کامیاب ہو جاؤں گا۔ اور دوسرے عالم میں کچھ بھگتنا بھگت لوں گا۔ لیکن پھر پروردگار عرش میری اس خطا کو بخش دے گا۔ اگرچہ میں کل جن وانس میں سب سے زیادہ خطا وار ہی کیوں نہ ہوں۔ شاہ عبد العزیز دہلوی نے بھی عمر بن سعد کے متعلق ملک رے کا اختیار کرنا اور قتل حسین کا ذمہ اٹھانا تحریر فرمایا ہے۔

(سر الشہادتین مترجم صفحہ ۱۹ ترجمہ مقتل ابو اسحٰق اسفرائنی مطبوعہ بنارس)

یہ ہے عمر ابن سعد ملعون کا کردار بد جو محض زخارف دنیائے دوں کے حاصل کرنے میں فرزند رسولؐ کا سر کاٹنے کو تیار ہو رہا ہے۔ اور اس پر بھی اللہ سے مغفرت کی امید رکھتا ہے۔

عباسی صاحب نے عمر بن سعد کی وکالت کرتے ہوئے لکھا ہے۔ کہ اس کو ملک رے اتنا عزیز تھا تو بعد فراغت قتل حسینؑ اس نے ملک رے حاصل کیوں نہ کیا؟ ہم ان کی خدمت گذارش کرتے ہیں۔ کہ ملک رے کا دینا یا نہ دینا تو یزید یا ابن زیاد کے بس کا روگ تھا ہمیں اس سے کیا واسطہ۔ میرے خیال میں تو یہ حضرت سید الشہداء کی بد دعا کا نتیجہ تھا جو حضرت نے عمر بن سعد سے ملاقات کے سلسلہ میں فرمائی تھی۔ کہ اے عمر رے کی گندم تجھے نصیب نہ ہو گی۔ چنانچہ یہی ہوا کہ وہ ملعون خسر الدنیا والآخرۃ کا مصداق ہو گیا۔

نیز ہمارے مخالف نے یہ بھی بیان کیا ہے۔ کہ عمر مذکور احادیث کا راوی ہے اور ثقہ تابعی

ہے۔ ہم کتاب کے اوائل میں یہ ثابت کر چکے ہیں کہ عداوت اور بغض اہل بیت اہل سنّت حضرات کے نزدیک صحتِ روایات کے لئے موجب قدح ہے۔ لہٰذا ان کی روایات پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا۔ علامہ ذہبی جیسے نا قد رجال سنی امام و عالم نے عمر ابن سعد کے تذکرے میں لکھا ہے۔ کہ عمر ابن سعد اگرچہ فی نفسہٖ غیر متہم تھا۔ مگر چونکہ وہ قتل حسین میں شریک تھا۔ لہٰذا ثقہ نہ رہا۔ (میزان الاعتدال جلد ۲ ص۲۵۸)

مروان اور اہلبیتؑ

عباسی صاحب مروان جیسے ملعون کی محبت میں گرفتار ہو کر ان کی بھی تعریف کرتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ وہ صحابی تھا۔ اہل بیت سے محبت کرتا تھا۔ اس نے ایک دفعہ امام زین العابدین علیہ السلام کو ایک لاکھ روپیہ قرضہ دیا۔ اور پھر معاف بھی کر دیا۔ نیز یہ بھی لکھا کہ مروان قریش کے سرداروں اور فضلاء میں سے تھا۔ متعدد مرتبہ عامل مدینہ رہا۔ امام حسنؑ و حسینؑ اس کی امامت میں نمازیں پڑھتے۔ (خلافت معاویہ و یزید ص۲۲۵)

مروان ملعون کے متعلق آج تک کسی مسلمان نے ایسا نہ لکھا تھا۔ جیسا کہ عباسی صاحب اس کے بارے میں تحریر کرتے ہیں۔ مروان کی اہلبیت نبیؐ کے ساتھ عداوت اور دشمنی مشہور اور متواتر ہے۔ ایک دفعہ جناب رسول خدا نے حکم پسر ابو العاص کی اولاد کو منبر پر اچکتے اور بندروں کی طرح ناچتے دیکھا۔ آنحضرتؐ کو یہ بات اس حد تک ناگوار گذری کہ اس کے بعد کسی شخص نے آنجنابؐ کو ہنستے نہیں دیکھا۔ ملاحظہ ہو تاریخ الخلفاء ص۹۔ اس آیت کی تفسیر مثل دوسری تفاسیر کے۔ تفسیر کبیر جلد ۵ ص۶۰۹ میں بھی ہے۔

اسی مروان نے امام حسن علیہ السلام کو روضۂ رسولؐ میں دفن ہونے سے روک دیا تھا۔

(صواعق محرقہ ص۱۲۸)

مروج الذہب مسعودی جلد ۲ ص۲۲۳ میں مروان کو طرید رسولؐ لکھا ہے۔ اور حضور نے اس کو مدینہ سے باہر رکھا۔ مگر حضرت عثمان نے بوجہ اموی ہونے کے اسے پھر بلا لیا حتیٰ کہ اپنی لڑکی بھی نکاح میں دے دی۔ حضرت عثمان کا قتل بھی اسی اموی مکار کی مکاریوں کا نتیجہ ہے۔ دینِ رسولؐ کے ساتھ جو اس نے مذاق کیا۔ وہ تاریخ جانتی ہے۔ عثمان کے بعد حضرت امیر علیہ السلام کو اس نے خلیفہ تسلیم نہیں کیا۔ حضرت امیر علیہ السلام فرمایا کرتے۔ کہ اس کی کفو یہودیہ ہے۔ اگر اس نے میری بیعت کر بھی لی۔ تو خبیث باطنی کی وجہ سے ضرور دغا دے گا۔ یہ ایسا خبیث تھا کہ معاویہ کے زمانہ میں جب وہ مدینہ میں گورنر تھا۔ تو اعلانیہ منبر نبوی پر بیٹھ کر جناب امام حسنؑ کو گالیاں دیتا۔ یہاں تک کہ جناب زہرا علیہا السلام کے حق میں بھی گستاخیاں کرتا۔ حضرت امام حسن علیہ السلام کو شہید کرنے میں اس کا ہاتھ تھا۔ اور جب امام حسین علیہ السلام گورنر مدینہ ولید کے پاس سے جانے لگے۔ تو اس وقت بھی اس نے حضرت حسینؑ کے قتل کا اشارہ کیا تھا۔ غرضیکہ خاندان اہل بیت کی ہر فرد کو اس نے اذیت پہنچائی۔ بھلا عقلِ سلیم کیسے باور کر سکتی ہے۔ کہ امام زین العابدین علیہ السلام سے یہ محبت سے پیش آئے۔ اور ایک لاکھ روپیہ قرض دے یا بنو ہاشم نے ان کے ساتھ رشتہ داریاں قائم کریں۔ علامہ وحید الزمان حیدر آبادی مشرب الوردی جلد ۵ ص۱۷۱ میں مروان ملعون کو اہل بیت کا سخت دشمن تحریر کرتے ہیں۔

مروان ملعون کے متعلق حضرت شاہ عبد العزیز دہلوی یوں تحریر فرماتے ہیں:۔

"آنکہ مروان علیہ اللعن را بد گفتن و بدل از و بیزار بودن خصوصاً در سلوکے کہ با حضرت حسینؑ و اہل بیت می نمودند و عداوتِ مستقرہ از آں بزرگواراں در دل داشت از لوازم سنّت و محبّت اہل بیت است کہ از جملہ فرائض ایمان است (فتاویٰ عزیزی فارسی جلد ۱ ص۱۳۵)

(ترجمہ) مروان علیہ اللعن کو برا کہنا اور دل سے اس بیزار رہنا خصوصاً جو سلوک

اس نے حضرت امام حسینؓ و دیگر اہل بیت علیہم السلام کے ساتھ کیا یا جو دشمنی وہ ان بزرگوں سے دل میں رکھتا تھا۔ لوازم سنت اور محبت اہل بیت میں سے ہے کیونکہ یہ باتیں ایمان کے فرائض میں سے ہیں۔

نیز تحفہ اثنا عشریہ ص۔۔۔ میں حضرت شاہ صاحب نے مروان کو منجملہ نواصب بلکہ ان کا رئیس تحریر کیا ہے۔ "دے از جملہ نواصب است بلکہ رئیس آں گروہ شقاوت پژدہ بود" غرضیکہ یہ ملعون ہر طرح سے بدباطن دشمن اہلبیت گوناگوں خباثتوں کا مجسمہ تھا۔ اہل سنت کے فرقہ کے آج تک کسی عالم نے اس کی تعریف نہیں کی۔ چونکہ عباسی صاحب اموی المسلک ہیں۔ لہٰذا ان کا حق ہے کہ وہ اپنے پیشوا کی تعریف کریں۔ اللہ تعالیٰ انہیں مروان کے ساتھ ہی محشور کرے۔

اُموی اور ہاشمی رشتے

محمود عباسی نے جہاں اور تاریخی حقائق سے اغماض کر کے اہل بیتِ عظام کے خلاف اپنی خبثِ باطنی کا ثبوت دیا۔ اور جن کی حقیقت کو ہم نے سابقہ اوراق میں نہایت وضاحت کے ساتھ بیان کر دیا ہے۔ وہاں اموی بانکے جذبہ اس نے یہ بھی ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ کربلا و صفین کی خانہ جنگیاں ایک سیاسی پروپیگنڈا کے ماتحت تھیں۔ کوئی دینی جذبہ ان میں کارفرما نہ تھا۔ بلکہ یہ حروب سبائیوں اور کوفیوں کی ریشہ دوانیوں کا نتیجہ تھیں۔ خود اموی اور ہاشمی تعلقات ویسے کے ویسے ہی برقرار رہے۔ جس طرح کربلا کے پہلے بنو ہاشم کی لڑکیاں اموی گھرانوں میں تھیں اسی طرح کربلا و صفین کے بعد کے بعد اکثر امام زادیاں سفیانیوں اور مروانیوں کی تزویج میں تھیں۔ چنانچہ اس سلسلہ میں ان کی اپنی عبارت ملاحظہ ہو۔

"صفین و کربلا کے بعد کی یہ قرابتیں اور ان کی تفصیلات ان لوگوں کے اس

دعوت کے ابطال کے سلسلے میں کافی ہیں۔ ہاشمی و اموی زوجین کے لئے یہ رشتے اور ان کی طرح اور رشتے جن کی تفصیلات راقم الحروف کی دوسری تالیف میں پیش کی گئی ہیں۔ مبارک ثابت ہوئے۔ اولادیں ہوئیں، نسلیں چلیں، عثمانی و سفیانی و مروانی گھرانوں میں علوی و حسنی و حسینی نواسے، نواسی اور حسنی و حسینی گھرانوں میں اموی و مروانی نواسے، نواسی صفین و کربلا کے بعد پیدا ہوتے، بڑھتے، پھلتے پھولتے رہے۔

(خلافت معاویہ و یزید ص۲۶۲)

ہم اپنی کتاب کے گذشتہ عنوانوں کے ماتحت امویوں، سفیانیوں اور مروانیوں کے حالات سے پردہ ہٹا چکے ہیں۔ اہل بیت عظام سے ان کی دشمنی اور عداوت تواتر کے ساتھ ثابت کر چکے ہیں۔ خدا اور رسولؐ اور ائمہ اہل بیت کے عقیدہ کے مطابق ان کا کفر اور ان پر لعنت کا جواز قطعی طور پر پیش کر چکے ہیں۔ بھلا ان حالات اور ایسے عداوت کے دور میں کوئی عقلمند یہ کیوں کر تصور کر سکتا ہے۔ کہ ہاشمی گھرانوں خصوصاً علوی خانوادوں کی عورتیں دشمنانِ دین کے گھروں میں بیاہی جائیں۔ نہج البلاغہ میں امویوں اور مروانیوں کے متعلق حضرت امیر علیہ السلام نے جن خیالات کا اظہار کیا ہے۔ ان سے بخوبی اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ کہ حضرات اہل بیت کے تعلقات ان دشمنانِ خدا اور رسولؐ سے اچھے نہ تھے۔ حضرت امیر علیہ السلام اپنے ایک خطبہ میں ارشاد فرماتے ہیں:۔

"یہ بنو امیہ تو خالی دولت پر ٹوٹ پڑے۔ اور حرام باتوں پر ایک دوسرے پر ٹوٹ پڑے۔ ان کے لئے جنت و دوزخ کی نشانیاں نمایاں ہو چکی ہیں انہوں نے جنت کی طرف سے منہ پھیر لیا ہے۔ اور اپنے اعمال درشت کے ساتھ دوزخ کی طرف متوجہ ہو گئے۔ جب ان کے رب نے انہیں پکارا تو یہ بھاگ کھڑے ہوئے۔ اور جب شیطان نے انہیں دعوت دی۔ تو انہوں

نے اس کی دعوت کو قبول کر لیا۔ اور اسی کی جانب متوجہ ہو گئے۔

(نہج البلاغہ مترجم مطبوعہ غلام علی اینڈ سنز لاہور ص ۲۸۵ خطبہ ۱۴۲)

(۱) جن امویوں کے متعلق قرآن میں انکو شجرۂ ملعونہ سے تعبیر کیا گیا ہو۔

(۲) جن کو اپنے منبر پر بندروں کی طرح ناچتا دیکھ کر رسولؐ خدا مغموم ہوئے اور مرتے دم تک نہ ہنسے۔

(۳) جن لوگوں نے حضرت امیر علیہ السلام سے بہتّر لڑائیاں کی ہوں۔

(۴) جن لوگوں نے سبط اکبر جناب امام حسن علیہ السلام کو شہید کر دیا ہو۔

(۵)۔ جنہوں نے سبط اصغرؑ کو میدان کربلا میں بے دریغ معہ اہل بیتؑ کے تہ تیغ کر دیا ہو۔

(۶) جنہوں نے فرزند رسولؐ کو اپنے پہلو میں دفن ہونے سے روک دیا ہو۔

(۷) جن لوگوں نے بر سر منبر تمام ملک میں اہل بیت پر سب و شتم کر دیا ہو۔ جن لوگوں کے متعلق حضرت علی علیہ السلام کا وہ نظریہ ہو جو مذکورہ خطبہ میں بیان کیا گیا ہے۔ کیا کوئی با ایمان شخص ایسے لوگوں کے متعلق یہ خیال کر سکتا ہے۔ کہ اہل بیت عظام کی عورتیں نعوذ باللہ پھر انہی فاسقوں کے گھروں میں جائیں۔ کیا خاندانِ رسالت کی معاشرت ایسی داغدار ہے کہ وہ نیکوں سے قطع تعلق کر کے بدوں کے ساتھ میل ملاپ کریں؟

نعوذ باللہ من ذالک

عباسی صاحب نے ان مفروضہ قرابتوں اور رشتہ داریوں کی سند دشمنانِ اہل بیت کی کتابوں پر رکھی ہے۔ اور پچانوے فی صدی جس کتاب سے استفادہ کیا ہے۔ وہ ابنِ حزم کی جمہرۃ النساب ہے۔ ابن حزم ایسا خارجی اور ناصبی تھا۔ کہ حضرت امیر علیہ السلام کے قاتل کو بھی مجتہد خیال کرتا۔

ہم اپنے سلسلۂ بیان کے ابتداء میں ابنِ حزم کے متعلق ثابت کر چکے ہیں کہ وہ ائمہ کبار خصوصاً اہل بیت نبوی پر بہتان باندھنے میں جرأت سے کام لیتا تھا۔ لہٰذا ایسے مخالف عترت

انسان کے بیان پر مسلمان اعتماد نہیں کر سکتے۔ اگر عباسی صاحب اس کو تسلیم کریں تو عجب نہیں کیونکہ وہ اور یہ دونوں ہم مشرب و ہم پیالہ ہیں۔

اب ہم ذیل میں فقط بنو ہاشم کی ایک خاتون کا واقعہ پیش کر کے حقیقت کا انکشاف کرتے ہیں۔ علامہ مجلسیؒ اور صاحب کامل المبرد فرماتے ہیں:-

معاویہ نے مروان کو جو اس وقت حجاز میں گورنر تھا۔ لکھا کہ ام کلثوم دختر عبداللہ بن جعفر کی خواستگاری یزید کے لئے کرو۔ جب مروان نے عبداللہ بن جعفر سے اُم کلثوم کی خواستگاری کی۔ تو عبداللہ نے کہا ہمارے بزرگ خاندان حضرت امام حسینؑ ہیں۔ اور وہ اس لڑکی کے ماموں بھی ہیں۔ جب وہ بول گے ان سے کہنا جیسا کہ وہ کریں گے مناسب ہو گا۔ حضرت امام حسینؑ کو اس بات کی خبر پہنچی۔ تو حضرت نے دعا مانگی۔ کہ اے خداوند اس لڑکی کے لئے آلِ محمدؐ میں سے کسی کو پسند فرما۔ جب لوگ مسجد میں جمع ہوئے تو مروان شاہی زیب و زینت سے حضرت امام حسین علیہ السلام کے پاس بیٹھ گیا۔ اور کہا کہ مجھے معاویہ نے حکم دیا ہے۔ کہ میں دخترِ عبداللہ بن جعفر کی خواستگاری اس کے بیٹے یزید کے لئے کروں۔ جو مہر کہ اس کا باپ چاہے گا دے دیا جائیگا نیز ان کا قرضہ بھی ادا کر دیا جائے گا۔ اور یہ دو قبیلوں کے درمیان صلح کا سبب بھی ہو گا۔ نیز یہ رشتہ تمہارے لئے موجب فخر ہو گا۔ میں تعجب کرتا ہوں کہ یزید کس طرح مہر ادا کرے گا۔ اور یزید کی ایسی کفو ہے۔ کہ اس تک کوئی نہیں پہنچ سکتا۔ اے ابا عبداللہ نیک جواب دینا۔ جب اس کی بات ختم ہوئی۔ تو حضرت امام حسین علیہ السلام نے حمد و ثنا کے بعد فرمایا۔ اے مروان جو باتیں تو نے کہی ہیں۔ وہ ہم نے سن لی ہیں۔ مہر کے متعلق جو تو نے کہا ہے جو اس کا باپ مقرر کرے گا۔ ادا کیا جائے گا۔ میں خدا کی قسم

کھا کر کہتا ہوں۔ کہ اگر ہم اس بات پر راضی ہو جائیں تو بھی پانصد درہم سے زیادہ جو سنّت رسولؐ ہے ہم نہیں دیں گے۔ اور تو نے جو یہ کہا ہے کہ اس کے باپ کا قرضہ اتار دیا جائے گا۔ یہ بات کب مشہور ہے کہ ہماری عورتیں ہمارا قرضہ ادا کرتی ہیں۔ اور یہ جو تو نے کہا ہے کہ ان دو قبیلوں میں صلح ہو جائے گی۔ ہم تمہارے ساتھ خدا کے لئے دشمنی کرتے ہیں۔ لہٰذا دنیا میں ہم تمہارے ساتھ صلح نہیں کریں گے۔

نسبی قرابت جب ان دو قبیلوں میں صلح نہیں کرا سکی تو سببی قرابت کیسے صلح کرا سکتی ہے۔ یہ جو تو نے کہا کہ یزید مہر ادا کرتا ہے۔ تو مہر ادا اُس نے کیا۔ جو یزید اور اس کے جدّ سے بہتر تھا۔ اور یہ جو تو نے کہا ہے کہ یزید ایسی کفو ہے کہ اس کا ہمسر کوئی نہیں ہے۔ تو جو شخص اس سے پیشتر اس کی کفو تھا۔ اب وہی اس کی کفو ہے۔ اور اس کے باپ کا ظلم و ستم سے بادشاہی لے لینا اس کے لئے موجب شرافت نہیں ہو سکتا۔ اور یہ جو تو نے کہا ہے کہ یہ رشتہ ہمارے لئے باعثِ فخر ہوگا۔ یہ بات جہلا کے نزدیک تو ہو سکتی ہے۔ مگر اہل عقل جانتے ہیں کہ یہ رشتہ اس کے لئے فخر ہے۔ نہ کہ ہمارے لئے۔ اس کے بعد حضرت امامؑ نے حاضرین کو مخاطب ہو کر فرمایا۔ کہ اے گروہ حاضرین تم گواہ رہنا۔ کہ میں نے ام کلثوم بنتِ عبداللہ بن جعفر کا نکاح اس کے ابن عم قاسم بن محمد جعفر کے ساتھ پانچ صد درہم مہر پر کر دیا ہے۔ اور میں نے اس لڑکی کو اپنی کھیتی جو مدینہ میں ہے۔ بخش دی ہے۔ جس کی سالانہ آمدنی آٹھ ہزار دینار ہے۔ یہ ان کے خرچ کے لئے کافی ہے۔ جب مروان نے یہ بات سنی تو اس کا رنگ متغیر ہو گیا اور کہا کہ اے بنی ہاشم تم نے میرے ساتھ فریب کیا۔ اور اپنی عداوت سے ہاتھ نہ اٹھایا۔ (کامل المبرد باب الخوارج جلد ۲ ص ۱۴۹ مطبوعہ لاہور جلاء العیون ص ۳۳۶)

علامہ مجلسی علیہ الرحمۃ کے بیان سے ثابت ہوتا ہے۔ کہ حضرت امام حسین علیہ السلام سے پہلے بھی کسی بنو ہاشم نے امویوں کو رشتہ نہیں دیا۔ اور نہ کوئی علوی دختر مروانیوں کے ہاں گئی۔ کیونکہ اگر ایسا ہوتا۔ تو حضرت امام حسین علیہ السلام اپنی بھانجی کو یزید کے ساتھ بیاہ دینے سے عار نہ سمجھتے۔ نیز حضرت امام حسین علیہ السلام کے بعد بھی کسی ہاشمی عورت کا نکاح امویوں سے نہیں ہوا۔ کیونکہ بعد والے علوی و فاطمی بزرگ اپنی جدِ اطہر کی سنت کے خلاف ایسا نہیں کر سکتے تھے۔ یہ محض عباسی اور ابنِ حزم وغیرہ ایسے دشمنانِ اہلبیت کا غلط پروپیگنڈا ہے۔ اور ان کا مقصد صرف اہلبیتؑ عظام کی معاشرت اور دینی پوزیشن کو داغدار کرنا ہے۔ مگر حق انشاء اللہ ضرور ہی واضح اور غالب ہو کے رہے گا۔

کیا مظالمِ کربلا کی روایات فرضی ہیں؟

اموی و ہاشمی قرابتوں کا تذکرہ کرنے کے بعد محمود عباسی مظالمِ کربلا کی روایات کو فرضی اور موضوع قرار دیتے ہوئے اموّیت نوازی کا یوں حق ادا کرتے ہیں۔

"مظالمِ کربلا کی اگر کچھ بھی اصلیت ہوتی تو یہ کیونکر ممکن ہو سکتا تھا۔ کہ کربلا کے بعد بھی یہ ہاشمیہ و علویہ و حسینیہ خواتین اسی خاندان میں اور ان ہی امویوں اور سفیانیوں کو بیاہی جاتیں۔ اور ان ہی کی شریکِ زندگی بنتیں۔ پھر سکتے ہیں۔ ان ہاشمیہ و علویہ و حسنیہ خواتین کے قریبی عزیزوں کو ان کے باپ دادا کو ان کے تایا چچا کو ایک ایک بوند پانی سے تڑپا تڑپا کر پیاسا مارا ہو۔ بھیانک سے بھیانک مظالم توڑ کر قتل کرایا ہو۔ ان ہی خواتین کی دادیوں۔ نانیوں کو خاندان رسالتؐ کی مخدرات پردۂ عصمت و عفاف کو بے پردہ اور مکشوف الوجوہ پھیر دایا ہو۔ مقتولین کے سر کٹوائے ہوں۔ ان کو تشہیر کر دا کر اپنے پاس منگوایا ہو۔ ان بے جانوں کے ہونٹوں اور دانتوں پر چھڑیاں ماری ہوں۔ ان کے سروں کو خزانے

کے صندوقوں میں بند کر کے رکھا ہو۔ نعشوں کی اس درجہ بے حرمتی کروائی ہو۔ کہ گھوڑوں کی ٹاپوں سے سینہ دپشت چکنا چور کرا کے بے گور و کفن ڈلوادیا ہو۔ پس ماندگان کو لٹوا کر قیدیوں کی طرح تشہیر کروائی ہو۔ غرضیکہ درندگی اور بہیمیت کا کوئی دقیقہ باقی نہ چھوڑا ہو۔"

(خلاف معاویہ و یزید صـ۲۶۳)

مخالف حضرت عباسی صاحب نے مظالم کربلا کا انکار محض اس بنا پر کیا ہے کہ ہاشمیوں اور امویوں کی قرابتوں اور رشتہ داریوں کے ہوتے ہوئے یہ مظالم ناممکن الوقوع ہیں۔ نیز اگر مظالم ہوتے تو کربلا کے بعد ہاشمی عورتیں امویوں کے گھروں میں نہ جاتیں۔ مگر ان کا یہ فرضی استدلال تارِ عنکبوت سے بھی زیادہ کمزور ہے۔ رشتہ داریوں کے متعلق تو ہم نے اپنے سلسلہ بیان میں ثابت کر دیا ہے۔ کہ یہ سب فرضی قصے ہیں۔ دشمنانِ اہل بیت نے ان داستانوں کو وضع کر کے اموبت کے کردار بد کو صاف کرنے کی سعی لاحاصل کی ہے۔ جب ان قرابتوں کا وجود ہی ثابت نہیں تو پھر یہ مظالم کیسے ناممکن خیال کئے جا سکتے ہیں۔ جبکہ اسلامی تاریخ کے اوراق بھی ان مظالم کے صدور پر شاہد عادل ہیں۔ تمام مورخین اسلام مثل طبری، ابوالفداء، ابن کثیر، مسعودی، ابن اثیر، ابن حجر، دمیری، احسین دیاربکری، ابی مخنف، اسفرائنی وغیرہ کے پیش کردہ تفصیلی واقعات کو اگر یکسر موضوع اور غلط قرار دے دیا جائے۔ تو تاریخ اسلام کا کوئی واقعہ ثابت نہیں ہو سکتا۔ غزواتِ نبی۔ حضراتِ ثلاثہ کی فتوحات اور امویوں کے زمانہ کے حالات سب انہی مورخین کی روایات سے ثابت ہوتے ہیں۔ اگر کسی شخصیت کی ناجائز پاسداری کرتے ہوئے بعض واقعات کو تو تسلیم کر لیا جائے۔ اور اس کے تاریک پہلو کی روایات کو غلط سمجھ لیا جائے تو یہ بات اہلِ دیانت کے قابلِ مسموع نہیں ہو سکتی۔ عباسی صاحب اگر ایسا کریں تو عجب نہیں۔ کیونکہ انہوں نے تو ہر حال میں اموبت نوازی سے کام لینا ہے۔

گوناگوں مظالم کی روایات اگرچہ تاریخ کی تمام کتابوں میں ملتی ہیں۔ تاہم ناظرین کے اطمینان کے لئے صرف چند ایک مؤرخین اور محققین کے بیانات کو قلمبند کیا جاتا ہے۔ تاکہ یقین

سو جائے کہ منع آب لوٹ مار، پامالی لاشہائے شہداء اور غارت گری خیام وغیرہ کے واقعات صحیح ہیں۔

واقعات شہادت

امام ابو اسحٰق اسفرائنی لکھتے ہیں :۔

شمر لعین سے جناب امام حسین علیہ السلام نے فرمایا کہ میرا قتل کرنا ہی تجھ کو منظور ہے۔ تو مجھ کو ایک گھونٹ پانی کا پلا دے۔ اس شقی نے کہا۔ کہ بہت بعید ہے کہ آپ کو پانی پلا دوں۔ اب تو آپ چار و ناچار شربت مرگ پئیں گے۔ حضرت نے فرمایا۔ کہ خیر تو اپنے کپڑے کو اٹھا اور اپنے سینہ کو کھول کر مجھے دکھا۔ کھولا تو معلوم ہوا۔ کہ وہ مبروص ہے۔ اور مثل کتے کے داغدار ہے اور بال اس کے خنزیر کے سے ہیں۔ یہ دیکھ کر امام عالیمقام نے فرمایا اللہ اکبر۔ سچ ہے میرے جد بزرگوار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحیح فرمایا ہے۔ شمر نے پوچھا کیا کہا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ انہوں نے ارشاد کیا تھا کہ اے حسینؑ۔ تجھے ایک ایسا شخص قتل کرے گا۔ جس کے اوصاف کتے اور سؤر کے سے ہوں گے۔ شمر نے کہا کہ آپ مجھے سگ و خوک سے تشبیہ دیتے ہیں۔ قسم خدا کی اے حسینؑ میں تمہیں اب بُری طرح قتل کروں گا۔ حالانکہ میں جانتا ہوں کہ کوئی مسلمان ایسا نہیں کہ رسولؐ اس کی شفاعت نہ کرے سوائے میرے۔ بعد اس کے ملعون نے گلوئے مبارک پر چند بار اپنی تلوار کے رگڑے دیئے مگر گلوئے مبارک نہ کٹا۔ آپ نے فرمایا کہ خدا کی قسم تیری تلوار اس جگہ کو قطع نہیں کر سکتی۔ جس جگہ پر خدا کی تسبیح جاری ہے۔ پس اس ملعون نے آپ کو الٹ دیا۔ اور جب وہ شقی سر مبارک کو جدا کرتا تھا تو یہ شعر پڑھتا تھا۔

آج میں آپ کو قتل کرتا ہوں۔ حالانکہ نفس میرا یقین کے ساتھ خوب آگاہ ہے۔ آپ کے والد بزرگوار سب انسانوں سے افضل تھے۔ اور وہ نبی مکرمؐ کے داماد ہیں۔ تاہم میں آج آپ کو قتل کرتا ہوں۔ اگرچہ فوراً اس کے بعد نادم ہوں گا۔ اور بے شک اس کے بعد میں جہنم میں جاؤں گا۔ بعد اس کے اس شقی نے آپ کے سر مبارک کو جدا کیا۔ اور نیزہ پر چڑھا کر خولی ملعون کو دیا۔ اس

شقی نے اور تمام لشکرِ شام نے تین بار تکبیر کہی۔ اس وقت زمین میں زلزلہ ہو گیا۔ اور مشرق و مغرب میں تاریکی چھا گئی۔ اور بجلیاں کوندنے لگیں منادی آسمان سے ندا کرتا تھا۔ کہ امام ابن امام اور ابو الائمہ قتل ہو گیا۔ (مقتل ابو اسحق اسفرائنی ص ۱۲۷)

لوٹ مار

ابو اسحق اسفرائنی کا بیان ہے کہ ان بے غیرت ظالموں نے ان مظالم پر ہی بس نہیں کی بلکہ لاشِ مطہر کے ساتھ جو بے ادبیاں کی گئی ہیں ان کی تفصیل یہ ہے کہ جب کچھ تاریکی دفع ہو گئی۔ تو ان لوگوں نے جناب امام حسین علیہ السلام کی لاش کو لوٹا عمر بن یزید آپ کا عمامہ لے گیا۔ یزید ابن سہل نے آپ کی ردا لے لی۔ سنان بن انس نے آپ کی انگوٹھی اور زرہ اتار لی۔ محمد ابن اشعث نے جو کچھ کپڑے بچے تھے وہ اتار لئے اور جسمِ مقدس کو یونہی چھوڑ دیا۔ ہلال ابن نافع کا بیان ہے کہ میں نے سرِ مبارک کے زخموں کو شمار کیا تو ایک سو بیس تھے۔" (نور العین ص ۱۳ اسفرائنی)

لاشِ حسین کی پامالی

اس کے بعد عمر بن سعد نے اپنے لشکر میں باوازِ بلند ندا کی یعنی کون شخص ایسا ہے جو گھوڑوں کی ٹاپوں سے جناب امام حسین علیہ السلام کی لاش کو پامال کر ڈالے۔

تاریخ طبری فارسی میں لکھا ہے :-

"دہ سوار فرستادند تا اسپاں را برتنِ امام حسین علیہ السلام راندند تا اندامہائے او از یک دیگر جدا شد و پہلو ہائش بر یک دیگر بشکست و مغز بیروں آمد۔ (ترجمہ) دس سواروں کو بھیجا گیا کہ وہ تنِ امام حسین علیہ السلام کو روند ڈالیں۔ یہاں تک کہ آنحضرت کے بند بند جدا ہو گئے۔ اور جسمِ مبارک سے مغز باہر نکل آیا۔

(تاریخ طبری فارسی جلد ۴ ص ۶۳۲)

صاحب ناسخ التواریخ نے ان دہ آدمیوں کا تفصیل وار نام بھی لکھا ہے لاشِ امام حسین علیہ السلام کی پامالی کے بعد ان اشقیائے بے دین نے اہل بیت علیہ السلام کے

خیام مبارک کو غارت کرنا شروع کیا عصمت سرائے رسول میں عمر بن سعد کی فوج تشادت موج گھس گئی۔ جو چیز کسی کے ہاتھ آئی لے اڑا۔

خیام میں غارت گری

ملا ابو اسحٰق اسفرائنی حضرت زینب صلوات اللہ علیہا کی زبانی لکھتے ہیں۔ کہ ہم ایک خیمہ کے اندر بیٹھے تھے کہ ناگاہ بہت سے مرد خیموں کے اندر چلے آئے۔ ان میں ایک شخص ازرق چشم تھا۔ اس نے خیمہ کا کل اسباب لے لیا۔ اور پھر اس نے جناب امام زین العابدین علیہ السلام کو دیکھا۔ کہ وہ ایک چمڑے پر پڑے ہیں۔ وہ چمڑا بھی اس نے ان کے نیچے سے نکال کر ان کو زمین پر ڈال دیا۔ بعد اس کے میرے سر سے اس نے مقنع لے لیا۔ اور پھر اس نے میرے گوشواروں کی طرف دیکھا۔ وہ بھی اتار لئے کہ میرا کان بھی کسی قدر پھوٹ گیا۔ کیونکہ اس نے ان کو کھینچ لیا تھا۔ اور خون میرے کانوں سے بہنے لگا تھا۔ وہ باوجود اس ظلم کے روتا بھی جاتا تھا۔ پھر اس نے اس خلخال کی طرف نظر کی۔ جو فاطمہ صغرا کے دونوں پیروں میں تھیں۔ اس کو بھی اتارنے لگا۔ جب نہ اتریں۔ تو اس نے ان دونوں خلخالوں کو توڑ ڈالا۔ اور توڑ کر پیروں سے اتار لیا۔ پس میں نے اس سے پوچھا۔ کہ تو ہم کو لوٹتا بھی ہے اور روتا بھی ہے۔ اس نے جواب دیا کہ میں اس مصیبت پر روتا ہوں۔ جو تم اہل بیت پر نازل ہوئی ہے۔ جناب زینب سلام اللہ علیہا فرماتی ہیں۔ کہ میں اپنے کان کے درد سے اور حضرت فاطمہ کبریٰ کے رونے سے اور زیادہ رونے لگی۔ اور میں نے کہا کہ خدا تیرے ہاتھوں کو قطع کردے۔ (نور العین اسفرائنی ص ۱۳۵)

علامہ طبری کا بیان ہے۔

کہ خیموں میں جو کچھ تھا۔ اس کو انہوں نے لوٹ لیا۔ حتیٰ کہ عورتوں کے بدن سے کپڑے بھی اتار لئے۔ اور ان کے سروں پر جو برقعے تھے وہ بھی کھینچ لئے۔

(تاریخ طبری فارسی جلد ۴ ص ۶۳۳)

بے گور و کفن لاشیں

علامہ ابو اسحق اسفرائنی اپنے مقتل میں تحریر فرماتے ہیں۔ "اس کے بعد عمر بن سعد نے حکم دیا کہ ان عورتوں کو جناب امام علیہ السلام کے جسم اطہر سے کھینچ کر جدا کر دو۔ پس ایسا ہی کیا گیا۔ اور ان بی بیوں کو اونٹوں پر بغیر پردہ اور بغیر رکاب کے سر کھلے دشمنوں کے درمیان سوار کیا گیا۔ اور اسی طرح سے ان کو لے چلے جس طرح روم کے قیدیوں کو مصیبت اور بری حالت سے لیجاتے ہیں۔ اور مقتولین کی لاشوں کو اسی طرح زمین کربلا پر پڑا ہوا چھوڑ دیا۔ ملاحظہ ہو نوازلعبین ص۱۴۲ مقتل اسفرائنی۔ ہمارے قارئین کو یاد ہو گا کہ ہم نے علامہ اسفرائنی کی توثیق سابق صفحات میں علامہ شبلی ایسے مورخ کے بیان سے کر دی ہے کہ یہ اہل سنت حضرات کا مقبول عالم اور مشہور امام تھا

کمال شہادت

حضرت شاہ عبدالعزیز دہلوی کمال شہادت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ کہ پوری شہادت تو اس چیز کا نام ہے کہ آدمی مسافری میں مارا جائے۔ اس کے گھوڑے کی کوچیں کاٹ دی جائیں۔ اس کی لاش میدان میں پڑی رہے۔ اس کے گرداگرد اس کے عزیزوں اور پیاروں کی لاشوں کے ڈھیر لگے ہوں۔ اس کا مال لوٹ لیا جائے۔ اس کی عورتوں اور یتیم بچوں کو قید کر لیا جائے۔" چنانچہ یہ شہادت حضرت امام حسین علیہ السلام کے حصہ میں آئی۔ (سر الشہادتین مترجمہ ص۴)

انتہائے مظالم

صاحب صواعق محرقہ ابن حجر مکی ابن جوزی کے حوالہ سے تحریر کرتے ہیں :- (ترجمہ)

ابن جوزی نے کہا کہ ابن زیاد پر اتنا تعجب نہیں ہے۔ بلکہ یزید ملعون کی اس حرکت سے تعجب ہے۔ کہ اس نے حسین علیہ السلام کے دانتوں پر چھڑی سے ٹھوکر لگائی۔ اور آل رسولؐ کو بغیر کجاوہ اونٹوں پر رسیوں میں باندھا۔ ان کے سروں اور چہروں کو برہنہ ظاہر کیا۔

یہ ہیں چند ایک محققین اہل سنت کے بیانات جن سے واضح ہو گیا۔ کہ اہل بیتؑ کا

کا پانی بند کیا گیا۔ ان کے معصوموں، جوانوں اور بوڑھوں کو قتل کر دیا گیا۔ لاشوں کو گھوڑوں کی ٹاپوں سے روند ڈالا گیا۔ اہل بیت کے خیام کو لوٹ لیا گیا۔ لاشوں کو بے گور و کفن چھوڑ دیا۔ عصمت و طہارت کو بے پردہ کر کے رسیوں سے باندھ کر بے کجاوہ اونٹوں پر سوار شہر بشہر پھرایا گیا۔ غرض کہ ظلم و ستم کی کوئی ایسی حد نہیں جو ان ملعونوں نے پوری نہ کی ہو۔ اور خاندانِ اہل بیت سے گن گن کر بدلہ نہ لیا ہو۔

تفتازانی کا اعتراف

چنانچہ علامہ تفتازانی شرح مقاصد میں ارشاد فرماتے ہیں:۔ "اور جو مظالم اہل بیت نبی پر ان کے بعد کئے گئے وہ اس قدر زیادہ اور ظاہر و باہر ہیں کہ ان میں کسی کو شک و شبہ نہیں ہو سکتا۔ اور اگر ہم چھپائیں۔ تو چھپ نہیں سکتے۔ کیونکہ ان مظالم پر جمادات، حیوانات بھی گواہی دینے کو تیار ہیں۔ جس سے زمین و آسمان کے باشندے روتے ہیں کہ اگر پہاڑ اپنی جگہ سے ٹل جائیں۔ اور پتھر پھٹ جائیں۔ تو ممکن ہے۔" (شرح مقاصد مطبوعہ مطبع حاج آفندی)

ہم ثبوت شہادت کے بیان میں پہلے تحریر کر چکے ہیں۔ کہ شہادت حسینؑ پر زمین و آسمان روئے۔ جنات نے نوحے پڑھے۔ زمین و آسمان تاریک ہو گئے جناب رسول خدا صلعم نے سر مبارک میں خاک ڈالی وغیرہ وغیرہ ایسی شہادتیں ہیں جن سے مظالم اہلِ بیت کو چھپایا نہیں جا سکتا۔ مگر عباسی صاحب ہیں کہ وہ بنو امیہ کی دوستی میں ہر چیز کا انکار کر رہے ہیں۔

آئمہ اثنا عشر والی حدیث

محمود عباسی نے معاویہ و یزید کی حکومت کو خلافت راشدہ میں شامل کرنے کے لئے حدیث ائمہ اثنا عشر کو استدلالاً پیش کیا ہے۔ اور علماء اہل سنت کی پیش کردہ حدیث "الخلافۃ فیہ بعدی ثلاثون سنۃ ثم ملک عضوض" کو موضوع قرار دیا ہے اور لکھا ہے کہ یہ قول حضرت رہا تماب

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے غلط منسوب کیا گیا ہے یہ وضعی حدیث حضرت معاویہ کی خلافت کی تنقیص میں اور حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس پیشین گوئی کو زائل کرنے کے لئے وضع کی گئی جو آنحضرتؐ نے بارہ خلیفوں کے متعلق فرمائی تھی۔"

(خلافتِ معاویہ و یزید ص ۳۴۴ / ۳۴۵)

امامیہ حضرات کے مقابلے میں آج تک اہلِ سنت حضرات حدیث ائمہ اثنا عشر کی بحث میں یہی پیش کرتے چلے آئے ہیں۔ کہ خلافتِ راشدہ تیس سال ہوگی۔ اور اس کے بعد ملک عضوض ہوگا۔ مگر آج عباسی صاحب نے حقیقت کا اظہار محض باطل کی تائید میں کر ہی دیا۔ کہ یہ حدیث وضعی ہے۔ اور متواتر حدیث ائمہ اثنا عشر کے مقابلے میں اس کو پیش نہیں کیا جا سکتا۔ مگر جہاں علمائے اہلِ سنت نے دونوں حدیثوں کو صحیح سمجھتے ہوئے جواب دیا ہے۔ وہاں اس امر کی صراحت کر دی ہے کہ ان بارہ خلفاء کا یکے بعد دیگرے ہونا ضروری نہیں۔ یہ قیامت تک ہوں گے۔ چنانچہ اس سلسلہ میں حضرات اہلِ سنت کو سخت مشکل کا سامنا کرنا پڑا۔ اگر حدیث ائمہ اثنا عشر کو تسلیم کرتے ہوئے بارہ کی تعداد پوری کرنا چاہتے ہیں۔ تو وہ متصل طور پر پوری نہیں اترتی۔ اور اگر خلفاء راشدین کے بعد عمر بن عبد العزیز یا اس کے بعد قیامت تک اس سلسلہ کو پورا کرنا چاہتے ہیں۔ تو بیچ میں ایسا زمانہ آجاتا ہے۔ جو وجودِ امام سے خالی ہے۔ حالانکہ حدیث کا یہ منشا نہیں۔ معاویہ و یزید و دیگر بنو امیہ کو بوجہ ان کے اعمالِ زشت کے اس تعداد میں لا نہیں سکتے۔ اور اگر بعض محب اہلِ بیت سنی حضرات اہلِ بیتؑ کے بارہ اماموں کو بھی شمار کر دیں تو ان کے نزدیک کی شرائط پوری نہیں ہوتیں۔ اور تعداد بھی بڑھ جاتی ہے۔ کیونکہ خلفاء ثلاثہ سمیت مل کر پندرہ ہو جاتے ہیں۔ حالانکہ حدیث میں تعداد بارہ کی ہے۔ ذیل میں ہم چند طرق حدیث کو نقل کر کے معلوم کرنا چاہتے ہیں۔ کہ آخر اس حدیث کا مطلب اور شارع علیہ السلام کا منشا کیا ہے۔

فتاویٰ عزیزی میں شاہ عبد العزیز دہلوی تحریر فرماتے ہیں:-

۱۔ لایزال الدین قائماً حتی تقوم الساعۃ ویکون علیھم اثنا عشر خلیفۃ

۲۔ لایزال الاسلام عزیزاً منیعاً

۳۔ لا یزال امر امتی صالحاً

۴۔ عن ابن مسعود انہ سئل کم یملک ھذہ الامۃ من الخلیفۃ فقال سالنا عنھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فقال اثنا عشر بعدد نقباء بنی اسرائیل۔

۵۔ لا تھلک ھذہ الامۃ حتی یکون فیھا اثنا عشر خلیفۃ کلھم یعمل بالھدیٰ ودین الحق۔

مندرجہ بالا پانچ طرق حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے۔ کہ یہ امر دین قیامت تک رہے گا۔ یہاں تک اس پر بارہ خلیفے نہ ہو لیں۔ دین باعزت رہے گا۔ اور وہ خلیفے نقباء بنی اسرائیل کی تعداد کے مطابق ہوں گے۔ قریش سے ہوں گے۔ اور تمام کے تمام ہدایت اور دین حق پر عمل کرتے ہوں گے۔

(فتاوی عزیزی جلد ۱ ص۶)

شاہ عبدالعزیز فرماتے ہیں کہ بعضے فن حدیث کے امام مثل توربشتی قاضی عیاض اور ان کے متبعین عبدالحق دہلوی وغیرہ اور امام نووی شارح مسلم کا رجحان اسی طرف ہے کہ ان بارہ خلفاء سے وہ خلیفے مراد ہیں جو عادل، دین کو قائم کرنے والے احکام دین اور شریعت کو رواج دینے والے، پورے اقتدار کے ساتھ خلافت علی منہاج النبوۃ کے بالاستحقاق والاتفاق والی ہیں۔ نہ کہ وہ لوگ جو قہر و غلبہ سے تخت خلافت پر قابض ہوں گے۔

(فتاوی عزیزی جلد ۱ ص۶)

مندرجہ بالا پیش کردہ امورسے چند ایک نتائج برآمد ہوتے ہیں:۔

۱۔ امت محمدیہ کے بارہ خلیفے ہوں گے۔

۲۔ سب کے سب قریش سے ہوں گے۔

۳ ۔ قیامت تک بارہ ہی ہوں گے۔

۴۔ یہ خلفاء ہدایت اور دینِ حق پر عمل کرنے والے ہوں گے۔

۵۔ نقبائے بنی اسرائیل کی تعداد کے برابر ہوں گے۔

۶ ۔ وہ جبر و قہر سے خلافت حاصل نہیں کریں گے۔

لہٰذا ان امور متحرجہ کی بنا پر نہ تو معاویہ ائمہ اثنا عشر کی صف میں داخل ہو سکتا ہے اور نہ ہی یزید ملعون اس صف میں شمار کیا جا سکتا ہے۔ کیونکہ یہ ہدایت اور دینِ حق پر عمل کرنے والے نہ تھے۔ جیسا کہ ہم ان کے کردار کے ماتحت ثابت کر چکے ہیں۔ خلفاء ثلاثہ اور ائمہ اہل بیتؑ کو اگر شمار کیا جائے۔ تو تعداد پندرہ ہو جاتی ہے۔ لہٰذا یہ بھی نہیں ہو سکتا۔

اگر بنو امیہ یا بنو عباس میں سے ایسے لوگوں کو انتخاب کیا جائے تو وہ بارہ کی تعداد سے یا کم ہو جائیں گے یا زیادہ بہر حال کوئی صورت بھی کارگر نہیں ہو سکتی جس کی بنا پر حدیث خلفاء اثنا عشر کی پوری پوری تطبیق ہو سکے۔ آخر بعض علمائے اہل سنت نے حقیقت کا ساتھ دیا۔ اور بغیر کسی ذاتی رجحان کے حق ظاہر کرنے پر مجبور ہو گئے۔ چنانچہ سید علی ہمدانی نے مودۃ القربیٰ میں اور مفتیٔ اعظم شیخ سلیمان قندوزی نے ینابیع المودۃ میں اس حدیث کا مصداق خلفاء اثنا عشر حضرت امیر علیہ السلام سے لے کر جناب امام مہدی تک پورے بارہ ہی صاف طور پر لکھ دیا ہے۔ یہ حضرات قریشی بھی ہیں۔ تعداد بھی بارہ ہے۔ منصوص من اللہ والرسول بھی ہیں۔ دینِ حق اور ہدایت پر عمل کرنے والے بھی۔ اب مسلمانوں کو اختیار دیا جاتا ہے۔ کہ چاہے وہ بارہ خلیفوں کی اس تعداد کو مان لیں۔ جس میں بقول عباسی صاحب معاویہ و یزید جیسے بدکردار انسان بھی شامل ہیں۔ اور دل چاہے تو خلفاء اثنا عشر کی اس تعداد کو تسلیم کر لیں۔ جس میں امام حسنؑ اور امام حسین علیہ السلام جیسے فرزندانِ

رسولؐ اور دین و دنیا کے بادشاہ شامل ہیں۔

کیا پیغمبرؐ کے عمال بنو امیّہ تھے؟

محمود عباسی نے اموییت نوازی میں اتنا غلو اور افراط سے کام لیا کہ تمام کتب سیر و تواریخ سے غض بصر کر کے پیغمبرؐ اسلام پر بہتان باندھ دیا۔ اور یہ امر ثابت کرنے کی کوشش کی۔ کہ پیغمبر اسلامؐ بھی اموییت نوازی میں مشغول رہے۔ اور یہ کہ امویوں کے حسنِ تدبیر اور امور سیاست میں ان کی لیاقت کو دیکھ کر ہر طرح امویوں کو ہی عامل صدقات مقرر کیا۔

چنانچہ لکھتے ہیں۔

"اسلامی مملکت کے انتظامی و سیاسی امور کی انجام دہی کے لئے آپ نے بنی امیّہ کے افراد کو زیادہ تر منتخب و متعین فرمایا۔ عمال نبوی میں بھاری اکثریت اموی بزرگوں کی ہی تھی۔ اور یہ اکثریت یقیناً ان حضرات کی فطری صلاحیت اور حسنِ کارکردگی کے اعتبار سے تھی۔ حضرت ابوسفیانؓ کو آنحضرتؐ نے نجران جیسے اہم سرحدی علاقہ کا حکمران مقرر کیا۔ اور ان کے بڑے صاحبزادے حضرت یزید کو تیما، کا دیگر اموی حضرات کو دوسرے علاقوں کا۔ لیکن کسی ہاشمی بزرگ کا نام عمال نبوی کی فہرست میں شامل نہیں تھا۔ حالانکہ ان میں سے بعض حضرات نے نیز حضرت ابوذر غفاری نے تقرر کی خواہش کا اظہار بھی کیا تھا۔ مگر انتظامی امور کی عدم صلاحیت کی بناء پر منظور نہیں فرمایا گیا۔" (خلافت معاویہ و یزید صفحہ ۸۶-۸۷)

محمود عباسی کا مندرجہ بالا انفرادی نظریہ ابن تیمیہ جیسے مخالف عترت کے خرافات پر مبنی ہے۔ کیونکہ بغیر منہاج السنہ کے کسی مستند یا غیر مستند تاریخ کا حوالہ نہیں دیا گیا۔ محض اپنے پیشواؤں کو مدبر اور صاحب رائے ثابت کرنے کے لئے اور بنو ہاشم کی عدم استعداد کو بتلانے کے لئے پیغمبر اسلامؐ پر سب سے پہلے ابن تیمیہ نے بہتان باندھا اور آج اس کی پیروی میں عباسی صاحب

نے بھی صریحاً جھوٹ بولتے ہوئے شرم محسوس نہ کی۔

دراصل بات یہ ہے کہ جس وقت پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس مختلف اقوام کے وفود آکر اسلام قبول کرتے تو آنحضرت ان میں سے کسی باوقار آدمی کو ان پر عامل مقرر فرما دیتے۔ جو کہ ان سے شرعی صدقات کی وصولی کرتا۔ چونکہ وہ عامل خود اسی قبیلے کا ہوتا تھا اور اس کے خاندان کے نشیب وفراز سے آگاہ ہوتا۔ لہٰذا بہ نسبت اجنبی عاملوں کے اسے زیادہ کامیابی حاصل ہوتی۔ پیغمبر اسلام کا ایسا کرنا انتظامی امور کے سلسلہ میں آنجناب کی اصابت رائے، حسن تدبر اور مآل اندیشی کی اعلیٰ ترین دلیل ہے۔ نہ تو بنوامیہ غیر قبائل میں جاکر کامیاب ہوتے اور نہ بنو ہاشم اجنبیت کی بنا پر بہ نسبت ان عاملوں کے جو انہیں قبائل میں سے ہوتے تھے۔ چنداں کامیاب ہوتے، .... چنانچہ سیر وتواریخ کی مستند کتابوں میں بھی ہم کسی بنوامیہ کو نبوی دور میں کسی قبیلے کا عامل صدقات لکھا ہوا نہیں پاتے محققین اہل سنت نے اپنی کتابوں میں عمال نبوی کی جو فہرست پیش کی ہے۔ ان میں بنوا[illegible] کا نام تک نہیں۔ ہم مدارج النبوۃ سے خاتم المحدثین شاہ عبدالحق دہلوی کی پیش کردہ فہرست نقل کرتے ہیں۔ تاکہ ناظرین حضرات کی تسلی ہو جائے۔ چنانچہ شاہ صاحب لکھتے ہیں:-

۱۔ عبدالرحمٰن بن عوف ابو محمد قرشی زہری عامل صدقات بنی کلب

۲۔ عدی بن حاتم بن سعد الطائی۔ عامل صدقات بنی طے بنی اسد

۳۔ عنیہ بن حصن بن فزارہ۔

۴۔ بشر بن سفیان کعبی عامل صدقات۔ بنی کعب

۵۔ ایاس بن قیس اسدی " " بنی اسد

۶۔ ولید بن عقبہ بن ابی معیط " " بنی مصطلق

۷۔ خالد بن توضعتری " " بنی مرہ

۸۔ مسعود بن رحیل الجھنی۔

۹- اعجم بن سفیان-

۱۰- عباس بن مدارس

۱۱- لبید بن حاجب

۱۲- مالک بن جعفر بن کلاب

۱۳- عامر بن مالک

۱۴- سعد بن مالک النفری } عامل صدقات بنی کلاب

۱۵- عوف بن مالک النفری

۱۶- ضحاک بن سفیان قلابی

۱۷- سعد بن ابی وقاص

۱۸- سعد بن مالک بن خالد انصاری

۱۹- سعد بن مالک عذری

۲۰- ضحاک بن سفیان بن عوف۔

(ملاحظہ ہو مدارج النبوۃ فارسی مطبع نولکشور جلد اوّل ص۵۸۷)

مندرجہ بالا پورے بیس عمال میں سوائے چند ایک مشہور صحابہ کے باقی سب کے سب مختلف قبائل کے لوگ ہیں۔ جو قبول اسلام کے بعد اپنے اپنے قبیلوں پر عامل مقرر کر دیئے گئے بہر حال محمود عباسی کے غلط اور انفرادی نظریہ کو کہ عمال نبوی اکثر بنو امیہ تھے۔ ہم نے محقق اہلِ سنّت کے واضح بیان سے تور کر رکھ دیا۔ نیز ہم کتاب کے اوّل میں ثابت کر چکے ہیں، کہ ابنِ تیمیہ کے خرافات علماء اہلِ اسلام کے نزدیک درخورِ اعتنا نہیں ہیں۔ اگر بقول ابن تیمیہ و محمود عباسی بنو امیہ اتنے لائق اور سیاستدان یا مدبر وغیرہ تھے۔ تو حضرت عمر نے سنّتِ رسول کی پیروی میں بنو امیہ کو کلیدی اسامیوں پر کیوں نہ مامور کیا۔ حالانکہ استحکام سلطنت کے لیے ایسے لائق سیاستدانوں سے انہیں فائدہ اٹھانا چاہیئے تھا۔ مولوی شبلی نے الفاروق ص۱۵۲

پر جو فہرست حضرت عمر کے عاملوں کی پیش کی ہے۔ ان میں صرف یزید بن ابو سفیان اور اس کے مرنے کے بعد معاویہ کا نام ملتا ہے۔ مگر ان دونوں کی تعیناتی ان کی کسی لیاقت پر مبنی نہ تھی۔ بلکہ یہ تو ایک سیاسی غرض تھی۔ ورنہ بنو امیہ جیسے مکاروں کو کون پوچھتا۔

ایامِ غزوات میں نیابت کے عہدے

بنو ہاشم کے مخالف عباسی صاحب نے یہ بھی تحریر کیا ہے۔ کہ حضور نبی کریم جب غزوات میں تشریف لے جاتے تو اپنے بعد مدینے میں نیابت کے عہدے پر بنو ہاشم کے سوا اور لوگوں کو نائب مقرر فرمایا کرتے تھے۔ چنانچہ ان کی اصلی عبارت ملاحظہ ہو۔

۲۸ مرتبہ آپ غزوات کے سلسلہ میں مدینہ سے باہر تشریف لے گئے اور ہر مرتبہ مدینہ میں انتظامی امور کے انجام دہی کے لئے نائب کا تعین کیا۔ ان نائبین کی فہرست میں اموی کلبی انصاری۔ غفاری اور مخزومی بزرگوں کے نام موجود ہیں۔ لیکن کسی مطلبی و ہاشمی بزرگ کا نام شامل نہیں۔ (خلافت معاویہ و یزید ص۱۲۳)

اگرچہ بنو ہاشم کی دشمنی میں اموی مسلک عباسی نے نبوی نیابتوں میں کسی بنو ہاشم کا نام لکھنا گوارا نہ کیا۔ مگر سوائے عثمان بن عفان کے کسی اور اموی کا نام بھی فہرست میں نہ پیش کر سکا۔

بات حقیقت میں یہ ہے کہ ہاشمیوں کی شجاعت اور تلواروں کی دھاک تمام عرب پر بیٹھی ہوئی تھی۔ خصوصاً علی المرتضیٰ علیہ السلام کی ذوالفقار کا رعب عرب کے بڑے بڑے کفار بہادروں پر چھایا ہوا تھا۔ تاریخ اسلام کا مطالعہ کرنے والا ادنیٰ طالب علم بھی بخوبی جانتا ہے۔ کہ غزوۂ بدر سے لیکر جنگ حنین تک جتنے محاربات جناب رسالت مآب نے کافروں کے ساتھ کئے ان میں لشکر کی کمان حضرت مرتضیٰؑ ہی فرمایا کرتے تھے۔ ہاشمی شجاع ہی ایسے تھے۔ جن کی ثابت قدمی پر آنحضورؐ کو یقین تھا۔ اگر حضرت علی علیہ السلام یا کسی اور ہاشمی جوان کو جنگ سے باز رکھتے ہوئے اپنے بعد مدینہ میں بطور نائب چھوڑ جاتے۔ تو کام تو آسانی سے سرانجام دیا جا سکتا تھا۔ مگر کفار کے مقابلہ میں بغیر ہاشمیوں کے فتح و کامرانی کا منہ دیکھنا ممکن تھا۔

رہا نیابت کا سوال تو رسول خدا صلعم نے اپنے بعد کے بنو ہاشم کے سردار جناب علی المرتضیٰ کو نائب چھوڑ کر بھی عباسی ایسے معترضین کا منہ بند کر دیا ہوا ہے۔

غزوۂ تبوک اور شب ہجرت اس پر شاہد ہے "یا علی انت منی بمنزلة ھارون من موسیٰ" کی مشہور اور متفق علیہ حدیث اور ومن الناس من یشتری نفسه ابتغاء مرضات اللّٰہ الخ کی آیت اس پر بین دلیل ہے۔

عباسی صاحب کی تقویم سے ناواقفیت

محمود عباسی نے کتاب کے صفحہ نمبر ۱۹۱ تا ۱۹۲ پر مختلف تاریخ ہائے پر جو کہ حضرت امام حسینؑ کی شہادت کے واقعات سے وابستہ ہیں۔ تقویم کے قاعدہ کے تحت بحث کی ہے اور مختلف مورخین کے سن عیسوی اور ہجری کے بتائے ہوئے ایام کو علم ریاضی کی رُو سے من گھڑت اور غلط بنانے کی سعی کی ہے۔ آپ نے بعض تاریخوں کا چارٹ دے کر یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ کہ مورخین نے ان تاریخوں پر جو دن بتائے ہیں وہ غلط ہیں۔ بلکہ قاعدۂ تقویم کی رُو سے اصل دن یہ آتے ہیں۔ آپ نے تجسس سے یہ مقصد حاصل کرنا چاہا ہے کہ مورخین نے اس واقعہ کو غلط رنگ میں ایک دوسرے سے نقل کرتے چلے گئے ہیں۔ ہم جب عباسی صاحب کی اس جستجو پر نظر ڈالتے ہیں۔ تو نتیجہ یہ نکلتا ہے۔ کہ آپ نے تجسس میں خوب ٹھوکر کھائی ہے۔ اور آپ کا فہم و ادراک حقیقت کو نہ بدل سکا۔ کاش کہ عباسی صاحب ریاضی (ہندسہ) کے علم کو جاننے کی اہلیت رکھتے۔ آپ نے تقویم کے قاعدے کے لحاظ سے ماضی کی تاریخوں کے دن نکال لینے کا فارمولا درج کر کے مثال کے طور پر ۱۰ محرم ۶۱ھ مطابق ۶۸۰ء یوم شہادت حضرت امام حسین علیہ السلام نکالا ہے۔ اور ثابت کیا ہے۔ کہ دن بدھ کا تھا اور جمعہ کا نہ تھا۔ آپ نے مندرجہ ذیل فارمولا درج کیا ہے:-

دن کا قاعدہ :- (س + ل + د) / ۷

یعنی کہ سال رواں سے سن کو چھوڑ کر باقی سال کا عدد + لیپ سال عدد + سال رواں کے دن کو، ۷ پر تقسیم کرنے سے جو باقی رہ جائے اُسے روز ہفتہ سے شمار کر کے دن نکالا جائے۔ اسی قاعدہ سے آپ نے ۱۰/۶۸۰ -۱ کو اسی طرح حل کیا ہے۔

۷ | ۱۱۳۲ / ۱۶۱ -- ۵ = ۱۱۳۲ / ۷ = (۲۸۴ + ۱۶۹ + ۶۷۹) / ۷

یعنی زائد دن = ۵

ہفتہ کے روز سے گنتی شروع کر کے پانچواں دن بدھ آیا۔

اسی طرح آپ نے چارٹ میں اسی قاعدہ کی رُو سے مورخین کے مندرجہ ذیل واقعات کی تاریخوں کے ایام بتاتے ہوئے غلط ثابت کئے ہیں۔ اور صحیح دن یہ بتاتے ہیں ملاحظہ ہو عباسی صاحب کا چارٹ۔

جدول تاریخ و دن

تاریخیں اور دن جو مورخین نے ابو مخنف کی روایت سے بیان کی ہیں						صحیح دن از رُوئے تقویم و کلیہ حساب اور عیسوی سنہ و تاریخ و ماہ سے تطابق	
نمبر شمار	تفصیل واقعہ	سنہ	تاریخ و ماہ	دن	صحیح یا غلط		
۱	مدینہ سے مکہ کو روانگی	سنہ ۶۰ھ	۲۸ رجب	یکشنبہ	غلط	جمعہ	۴ مئی سنہ ۶۸۰ء
۲	مکہ میں آمد	"	۳ شعبان	جمعہ	"	چہارشنبہ	۹ "
۳	مسلم کا حملہ گورنر کوفہ پر	"	۸ ذی الحجہ	سہ شنبہ	"	یکشنبہ	۹ ستمبر "
۴	مسلم کا قتل ہونا	"	۹ " "	چہارشنبہ	"	دوشنبہ	۱۰ ستمبر "
۵	مکہ سے عراق کو روانگی	"	۸ " "	سہ شنبہ	"	یکشنبہ	۹ " "
۶	العقر (کربلا) پہنچا	سنہ ۶۱ھ	۲ محرم	پنجشنبہ	"	سہ شنبہ	۱ اکتوبر سنہ ۶۸۰ء
۷	حادثۂ کربلا	"	۱۰ "	جمعہ	"	چہارشنبہ	۱۰ " "

ہمیں عباسی صاحب کی عقل و دانش پر رونا آتا ہے اگر انہیں اس علم میں مہارت حاصل نہ تھی۔ تو وہ اس سلسلہ میں نہ پڑتے۔ کیلنڈر کا قاعدہ جاننے والا مدرسہ کا طالب علم بھی جب ان کے اس تجسس کا جائزہ لے گا تو ان کے فہم و ادراک پر سر پیٹ کے رہ جائے گا۔ ہم تسلیم کرتے ہیں کہ سنہ ۵۲ء سے قبل کے دن اسی فارمولا سے ہی نکالنے چاہئیں نہ کہ پوپ گریگوری ہشتم کے رائج الوقت قاعدہ سے کیونکہ حضرت امام حسینؓ کی شہادت سنہ ۶۸۰ء میں ہوئی تھی۔ یعنی کہ سنہ ۵۲ء سے قبل مگر زائد ایام کا شمار سوموار سے شروع ہو گا۔ نہ کہ ہفتہ سے خدا جانے کس مسخرے نے مصنف کو مشورہ دیا کہ وہ شمار ہفتہ سے شروع کریں دراصل قابل مصنف قاعدہ سن عیسوی کا لے رہے ہیں۔ تاریخ شہادت سن عیسوی لی جا رہی ہے۔ اور جب زائد دن شمار کرنے لگتے ہیں۔ تو بجائے عیسوی کے ہجری لے لیتے ہیں۔ اور ہفتہ سے شروع کرتے ہیں۔ حالانکہ سن عیسوی کے دن سوموار سے شروع ہوتے ہیں۔ اور یہی ٹھوکر آپ کے تجسس اور آپ کو کہیں سے کہیں لے گئی ہے۔ جب سوموار سے شروع کریں گے تو دن بدھ نہ آئے گا۔ بلکہ جمعہ ہی ہو گا۔ اور چارٹ کی تاریخوں پر اب نظر ڈالئے تو پتہ چلے گا کہ مورخین کی جن تاریخوں کے ایام کو آپ غلط بتاتے ہیں۔ دراصل وہ صحیح ہیں۔ اور جو صحیح بتاتے ہیں۔ وہ غلط ہیں۔ کاش آپ کو اتنا ہی علم ہوتا۔ کہ سن عیسوی کا آغاز سوموار سے شروع ہوا۔ کیونکہ سنہ ۱ء کو سوموار کا دن تھا۔ پاکستان کے مشہور ریاضی دان خواجہ دل محمد سابق پرنسپل اسلامیہ کالج لاہور نے بھی اپنی کتاب Dil's New Arithmetic کے صفحہ ۵۸۹ پر اس حقیقت کی تصدیق کی ہے اس کے علاوہ ایم عبدالقیوم ایم۔ اے و ایم عبداللہ قریشی نے شاہکار حساب صفحہ ۱۴۳ پر اسے تسلیم کیا ہے۔ کہ یکم جنوری سنہ ۱ء کو سوموار کا دن تھا۔

ہمارے فاضل ہمعصر مولینا حافظ علی بہادر خان صاحب نے بھی عباسی صاحب کی پیش کردہ تقویم پر توجہ فرمائی ہے اور سنین و شہور کے تعین کے متعلق اور مسئلہ رویت کے اسلامی اصولوں کے پیش نظر یہ ثابت کیا ہے کہ مورخین کی روایت صحیح ہیں۔ فاضل موصوف ان تاریخوں پر تبصرہ ملاحظہ فرمائیں

حافظ علی بہادر خان کی تحقیق

کربلا میں پہنچنے یا شہادت پانے کے متعلق تاریخ یا دن کا آخری قطعی فیصلہ کسی تقویم یا فارمولے سے نہیں ہو سکتا۔ ایسی کوئی تقویم دنیا میں نہ ہے نہ ہو سکتی ہے جو اس بارے میں فیصلہ کن ہو۔ ایک دو روز کا فرق ہر فارمولے میں ممکن ہے۔

اس کا سبب ظاہر ہے۔ فارمولا اور تقویم صرف اُس حالت میں قطعی فیصلہ دے سکتے ہیں جبکہ دن و تاریخ وغیرہ کا مدار آفتاب و ماہتاب کی حرکت پر مبنی کیا جائے۔ بدقسمتی سے اسلامی ہجری مہینوں کے آغاز و انجام کا مدار حساب کی بجائے رویت ہلال پر ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جب دریافت کیا گیا تھا کہ کیا ہم حساب سے چاند کا فیصلہ کر لیا کریں۔ تو حضور نے جواب دیا تھا کہ نہیں۔ رویت سے فیصلہ کرو۔ حدیث میں اللہ کے رسول کی دی ہوئی دلیل موجود ہے۔ حضورؐ نے فرمایا تھا کہ انا امۃ امیۃ لا نکتب ولا نحسب (ہم اَن پڑھ قوم ہیں حساب کتاب نہیں جانتے) پس آپ نے رویت پر ہی فیصلہ کیا۔ صوموا لرویتہ وافطروا لرویتہ (اپنی رویت سے روزہ رکھو اور اپنی رویت سے افطار کرو۔ اس وقت سے دنیائے اسلام کا سواد اعظم اسی پر عامل ہے کہ مہینہ کا آغاز چاند دیکھنے سے ہوتا ہے۔ حساب سے چاند ہونے کی تاریخ ہو لیکن مطلع صاف نہ ہونے کے باعث لوگ نہ دیکھ سکیں، تو چاند نہیں مانا جائے گا۔ اس طرح حساب اور رویت کے فیصلے بعض اوقات مختلف ہوں گے۔ لیکن تقویم رویت کی پروا نہیں کرتی۔ لہٰذا کبھی ایسا ہوتا ہے کہ تقویم میں شوال کی پہلی ہے اور مسلمانوں کی عملی زندگی میں رویت کے اعتبار سے ۳۰ رمضان ہے۔ لہٰذا دنیا کا کوئی فارمولا ایسا نہیں بن سکتا جو رویت کی رعایت رکھ سکے۔

اب شہادت حسینؑ کی جو روایات ہیں ان میں واقعی تاریخ ہے۔ تقویمی تاریخ نہیں ہے

اور واقعی تاریخ میں یا اُس کے مطابق دن میں تقویمی تاریخ سے فرق ہو سکتا ہے۔

عباسی صاحب نے ان تمام مباحث میں ایک خاص تقویم سے کام لیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں:۔

راقم الحروف کے پیشِ نظر انجمن ترقی اردو (ہند۔ دہلی) کی شائع کردہ تقویم ہجری دعیسوی مطبوعہ ۱۹۳۹ء ہے۔ جو ابوالنصر محمد خالد ایم۔ اے (عثمانیہ) نے ایک جرمن مستشرق ایڈورڈ ماہلر کی تقویم کی مدد سے مرتب کی تھی۔ یہ بڑی کارآمد و مستند تقویم ہے۔ (خلافتِ معاویہ ویزید ص۱۹۱)

ساتھ ہی عباسی صاحب نے تاریخوں کے دن معلوم کرنے کا فارمولا لکھا ہے۔ فرماتے ہیں:۔

"۱۷۵۲ء سے قبل کی تمام تاریخوں کے دن معلوم کرنے کے لئے یہ کلیہ کام میں لایا جاتا ہے

س + ل + د / ۷ یعنی سنہ کی کسی تاریخ کا دن معلوم کرنا ہو۔ اس سے ایک سال پہلے کے سنہ کو "س" سے ظاہر کیا گیا ہے۔ "ل" لوند (لیپ ایر) کے ان سالوں کی تعداد کو ظاہر کرتا ہے جو اس سنہ سے قبل تک کی تعداد ہے دنوں کو سینچر کے دن سے شمار کیا جاتا ہے۔

مثال:۔ کربلا کا واقعہ ۱۰ اکتوبر ۶۸۰ء کو پیش آیا۔ کلیہ میں س، ل، اور د کی جگہ بالترتیب ۶۷۹، ۱۶۹، اور ۲۸۴ درج کرکے ان کے مجموعہ کو (۷) پر تقسیم کرنے سے خارج قسمت ۱۶۱ اور باقی (۵) آتا ہے۔ سینچر سے (۵) دن آگے چہار شنبہ کا دن ہوتا ہے۔ یہی ۱۰ اکتوبر ۶۸۰ء مطابق ۱۰ محرم ۶۱ھ کا دن ہے یعنی بدھ کا دن۔ روایتوں میں جمعہ کا جو دن بیان ہوا ہے وہ غلط ہے۔" (خلافتِ معاویہ ویزید ص۱۹۰)

عباسی صاحب نے اس استدلال میں گہری چال چلی ہے۔ فارمولے کا رعب جما کر قارئین کو متاثر کرنے کی کوشش کی ہے۔ اور ۱۰ محرم اور جمعہ والی تمام روایتوں کو وضعی قرار دے کر تمام مورخین کو صلواتیں سنائی ہیں۔ اُن کی گہری چال یہ ہے کہ حساب لگاتے وقت بنیاد ۱۰ اکتوبر ۶۸۰ء کو قرار دیا ہے۔ انہوں نے اول یہ فرض کر لیا کہ شہادت ۱۰ اکتوبر کو ہوئی تھی۔ اور اس کے مطابق دن چہار شنبہ نکال لیا۔ لیکن راوی ابو مخنف نے اپنی روایت میں انگریزی مہینہ

کا ذکر نہیں کیا ہے۔ اُس نے تو یہ کہا ہے کہ ۱۰ محرم یوم جمعہ کو شہادت ہوئی۔ تو پہلے تو یہ
کرنا چاہیے کہ ۱۰ محرم کو فی الحقیقت ۱۰ اکتوبر تھی۔ اگر یہ ثابت ہو سکے تو بے شک جمعہ
کا دن غلط ہو جائے گا۔ کیونکہ انگریزی مہینہ کی تاریخ صحیح معلوم ہو۔ تو فارمولے سے دن
تعیین بالکل صحیح ہو سکتی ہے۔ اور اگر روایت میں صرف عربی مہینہ اور جمعہ کا دن ہے۔ تو چونکہ
۱۰ محرم کا فیصلہ رویت سے ہوا ہے۔ کوئی فارمولا ایسا نہیں۔ جو اس کے مطابق کی صحیح انگریزی
تاریخ بتا دے۔ فارمولے چاند سورج کی رفتار کے حساب سے بنتے ہیں۔ اور اسلامی مہینوں
کا فیصلہ رویت سے ہوتا ہے۔

عباسی صاحب نے یہ فرض کر لیا ہے کہ ۱۰ اکتوبر اور ۱۰ محرم ایک ہیں۔ کیونکہ کئی سو
برس بعد انگریزی مورخین نے شہادت کی تاریخ ۱۰ اکتوبر لکھنی شروع کر دی۔ اُن کا یہ فیصلہ
تقویم پر منحصر ہے۔ مگر راوی اس انگریزی تاریخ کا ذمہ دار نہیں۔ اُس نے عربی مہینہ کے اعتبار
سے روایت کی ہے۔ انگریزی تاریخ غلط ہو گی۔

فاضل مؤلف خلاصہ بحث کے طور پر آگے چل کر لکھتے ہیں:۔

عربی تاریخوں میں جو روایات ہیں انہیں واقعۂ شہادت کی تاریخ ۱۰ محرم اور جمعہ کا دن ہے
اب لوگوں نے یہ عجیب حرکت کی ہے کہ ۱۰ محرم ۶۱ھ کو ۱۰ اکتوبر ۶۸۰ء کے مطابق مان کر اس
کے مطابق دن نکالا ہے۔ اور یہ دن چونکہ جمعہ نہیں نکلتا۔ لہٰذا روایتوں کی صحت سے انکار کیا
ہے۔ چونکہ انگریزی تاریخ کا دن حساب کے فارمولے سے بالکل صحیح نکل آتا ہے۔ لہٰذا کسی کو اعتراض
کی مجال بھی نہیں ہوتی۔ چنانچہ عباسی صاحب نے بھی یہی عیاری کی ہے۔ بات یہ ہے کہ ان
لوگوں کو پہلے یہ ثابت کرنا چاہیے۔ کہ ۱۰ محرم کو واقعی ۱۰ اکتوبر تھا۔ واقعہ یہ معلوم ہوتا ہے
کہ محض اندازہ سے یا محض تقویم کے اصول سے ۱۰ محرم ۶۱ھ کو ۱۰ اکتوبر ۶۸۰ء کے مطابق کر لیا
اور پھر جب انگریزی تاریخ کے مطابق حساب سے جمعہ نہیں آیا۔ تو کہہ دیا یہ روایت ہی غلط ہے اور
ایک قدم آگے بڑھ کر کہہ دیا کہ یہ سب روایات ہی بے سروپا ہیں۔ عباسی صاحب نے تو تان یہاں تک توڑی

ہے کہ شہادت کا واقعہ ایسا ہے جس کی حقیقت کا صحیح پتہ چل ہی نہیں سکتا۔

متواتر روایات کے مقابلہ میں ایک دو بے سر و پا اقوال واقعہ شہادت کے متعلق اگر کہیں مل گئے تو ان کو بھی بڑے زور شور سے پیش کیا جاتا ہے۔ اس کا بس چلے تو سرے سے واقعہ شہادت سے ہی انکار کر دیں۔

عباسی صاحب کی کتاب تو یہ یقین کرانا چاہتی ہے کہ معز الدولہ نے ۳۵۲ ہجری میں ۱۰ محرم کے ماتم کی بنیاد رکھی، اور جب ہی سے روایات کا انبار لگنا شروع ہو گیا! اگر یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ ماتم حسینؑ کا بانی معز الدولہ تھا۔ تو اس سے یہ کب ثابت ہوتا ہے کہ کربلا کے واقعات کی روایات غلط ہیں سیلاد النبی اس ملک میں حال ہی میں شروع ہوا ہے۔ تو اس کا یہ مطلب ہے کہ اس کی روایات غلط ہیں؟

عباسی صاحب کا خیال ہے کہ کربلا میں امام حسینؑ اور ان کے ساتھیوں پر مظالم نہیں ہوئے پیاسا رہنے اور دیگر مصائب کی داستانیں گھڑنے کیلئے مورخین نے تقریباً ساڑھے سو میل کی منزل جو بیس یوم سے کم میں طے نہیں ہو سکتی تھی تھوڑی سی مدت میں طے کرا دی۔ اور اسی لئے مکہ سے روانگی کی تاریخ ۸ ذی الحجہ گھڑلی گئی۔ لکھتے ہیں:۔

"ابومخنف اور اسی قماش کے دوسرے راویوں کو اس مشکل کا سامنا تھا کہ اگر یہ لوگ روانگی کی صحیح تاریخ یعنی ۱۰ ذی الحجہ کا اظہار کئے دیتے ہیں۔ تو پیش نظر کتب اور طرح کے وحشیانہ مظالم نیز زبردست معرکہ آرائیوں کی ذہنی ور نگذیر روایتوں کو سچ کر دکھانے کی غرض سے حسینی قافلہ کا کربلا کے مقام پر ۱۰ محرم سے چند روز پہلے ہی وارد ہونا کیونکر بتلا سکیں گے۔ اس مشکل کا حل یوں کیا گیا کہ مکہ سے روانگی کی تاریخ اول تو دو دن پہلے کی دکھلائی ہے۔ پھر پہلی دو منزلوں کو ایک دن میں طے کرا دیا گیا۔ اس کے بعد تیس منزلوں کے ناموں کا اخفا کر کے صرف گیارہ بارہ منزلوں کے نام ظاہر کئے گئے۔" (خلافت معاویہ و یزید ۱۶۱)

عباسی صاحب نے اپنا حساب لگا کر امام حسینؑ کو ۱۰ محرم کے دن کربلا پہنچایا اور اسی دن شہید کرا دیا ہے۔ دلائل ایسے مضحکہ خیز دیئے ہیں کہ ان کو کوئی قبول نہیں کر سکتا۔ مثلاً یہ کہ راویوں نے

راستہ کی تمام منزلوں کے نام نہیں بتائے۔ بلکہ بیس منزلوں میں سے صرف چند کے نام بتائے ہیں
لیکن سوال یہ ہے کہ راویوں کو تمام منزلوں کے نام بتانے کی ضرورت کیا تھی؟ جس منزل پر کوئی واقعہ
پیش آیا ہے اس کا تذکرہ واقعہ کے سلسلہ میں آیا ہے۔

یہ ظاہر ہے کہ امام حسینؑ کو عجلت تھی۔ اُن کا کوفہ جلد سے جلد پہنچنا ضروری تھا اس لئے یہ ہو سکتا
ہے۔ کہ انہوں نے تیس دن کا راستہ چوبیس دن یا اس سے بھی کم میں طے کر لیا ہو۔ مکہ سے روانگی کی تاریخ پر
کافی بحث ہو چکی ہے۔ اور اس بارے میں تقویم کی غلطیاں ثابت کی جا چکی ہیں۔ یہ کہنا بھی غلط ہے کہ ...
عربی میل کا فاصلہ تیس دن سے کم میں طے نہیں ہو سکتا۔ یہ تو شاہراہ کا سفر تھا۔ تاریخ میں خالد بن
ولید کا وہ سفر موجود ہے۔ جو فتح شام کے زمانہ میں حیرہ (عراق) سے شام کے ان شہروں تک کیا گیا
تھا جہاں روم کے لشکروں سے مسلمانوں کی جنگ ہو رہی تھی۔ چونکہ یہ سفر راستہ کے دشمنوں سے بچنے کے لئے
بہت پھیر کے ساتھ خطرناک ریگستانوں میں ہو کر کیا گیا تھا۔ اس لئے فاصلہ بہت طویل ہو گیا تھا۔ راستہ اتنا
خطرناک تھا۔ کہ پانچ پانچ روز پانی نہیں ملتا تھا۔ اور اونٹوں کو کاٹ کر اُن کے اندر سے پانی نکال کر استعمال
کیا جاتا تھا۔ ایک جگہ تو خالد نے یہ سمجھ لیا تھا۔ کہ اس کا لشکر اور وہ سب موت سے دوچار ہو گئے تھے
کہ حسنِ اتفاق سے ایک جگہ چشمہ مل گیا۔ اور سارے لشکر کی جان بچ گئی۔ یہ تمام فاصلہ خالد نے صرف
اٹھارہ دن میں طے کر کے دنیا کو حیرت میں ڈال دیا تھا۔ ابنِ اثیر اور دیگر مورخین نے خالد کے اس سفر کو کافی
تفصیل سے دیا ہے۔ مورخ ہتی (HITTI) نے اپنی تاریخ شام ( ) میں اس سفر
کا ایک نقشہ بھی دیا ہے۔ جس سے اندازہ ہوتا ہے۔ کہ راستہ کتنا خطرناک تھا۔

مطلب یہ ہے کہ امام حسینؑ اگر چاہتے تو اس سے بھی جلدی پہنچ سکتے تھے لیکن عورتوں اور
بچوں کی معیت میں اتنی تیز رفتاری کافی تھی کہ ۲ محرم کو کربلا پہنچ گئے۔

حصہ دوم ختم شد

منظور بخاری مارچ سنہ ۱۹۶۲ء

صرف سر ورق کوہ نور پرنٹنگ پریس لاہور-۲ میں چھپا ۔

جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا

سیاستِ معاویہ و یزید

حصہ دوم

بجواب

خلافتِ معاویہ و یزید (محمود احمد عباسی)

جس میں محمود احمد عباسی کے خارجیانہ اندازِ فکر کا مکمل و مدلل جواب قرآن و احادیث اور مسلماتِ تاریخ کی روشنی میں پیش کیا گیا ہے

عمدۃ المحققین سید منظور حسین بخاری اجنالہ ضلع سرگودھا

مؤلف: — توثیقِ فدک — تاریخِ اسلام کا تاریک دور — عبداللہ بن سبا

ناشر

مکتبۃ الناصرین بازار روشن پورہ لاہور